

الشرح الثمیری

على المختصر للقُدوری

۳۶۲ھ - ۲۲۸ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ



حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الثانی

(اس جلد میں ہیں)

کتاب البیوع، باب خيار الشرط، خيار الروية، خيار العيب، بيع الفاسد، الاقالة، المراجعة والتولية، الربوا، السلم، الصرف، كتاب الرهن، الحجر، الاقرار، الاجارة، الشفعة، الشركة، المضاربة، الوكالة، الكفالة، الحوالة، الصلح، الهبة، الوقف، الغضب، الوديعة، العارية، اللقيط، اللقطة، الخشي، المفقود، الابق، احياء الموات، المأذون، المزراعة، المساقاة.

ناشر

جامعۃ روضۃ العلوم، نیا نگر، جہار کھنڈ، انڈیا

﴿ فہرست مضامین الشرح الثمیری ﴾

| نمبر شمار | عنوانات | مسئلہ نمبر کہاں سے کہاں تک ہے | صفحہ نمبر |
|-----------|----------------------------------|-------------------------------|-----------|
| ۱ | خصوصیات الشرح الثمیری | | ۱ |
| ۲ | فہرست مضامین الشرح الثمیری | | ۲ |
| ۳ | کتاب البیوع | ۸۲۰ سے ۹۹۸ تک | ۴ |
| ۴ | باب خيار الشرط | ۸۴۸ سے ۸۵۸ تک | ۲۲ |
| ۵ | باب خيار الروية | ۸۵۹ سے ۸۷۰ تک | ۲۸ |
| ۶ | باب خيار العيب | ۸۷۱ سے ۸۸۱ تک | ۳۴ |
| ۷ | باب البيع الفاسد | ۸۸۲ سے ۸۹۹ تک | ۴۳ |
| ۸ | حكم البيع الفاسد | ۹۰۰ سے ۹۰۹ تک | ۵۴ |
| ۹ | باب الاقالة | ۹۱۰ سے ۹۱۴ تک | ۶۱ |
| ۱۰ | باب المراجعة والتولية | ۹۱۵ سے ۹۳۱ تک | ۹۴ |
| ۱۱ | باب الربوا | ۹۳۲ سے ۹۵۱ تک | ۷۲ |
| ۱۲ | باب السلم | ۹۵۲ سے ۹۷۱ تک | ۸۴ |
| ۱۳ | باب الصرف | ۹۷۲ سے ۹۹۸ تک | ۹۸ |
| ۱۴ | کتاب الرهن | ۹۹۹ سے ۱۰۵۱ تک | ۱۱۰ |
| ۱۵ | کتاب الحجر | ۱۰۵۲ سے ۱۰۹۹ تک | ۱۳۲ |
| ۱۶ | کتاب الاقرار | ۱۱۰۰ سے ۱۱۵۵ تک | ۱۵۳ |
| ۱۷ | احکام استثناء | ۱۱۱۴ سے | ۱۵۸ |
| ۱۸ | کتاب الاجارة | ۱۱۵۶ سے ۱۲۳۴ تک | ۱۷۷ |
| ۱۹ | کتاب الشفعة | ۱۲۳۵ سے ۱۳۰۲ تک | ۲۱۸ |
| ۲۰ | کتاب الشركة | ۱۳۰۳ سے ۱۳۳۸ تک | ۲۴۵ |
| ۲۱ | کتاب المضاربة | ۱۳۳۹ سے ۱۳۶۹ تک | ۲۶۲ |
| ۲۲ | کتاب الوكالة | ۱۳۷۰ سے ۱۴۱۷ تک | ۲۷۵ |
| ۲۳ | کتاب الکفالة | ۱۴۱۸ سے ۱۴۵۱ تک | ۲۹۹ |

| نمبر شمار | عنوانات | مسئلہ نمبر کہاں سے کہاں تک ہے | صفحہ نمبر |
|-----------|-------------------|-------------------------------|-----------|
| ۲۴ | کتاب الحوالۃ | ۱۴۵۲ سے ۱۴۵۹ تک | ۳۱۷ |
| ۲۵ | کتاب الصلح | ۱۴۶۰ سے ۱۴۸۹ تک | ۳۲۲ |
| ۲۶ | کتاب الہیۃ | ۱۴۹۰ سے ۱۵۲۹ تک | ۳۳۹ |
| ۲۷ | عمری کا بیان | ۱۵۲۰ سے ۱۵۲۲ تک | ۳۵۳ |
| ۲۸ | صدقہ کا بیان | ۱۵۲۳ سے ۱۵۲۹ تک | ۳۵۵ |
| ۲۹ | کتاب الوقف | ۱۵۳۰ سے ۱۵۵۰ تک | ۳۵۹ |
| ۳۰ | کتاب الغصب | ۱۵۵۱ سے ۱۵۷۵ تک | ۳۷۲ |
| ۳۱ | کتاب الودیعۃ | ۱۵۷۶ سے ۱۵۹۱ تک | ۳۸۶ |
| ۳۲ | کتاب العاریۃ | ۱۵۹۲ سے ۱۶۰۷ تک | ۳۹۴ |
| ۳۳ | کتاب الملقط | ۱۶۰۸ سے ۱۶۱۹ تک | ۴۰۰ |
| ۳۴ | کتاب اللقطۃ | ۱۶۲۰ سے ۱۶۳۶ تک | ۴۰۴ |
| ۳۵ | کتاب الخشی | ۱۶۳۷ سے ۱۶۴۹ تک | ۴۱۳ |
| ۳۶ | کتاب المفقود | ۱۶۵۰ سے ۱۶۵۶ تک | ۴۲۰ |
| ۳۷ | کتاب الالباق | ۱۶۵۷ سے ۱۶۶۱ تک | ۴۲۳ |
| ۳۸ | کتاب احیاء الموات | ۱۶۶۲ سے ۱۶۷۲ تک | ۴۲۵ |
| ۳۹ | کتاب المأذون | ۱۶۷۳ سے ۱۶۹۸ تک | ۴۳۲ |
| ۴۰ | کتاب المزراعۃ | ۱۶۹۹ سے ۱۷۱۸ تک | ۴۴۱ |
| ۴۱ | کتاب المساقاۃ | ۱۷۱۹ سے ۱۷۲۵ تک | ۴۵۰ |



﴿ کتاب البیوع ﴾

[۸۲۰] (۱) البیع ینعقد بالایجاب والقبول اذا كانا بلفظ الماضي.

﴿ کتاب البیوع ﴾

ضروری نوٹ: بیع: باع بیع بیع سے مشتق ہے، بیچنا۔ مال کو مال کے بدلے میں دینا۔ ماخذ اشتقاق باع ہے۔ بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے چاہے خریدنے والا پہلے ایجاب کرے چاہے بیچنے والا پہلے ایجاب کرے۔ بیع جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے واحل الله البيع وحرم الربوا (الف) (آیت ۲۷۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیع جائز ہے۔

نوٹ: کتاب البیوع معاملات میں سے ہے۔ اس لئے ان میں بہت سے مسئلے تعامل الناس پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان مسائل کے لئے حدیث یا قول صحابی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ مسائل صرف اصول پر متفرع ہیں۔ البتہ اصول متبعین ہونے کے لئے حدیث یا قول صحابی پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۸۲۰] (۱) بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے جبکہ دونوں فعل ماضی کے صیغے سے ہوں۔

تشریح: بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے یعنی ایک آدمی کہے کہ میں نے خریدا اور دوسرا آدمی کہے کہ میں نے بیچ دیا تو اس ایجاب اور قبول سے بیع منعقد ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ فعل ماضی کے ہوں۔

وجہ: (۱) فعل ماضی کے استعمال کرنے سے بات پکی ہوتی ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں یا فعل ماضی ہے یا فعل مضارع ہے اور فعل مضارع کا ترجمہ حال ہے یا استقبال، پس اگر استقبال کے معنی لے لے تو بیچنے یا خریدنے کا صرف وعدہ ہوگا، باضابطہ بیچنا اور خریدنا نہیں ہوگا اس لئے بات پکی کرنے کے لئے فعل ماضی ہی کا صیغہ استعمال کرنا ہوگا (۲) حدیث میں ہے قال لی العداء بن خالد بن هوذہ الا اقرئک کتابا کتبہ لی رسول اللہ قال قلت بلی فاخرج لی کتابا ہذا ما اشتری العداء بن خالد بن هوذہ من محمد رسول اللہ ﷺ اشتری منه عبدا او امة لاداء ولا غائلة ولا خبثۃ (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کتابتہ الشروط ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۶) اس حدیث میں اشتری فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تاکہ بات پکی ہو۔ پھر خرید و فروخت کو لکھ لیا گیا تاکہ اور پکے ہو جائیں (۳) اور ایک حدیث میں فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے عن انس بن مالک ان رسول اللہ باع حلسا و قدحا وقال من یشتری هذا الحلس والقدر؟ فقال رجل اخذتہما بدرہم (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع من یرید ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث میں خریدنے والے نے اخذتہما بدرہم کہا ہے اور فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس لئے بیع میں فعل ماضی استعمال کرنا ضروری ہے

اصول: معاملات میں بات پکی ہونا ضروری ہے (۲) بیع اور شراء فعل ماضی کے صیغے سے ادا کرے، اور ایجاب اور قبول ہو اس کی وجہ یہ ہے

حاشیہ: (الف) اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے (ب) مجھے عداء بن خالد بن هوذہ نے فرمایا کیا میں آپ کے سامنے ایسا خط نہ پڑھوں جس کو میرے لئے لکھوایا ہے۔ میں نے کہا ہاں! تو ایک خط نکالا (جس میں یہ لکھا تھا) یہ وہ ہے کہ عداء بن خالد بن هوذہ نے محمد سے غلام یا باندی خریدی جس میں بیماری نہیں، دھوکہ نہیں اور خباثت نہیں (ج) حضورؐ نے جھول اور پیالہ بیچا، فرمایا اس جھول اور پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک نے کہا ان دونوں کو ایک درہم کے بدلے میں نے خریدا۔

[۸۲۱] (۲) فاذا اوجب احد المتعاقدين البيع فالآخر بالخيار ان شاء قبل في المجلس وان شاء رده [۸۲۲] (۳) فايهما قام من المجلس قبل القبول بطل الايجاب.

کہ بائع اور مشتری کی رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوگی اور اس رضامندی کا اظہار ایجاب اور قبول سے ہوگا۔ اس لئے ایجاب اور قبول کی ضرورت ہے۔ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے عن ابن عمر قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر ... فقال النبی لعمر بعنیه قال هو لک یا رسول اللہ ﷺ (الف) (بخاری شریف، باب اذا اشتری شیئا فوهب من ساعته قبل ان یتفرقا ص ۲۸۴ نمبر ۲۱۱۵) اس حدیث میں حضورؐ نے بعنیه کہہ کر ایجاب کیا اور حضرت عمرؓ نے ہو لک یا رسول اللہ کہہ کر قبول کیا۔ اس لئے بیع میں ایجاب اور قبول ضروری ہیں۔

نوٹ اگر بائع بیع دیدے اور مشتری لے لے اور قیمت معلوم ہو اور کچھ ایجاب و قبول نہ کرے تو یہ بیع تعاطی ہے۔ اس سے بھی بیع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رضامندی ہوگئی اور دلالت ایجاب اور قبول ہو گئے۔

[۸۲۱] (۲) پس جبکہ خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ایک نے بیع کا ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے مجلس میں قبول کرے اور اگر چاہے تو اس کو رد کر دے۔

تشریح ایک کے بیع کے ایجاب کرنے کے بعد دوسرے کو اختیار ہے چاہے اس کو قبول کرے چاہے اس کو رد کر دے لیکن قبول کرنے کا اختیار مجلس باقی رہنے تک ہی ہوگا۔ اگر مجلس ختم ہوگئی تو اب قبول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

مذہب مجلس چاہے کتنی لمبی ہو اس کو جمع للمنفقات قرار دیا ہے۔ کیونکہ فوراً قبول کرنے کی شرط لگا دے تو قبول کرنے والے کو سوچنے کا موقع نہیں ہوگا، اور مجلس کے بعد قبول کرنے کا اختیار ہو تو ایجاب کرنے والے کو بہت انتظار کرنا ہوگا جس سے حرج پیدا ہوگا۔ اس لئے دونوں کے درمیان کی چیز مجلس کو قبول کرنے کا معیار شریعت نے رکھا۔ اس قبول کو اختیار قبول کہتے ہیں (۲) اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے بعنیه کہا اور حضرت عمرؓ نے مجلس ہی میں ہو لک یا رسول اللہ کہہ کر قبول کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس میں ہی قبول کرے۔

نوٹ اگر مجلس کے بعد قبول کیا اور ایجاب کرنے والے نے اس کو مان لیا تب بھی بیع ہو جائے گی کیونکہ رضامندی ہوگئی۔

نوٹ خط میں اور کسی کو پیغام بھیجنے میں خط کے پہنچنے کی مجلس اور پیغام کے پہنچنے کی مجلس کا اعتبار ہے کہ اس مجلس میں مرسل الیہ نے قبول کر لیا تو بات طے ہو جائے گی۔

اصول مجلس تک قبول کر سکتا ہے اس کے بعد نہیں۔

[۸۲۲] (۳) بائع اور مشتری میں سے جو بھی قبول سے پہلے مجلس سے اٹھ جائیں گے تو ایجاب باطل ہو جائے گا۔

مذہب چونکہ قبول کرنے کا اختیار مجلس تک ہی تھا اس لئے مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کا اختیار نہیں ہوگا اور ایجاب ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ مجلس سے

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ میں حضرت عمر کے ایک جوان اونٹ پر سوار تھا۔ حضورؐ نے عمرؓ سے فرمایا اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ وہ آپ کے لئے ہے۔

[۸۲۳] (۴) فاذا حصل الايجاب والقبول لزم البيع ولا خيار لو احدى منهما الا من عيب او

اٹھ جانا ایجاب سے اعراض کرنے کی دلیل ہے۔

نوٹ ہر وہ عمل جو اعراض پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی مجلس ختم ہو جائے گی اور ایجاب باطل ہو جائے گا۔ مثلاً ایجاب کے بعد قبول کرنے والا مجلس ہی میں کسی اور کام میں مشغول ہو گیا تو ایجاب کی مجلس ختم ہو جائے گی۔

اصول اعراض سے مجلس ختم ہو جاتی ہے۔

[۸۲۳] (۴) پس جب ایجاب اور قبول حاصل ہو جائے تو بیع لازم ہو جائے گی اور بائع اور مشتری دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار نہیں ہوگا۔ مگر عیب اور نہ دیکھنے کی وجہ سے۔

تشریح بائع اور مشتری دونوں نے ایجاب قبول کر لئے اب بیع مکمل ہو گئی۔ چاہے مجلس موجود ہو پھر بھی کسی کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہے ہاں! بیع میں عیب ہو یا بیع کو دیکھا نہ ہو تو اختیار عیب اور اختیار رویت کی وجہ سے بیع توڑنے کی اجازت ہوگی۔ مجلس باقی رہنے کی وجہ سے اختیار مجلس کی بنیاد پر بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا، یعنی حنفیہ کے نزدیک اختیار مجلس کسی کو نہیں ہوگا۔

مج حدیث میں عن حکیم بن حزام قال قال رسول الله البیعان بالخیار ما لم یتفرقا (الف) (بخاری شریف، باب اذا بین البیعان ولم یکتموا نصحا ص ۲۷۹ نمبر ۲۰۷۹ مسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبايعین ج ثانی ص ۳۱ نمبر ۱۵۳۱ ابوداؤد شریف نمبر ۳۳۵۹ ترمذی شریف نمبر ۱۲۴۶) اس حدیث میں ہے کہ بائع اور مشتری کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا جب تک تفرق نہ کرے یعنی قبول نہ کرے۔ تفرق کا ترجمہ قبول کرنا اور بات پر بات جمانا ہے۔ جب ایجاب کے بعد قبول کر لیا تو بیع مستحکم ہو گئی اب توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا چاہے بیع کی مجلس برقرار ہو۔ حضرت عمرؓ نے تفرق کی یہی تفسیر کی ہے وقال عمر البیع عن صفقة او خیار (ب) مصنف عبدالرزاق، باب البیان بالخیار ما لم یتفرقا ج ثامن ص ۵۳ نمبر ۱۳۲۷ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۹ من کان یوجب البیع اذا تکلم به، ج رابع، ص ۵۰۷، نمبر ۲۲۵۶۹ حضرت سفیان نے بھی تفرق کی یہی تفسیر کی ہے قال سفیان والصفقة باللسان (ج) مصنف عبدالرزاق ج ثامن ص ۵۳ نمبر ۱۳۲۷ کہ بیع زبان سے طے ہو جائے گی (۲) حدیث میں المتبايعان (بیع کرنے والے) ہے۔ اور بیع کرنے والے اسی وقت کہے جاتے ہیں جب ایجاب اور قبول کر رہے ہوں۔ اور اسی حالت میں ان کو نہ قبول کرنے کا یا قبول سے پہلے ایجاب کرنے والے کو اپنی بات واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ اور جب قبول کر لیا تو متبايعان کی صفت ختم ہو گئی اس لئے حدیث کی رو سے اب ان کو بات واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ عن ابی ہریرة قال قال رسول الله ﷺ البیعان بالخیار ما لم یتفرقا من بیعہما (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۸ من قال البیعان بالخیار ما لم یتفرقا ج رابع، ص ۵۰۶، نمبر ۲۲۵۶۹)

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کی رائے ہے کہ قبول کرنے کے بعد اور بیع مکمل ہونے کے بعد بھی مجلس بیع موجود ہو تو دونوں کو اپنی اپنی بات واپس

حاشیہ: (الف) پ نے فرمایا بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب قبول کا تفرق نہ ہو یعنی قبول نہ کر لے یا جب تک دونوں جدا نہ ہوں (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا بیع صفقہ سے پوری ہو جاتی ہے یعنی قبول کرنے سے، یا بیع کو اختیار کرنے سے پوری ہو جاتی ہے (ج) حضرت سفیان نے فرمایا زبان سے صفقہ ہو تو بیع پوری ہو جائے گی۔

عدم روية [۸۲۴] (۵) والاعواض المشار اليها لا يحتاج الى معرفة مقدارها في جواز

لینے اور بیع توڑنے کا اختیار ہوگا اور دونوں کو اختیار مجلس ہوگا۔

مجاہد وہ بھی اور ہر کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مالم یفرق سے مراد تفرق بالابدان ہے۔ یعنی جسمانی طور پر دونوں جدا ہو جائیں اس وقت تک دونوں کو اپنی اپنی بات واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ چنانچہ اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن عمر یہ کہتے تھے کہ کسی چیز کو خریدنے کے بعد اگر اس بیع کو توڑنے کا ارادہ نہ ہو تو کھڑے ہو کر تھوڑا سا چل لیتے تھے تاکہ مجلس بدل جائے اور بائع کو اختیار مجلس کے تحت بیع کو توڑنے کا اختیار نہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ خود راوی تفرق سے تفرق بالاقوال نہیں بلکہ تفرق بالابدان مراد لیتے تھے۔ روایت ہے کہ زاد ابن عمر فی روایتہ قال نافع فکان اذا باع رجلا فاراد ان لا یقیله قام فمشی ھنیئة ثم رجع الیہ (الف) مسلم شریف، باب ثبوت خیاری المجلس للمتبايعین ص ۳۱ نمبر ۱۵۳۱/۱ ابوداؤد شریف، باب فی خیاری المتبايعین ج ثانی ص ۱۳۳، نمبر ۳۴۵۷ اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمر تھوڑا چل لیتے تاکہ مجلس بدل جائے اور بائع کو بیع توڑنے کا اختیار نہ رہے۔

اصول حنفیہ کے نزدیک خیاری مجلس کا حق نہیں ہوتا۔

[۸۲۴] (۵) بدلے کی چیز جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو بیع کے جائز ہونے میں اس کی مقدار پہچاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح الاعواض سے مراد ہے بیع یا شمن جو بدلے میں دیئے جاتے ہیں۔ اگر بیع یا شمن سامنے موجود ہو اور بیع کے وقت اس کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو اس کی مقدار کتنی ہے، کتنے کیلو ہے یا کتنی تعداد ہے بیع کے جائز ہونے میں اس کو جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے متعین کئے بغیر بھی بیع جائز ہو جائے گی۔

مجاہد پچھلے زمانے میں کوئی چیز سامنے ہو تو اس کی مقدار جانے بغیر بیع کر لیا کرتے تھے۔ کیونکہ مشتری اس کو اسی حال میں خریدنے کے لئے راضی ہے۔ اور جہاں تک اچھا یا خراب ہونے کی بات ہے تو مشتری خود اس کو آنکھوں سے دیکھ کر خرید رہا ہے اور اس پر راضی ہے۔ اس لئے بیع ہو جائے گی حدیث میں ہے سمعت ابا ہریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ لا یفتقرن اثنان الا عن تراض (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی خیاری المتبايعین ج ثانی ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۸) معلوم ہوا کہ چیز سامنے ہو اور رضامندی سے خرید رہا ہو تو بیع جائز ہے۔ انکل سے بیع بیچنے کی دلیل حدیث میں ہے ان ابن عمر قال رایت الناس فی عہد رسول اللہ ﷺ یتاعون جزا فافا یعنی الطعام (ج) (بخاری شریف، باب من رای اذا اشتري طعاما جزا فافا، ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۷/۲ مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ج ثانی ص ۵ نمبر ۳۸۴۷/۱۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع سامنے ہو تو انکل سے بیچ سکتا ہے چاہے مقدار کا پتہ نہ ہو۔

اصول بیع کے لئے غائب چیز کی مقدار اور صفت بیان کی جاتی ہے۔ موجود کی نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر جب کسی سے بیع کرنے اور اقالہ کرتے کی نیت نہ ہوتی تو کھڑے ہو کر چلتے پھر واپس لوٹ آتے تاکہ خیاری مجلس سے بیع توڑ نہ دے (ب) آپ نے فرمایا دونوں آدمی جدا نہ ہوں مگر رضامندی کے ساتھ (ج) عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو حضور کے زمانے میں دیکھا وہ غلوں کو انکل سے بیچتے تھے۔

البيع [۸۲۵] (۶) والاثمان المطلقة لا تصح الا ان تكون معروفة القدر والصفة [۸۲۶]
(۷) ويجوز البيع بضمن حال و مؤجل اذا كان الاجل معلوما.

لغت الاعراض : عوض کی جمع ہے بدلے کی چیز، یہاں بیع یا ثمن مراد ہے۔

[۸۲۵] (۶) اور مطلق ثمن نہیں صحیح ہے اس سے بیع مگر یہ کہ مقدار معلوم ہو اور صفت معلوم ہو۔

تشریح وہ ثمن اور قیمت جو سامنے نہ ہو بلکہ غائب ہو اور اس کی طرف اشارہ نہ کیا جا رہا ہو، اس کی مقدار کہ کتنے کیلو ہیں یا کتنے لیٹر ہیں یا کتنی تعداد ہے اور صفت یعنی اچھا ہے یا خراب ہے معلوم نہ ہو اس وقت تک اس سے بیع کرنا جائز نہیں ہے۔

مجموعہ جو چیز سامنے نہ ہو اس کو بائع دیکھ کر رضامندی کا اظہار نہیں کر سکے گا۔ اس لئے اس میں دھوکہ ہے۔ اس لئے اس سے بیع جائز نہیں۔

حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قدم النبي ﷺ المدينة وهم يسلفون بالشمير الستين والثلاث فقال من

اسلف في شيء ففني كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم (الف) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر

۲۲۴۰) مسلم شریف ج ثانی ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بیع یا ثمن سامنے موجود نہ ہو اس کا کیل یا وزن اور مدت معلوم ہو

تب بیچنا خریدنا جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ (۲) رضامندی کے بغیر بیع جائز نہیں ہوگی اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۵ میں حدیث ابوداؤد شریف نمبر ۳۴۵۸

گزری۔ (۳) اور جس میں دھوکہ ہو اس ثمن یا بیع سے بیع جائز نہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرة قال نهی رسول الله

ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر (ب) (مسلم شریف، باب بطلان بیع الحصة والبيع الذی فیہ غرر ج ثانی ص ۱۵۱۳ نمبر ۱۸۱۳ ابوداؤد

شریف، باب فی بیع الغرر ج ثانی ص ۲۳ نمبر ۳۳۷۶) اس سے معلوم ہوا کہ جس بیع میں دھوکہ ہو وہ جائز نہیں۔ چیز معلوم نہ ہو تو اس کی بیع جائز

نہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله عن رسول الله ﷺ انه نهی عن بيع حبل الحبله (ج) (مسلم شریف، باب تحریم

بیع حبل الحبله ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۴ بخاری شریف، باب بیع الغرر وحبل الحبله ص ۲۸ نمبر ۲۱۴۳) اس حدیث میں حاملہ جانور کے اندر کا بچہ

دیکھا نہیں جاسکتا۔ اس کی صفت مجہول ہے اور مقدار بھی معلوم نہیں ہے اس لئے اس کو بیچنا ناجائز قرار دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس

غائب کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو اس کو بیچنا یا اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں۔

اصول غائب ثمن کی مقدار اور صفت بیان کرنا ضروری ہے (۲) دھوکہ کی چیز نہ بیع بن سکتی ہے اور نہ ثمن۔

لغت الاثمان المطلقة : جو ثمن غائب ہو یا اس کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو۔ القدر : مقدار مثلاً کتنے کیلو ہیں۔

[۸۲۶] (۷) بیع نقد ثمن سے بھی جائز ہے اور ادھار ثمن سے بھی جائز ہے جبکہ تاریخ متعین ہو۔

مجموعہ ثمن ادا کرنے کی تاریخ متعین نہ ہو تو مشتری ثمن ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے گا اور جھگڑا کرے گا۔ اس لئے بیع کے وقت ہی ثمن دینے

کی تاریخ متعین کر لے (۲) دونوں طرح اس لئے جائز ہے کہ آیت میں مطلق بیع کرنے کے لئے کہا ہے۔ آیت ہے احل الله البيع

حاشیہ : (الف) حضور مدینہ تشریف لائے تو لوگ دو سال اور تین سال تک ادھار بیع کیا کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا جو کسی چیز کی ادھار بیع کرے تو اس کی کیل معلوم

ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو (ب) آپؐ نے نکتری مار کر بیع کرنے سے اور دھوکے کی بیع سے روکا (ج) آپؐ نے حاملہ جانور کے حمل کو بیچنے سے منع فرمایا۔

[۸۲۷] (۸) ومن اطلق الثمن فی البیع کان علی غالب نقد البلد فان كانت النقود مختلفة فالبیع فاسد الا ان یبین احدها [۸۲۸] (۹) ویجوز بیع الطعام والحبوب کلها مکائلة و

وحرم الربوا (آیت ۲۷۵ سورة البقرة ۲) اس میں ادھار اور نقد کی قید نہیں لگائی ہے اس لئے نقد اور ادھار دونوں طرح سے بیع جائز ہوگی (۳) ادھار ثمن سے بیع کرنے کی دلیل اس حدیث میں ہے عن عائشة ان النبی اشتری طعاما من یہودی الی اجل ورهنه درعا من حديد (الف) (بخاری شریف، باب شراء النبی ﷺ بالنسیئة ۲۷۷ نمبر ۲۰۶۸ ترمذی شریف، باب ما جاء فی الرخصة فی الشراء الی اجل ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادھار ثمن کے ساتھ بیع خرید سکتا ہے۔ مدت متعین ہو اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں بخاری شریف نمبر ۱۲۲۴۰ اور مسلم شریف نمبر ۱۶۰۴ کی حدیث گزر گئی۔

اصول دھوکہ نہ ہو اس لئے ثمن ادا کرنے کی تاریخ متعین ہونا ضروری ہے۔

نوٹ اگر تاریخ متعین نہیں کی اور بعد میں جھگڑا بھی نہیں ہوا تو بیع جائز ہو جائے گی۔ اوپر کی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

لغت مؤجل : مؤخر۔ الاجل : مدت۔

[۸۲۷] (۸) جس نے بیع میں ثمن مطلق رکھا تو وہ شہر کے غالب نقد پر ہوگا۔ پس اگر نقد مختلف ہوں تو بیع فاسد ہوگی مگر یہ کہ ایک نقد کو بیان کر دے۔

تشریح شہر میں کئی قسم کے سکے رائج ہوں اور بیع کرتے وقت کسی ایک کو متعین نہیں کیا تو اگر کسی ایک سکے کا رواج زیادہ ہو تو وہی سکہ مراد ہوگا۔ **وجہ** کیونکہ جس سکے کا رواج زیادہ ہوتا ہے بیع کرتے وقت دونوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے۔ اس لئے وہی مراد ہوگا اور بیع جائز ہو جائے گی۔ لیکن اگر تمام ہی سکوں کا رواج برابر ہے اور ہر ایک کی مالیت مختلف ہے تو اب جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ بائع اعلیٰ سکہ طلب کرے گا اور مشتری ادنیٰ سکہ دینا چاہے گا۔ اور کوئی سکہ متعین نہیں ہے اس لئے نزاع ہوگا۔ اس لئے بیع فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے کوئی ایک سکہ کی نشان دہی کر دی جائے تو وہی سکہ متعین ہو کر بیع جائز ہو جائے۔

اصول تعین نہ ہوتے وقت غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔

لغت نقد البلد : شہر کا سکہ۔

[۸۲۸] (۹) جائز ہے کھانے اور غلوں سب کو بیچنا کیل کر کے اور اٹکل سے اور متعین برتن سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو یا متعین پتھر کے وزن سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تشریح جو بیع سامنے موجود ہو اور غلہ اور کھانے کی جنس سے ہو، درہم اور دنانیر نہ ہوں تو اس کو چار طریقوں سے بیچنا جائز ہے جن کا تذکرہ متن میں ہے (۱) برتن میں کیل کر کے بیچے (۲) اٹکل سے ویسے ہی بیچ دے یہ بھی جائز ہے (۳) ایک برتن ہے جس کا وزن یا کیل معلوم نہیں ہے کہ اس میں کتنے گیہوں سماتے ہیں لیکن بائع اور مشتری کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ ایک برتن کے بدلے پانچ پونڈ دوں گا تو بیع جائز ہو جائے

حاشیہ : (الف) آپ نے یہودی سے ایک مدت تک کے لئے غلہ خریدا اور اس کے بدلے لوہے کی زرہ رہن رکھی۔

مجازفة وباناء بعینه لا یعرف مقدارہ او بوزن حجر بعینه لا یعرف مقدارہ [۸۲۹] (۱۰)
ومن باع صبرة طعام کل قفیز بدرهم جاز البیع فی قفیز واحد عند ابی حنیفة رحمہ اللہ

گی۔ مقدار کی جہالت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

مجا کیونکہ بیع سامنے موجود ہے اس لئے اس کی مقدار نہ بھی معلوم ہو صرف اٹکل سے بیچتے تب بھی جائز ہے (۴) اسی طرح ایک پتھر ہے جس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ کتنے کیلو وزن کا یہ پتھر ہے پھر بھی دونوں کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ ہر پتھر وزن کے بدلے پانچ پونڈ دوں گا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

مجا (۱) جب اٹکل سے بیچنا جائز ہے تو اس طرح بھی بیچنا جائز ہوگا (۲) اٹکل سے بیچنے کی حدیث یہ ہے ان ابن عمر قال لقد رايت الناس فی عهد رسول اللہ ﷺ یتناعون جزافا یعنی الطعام یضربون ان یشیعوا فی مکانهم حتی یؤوہ الی رحالهم (الف) (بخاری شریف، باب من رای اذا اشتری طعاما جزافا ان لا یشیع حتی یؤوہ الی رحالہ ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۷ مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ج ثانی ص ۱۵۲ نمبر ۱۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اٹکل سے کھانا اور غلہ بیچنا جائز ہے اور اس وقت اٹکل سے نہیں بیچتے تھے جب تک کجاوے تک غلہ نہ آجائے اس سے معلوم ہوا کہ غلہ سامنے موجود ہو تب ہی اٹکل سے بیچ سکتا ہے۔ اور سامنے موجود نہ ہو تو اس کی مقدار اور صفت کا متعین ہونا ضروری ہے۔ جیسے بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث گزری من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم الی اجل معلوم (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰ مسلم شریف نمبر ۱۶۰۴) نوٹ حدیث میں طعام کے لفظ سے یہ بھی پتہ چلا کہ درہم اور دنانیر کو بغیر وزن کئے ہوئے بیچتے تو اس میں تفصیل ہے۔

نکتہ مکایلة : کیل کر کے۔ مجازفة : اٹکل سے۔

[۸۲۹] (۱۰) کسی نے کھانے کا ڈھیر بیچا ہر قفیز ایک درہم کے بدلے میں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک قفیز کی بیع ہوگی اور باقی میں باطل ہوگی مگر یہ کہ تمام قفیز متعین کر دے۔ اور صاحبین نے فرمایا دونوں سورتوں میں بیع جائز ہے۔

تشریح غلے کا ڈھیر ہے لیکن پورے غلے کی قیمت بیک وقت نہیں لگائی اور نہ یہ معلوم ہے کہ ڈھیر میں کتنے قفیز غلہ ہے اور اس کی مجموعی قیمت کتنے پونڈ ہیں۔ یہ تو ناپنے کے بعد معلوم ہوگا کہ کتنے قفیز ہیں اور اس کی مجموعی قیمت کتنی ہوئی۔ ایسی صورت میں بائع کہتا ہے کہ ہر قفیز ایک درہم کا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف ایک قفیز کی بیع فی الحال ہوگی۔

مجا ابھی پورے ڈھیر کی نہ مقدار معلوم ہے اور نہ اس کی مجموعی قیمت معلوم ہے اس لئے اقل درجے کی طرف پھیرا جائے گا اور ایک قفیز کی بیع ہوگی اسی پر جھگڑا ہو جائے تو قانونی حیثیت سے ایک قفیز ہی لینا ہوگا۔

نوٹ پورا ڈھیر ناپ دے اور اس کی مجموعی قیمت گنا دے اور اس پر بعد میں بائع مشتری راضی ہو جائے تو اب پورے ڈھیر کی بیع ہوگی۔ امام

حاشیہ : (الف) میں نے لوگوں کو حضور کے زمانے میں اٹکل سے غلہ خریدتے اور بیچتے دیکھا اور کھجور اس کی جگہ میں بیچنے سے احتراز کرتے تھے یہاں تک کہ وہ کجاوے تک نہ پہنچ جائے۔

وبطل فی الباقي الا ان یسمى جملة قفزاتها وقال ابو یوسف و محمد یصح فی الوجهین [۸۳۰] (۱۱) ومن باع قطع غنم کل شاة بدرهم فالبیع فاسد فی جمیعها

ابوحنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ ایجاب و قبول سے پہلے پوری بیع اور اس کی پوری قیمت معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ ایجاب کے وقت جہالت نہ رہے۔ پورے ڈھیر کی مقدار کی جہالت ہو تو بیچنا ممنوع ہے اس کا ثبوت حدیث میں ہے سمعت جابر بن عبد اللہ یقول نہی رسول اللہ عن بیع الصبرة من التمر لا یعلم مکیلها بالکیل المسمى من التمر (الف) مسلم شریف، باب تحریم بیع صبرة التمر المجولة القدر۔ ترمذی ص ۶ نمبر ۱۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو تو اس کو کھجور کے بدلے نہ بیچتے تاکہ ربوانہ ہوتا ہم اس کا بھی ثبوت ہوا کہ ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو تو جہالت کی وجہ سے پورے ڈھیر کی بیع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ مر برجل یبیع طعاما فسأله کیف تبیع فاخبرہ فاوحی الیہ ان ادخل یدک فیہ فادخل یدہ فیہ فاذا هو مبلول فقال رسول اللہ ﷺ لیس منا من غش (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی النھی عن الغش ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۲ ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع ص ۲۴۵ نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث میں بھیگا ہوئے گیہوں نیچے تھے اور صفت کی جہالت تھی تو آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے قبول کے وقت ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو اور اس کی مجموعی قیمت معلوم نہ ہو تو پورے ڈھیر کی بیع نہیں ہوگی۔

اصول قبول کے وقت بیع کی مقدار اور اس کی قیمت معلوم ہونا ضروری ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ناپ کر پورے ڈھیر کی مقدار اور اس کی مجموعی قیمت کا معلوم کرنا بائع اور مشتری کے ہاتھ میں ہے۔ وہ فوراً ناپ لیں گے اور مجموعی قیمت معلوم کر لیں گے اور مجلس ختم ہونے سے پہلے یہ کام ہو جائے گا تو کوئی جھگڑا نہیں ہوگا اس لئے ان کے نزدیک قبول سے پہلے پورے ڈھیر کی مقدار بیان کر دے تب بھی پورے ڈھیر کی بیع ہوگی۔ اور پورے ڈھیر کی مقدار نہ بتائے تب بھی پورے ڈھیر کی بیع ہو جائیگی۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ مجلس ختم ہونے سے پہلے ڈھیر کی مقدار اور اس کی مجموعی قیمت معلوم ہو جانے کا امکان ہو تب بھی جواز بیع کے لئے کافی ہے۔

لغت صبرة : ڈھیر۔ قفیز : ناپنے کا ایک پیمانہ اس کی جمع قفزان ہے۔

[۸۳۰] (۱۱) کسی نے بکری کا ریوڑ بیچا اس طرح کہ ہر بکری ایک درہم کی تو تمام ہی بکری میں بیع فاسد ہے۔

مجا بکری میں تفاوت ہے کوئی موٹی ہے کوئی دلی ہے اس لئے اوپر کے قاعدے کے اعتبار سے اگر ایک بکری کی بیع جائز قرار دیں تو جھگڑا ہوگا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے کھجور کے اس ڈھیر کو بیچنے سے روکا جس کا کیل معلوم نہ ہو کیل کے ذریعہ متعین کھجور کے بدلے میں، یعنی کھجور کے متعین کیل کے بدلے میں ایسے ڈھیر کو بیچنا جس کا کیل معلوم نہ ہو اس سے منع فرمایا (ب) حضورؐ ایسے آدمی کے سامنے سے گزرے جو گیہوں بیچ رہے تھے، آپؐ نے پوچھا کیسے بیچ رہے ہو تو انہوں نے حضورؐ کو بتایا۔ آپؐ ﷺ وحی آئی کہ اپنے ہاتھ کو گیہوں میں داخل کرے۔ تو آپؐ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو گیہوں بھیگے ہوئے تھے۔ پس آپؐ نے فرمایا جو دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

[۸۳۱] (۱۲) و كذلك من باع ثوبا مزارعة كل ذراع بدرهم ولم يسم جملة الذرعان [۸۳۲] (۱۳) ومن ابتاع صبرة طعام على انها مائة قفيز بمائة درهم فوجدها اقل من ذلك كان المشتري بالخيار ان شاء اخذ الموجود بحصته من الثمن وان شاء فسخ

، بائع دہلی دینا چاہے گا اور مشتری موٹی لینا چاہے گا۔ اس لئے ایک بکری بھی کی بیع نہیں ہوگی۔ اور پورے ریوڑ کی بیع اسلئے نہیں ہوگی کہ تمام ریوڑ کی تعداد معلوم نہیں اور نہ پورے ریوڑ کی بیع ہوئی ہے۔ اور گیہوں کے ڈھیر میں ایک قفیز کی بیع اس لئے جائز ہوگئی تھی کہ گیہوں میں تفاوت نہیں تمام گیہوں برابر ہیں اس لئے ایک قفیز جائز قرار دینے میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

اصول افراد میں تفاوت ہو اور مجموعہ کی بیع نہ ہو تو تفاوت کی وجہ سے ایک فرد کی بھی بیع نہیں ہوگی۔

نکتہ قطیع : بکریوں کا مجموعہ، بکریوں کا ریوڑ۔

[۸۳۱] (۱۲) کسی نے کپڑا بیچا گزوں کے حساب سے، ہر گز ایک درہم کا اور تمام گز بیان نہیں کئے تو ایسے ہی کسی گز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ **تشریح** کپڑے کے تھان میں تفاوت تھا۔ ہر گز الگ الگ انداز کا تھا۔ اور پورے تھان میں کتنے گز ہیں یہ بیان نہیں کیا اور نہ پورے تھان کی بیع کی اور یوں کہا کہ ہر ایک گز ایک درہم کا تو پورے تھان کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ نہ اس کی پوری مقدار معلوم ہے اور نہ مجموعی قیمت معلوم ہے۔ اور ایک گز کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ ہر گز میں تفاوت ہے، بائع خراب اور گھٹیا گز دینا چاہے گا اور مشتری اعلیٰ گز لینا چاہے گا اس لئے نزاع کی وجہ سے ایک گز کی بھی بیع نہیں ہوگی۔

اصول اوپر گزر گیا۔

نوٹ آج کل کی طرح تمام کپڑا ایک ہی انداز کا ہو تو ایک گز کی بیع ہو جائے گی، یا دوبارہ پورا تھان ناپ کر پورے تھان کی بیع کر لے تب بھی از سر نو رضامندی کی وجہ سے پورے تھان کی بیع ہو جائے گی۔ اوپر کا فیصلہ تو اختلاف کے وقت ہوگا۔

نکتہ مزارعة : ذراع سے مشتق ہے ہاتھ سے ناپ کر۔

[۸۳۲] (۱۳) کسی نے کھانے کا ڈھیر بیچا اس طرح کہ سوففیز ہے سودرہم کے بدلے۔ پس اس کو اس سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو موجود کو اس کے حصے کے مطابق ثمن سے لے لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے اور اگر سوففیز سے زیادہ پایا تو زیادہ بائع کے لئے ہے۔

تشریح غلے کا ڈھیر ہے اور بائع یوں کہہ رہا ہے کہ اس میں سوففیز گیہوں ہے سودرہم کے بدلے دوں گا۔ تو چونکہ پوری مقدار معلوم ہے اور مجموعی قیمت بھی سودرہم معلوم ہے اس لئے پورے ڈھیر کی بیع ہوئی۔ لیکن جب ناپا تو سوففیز سے کم نکلا تو چونکہ بائع نے یہ بھی کہا تھا کہ سوففیز ہے اور سودرہم کے بدلے میں دوں گا تو ایک قفیز ایک درہم کا ہوا اس لئے اگر مثلاً نوے قفیز نکلے تو نوے درہم لازم ہونگے۔ جتنا حصہ گیہوں ہے اتنا ہی حصہ ثمن لازم ہوگا۔ لیکن چونکہ سوففیز کی بات تھی اور مشتری کو اس سے کم ملا تو وعدہ کے مطابق نہیں ملا اس لئے اس کو اختیار ہوگا چاہے تو نوے درہم سے نوے قفیز لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے۔ اور اگر گیہوں سوففیز سے زیادہ نکلے تو چونکہ سوففیز ہی دینے کی بات تھی زیادہ کی نہیں اس

البيع وان وجدها اكثر من ذلك فالزيادة للبائع [۸۳۳] (۱۴) ومن اشترى ثوبا على انه عشرة اذرع بعشرة دراهم او ارضا على انها مائة ذراع بمائة دراهم فوجدها اقل من ذلك فالمشتري بالخيار ان شاء اخذها بجملة الثمن وان شاء تركها وان وجدها اكثر من الذراع الذي سماه فهي للمشتري ولا خيار للبائع [۸۳۴] (۱۵) وان قال بعتكها على لئي يه زيادة گيهوں بائع کے ہوں گے۔

اصول اس میں اصول یہ ہے کہ گیهوں ایک جیسے ہیں اس میں تفاوت نہیں ہے اس لئے ہر قفیز اصل ہے صفت نہیں ہے اس لئے ہر قفیز کے بدلے میں ایک درہم لازم ہوگا۔ اور زائد قفیز کی قیمت نہیں ملی اس لئے وہ بائع کے ہوں گے۔ اثر میں ہے سمع عکرمۃ يقول ان ابتعت طعاما فوجدته زائدا فالزيادة لصاحب الطعام والنقصان عليك (مصنف عبدالرزاق، باب اشتریت طعاما فوجدت زائدا ج ثامن ص ۱۳۳ نمبر ۱۴۶۱) اس اثر میں ہے کہ جو کھانا زیادہ ہو وہ بائع کا ہوگا۔

اصول غلہ میں قفیز اصل ہے صفت نہیں ہے۔

نکتہ ابتاع : باع سے مشتق ہے خریدا۔

[۸۳۳] (۱۴) کسی نے کپڑا خریدا اس طرح کہ وہ دس گز ہے دس درہم میں، یا زمین خریدی اس طرح کہ وہ سو گز ہے سودرہم میں پھر اس کو اس سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو اس زمین اور کپڑے کو پوری ہی قیمت میں لے اور چاہے تو اس کو چھوڑ دے، اور اگر اتنے گز سے زیادہ پایا جتنا متعین کیا تھا تو وہ سب مشتری کا ہے۔ اور بائع کو روک لینے کا اختیار نہیں ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اوپر جیسا ہی ہے لیکن حکم میں فرق اس لئے ہے کہ کپڑے میں اور زمین میں گز سے ناپنا ایک صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت کے مقابلہ میں الگ سے کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے دس گز یا سو گز زمین صرف ترغیب کے لئے ہوئی ہر گز کے بدلے ایک درہم نہیں ہوا تو گویا کہ پورے تھان کپڑے کی قیمت دس درہم اور پورے زمین کے ٹکڑے کی قیمت سودرہم ہوئی چاہے تھان میں اور زمین میں گز زیادہ ہو یا کم ہو۔ اس لئے لینا چاہے تو پورے دس درہم اور سودرہم دے کر پورا تھان اور پورا ٹکڑا زمین لے۔ چاہے گز کم ہو چاہے زیادہ ہو۔ البتہ کم گز ہونے کی صورت میں مشتری کی رغبت کم ہے اس لئے اس کو چھوڑنے کا اختیار ہوگا اور زیادہ گز ہو جائے تو بائع کو روکنے کا اختیار اس لئے نہیں ہوگا کہ پورے تھان اور پورے ٹکڑے زمین کی بیع کر چکا ہے، چاہے جتنا ہو۔

اصول کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے اور صفت کے مقابلہ میں الگ سے قیمت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو اصل نہ بنا دیا جائے۔

[۸۳۴] (۱۵) اور کہا کہ اس زمین کو آپ سے بیچتا ہوں اس طرح کہ سو گز ہے سودرہم کے بدلے میں، ہر گز ایک درہم کے بدلے، پھر اس کو کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس زمین کو اس کے حصے کے مطابق ثمن سے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ اور اگر زمین کو زیادہ پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پوری زمین کو لے ہر گز ایک درہم کے بدلے میں اور چاہے تو بیع توڑ دے۔

انها مائة ذراع بمائة درهم كل ذراع بدرهم فوجدها ناقصة فهو بالخيار ان شاء اخذها بحصتها من الثمن وان شاء تركها وان وجدها زائدة كان المشتري بالخيار ان شاء اخذ الجميع كل ذراع بدرهم وان شاء فسخ البيع [۸۳۵] (۱۶) ولو قال بعث منك هذه الرزمة على انها عشرة اثواب بمائة درهم كل ثوب بعشرة فان وجدها ناقصة جاز البيع بحصته وان وجدها زائدة فالبيع فاسد [۸۳۶] (۱۷) ومن باع دارا دخل بناؤها في البيع

تشریح کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے لیکن اگر صفت کو اصل بنا دیا جائے تو اس کے مقابلے میں الگ سے قیمت ہوگی۔ یہاں بائع نے جب یہ کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں تو ہر گز کو اصل بنا دیا اور اب ہر گز کے بدلے میں ایک درہم ہوگا۔ اب پورے ٹکڑے زمین کی بیع نہیں ہے بلکہ ہر گز کی بیع ہے۔ اس لئے جتنے گز ہوں گے اتنے ہی درہم لازم ہوں گے۔ کم ہوں گے تو اس کے حساب سے کم درہم اور زیادہ ہوں گے تو اس کے حساب سے زیادہ درہم۔ البتہ کم گز ہونے کی شکل میں مشتری کو وعدہ شدہ زمین نہیں ملی اس لئے رغبت کم ہوئی اس لئے اس کو لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

اصول گز صفت ہے لیکن اگر اس کو اصل بنا دیا جائے تو ہر گز کے بدلے اس کی الگ الگ قیمت لگے گی۔

نوٹ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ بائع پورے ٹکڑے کی مجموعی قیمت لگا رہا ہے یا ہر گز کی الگ الگ قیمت لگا رہا ہے۔ اگر پورے ٹکڑے کی قیمت لگا رہا ہے تو گز زیادہ ہو یا کم پورے ٹکڑے کی پوری قیمت دینی ہوگی۔ اور اگر ہر گز کی قیمت لگا رہا ہے تو گز کے حساب سے اس کی قیمت طے کی جائے گی۔ ان ہی اصولوں پر یہ سب مسائل متفرع ہیں۔

[۸۳۵] (۱۶) میں نے آپ سے یہ گٹھری بچی اس طرح کہ دس کپڑے ہیں سودرہم کے بدلے، ہر کپڑا دس درہم کے بدلے، پس اگر ان کو کم پایا تو بیع ان کے حصے کے حساب سے جائز ہوگی اور اگر ان کو زیادہ پایا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح ایک گٹھری میں دس تھان کپڑے تھے اور ہر تھان الگ الگ انداز کے تھے۔ بائع نے اب کہا کہ پوری گٹھری بیچتا ہوں اس شرط پر کہ دس تھان کپڑے ہیں اور ہر تھان دس روپے کا ہے۔ پس اگر کم کپڑا پایا مثلاً نو کپڑے نکلے تو دس درہم کے حساب سے نوے درہم کے نو کپڑے لے۔ اور چونکہ کم کپڑے ہیں اس لئے چھانٹنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اختلاف بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر گیارہ کپڑے نکلے تو ایک کپڑا کے چھانٹنے میں اختلاف ہوگا۔ بائع گھٹیا دینا چاہے گا اور مشتری اعلیٰ لینا چاہے گا اور اختلاف و نزاع ہوگا اس لئے اس صورت میں بیع فاسد ہوگی۔

اصول کپڑے یا کسی چیز کے افراد میں تفاوت ہو اور اس کو چھانٹنے میں اختلاف ہو سکتا ہو تو بیع فاسد ہوگی۔

نکتہ الرزمة : گٹھری۔ ثوب : کپڑا، تھان۔

[۸۳۶] (۱۷) کسی نے گھر خریدا تو اس کی دیوار بیع میں داخل ہوگی چاہے اس کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح کسی نے گھر خریدا تو وہ چیزیں جو گھر کے ساتھ عرف میں شامل ہوتی ہیں اور ہمیشہ اور دوام کے طور پر اس کے ساتھ چپکی رہتی ہیں وہ

وان لم یسمه [۸۳۷] (۱۸) ومن باع ارضا دخل ما فيها من النخل والشجر فی البیع وان لم یسمه [۸۳۸] (۱۹) ولا یدخل الزرع فی بیع الارض الا بالتسمیة [۸۳۹] (۲۰) ومن

تمام چیزیں بیع میں خود بخود داخل ہو جائیں گی۔ چاہے بیع کرتے وقت ان کا نام نہ لیا ہو۔

اصول جو چیز بیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہو وہ چیز بیع میں بغیر اس کا نام لئے ہی داخل ہو جائے گی۔

[۸۳۷] (۱۸) کسی نے زمین بیچی تو اس میں جو کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہیں سب بیع میں داخل ہوں گے چاہے ان کا نام نہ لیا ہو

تشریح زمین بیچی تو اس میں جو کھجور وغیرہ کے درخت ہیں وہ سب خود بخود بیع میں داخل ہو جائیں گے چاہے بیع کرتے وقت یہ نہ کہا ہو کہ زمین کے ساتھ درخت بھی خریدتا ہوں۔

مذہب کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہمیشہ کے لئے زمین پر لگے رہتے ہیں۔ کھیتی اور کاشتکاری کی طرح چار چھ ماہ میں کاٹ نہیں لیتے اس لئے وہ زمین کے جزء کی طرح ہیں۔ اس لئے جب زمین کی بیع کی تو درخت بھی خود بخود بیع میں داخل ہو جائیں گے۔ ہاں ان کو باضابطہ بیع سے الگ کر دے تو پھر بیع میں داخل نہیں ہوں گے۔

اصول جو چیز بیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہوں وہ چیزیں بیع میں بغیر ان کا نام لئے بھی داخل ہو جائیں گی۔

لغت نخل : کھجور کا درخت۔

[۸۳۸] (۱۹) کاشتکاری زمین کی بیع میں داخل نہیں ہوگی مگر اس کا نام لینے کے بعد۔

تشریح جب تک یہ نہ کہے کہ کاشتکاری بھی زمین کے ساتھ خریدتا ہوں تب تک زمین کی بیع میں کاشتکاری داخل نہیں ہوگی۔

مذہب کاشتکاری اور کھیتی زمین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے متصل نہیں ہے، وہ تو دو چار ماہ میں کاٹ جائے گی اور الگ ہو جائے گی، وہ تو وقتی طور پر زمین کے ساتھ متصل ہے اس لئے زمین کی بیع میں کاشتکاری داخل نہیں ہوگی جب تک کہ اس کا بیع میں نام نہ لیا جائے۔ حدیث میں اس کا اشارہ ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من باع نخلا قد ابرت فثمرها للبائع الا ان یشتط المبتاع (الف) (مسلم شریف، باب من باع نخلا علیہا تمر ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۴۳ بخاری شریف، باب من باع نخلا قد ابرت او ارضا مزروعة او باجارة ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰) اس حدیث میں کھجور کا درخت بیچا تو فرمایا کھجور کے بائع کے لئے ہیں مگر یہ مشتری خردنے کے وقت شرط لگائے۔ اور کھجور درخت پر وقتی طور پر لگا رہتا ہے پھر کاٹ جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وقتی طور پر کوئی چیز بیع کے ساتھ متصل ہو تو وہ چیز بیع میں داخل نہیں ہوگی مگر یہ کہ شرط کرے۔

اصول جو چیز بیع کے ساتھ وقتی طور پر متصل ہو وہ چیز بیع میں داخل نہیں ہوگی۔

لغت الزرع : کھیتی، کاشتکاری۔

[۸۳۹] (۲۰) کسی نے کھجور کا درخت بیچا یا کوئی اور درخت بیچا جس پر پھل تھے تو پھل بائع کے لئے ہوں گے مگر یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا لے

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس پر پھل آچکا ہو تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے مگر یہ کہ مشتری اس کی شرط لگائے۔

باع نخلا او شجرا فيه ثمرة فثمرته للبائع الا ان يشترطها المبتاع [۸۴۰] (۲۱) ويقال للبائع اقطعها وسلم المبيع [۸۴۱] (۲۲) ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها او قد بدا جاز

کہ یہ بھی بیع میں داخل ہوں گے۔

تشریح درخت بیچا تو پھل بیع میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں! مشتری شرط لگا لے کہ پھل بھی درخت کے ساتھ خرید رہا ہوں تو پھر پھل درخت کی بیع میں داخل ہوں گے۔

مجموعہ پھل درخت کے ساتھ ہمیشہ کے طور پر متصل نہیں ہے بلکہ چند مہینوں میں کاٹ کر درخت سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور حدیث کی رو سے مسئلہ نمبر ۱۹ میں معلوم ہوا کہ جو چیز بیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل نہ ہو وہ بیع میں داخل نہیں ہوگی۔ حدیث گزری عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من باع نخلا قد ابرت فثمرتها للبائع الا ان يشترط المبتاع (الف) (بخاری شریف، باب من باع نخلا قد ابرت اور ضامروعة او باجارتہ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۴ / مسلم شریف، نمبر ۱۵۴۳) اس حدیث میں مذکور ہے کہ کھجور کا درخت بیچا تو کھجور بیع میں داخل نہیں ہوگا۔

نکتہ نخل : کھجور کا درخت۔

[۸۴۰] (۲۱) بائع سے کہا جائے گا کہ پھل کو کاٹو اور بیع کو سپرد کرو۔

تشریح جب پھل درخت کی بیع میں داخل نہیں ہوا تو پھل بائع کا رہا اور درخت مشتری کا ہو گیا۔ اور بائع کی ملکیت نے مشتری کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے حالانکہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہونی چاہئے۔ اس لئے بائع سے کہا جائے گا کہ پھل کاٹو اور درخت خالی کر کے مشتری کے حوالے کر دو۔

مجموعہ بغیر ضمان کے دوسرے کی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ماليس عندك (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء في كراهية بيع ماليس عنده ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۴ / سنن للبیہقی، باب الشرط الذي يفسد البيع ج ۵ ص ۵۴۸، نمبر ۱۰۸۳۸) اس حدیث میں ہے کہ جس چیز کا ضمان نہ دیتا ہو اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں۔ اس لئے بائع سے کہا جائے گا کہ مشتری کے درخت سے مزید فائدہ نہ اٹھاؤ اور پھل کاٹ کر درخت مشتری کے حوالے کر دو۔

اصول بغیر اجازت اور بغیر ضمان کے دوسرے کی ملکیت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

[۸۴۱] (۲۲) کسی نے پھل بیچے جس کی صلاحیت ظاہر ہو چکی ہو یا ظاہر نہ ہوئی ہو تو بیع جائز ہے، اور مشتری پر واجب ہوگا اس کو فی الحال

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس میں پھل آچکا ہو تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے مگر یہ کہ مشتری شرط لگا دے کہ میں پھل لوں گا (تو مشتری کا ہو جائے گا) (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں حلال ہے ادھار بیع کرنا اور اس میں بیع گھسا دینا۔ اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا۔ اور نہ جس چیز کا ضمان لیا ہو اس سے فائدہ اٹھانا۔ اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا بیچنا جو تمہارے پاس نہ ہو۔

البيع ووجب على المشتري قطعها في الحال فان شرط تركها على النخل فسد البيع

کاٹے۔ پس اگر اس کو درخت پر چھوڑ دینے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

تشریح ایسے پھل بیچے جو کارآمد ہو چکے ہوں مثلاً کھا سکتا ہو یا جانور کو کھلا سکتا ہو تو اس کو بیچنا جائز ہے بلکہ حدیث میں اسی کی ترغیب ہے کہ پھل کارآمد ہو جائے تب بیچو اس کے پہلے بیچنا اچھا نہیں ہے۔ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ نے بیع الثمار حتی یدو صلاحها نہی البائع والمبتاع (الف) (بخاری شریف، باب بیع الثمار قبل ان یدو صلاحها ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۹۵ مسلم شریف، باب انھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها بغیر شرط القطع ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۳۴) اس حدیث میں ترغیب ہے کہ پھل پکنے سے پہلے اور آفات سے محفوظ ہونے سے پہلے نہ بیچے۔

اور آفات سے محفوظ ہونے سے پہلے پھل کو بیچنا چاہیے تو بیچ سکتا ہے حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

مذہب (۱) یہ بائع کا مال ہے اور اپنا مال وہ بیچ سکتا ہے۔ اور کسی نہ کسی کام میں آئے گا تب ہی تو مشتری اس کو خرید رہا ہے۔ اس لئے جو پھل کارآمد نہ ہو اس کو بھی بائع بیچ سکتا ہے۔ البتہ حدیث کی بنیاد پر اچھا نہیں ہے (۲) بخاری کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ حضور کے سامنے بائع اور مشتری کے بہت سے جھگڑے آئے اس لئے آپؐ نے مشورہ کے طور پر فرمایا کہ پھل کارآمد ہونے سے پہلے مت بیچو تاکہ مشتری کا گھانا نہ ہو۔ اور پھل کی قیمت دینے میں ٹال مٹول نہ کرے عن زید بن ثابت قال کان الناس فی عهد رسول اللہ ﷺ یتباعون الثمار فاذا جند الناس وحضر تفاضیهم قال المبتاع انه اصاب الثمر الدمان اصابه مرض اصابه قشام عاهات یحتجون بها فقال رسول اللہ ﷺ لما كثرت عنده الخصومة فی ذلك فاما لا فلا تتباعوا حتی یدو صلاح الثمرة كالمشورة یشیر بها لكثرة خصومتهم (ب) (بخاری شریف، باب بیع الثمار قبل ان یدو صلاحها نمبر ۲۱۹۳) اس حدیث میں تصریح ہے کہ کارآمد ہونے سے پہلے پھل بیچ دیا کرتے تھے پھر اس میں آفت آتی تھی اور پھل برباد ہو جاتے تھے تو مشتری اس کی قیمت دینے میں ٹال مٹول کرتا تھا۔ یہ جھگڑے بہت زیادہ حضور کے سامنے آئے تو آپؐ نے مشورہ کے طور پر کہا کہ کارآمد ہونے سے پہلے پھل مت بیچو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل میں بیچنا جائز ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

اصول اپنی چیز بائع بیچ سکتا ہے۔

مشتری سے کہا جائے گا کہ فوری طور پر پھل کاٹ لیجئے اور درخت بائع کو حوالے کر دیجئے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے پھل کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یعنی کارآمد نہ ہو جائے، اور روکا بائع کو اور مشتری کو (ب) لوگ حضور کے زمانے میں پھل بیچا کرتے تھے۔ پس جب لوگوں کا شور زیادہ ہوا اور ان کا تقاضا آیا، مشتری کہنے لگا کہ پھل کو بیماری لگ گئی۔ اس کو مرض لگ گیا، اس کو آفت لگ گئی اور اس سے وہ کم قیمت کروانے کی جھٹ پکڑتے تھے۔ پس جب اس بارے میں جھگڑے بہت ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا اگر جھگڑے سے نہیں رکتے ہو تو مت بیچو جب تک کہ کھجور کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یعنی پکنے کے قریب نہ ہو جائے۔ یہ حکم مشورہ کے طور پر تھا جس کی طرف اشارہ کیا ان لوگوں کے جھگڑے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

[۸۴۲] (۲۳) ولا يجوز ان يبيع ثمرة و يستثنى منها ارطالا معلومة.

مجاہد کیونکہ درخت بائع کی ملکیت ہے اور دوسرے کی ملکیت سے بغیر ضمان کے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ پہلے ترمذی کی حدیث نمبر ۱۲۳۴، ولا ربح ما لم یضمن گزر چکی ہے۔

اور اگر مشتری نے شرط لگائی کہ یہ پھل درخت پر کچھ دنوں کے لئے رکھوں گا تا کہ پھل مکمل ہو جائے، اس شرط کے ساتھ خریدا تو اس شرط کے لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

مجاہد یہ بیع کے ساتھ الگ شرط ہے جس میں مشتری کا فائدہ ہے۔ اور بیع کے ساتھ اس قسم کی شرط لگانے سے جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ اوپر ترمذی کی حدیث میں ایسی شرط والی بیع کو ناجائز کہا ہے عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح ما لم یضمن (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع ما لیس عندہ نمبر ۱۲۳۴) اس حدیث میں ولا شرطان ہے جس کی تفسیر یہی ہے کہ بیع کے ساتھ فائدہ کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی (۲) اثر میں اس کو سود کہا ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال الصفقتان فی الصفقة ربا ان یقول هو بالنسیة بكذا و بكذا (مصنف عبد الرزاق، باب بیعتان فی بیعة ثامن ص ۱۳۸/۱۳۹ نمبر ۱۴۶۳۶/۱۴۶۳۳)

نوٹ اگر بیع کے وقت پھل کو درخت پر رکھنے کی شرط نہ لگائے۔ البتہ بعد میں بائع کی اجازت سے پھل پکنے کے لئے چھوڑ دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے بلکہ بائع کا احسان ہوگا۔

فائدہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ پھل کا رآمد ہونے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جن میں کارآمد ہونے سے پہلے پھل بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ (بخاری شریف نمبر ۲۱۹۸/مسلم شریف نمبر ۱۵۳۵) حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

نکتہ لم یبد صلاحھا : جو پھل کا رآمد نہ ہوا ہو، اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو۔

[۸۴۲] (۲۳) اور نہیں جائز ہے کہ پھل بیچے اور اس میں سے کچھ متعین رطل مستثنی کر لے۔

تشریح مثلاً پانچ درختوں کے پھل بیچ رہا ہے اور معلوم نہیں اس پر کتنے پھل ہیں۔ ساتھ کہہ رہا ہے اس میں سے سو کیلو پھل نہیں بیچوں گا تو ایسا استثناء کرنا جس سے باقی بیع مجہول ہو جائے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سود درخت کے پھل بیچ رہا ہے لیکن اس میں سے پانچ نہیں بیچ رہا اور نہیں متعین کر رہا کہ کونسے پانچ درخت ہیں۔ تو پچانوے مجہول ہو گئے۔ بائع پانچ اعلیٰ درخت لینا چاہے گا اور مشتری پانچ ادنیٰ درخت دینا چاہے گا۔ تو ایسا استثناء جس سے بیع مجہول ہو جائے جائز نہیں ہے۔ ہاں! استثناء کے بعد بیع معلوم رہے تو جائز ہے حدیث میں ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن المزبنة وعن المحاقلة وعن الثنیا الا ان یعلم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الخبارة ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۵/ترمذی شریف، باب ماجاء فی النھی عن الثنیا ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے استثناء کرنے سے منع فرمایا، مگر

حاشیہ : (الف) ادھار بیچنا اور اس میں دوسری بیع کو گھسا دینا، اور ایک ہی بیع میں دو شرطیں لگانا حلال نہیں۔ اور جس چیز کا ضمان نہیں لیا جائے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں (ب) حضورؐ نے بیع مزانبہ، بیع محاقلہ سے روکا اور استثناء کرنے سے روکا، مگر یہ کہ استثناء معلوم ہو تو جائز ہے۔

[۸۴۳] (۲۴) ویجوز بیع الحنطة فی سنبلها والباقلی فی قشرها [۸۴۴] (۲۵) ومن باع دارا دخل فی البیع مفاتیح اغلاقها [۸۴۵] (۲۶) واجرة الكیال وناقد الثمن علی البائع

استثناء سے بیع مجہول نہ ہو بلکہ معلوم رہے تو جائز ہے الا ان یعلم کا یہی مطلب ہے۔

اصول استثناء مجہول ہو تو بیع جائز نہیں۔

[۸۴۳] (۲۴) جائز ہے گیارہوں کی بیع اس کے خوشے میں، اور مونگ پھلی کی بیع اس کے چھلکے میں۔

تشریح ہر وہ دانہ جو چھلکے میں ہو اور بہت زیادہ چھپا ہوا نہ ہو، تھوڑا بہت چھپا ہوا ہو تو اس کو چھلکے کے ساتھ بیچنے کی اجازت ہے۔

وجہ (۱) تھوڑی بہت جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوگی، عموم بلوا کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے (۲) حدیث میں خوشے میں گیارہوں بیچنے کی

اجازت ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع النخل حتی یزھو وعن بیع السنبل حتی یبیض ویأمن العاهة

(الف) (مسلم شریف، باب نہی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۳۵/۱۵۳۶) ابو داؤد شریف، باب فی بیع الثمار قبل ان یدو صلاحها ج

ثانی ص ۱۲۲ نمبر ۳۳۶۸/۳۳۶۹ ترمذی شریف، نمبر ۱۲۲) اس حدیث میں خوشے کو بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ پک کر سفید نہ ہو جائے۔ جس

سے معلوم ہوا کہ گیارہوں کو خوشے میں بیچنا جائز ہے چاہے گیارہوں مستور اور چھپا ہوا ہو۔ اور یہی حال مونگ پھلی کا ہوگا اس کے چھلکے کے ساتھ

اصول بیع چھلکے میں چھپی ہوئی ہو تو بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ چھلکے کی تھوڑی جہالت معاف ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مونگ پھلی کو اس کے چھلکے کے اندر بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ بیع چھلکے میں چھپی ہوئی ہے اس لئے بیع مجہول ہوگئی اس لئے جائز نہیں۔

نکتہ سنبل : خوشہ۔ باقلی : مونگ پھلی۔ قشر : چھلکا۔

[۸۴۴] (۲۵) کسی نے گھر بیچا تو بیع میں اس کے تالے کی کنجی داخل ہوگی۔

تشریح وہ تالا جو دروازے کے ساتھ چپکا ہوتا ہے وہ تالا دروازے کا جز ہو گیا۔ اور جز بغیر نام لئے بھی بیع میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے گھر کی

بیع میں تالا داخل ہوگا۔ اور کنجی تالے کا حصہ ہے اس لئے کنجی بھی بیع میں داخل ہوگی۔

اصول بیع میں بیع کا جز بغیر نام لئے بھی داخل ہوگا۔

[۸۴۵] (۲۶) بیع کے کیل کرنے کی اجرت اور ثمن کو پر کھنے کی اجرت بائع پر ہے۔ اور ثمن کو وزن کرنے کی اجرت مشتری پر ہے۔

تشریح بائع کی ذمہ داری ہے کہ کیلی بیع کو کیل کر کے مشتری کے حوالے کرے۔ اس لئے بائع کو ہی کیل کروانا ہوگا۔ اس لئے کیل کرنے والے

کی اجرت بائع پر ہوگی کیونکہ اسی کے لئے کیل کیا ہے۔ اثر میں ہے عن بردان ابی النصر قال کنت بعث من رجل طعاما فاعطی

الرجل اجر الکیال فسألت الشعبی عن ذلک فقال اعطه انت فانما هو علیک (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۵۰/۲۵۱ الرجل بیع

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے کھجور کی بیع سے روکا جب تک کہ پک نہ جائے اور خوشے کی بیع سے روکا جب تک سفید نہ ہو جائے اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے۔

واجرة وزان الثمن على المشتري [۸۴۶] (۲۷) ومن باع سلعة بثمان قیل للمشتري ادفع الثمن اولا فاذا دفع قیل للبائع سلم المبيع.

الطعام علی من یكون اجرا لکیال ج رابع، ص ۴۴۵، نمبر ۲۱۹۳۱ اثر میں کیل کرنے والے کی اجرت بائع پر لازم کی ہے۔ اسی طرح ثمن کو پرکھوانے کی ضرورت پڑی تو بائع تجربہ کار آدمی کو بلا کر لائے گا کہ میرا ثمن پر کھو دے کہ کھرا ہے یا کھوٹا تو بائع کے لئے ثمن کے کھرے کھوٹے کو پرکھا۔ اس لئے ثمن پر کھنے کی اجرت بائع پر ہوگی۔ اور ثمن چونکہ مشتری کو ادا کرنا ہے اس لئے وہ ثمن کو وزن کروائے گا۔ لہذا وزن کرنے والے کو اجرت بھی اسی کو دینا ہوگی۔ اس لئے کہ وزن کرنے والے نے کام اس کے لئے کیا ہے۔ جس کے لئے کام کیا اجرت اسی پر ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال احتجم النبي ﷺ واعطى الحجام اجره (الف) (بخاری شریف، باب خراج الحجام ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۸) اس حدیث میں حضور کے لئے حجامت کی تو آپؐ نے ہی حجام کو اس کی اجرت دی۔

اصول جس کے لئے کام کرے گا اجرت اسی پر لازم ہوگی۔

نکتہ کیال : کیل کرنے والا آدمی۔ ناقد : ثمن، درہم، دنانیر کو پرکھنے والا کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ وزان : گیہوں وغیرہ کو وزن کرنے والا۔

[۸۴۶] (۲۷) اگر کسی نے سامان کو ثمن کے بدلے بیچا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے ثمن پیش کرے، پس جب مشتری نے ثمن دے دیا تو بائع سے کہا جائے کہ بیچ سپرد کرے۔

تشریح قاعدہ یہ ہے درہم اور دینار جن کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔ مثلاً پانچ کے نوٹ سے بیچ کی اور بعد میں پانچ کا سکہ دیا تو بیچ درست رہے گی۔ کیونکہ پانچ کے نوٹ اور پانچ کے سکے دونوں کی مالیت برابر ہے۔ اور چونکہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے کوئی بھی دے سکتا ہے۔ البتہ قبضہ کرنے کے بعد درہم اور دنانیر متعین ہوتے ہیں۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ سامان مثلاً غلہ، دانہ متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں۔ مثلاً پانچ کیلو گیہوں دینا طے پایا تو دوسرا پانچ کیلو گیہوں نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ گیہوں خراب ہو۔ جب یہ دو قاعدے سمجھ گئے تو یہ سمجھیں کہ سامان کو درہم یا دنانیر کے بدلے میں بیچا تو سامان تو پہلے سے متعین ہے اور ثمن یعنی درہم اور دنانیر اور نوٹ پہلے سے متعین نہیں ہیں اس لئے مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے آپ ثمن پیش کر دیں تاکہ درہم و دنانیر قبضہ کرنے سے متعین ہو جائیں اور بائع اور مشتری دونوں کے حق برابر ہو جائیں۔ بعد میں بائع سے کہا جائے گا کہ آپ سامان دیں۔

نوٹ یہ فیصلہ جھگڑے کے وقت ہے کہ کون پہلے دے ورنہ رضا مندی سے کوئی بھی پہلے دیگا تو بیچ جائز ہو جائے گی۔

مجموعہ درہم اور دنانیر متعین نہ ہونے کی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے عن عمر قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالفضة ربا الا هاء و هاء، وفي حديث آخر يدا بيد (ب) (ابوداؤد شریف، باب الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۸/۳۳۴۹ رتزدی شریف، باب ما جاء في

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے پچھنا لگوا یا اور آپؐ نے حجام کو اس کی اجرت دی (ب) آپؐ نے فرمایا سونا چاندی کے بدلے سود ہے مگر ہاتھوں ہاتھ ہو۔

[۸۴۷] (۲۸) ومن باع سلعة بسلعة او ثمننا بثمان قیل لهما سلما معا.

الصرف ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۳) اس حدیث میں فرمایا کہ ہاء و ہاء لول یعنی ایک ہاتھ سے لو اور دوسرے ہاتھ سے دو یعنی مجلس میں قبضہ کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ درہم اور دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں۔

اصول سامان متعین ہوتے ہیں (۲) ثمن یعنی درہم و دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔

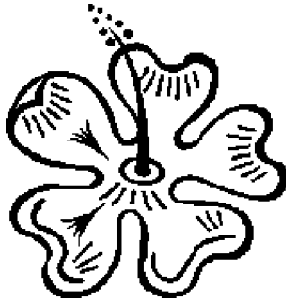
لغت سلعة : سامان۔ ثمن : درہم اور دنانیر کو پیدا کنی ثمن کہتے ہیں۔

[۸۴۷] (۲۸) اگر سامان کو سامان کے بدلے میں بیچا، یا ثمن کو ثمن کے بدلے میں بیچا تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ

دو۔

تشریح بیع بھی سامان کی قسم ہے اور ثمن بھی سامان کی قبیل سے ہے اس لئے دونوں متعین ہیں۔ اس لئے دونوں کے درجے برابر ہیں۔ اس لئے بائع اور مشتری دونوں سے کہا جائے گا ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو۔ ایک کو پہلے اور دوسرے کو بعد میں لینے کا حق نہیں ہے۔ یہی حال ہے جب بیع بھی درہم یا دنانیر ہیں اور ثمن بھی درہم یا دنانیر ہیں۔ تو دونوں متعین نہیں ہے اس لئے ایک ساتھ لینے اور ایک ساتھ دینے کے لئے کہا جائیگا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن عبادة بن الصامت عن النبي ﷺ قال ... يبيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدا بيد و يبيعوا البر بالتمر كيف شئتم يدا بيد (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الحطة بالحطة مثلاً بمثل و كراهية التفاضل فی ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰ / ابوداؤد شریف، باب فی الصرف نمبر ۳۳۴۸) اس حدیث میں سونا اور چاندی ایک طرح کے ثمن ہیں، اسی طرح گیہوں اور کھجور ایک طرح کے سامان ہیں تو ایک ہاتھ سے لینے اور دوسرے ہاتھ سے دینے کے لئے کہا۔ اس لئے یدا بید فرمایا گیا۔ چاہے کمی بیشی کے ساتھ بیچے۔



حاشیہ : (الف) نبیؐ نے فرمایا کہ تم سونے کو چاندی کے بدلے میں بیچو جس طرح تم چاہو ہاتھوں ہاتھ اور تم گیہوں کو کھجور کے بدلے میں جس طرح تم چاہو ہاتھوں ہاتھ۔

﴿باب خيار الشرط﴾

[۸۴۸] (۱) خيار الشرط جائز فی البیع للبائع والمشتري [۸۴۹] (۲) ولهما الخيار ثلثة

ایام فما دونها ولا يجوز اكثر من ذلك عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف و

﴿باب خيار الشرط﴾

ضروری نوٹ خيار شرط کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول ہونے کے بعد مجلس میں رہتے ہوئے بائع یا مشتری دونوں یہ کہے کہ ہمیں تین دن کا اختیار دیں اس تین دن میں چاہوں تو بیع کو اور چاہوں تو بیع رد کر دوں۔ اور سامنے والا اسپرہاں کہہ دے تو اس کو خيار شرط کہتے ہیں۔ اب اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بائع جائز قرار دے اور چاہے تو بیع توڑ دے۔ البتہ اگر تین دن تک بیع کو نہیں توڑا تو بیع برقرار رہے گی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ان المتبايعين بالخيار في بيعهما مالم يتفرقا او يكون البيع خيارا (الف) (بخاری شریف، باب کم يجوز الخيار ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۷ / مسلم شریف، باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين ج ۲ ص ۶ نمبر ۱۵۳۱ / ابو داؤد شریف، باب فی خيار المتبايعين ج ۲ ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۴) اس حدیث کے لفظ او یكون البیع خيارا سے معلوم ہوا کہ بائع اور مشتری کو خيار شرط ملے گا۔

[۸۴۸] (۱) خيار شرط جائز ہے بیع میں بائع کے لئے اور مشتری کے لئے۔

تشریح ایجاب اور قبول ہونے کے بعد اگر دونوں یا ایک خيار شرط لے لے تو اس کو خيار شرط ملے گا۔

مجموعہ اوپر حدیث گزر گئی ہے کہ متبايعين یعنی بائع اور مشتری دونوں کو خيار شرط لینے پر خيار شرط ملے گا۔

[۸۴۹] (۲) بائع اور مشتری دونوں کو تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہوگا۔ اور نہیں جائز ہے اس سے زیادہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور کہا امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہ جائز ہے جبکہ مدت معلوم متعین کر دے۔

تشریح تین دن سے زیادہ کا اختیار لے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن سے زیادہ کا اختیار نہیں ملے گا۔

مجموعہ (۱) تین دن سے زیادہ کا اختیار لینے میں سامنے والے آدمی کو نقصان ہوگا کہ بہت دنوں تک اس کو انتظار کرنا ہوگا کہ بیع ہوئی یا نہیں۔ اس لئے تین دن سے زیادہ اختیار نہیں دیا جائے (۲) حدیث میں تین دن کے ہی اختیار کا ثبوت ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال الخيار ثلثة ایام (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ۳ ص ۲۸ نمبر ۲۹۹۳ / سنن للبیہقی، باب الدلیل علی ان لا يجوز شرط الخيار فی البیع اکثر من ثلاثة ایام ج ۵ ص ۴۵۰، نمبر ۱۰۴۶۱ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی المصر ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف تین دن کا اختیار ملے گا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ خيار شرط کا معاملہ بائع اور مشتری کے اختیار پر ہے اس لئے اگر وہ دونوں زیادہ دنوں تک اختیار دینے پر راضی ہیں تو کسی

حاشیہ : آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری کو اختیار ہے بیع میں جب تک کہ دونوں جدا نہ ہو جائیں یا بیع میں خيار شرط ہو (ب) آپؐ نے فرمایا خيار شرط تین دن تک ہوتا ہے۔

محمد يجوز اذا سمي مدة معلومة [۸۵۰] (۳) و خيار البائع يمنع خروج المبيع من ملكه [۸۵۱] (۴) فان قبضه المشتري فهلك بيده في مدة الخيار ضمنه بالقيمة

کو کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے بشرطیکہ مدت معلوم ہو کہ کتنے دنوں کا اختیار لینا چاہتے ہیں، مجہول نہ ہو۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں تین دن کی قید نہیں ہے مطلقاً اختیار دیا گیا ہے۔

[۸۵۰] (۳) بائع کا اختیار روکتا ہے بیع کے نکلنے کو اس کی ملکیت سے۔

تشریح بائع نے خيار شرط لیا تو چاہے بیع مشتری کے ہاتھ میں جا چکی ہو لیکن ابھی بھی وہ بائع کی ملکیت ہی میں ہے۔ اس کی ملکیت سے نکلی نہیں ہے۔

وجہ بائع نے اختیار لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیع کرنے کے باوجود وہ ابھی اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے۔ جب وہ بیع نافذ کرے گا تب اس کی ملکیت سے بیع نکلے گی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس دوران بیع کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کر سکتا ہے، اور مشتری آزاد کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی ملکیت میں ابھی بیع نہیں گئی ہے۔

اصول بائع کی پوری رضامندی کے بغیر بیع اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گی۔ حدیث میں اس کا اشارہ ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال لا یفتقر عن بیع الا عن تراض (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی خيار المتبايعین ص ۳۶۶ نمبر ۱۲۴۸/۱ ابوداؤد شریف، باب خيار المتبايعین ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۸) اس حدیث میں ہے کہ رضامندی کے بغیر بائع اور مشتری جدا نہ ہوں۔ اس لئے خيار شرط کی وجہ سے بائع کی ملکیت سے بیع نہیں نکلے گی۔

[۸۵۱] (۴) پس اگر مشتری نے بیع پر قبضہ کیا اور مدت خيار میں اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی تو مشتری قیمت کا ضامن ہوگا۔

تشریح بائع نے تین دن کا خيار شرط لیا تھا اور مشتری نے بائع کی اجازت سے بیع پر قبضہ کر لیا اور بعد میں مشتری کے ہاتھ میں بیع ہلاک ہو گئی تو جو ثمن بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوا تھا وہ تو لازم نہیں ہوگا۔ لیکن بازار میں اس بیع کی جو قیمت ہوگی وہ ادا کرنا ہوگا۔

وجہ بائع کا خيار تھا اس لئے بائع کی ملکیت سے وہ چیز نہیں نکلی اور بیع بھی نہیں ہوئی لیکن مشتری نے بھاء کے طور پر وہ چیز لی تھی اور ہلاک ہو گئی اس لئے بازار کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ قیمت مشتری پر لازم ہوگی (۲) اس کا ثبوت اثر میں ہے۔ حضرت عمر نے ایک آدمی سے گھوڑا خریدا اگر پسند آئے گا تو رکھ لوں گا۔ پھر ایک آدمی کو اس پر سوار کیا جس کی وجہ سے گھوڑا عیب دار ہو گیا۔ حضرت عمر نے قاضی شریح کو فیصل مانا تو قاضی شریح نے فرمایا کہ آپ نے صحیح سالم لیا تھا اس لئے یا تو صحیح سالم گھوڑا واپس کر دیا اس کی قیمت ادا کریں۔ فقال شریح لعمرؓ اخذته صحیحا سلیمما وانت له ضامن حتی ترده صحیحا سلیمما (ب) (سنن للبیہقی، باب الماخوذ علی طریق السوق علی بیع شرط فیہ الخيار ج ۵ ص ۴۵۰ نمبر ۱۰۴۶۳ مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یشتري الشئ علی ان یجربہ فیہ فیکلک ج ۳ ص ۲۲۲ نمبر ۱۲۹۷) اس اثر سے معلوم ہوا

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا بیع کر کے جدا نہ ہوں مگر رضامندی کے بعد (ب) قاضی شریح نے حضرت عمر سے فرمایا آپ نے صحیح سالم گھوڑا لیا تھا اس لئے آپ اس کی قیمت کے ضامن ہیں یا یہ کہ اس کو صحیح سالم گھوڑا واپس کریں (نوٹ) اور صحیح سالم گھوڑا واپس کر نہیں سکتے تو اس کی قیمت ادا کریں۔

[۸۵۲] (۵) وخیار المشتري لا يمنع خروج المبيع من ملك البائع الا ان المشتري لا يملكه عند ابي حنيفة وقال ابو يوسف و محمد يملكه [۸۵۳] (۶) فان هلك بيده هلك بالثمن [۸۵۴] (۷) وكذلك ان دخله عيب.

کہ مشتری کو قیمت دینی ہوگی، کیونکہ اس کے کر توت سے بیع ہلاک ہوئی ہے۔

[۸۵۲] (۵) مشتری کا خیار شرط نہیں روکتا ہے بیع کے نکلنے سے بائع کی ملکیت سے، مگر یہ کہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بیع کا مالک ہوگا۔

تشریح خیار شرط مشتری نے لیا ہے، بائع نے نہیں لیا ہے۔ اس لئے بائع نے تو اپنی جانب سے بیع طے کر دی ہے اس لئے بائع کی ملکیت سے بیع نکل جائے گی۔ لیکن مشتری نے خیار شرط لیا ہے تو گویا کہ مشتری نے ابھی مکمل بیع طے نہیں کی اس لئے اس کی ملکیت میں بیع داخل نہیں ہوگی۔ نیز اگر اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے تو مشتری کا نقصان ہے۔ مثلاً اگر اپنے بھائی کو خریدتا تھا اور خیار شرط لیا اس کے باوجود بھائی اس کی ملکیت میں داخل ہو گیا تو چونکہ وہ ذی رحم محرم ہے اس لئے بھائی آزاد ہو جائے گا۔ اب مشتری کے نہ چاہتے ہوئے بھی بھائی آزاد ہو گیا۔ اس لئے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مشتری کے خیار شرط کے وقت بیع مشتری کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

نکتہ ثمن : وہ ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان قیمت طے ہو۔ قیمت : جو قیمت بازار میں لگ سکتی ہو اس کو قیمت کہتے ہیں۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

مذہب کیونکہ بائع کی ملکیت سے نکل گئی تو مملوک کسی نہ کسی کی ملکیت میں داخل ہونی چاہئے ورنہ وہ مملوک کیسے ہوگی۔ اس لئے چاہے مشتری نے خیار لیا ہو پھر بھی اس کی ملکیت میں بیع داخل ہو جائے گی۔

[۸۵۳] (۶) پس اگر مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو ثمن کے بدلے میں ہلاک ہوگی۔

تشریح مشتری نے خیار شرط لیا اس لئے اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی تھی لیکن جب بیع ہلاک ہونے لگی تو ہلاک ہونے سے پہلے وہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہوگئی اور بیع مکمل ہوگئی۔ اور جب بیع مکمل ہوگئی تو مشتری پر ثمن لازم ہوگا۔ یعنی وہ قیمت جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوئی تھی۔

اصول بیع مکمل ہوگئی ہو تو ثمن لازم ہوتا ہے۔

[۸۵۴] (۷) ایسے ہی اگر بیع میں عیب پیدا ہو گیا۔

تشریح یعنی مشتری نے خیار لیا تھا اور بیع پر بھی قبضہ کیا تھا۔ بیع مشتری کے ہاتھ میں رہتے ہوئے عیب دار ہوگئی تو بیع تام ہوگئی۔ اس لئے مشتری کو ثمن دینا ہوگا جو آپس میں طے ہوا تھا۔ کیونکہ مشتری کے ہاتھ میں رہتے ہوئے بیع کے عیب دار ہونے سے بیع مکمل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بیع صحیح سالم لی تھی تو اب عیب دار کیسے واپس کرے گا۔

[۸۵۵] (۸) ومن شرط له الخيار فله ان يسفخ في مدة الخيار وله ان يجيزه [۸۵۶] (۹)

فان اجازہ بغیر حضرۃ صاحبہ جاز وان فسخ لم یجز الا ان یکون الآخر حاضرا۔

مجا مسئلہ نمبر ۴ میں قاضی شریح کا جملہ گزرا فقال شریح لعمر اخذته صحیحا سلیمما وانت له ضامن حتی ترده صحیحا سلیمما (الف) (سنن للبیہقی، باب الماخوذ علی طریق السوم علی بیع شرط فیہ خیارج خامس ص ۲۵۰، نمبر ۱۰۴۶۳ مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۲۹۷۹) اس سے معلوم ہوا کہ مشتری کے ہاتھ میں بیع عیب دار ہو جائے تو اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی اور بیع مشتری کی ہوگی اور بیع تام ہو جائے گی۔

[۸۵۵] (۸) جس نے خیاری شرط لیا اس کے لئے جائز ہے کہ مدت خیاری میں بیع فسخ کر دے اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو جائز کر دے۔

مجا چونکہ اس نے بیع جائز قرار دینے اور بیع کے توڑنے کا اختیار لیا ہے اس لئے اس کو دونوں اختیار ہیں۔ چاہے تو تین دن کے اندر بیع توڑ دے، چاہے تو جائز قرار دے۔

[۸۵۶] (۹) پس اگر سامنے والے کی غیر حاضری میں بیع جائز قرار دی تو جائز ہے، اور اگر بیع فسخ کی تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دوسرا حاضر ہو **تشریح** مثلاً بائع نے خیاری شرط لیا تو مشتری سامنے نہ بھی ہو یا اس کو علم نہ بھی ہو تب بھی بیع جائز قرار دینا چاہے تو جائز قرار دے سکتا ہے۔

مجا کیونکہ بیع جائز قرار دینے میں مشتری کا نقصان نہیں ہے وہ تو چاہے ہی رہا ہے کہ بیع جائز ہو جائے تب ہی تو اس نے خیاری شرط نہیں لیا۔ اس لئے مشتری کو علم نہ بھی ہوا ہو تب بھی بیع جائز قرار دے سکتا ہے۔ اور اگر بائع بیع فسخ کرنا چاہتا ہو تو جب تک مشتری کو اس کی خبر نہ دے فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

مجا کیونکہ مشتری کو فسخ کرنے سے نقصان ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بیع جائز کر دیا لیکن اس نے فسخ کر دیا۔ اب اس نے دوسری بیع تلاش نہیں کی اور انتظار میں بیٹھا رہا۔ اس لئے اگر فسخ کرنا ہو تو دوسرے فریق کو اس کی اطلاع دینا ضروری ہے۔ تاکہ اس کو نقصان نہ ہو (۲) حدیث میں اس کی تصریح ہے عن عائشة عن النبی ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار (ب) (دارقطنی، کتاب فی الاقضیۃ والا حکام ج ۱ ص ۱۴۶ نمبر ۳۰۶۰/۳۴۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو نقصان دینے سے بچنا چاہئے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے فریق کو اطلاع دینے بغیر بھی فسخ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

مجا دوسرے فریق نے اختیار لینے والے کو بیع توڑنے کا بھی اختیار دیا ہے اس لئے وہ جس طرح غائبانہ میں بیع جائز قرار دے سکتا ہے اسی طرح توڑ بھی سکتا ہے۔

نکتہ الا ان یکون الحاضر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرا فریق حاضر ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ حاضر نہ ہو لیکن اس کو بیع فسخ

حاشیہ : (الف) حضرت قاضی شریح نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ نے گھوڑے کو صحیح سالم لیا اس لئے آپ ضامن ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو صحیح سالم واپس کریں (ب) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان اٹھانا چاہئے اور نہ نقصان دینا چاہئے

[۸۵۷] (۱۰) فاذا مات من له الخيار بطل خياره ولم ينتقل الي ورثته [۸۵۸] (۱۱) ومن

کرنے کی اطلاع دیدی جائے۔

[۸۵۷] (۱۰) پس اگر جس کو خيار شرط تھا وہ مر گیا تو اس کا اختيار باطل ہو جائے گا۔ اور یہ اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

تشریح بائع یا مشتری جس نے خيار شرط لیا تھا وہ مر گیا تو اب یہ اختيار اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ اور وارث کو اس بیع کا خيار شرط نہیں ہوگا۔ بلکہ چونکہ پہلے ایجاب اور قبول ہو چکے ہیں اس لئے بیع لازم ہو جائے گی۔

مذہب یہ اختيار، ارادے اور چاہت کا نام ہے کہ بیع جائز قرار دیں یا نہ دیں۔ ورنہ ایجاب اور قبول پہلے ہو چکے ہیں۔ اور ارادے معنوی شی ہیں وہ منتقل نہیں ہوتے اس لئے اختيار ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا (۲) حدیث میں اشارہ ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال المتبايعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه ما لم يتفرقا الا بيع الخيار (الف) (بخاری شریف، باب البيعان بالخيار ما لم يتفرقا ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۱۱) اس حدیث میں صرف المتبايعان یعنی بائع اور مشتری کو اختيار دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی اور کو یہ اختيار نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جسطرح خيار عیب اور خيار تعین ورثہ کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی طرح خيار شرط بھی ورثہ کی طرف منتقل ہوگا۔ اور اس کو بھی بیع توڑنے اور جائز قرار دینے کا حق ہوگا۔

[۸۵۸] (۱۱) کسی نے غلام بیچا یہ کہہ کر کہ یہ روٹی پکانے والا یا کاتب ہے پس اس کو اس کے خلاف پایا تو مشتری کو اس کا اختيار ہے کہ اگر چاہے تو پورا ثمن دے کر لے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔

تشریح غلام بیچا یہ کہہ کر کہ یہ روٹی پکانے والا ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ صفت اس غلام میں نہیں ہے تو اس صفت کے نہ ہونے کی وجہ سے مشتری کو بیع جائز قرار دینے اور بیع کے توڑنے کا اختيار ہوگا۔ کیونکہ وہ صفت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رغبت کم ہوگئی اور بائع نے خلاف وعدہ کیا اس لئے اس کو توڑنے کا حق ہوگا۔ اور اگر غلام لینا چاہے تو جو قیمت آپس میں طے ہوئی تھی وہی قیمت دے کر لینا ہوگا۔

مذہب روٹی پکانا، کاتب ہونا یہ صفت ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ صفت کے مقابلے میں مستقل قیمت نہیں ہوتی اس لئے اس صفت کی کمی کی وجہ سے قیمت میں کمی نہیں ہوگی۔

نوٹ ہاں! بائع قیمت کم کرنے پر راضی ہو جائے تو گویا کہ الگ صفحہ کے ماتحت کم ہوئی جس کی گنجائش ہے۔ البتہ قانونی طور پر پہلی ہی قیمت میں لینا ہوگا۔ اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رجلا ذكر للنبي ﷺ انه يخذع في البيوع فقال اذا بايعت فقل لا خلافة (ب) (بخاری شریف، باب ما يكره من الخداع في البيع ص ۲۸۴ نمبر ۲۱۱۲ رزمی شریف، باب ما جاء فيمن يخذع في

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری دونوں کو اپنے صاحب پر اختيار ہے جب تک کہ جدا نہ ہو جائے مگر خيار شرط کے بیع میں (ب) آپؐ کے سامنے تذکرہ آیا کہ ایک آدمی بیع میں دھوکہ کھا جاتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ جب آپ بیع کریں تو کہہ دیا کریں کہ دھوکہ نہیں (نوٹ) دوسری حدیث میں آپ کو تین دن کا اختيار لینے کو فرمایا تھا

باع عبدا علی انه خباز او کاتب فوجدہ بخلاف ذلک فالمشتري بالخيار ان شاء اخذه
بجميع الثمن وان شاء تركه.

البیع ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۵۰) اس حدیث میں صحابی بیچ میں دھوکہ کھاتے تھے تو اس کو اختیار لینے کے لئے کہا گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ صفت میں
دھوکہ کھا جائے اس کو بیچ توڑنے کا اختیار ہوگا۔

اصول صفت مرغوب فیہ کے فوت ہونے سے مشتری کو بیچ توڑنے کا اختیار ہوگا۔

لغت خباز : روٹی پکانے والا، خبز کا اسم فاعل ہے۔



﴿ باب خيار الرؤية ﴾

[۸۵۹] (۱) ومن اشتری مالاً یرہ فالبیع جائز [۸۶۰] (۲) وله الخيار اذا راه ان شاء اخذه وان شاء رده [۸۶۱] (۳) ومن باع مالاً یرہ فلا خيار له.

﴿ باب خيار الرؤية ﴾

ضروری نوٹ کسی چیز کو دیکھے بغیر خرید لے تو اس وقت دیکھنے کے بعد چاہے تو خریدے اور چاہے تو نہ خریدے ایسے اختیار کو اختیار رویت کہتے ہیں۔ اختیار رویت جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرہ ؓ قال قال رسول اللہ من اشتری شیئاً لم یرہ فهو بالخيار اذا راه (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ۳، ص ۵، نمبر ۲۷۹۷ سنن للبیہقی، باب من قال یبوزیع العین الغائبۃ ج ۳، ص ۴۴۰، نمبر ۱۰۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع کو نہ دیکھا ہو تو دیکھنے کے بعد اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

[۸۵۹] (۱) کسی نے خرید ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں تو بیع جائز ہے۔

مجموعہ بغیر دیکھے بھی کسی چیز کو بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ مال ہے اور جھگڑا بھی نہیں ہوگا، کیونکہ دیکھ لینے کے بعد پسند نہ آئے تو بیع توڑ دے گا (۲) اوپر کی حدیث سے بھی پتہ چلا کہ بغیر دیکھے چیز خرید سکتا ہے۔

[۸۶۰] (۲) اور مشتری کو اختیار ہوگا جب بیع کو دیکھے چاہے تو اس کو لے لے اور چاہے تو اس کو واپس کر دے۔

تشریح دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

مجموعہ کیونکہ دیکھنے سے پہلے اس کی رغبت کاملہ نہیں ہے اور نہ وہ اس پر راضی ہے۔ اور پہلے گزر گیا کہ رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوگی (۲) اوپر حدیث گزری عن ابی ہریرہ ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من اشتری شیئاً لم یرہ فهو بالخيار اذا راه (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ۳، ص ۵، نمبر ۲۷۹۷ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ فی الرجل اشتری ولا یبصر الیہ من قال هو بالخيار اذا راه ان شاء اخذ وان شاء ترک، ج ۳، ص ۲۷۳، نمبر ۱۹۹۶) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

[۸۶۱] (۳) کسی نے بیچا ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں تو اس کو اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح بائع نے بغیر دیکھے بیع بیچ دی اور بعد میں اختیار رویت لینا چاہتا ہے۔ اور دیکھنے کے بعد اختیار رویت کے ماتحت بیع توڑنا چاہتا ہے تو اس کو اختیار رویت کے ماتحت بیع توڑنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

مجموعہ (۱) بیع تو اسی کے پاس تھی۔ اس نے بیع سے پہلے کیوں نہیں دیکھی؟ نہ دیکھنا یہ اس کی غلطی تھی اس لئے اس کو اختیار رویت نہیں دیا جائے گا (۲) اوپر کی حدیث میں من اشتری شیئاً فرمایا ہے کہ جس نے خریدا، جس سے معلوم ہوا کہ خریدنے والے کو اختیار ہوگا۔ من باع نہیں فرمایا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی ایسی چیز کو خریدا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی ایسی چیز کو خریدا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے۔

[۸۶۲] (۴) وان نظر الى وجه الصبرة او الى ظاهر الثوب مطويا او الى وجه الجارية او الى وجه الدابة وكفلها فلا خيار له [۸۶۳] (۵) وان رأى صحن الدار فلا خيار له وان لم

جس سے معلوم ہوا کہ بیچنے والے کو خیار رویت نہیں ہوگا (۳) اثر سے پتہ چلتا ہے کہ بائع کو خیار رویت نہیں ملے گا عن ابن ابی ملیکۃ ان عثمان ابتاع من طلحة بن عبید اللہ ارضا بالمدينة ناقلة بارض له بالكوفة فلما تباینا ندم عثمان ثم قال بايعتك مالم اره فقال طلحة انما النظر لی انما ابتعت مغیبا و اما انت فقد رايت ما ابتعت فجعلنا بينهما حکما فحکما جبر ابن مطعم فقضى على عثمان ان البيع جائز وان النظر لطلحة انه ابتاع مغیبا (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال بیوزع العین الغائبة ج خامس ص ۴۳۹، نمبر ۱۰۴۲۴) اس اثر میں جبر بن مطعم نے بائع حضرت عثمان کو خیار رویت نہیں دیا بلکہ مشتری حضرت طلحہ کو خیار رویت دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بائع کو خیار رویت نہیں ملے گا۔

اصول بائع کے لئے خیار رویت نہیں ہے۔

[۸۶۲] (۴) اگر ڈھیر کے اوپر کا حصہ دیکھا یا لپیٹے کپڑے کے ظاہری حصے کو دیکھا یا باندی کا چہرہ دیکھا یا جانور کا چہرہ دیکھا اور اس کا پچھلا حصہ دیکھا تو اس کے لئے خیار رویت نہیں ہے۔

تشریح بیع کے ہر ہر عضو کو دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ عرف میں جس عضو یا جس حصے کو دیکھنا شمار کیا جاتا ہے اس حصے کو دیکھنا کافی سمجھا جائے گا۔ اور اسی کو دیکھنے سے خیار رویت ختم ہو جائے گا۔ مثلاً ڈھیر کے اوپر کے حصے کو دیکھنے سے پورے ڈھیر کی معلومات ہو جاتی ہے۔ اس لئے اوپر کے حصے کو دیکھنا کافی ہوگا۔ اسی طرح باندی کے چہرے کو دیکھنے سے پوری باندی کا علم ہو جاتا ہے اس لئے چہرہ دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ جانور کے چہرے اور سرین کو دیکھنے سے پورا علم ہوتا ہے اور اس لئے انہیں کو دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

اصول جس حصے کے دیکھنے سے پوری بیع کا علم ہو جائے اس حصے کے دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

لغت مطویا : لپیٹا ہوا۔ کفل : جانور کی سرین۔

[۸۶۳] (۵) اور اگر گھر کے صحن کو دیکھا تو مشتری کو اختیار نہیں ہوگا چاہے اس کے کمرے کو نہ دیکھا ہو۔

تشریح مصنف کے ملک میں کمرے ایک طرح کے ہوا کرتے تھے اور صحن کو دیکھنے سے کمرے کا اندازہ ہو جاتا تھا اس لئے فرمایا کہ صحن کے دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ چاہے کمرے کو نہ دیکھا ہو۔ لیکن جن ملکوں میں کمرے کے اندر کا حصہ الگ الگ انداز کا ہو ان ملکوں میں کمرے کے اندر دیکھنا ہوگا۔ اس کے بغیر خیار رویت ساقط نہیں ہوگا وجہ اور اصول اوپر گزر گئے۔

حاشیہ : (ب) ابن ابی ملیکۃ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے طلحہ بن عبید اللہ سے مدینہ میں زمین خریدی کو فہ میں زمین کی بدلے میں مال غنیمت میں ملی تھی۔ پس جب دونوں جدا ہوئے تو حضرت عثمانؓ کو ندامت ہوئی پھر فرمایا میں نے ایسی چیز بیچی جو دیکھی نہیں ہے تو حضرت طلحہ نے فرمایا خیار رویت مجھے ہوگی۔ اس لئے کہ میں نے غائبانہ کی چیز خریدی ہے۔ بہر حال آپ نے دیکھا ہے جس کو بیچا ہے۔ تو دونوں نے حضرت جبر بن مطعم کو حکم بنایا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فیصلہ فرمایا کہ بیع جائز ہے اور خیار رویت حضرت طلحہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے غیبیہ بات کی چیز خریدی ہے۔

یشاہد بیوتھا [۸۶۴] (۶) وبيع الاعمی وشرأؤه جائز وله الخيار اذا اشتری [۸۶۵] (۷) ویسقط خياره بان یجس المبیع اذا کان یعرف بالجس او یشمه اذا کان یعرف بالشم او یدوقه اذا کان یعرف بالذوق کما فی البصر [۸۶۶] (۸) ولا یسقط خياره فی العقار حتی یوصف له [۸۶۷] (۹) ومن باع ملک غیره بغیر امره فالملک بالخیار ان شاء اجاز

[۸۶۴] (۶) نابینا کا بیچنا اور اس کا خریدنا جائز ہے لیکن اس کے لئے خیار رویت ہوگا جب خریدے۔

تشریح نابینا کا خریدنا اور بیچنا اس لئے جائز ہے کہ وہ آدمی ہے، عاقل و بالغ ہے۔ انسانی ضرورت اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا خریدنا اور بیچنا دونوں جائز ہیں۔ لیکن چونکہ آنکھ نہ ہونے کی وجہ سے بیع کو دیکھا نہیں ہے اس لئے اس کو خیار رویت ہوگا۔ اس کے خیار رویت ساقط ہونے کے مختلف طریقے ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۸۶۵] (۷) نابینا کا خیار ساقط ہو جائے گا اس طرح کہ بیع کو ٹٹولے اگر ٹٹولنے سے معلوم ہو سکتا ہو، یا اس کو سونگھ لے اگر سونگھنے سے معلوم ہو سکتا ہو، یا چکھ لے اگر چکھنے سے معلوم ہو سکتا ہو جیسا کہ دیکھنے والے آدمی میں ہوتا ہے۔

تشریح نابینا مشتری دیکھ نہیں سکتا ہے اس لئے بیع کی حقیقت کو پہچاننے کے لئے جو دوسرے طریقے ہو سکتے ہیں ان کو استعمال کرنے سے اس کا خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر سونگھ کر بیع کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اور سونگھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ اور چکھ کر معلوم کی جاسکتی ہو تو چکھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ جس طرح آدمی دیکھنے والا ہوا اور ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر دیکھ لے تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح نابینا بھی ایسا کر لے تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ یا پھر بیع دیکھنے کا کسی کو وکیل بنا لے اور وکیل دیکھ لے تو نابینا کا دیکھنا شمار کیا جائے گا اور اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

اصول اصل پر عمل نہ کر سکتا ہو تو اس کے نائب پر عمل کرنا کافی ہوگا۔ جس طرح وضو پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرنا کافی ہوگا۔

لغت تبخس : ٹٹول لے، چھو کر دیکھ لے۔ لشم : سونگھ لے۔ البصر : دیکھنے والے۔

[۸۶۶] (۸) اور زمین میں اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا وصف بیان کر دے۔

تشریح نابینا نے زمین خریدی اب اس کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر معلوم نہیں کر سکتا اس لئے اس کی خیار کے ساقط کرنے اور مکمل رضامندی کا طریقہ یہ ہے کہ بائع زمین کی پوری حقیقت بیان کرے اور پورا وصف بیان کرے۔ ان کو سن کر نابینا راضی ہو جائے تو خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

لغت العقار : زمین۔

[۸۶۷] (۹) جس نے غیر کی ملکیت کو اس کے حکم کے بغیر بیچا تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو بیع کو جائز قرار دے اور چاہے تو فسخ کر دے۔ اور اس کو اجازت دینے کا حق ہے جب تک معقود علیہ یعنی بیع باقی ہو اور بائع اور مشتری اپنی حالت پر ہوں۔

البيع وان شاء فسخ وله الاجازة اذا كان المعقود عليه باقيا والمتعاقدان بحالهما [۸۶۸] (۱۰) ومن رأى احد الثوبين فاشترهما ثم رأى الآخر جاز له ان يردهما.

تشریح کسی نے دوسرے کی چیز اس کے حکم کے بغیر بیچ دی تو اس کا بیچنا جائز ہے۔

مذہب کیونکہ یہ آدمی عاقل و بالغ ہے اور چیز مملوک اور بیع ہے۔ اور خود اپنے لئے نہیں بیچا مالک ہی کے لئے بیچا ہے۔ اب مالک چاہے تو اس بیچ کو جائز قرار دے اور پسند نہ ہو تو فسخ کر دے۔ اس بیچ کو بیع فضولی کہتے ہیں۔ اس بیچ کا ثبوت اس حدیث میں ہے عن عروۃ ان النبی ﷺ اعطاه دینارا یشتری له به شاة فاشتری له به شاتین فباع احدھما بدینار فجاءه بدینار وشاة فدعا له بالبرکة فی بیعه (الف) (بخاری شریف، کتاب المناقب ص ۵۱۴ نمبر ۳۶۴۲) اس حدیث میں حضرت عروۃ نے بغیر حضور کے حکم کے ایک دینار سے دو بکریاں خریدی، پھر بغیر حکم ہی کے ایک بکری بیچ دی اور ایک دینار نفع لیکر واپس آئے۔ اور آپؐ نے اس پر دعادی جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو پسند فرما کر اس بیچ کو جائز قرار دی۔ حالانکہ بغیر حکم کے بیچ کرنا فضولی کی بیع تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فضولی کی بیع جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مالک کو بعد میں بیچ بحال رکھنے اور توڑنے کا اختیار ہے۔

اصول فضولی کی بیع جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فضولی کی بیع جائز نہیں ہے۔

مذہب کیونکہ اس کے پاس بیع نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کے پاس بیع نہ ہو اس کے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے ذکر عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع ما لیس عندک (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل بیع مالیس عنده ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴ ترمذی شریف نمبر ۱۲۳۲) اس حدیث سے پتہ چلا کہ جو بیع آدمی کے پاس نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں۔ اس لئے فضولی کی بیع جائز نہیں ہے۔

بیع موجود ہو تب اجازت دے سکتا ہے اس کی قید اس لئے ہے کہ مالک کی اجازت کے بعد بیع ہوگی۔ پس اگر بیع موجود نہ ہو تو بیع کس پر ہوگی؟ اس لئے اجازت کے لئے بیع کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر بائع موجود ہوگا اور مشتری موجود ہوگا اور وہ اپنی حالت پر ہوں یعنی اجازت کے وقت عاقل، بالغ اور مالک ہوں تب بیع ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ اسی لئے متعاقدین یعنی بائع اور مشتری کو اپنی حالت پر ہونا ضروری ہے۔ مثلاً وہ عاقل ہی نہ رہے، مجنون ہو جائے تو اب اس کی جانب سے بیع کیسے ہوگی۔

نکتہ معقود علیہ : جس پر عقد ہوا ہو یعنی بیع۔ المتعاقدین : عقد کرنے والے یعنی بائع اور مشتری۔

[۸۶۸] (۱۰) کسی نے دو کپڑوں میں سے ایک کو دیکھا پھر دونوں کو خرید لیا پھر دوسرے کپڑے کو دیکھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ دونوں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت عروہ کو ایک دینار دیا تاکہ اس سے ایک بکری خریدے۔ انہوں نے اس ایک دینار سے دو بکریاں خرید لی، پھر ایک بکری کو ایک دینار میں بیچا۔ پس حضور کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لے کر آئے۔ آپؐ نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعا کی (ب) آپؐ نے فرمایا ادھار بیچنا اور ساتھ ہی بیع کرنا حلال نہیں۔ بیع میں مخالف قسم کی دو شرطیں لگانا صحیح نہیں، جب تک ضامن نہ ہو اس سے نفع اٹھانا صحیح نہیں۔ اور جو کچھ تمہارے پاس نہ ہو اس کا بیچنا صحیح نہیں۔

[۸۶۹] (۱۱) ومن مات وله خيار الرؤية بطل خياره [۸۷۰] (۱۲) ومن رای شیئا ثم

کپڑوں کو واپس کر دے۔

تشریح صرف ایک کپڑے کو دیکھا تھا اور ایک ہی بیع میں دوسرے کپڑے کو بھی خرید لیا جس کو دیکھا نہیں تھا تو دوسرے کپڑے کے خيار رویت کے ماتحت دونوں کپڑوں کو واپس کر سکتا ہے۔

مذہب دونوں کپڑے مختلف ہیں۔ ایک کو دیکھنا دوسرے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے دوسرے کپڑے میں خيار رویت ملے گا اور چونکہ بیع ایک ہی ہے اور ایک کپڑے کو واپس کرے گا تو آدھی بیع رہ جائے گی اور آدھی واپس ہوگی اس لئے واپس کرے گا تو دونوں اور رکھے گا تو دونوں کپڑے۔ اثر میں ہے عن الشعبي في رجل اشترى رقيقا جملة فوجد بعضهم عيبا قال يردهم جميعا او يأخذهم جميعا (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل يشتري الممبوع جملة فيجد في بعضه عيبا ج ۱ ص ۱۵۶ نمبر ۱۴۶۹۹) اس اثر میں ہے کہ تمام بیع لے یا تمام چھوڑ دے۔

اصول یہاں یہ اصول جاری ہے کہ بیع مختلف ہیں اس لئے ایک کو دیکھنا دوسرے کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے دوسرے میں خيار رویت ملے گا (۲) پوری بیع واپس ہوگی آدھی نہیں۔

[۸۶۹] (۱۱) کوئی مرا اور اس کے لئے خيار رویت تھا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔

مذہب خيار رویت ایک معنوی چیز ہے اور اختیار اور ارادے کا نام ہے۔ اور معنوی چیز دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے مرنے کے بعد یہ اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ باطل ہو جائے گا۔

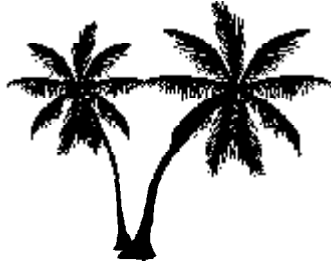
[۸۷۰] (۱۲) کسی نے کوئی چیز دیکھی پھر اس کو ایک مدت کے بعد دیکھا پس اگر اسی صفت پر ہے جیسا دیکھا تھا تو اس کے لئے اختیار نہیں ہے۔ اور اگر اس کو بدلا ہوا پایا تو مشتری کے لئے خيار رویت ہے۔

تشریح اس رویت سے خيار رویت ساقط ہوگا جس سے بیع کی حقیقت کا علم ہو جائے۔ اور اگر بیع کی حقیقت کا علم نہ ہو تو وہ رویت اختیار کے ساقط کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اب اگر مثلاً چھ ماہ پہلے ایک چیز کو دیکھا تھا اور اسی حال پر وہ بیع موجود ہے تو پہلی رویت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے مشتری کو خيار رویت نہیں ملے گا۔ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے عن ابن سيرين قال اذا ابتاع رجل منك شيئا على صفة فلم يخالف ما و صفت له فقد وجب عليه البيع (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب البيع على الصفة وهي غائبة ج ۱ ص ۴۴ نمبر ۱۴۲۳) اس اثر میں ہے کہ اسی صفت پر موجود ہے تو خيار رویت نہیں ملے گا۔ بیع واجب ہوگی۔ اور اگر بیع کی حالت بدل گئی ہے تو پہلی رویت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے مشتری کو خيار رویت ملے گا۔ اور اس کے ماتحت بیع کو واپس کرنے کا حق ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ کوئی آدمی آپ سے کوئی چیز خریدے کسی صفت پر اور جو صفت بیان کی اس کے خلاف نہیں کیا تو اس پر بیع واجب ہوگئی۔

اشترأه بعد مدة فان كان على الصفة التي راه فلا خيار له وان وجدته متغيرا فله الخيار.

اصول حقیقت کو معلوم کرنے والی رویت خیار رویت ساقط کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے (۲) جو رویت حقیقت کا علم نہ دے وہ خیار رویت ساقط کرنے کے لئے کافی نہیں۔



﴿ باب خيار العيب ﴾

[۸۷۱] (۱) اذا اطلع المشتري على عيب في المبيع فهو بالخيار ان شاء اخذه بجميع الثمن وان شاء رده وليس له ان يمسكه يأخذ النقصان.

﴿ باب خيار العيب ﴾

ضروری نوٹ بیع میں عیب ہو جائے جس کے ماتحت بیع کو واپس کرنے کا اختیار ہو اس کو خيار عیب کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان يقيم ثم وجد به عيبا فخاصمه الى النبي ﷺ فرده عليه فقال الرجل يا رسول الله قد استغل غلامي فقال رسول الله ﷺ الخراج بالضمان (الف) (ابوداؤد شریف، باب فيمن اشترى عبدا فاستعمله ثم وجد به عيبا ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۱ ابن ماجہ شریف، باب الخراج بالضمان ص ۳۲۱ نمبر ۲۲۴ سنن للبیہقی، باب المشتري يتجدد بما اشتراه عيبا وقد استعمله زمانا ج خامس ص ۵۲۶ نمبر ۷۲۷) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ غلام میں عیب پایا تو اس کو بائع کی طرف واپس کر دیا۔

[۸۷۱] (۱) اگر مشتری بیع میں عیب پر مطلع ہو گیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن سے اس کو لے اور اگر چاہے تو بیع کو واپس کر دے۔ لیکن مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ بیع کو روک لے اور نقصان لے۔

تشریح مشتری نے بیع پر قبضہ کیا یہ سمجھ کر کہ اس میں عیب نہیں ہے بعد میں عیب کا پتہ چلا تو اس کے لئے خيار عیب کے ماتحت یہ اختیار ہے کہ پوری بیع واپس کر دے۔ لیکن یہ نہیں ہوگا کہ بیع رکھ لے اور عیب کا جو نقصان ہے وہ نقصان بائع سے واپس لے لے۔ واپس اس وقت کر سکتا ہے جب خریدتے وقت اس عیب کو دیکھا نہ ہو اور اس عیب پر راضی نہ ہوا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا عیب ہو جس کو تجارت عیب کہتے ہیں تب عیب کے ماتحت بیع واپس کر سکتا ہے۔

مجہ (۱) بیع واپس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کا حق ضائع ہوا اس لئے بیع واپس کر کے اپنا پورا حق وصول کرے گا (۲) اوپر حدیث میں تھا کہ عیب کے ماتحت صحابی نے غلام واپس کیا جس سے پتہ چلا کہ عیب کے ماتحت بیع واپس کر سکتا ہے عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان يقيم ثم وجد به عيبا فخاصمه الى النبي ﷺ فرده عليه (ب) (ابوداؤد شریف، باب فيمن اشترى عبدا فاستعمله ثم وجد به عيبا ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیب کے ماتحت بیع واپس کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پوری بیع واپس کرے۔ بیع میں کوئی اضافہ نہ ہوا ہو تو نقصان وصول نہ کرے۔ اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوری بیع واپس کرے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔ پس اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا پھر اس میں عیب پایا تو حضور کے پاس جھگڑا لے گیا تو غلام کو بائع پر واپس کر دیا گیا۔ بائع نے فرمایا حضور اس نے میرے غلام کو قرض میں بتلا کر دیا تو آپ نے فرمایا ضمان کی وجہ سے خراج لازم ہوتا ہے (ب) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔ پس اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا پھر اس میں عیب پایا تو حضور کے پاس جھگڑا لے گیا تو غلام کو بائع پر واپس کر دیا گیا۔

[۸۷۲] (۲) وکل ما اوجب نقصان الثمن فی عادة التجار فهو عیب [۸۷۳] (۳) والاباق والبول فی الفراش والسرقة عیب فی الصغر مالم یبلغ فاذا بلغ فلیس ذلک عیب حتی

عن الشعبی فی رجل اشتری رقیقا جملة فوجد ببعضهم عیبا قال یردهم جمیعا او یأخذهم جمیعا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یشتری البیع جملة فوجد فی بعضه عیبا ج ثامن ص ۱۵۶ نمبر ۱۳۶۹۹) اس اثر میں ہے کہ پوری بیع واپس کرے یا پوری بیع رکھ لے۔ نقصان نہ لے۔ نقصان نہ وصول کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عیب ایک صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اس لئے عیب کے لئے کوئی الگ سے قیمت نہیں دی جائے گی۔

[۸۷۲] (۲) ہر وہ عیب جو نقصان واجب کرتا ہوتا جروں کی عادت میں وہ عیب ہے۔

تشریح تاجر جس کو عیب کہتے ہوں اور جس عیب کی وجہ سے قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہو وہ عیب ہے۔

اصول عیب میں وہاں کے محاورے کا اعتبار ہے۔

[۸۷۳] (۳) بھاگنا اور چار پائی میں پیشاب کرنا اور بچپن میں چوری کرنا عیب ہیں جب تک بالغ نہ ہو۔ پس جب بالغ ہو جائے تو پہلے والا عیب نہیں ہے جب تک کہ بالغ ہونے کے بعد پھر نہ کرے۔

تشریح یہاں عبارت میں اضطراب ہے۔ مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بچپن میں پیشاب کرنا، بھاگنا اور چوری کرنا کسی اور سبب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اور بالغ ہونے کے بعد یہ سبب کرنا کسی اور سبب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر بچپن میں یہ سبب عیب ہوئے اور مشتری نے بچپن میں خرید لیا پھر بالغ ہونے کے بعد مشتری کے یہاں دوبارہ یہ سبب عیب ظاہر ہوئے تو مشتری ان عیبوں کے ماتحت بالغ کی طرف غلام واپس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مشتری کے یہاں نئے عیب ظاہر ہوئے ہیں۔ بالغ کے یہاں کے عیوب نہیں ہیں۔ ہاں بالغ ہونے کے بعد بالغ کے یہاں یہ عیوب ہوتے اور بالغ ہونے کے بعد ہی مشتری نے غلام خریدا اور دوبارہ مشتری کے یہاں یہ عیوب ظاہر ہوتے تو چونکہ بالغ کے یہاں ہی یہ عیوب بالغ ہونے کے بعد پیدا ہو چکے تھے اور مشتری کے یہاں وہی عیوب ظاہر ہوئے تو چونکہ دونوں عیب ایک ہی ہیں اس لئے اب مشتری بیع کو واپس کر سکتا ہے۔ چار پائی میں پیشاب کرنا بچپن میں مثلاً نہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور بالغ ہونے کے بعد پیٹ میں بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بچپن میں بھاگنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کو کھیل سے محبت ہے اور بالغ ہونے کے بعد سمجھدار ہو گیا ہے اب بھاگنا فطری خباثت کی وجہ سے ہے۔ بچپن میں چوری کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کو پرواہ نہیں ہے اور بالغ ہونے کے بعد فطری خباثت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے بچپن میں یہ عیوب کوئی اور ہیں اور بالغ ہونے کے بعد یہ عیوب بالکل دوسرے ہیں۔ اس لئے بچپن میں یہ عیوب بالغ کے پاس ہوتے تھے اور مشتری کے پاس جانے کے بعد بچپن میں یہ عیوب ظاہر نہیں ہوئے بلکہ بالغ ہونے کے بعد ظاہر ہوئے تو مشتری عیب کے ماتحت ان غلاموں کو واپس نہیں کر سکتا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کئی غلام خریدے پھر ان کے بعض میں عیب پایا۔ حضرت شعبی نے فرمایا سب غلاموں کو واپس کر دیا۔ کو لئے رکھو۔

يعاوده بعد البلوغ [۸۷۴] (۴) والبخر والذفر عيب في الجارية وليس بعيب في الغلام الا ان يكون من داء [۸۷۵] (۵) والزنا وولد الزنا عيب في الجارية دون الغلام [۸۷۶] (۶) واذا حدث عند المشتري عيب ثم اطلع على عيب كان عند البائع فله ان يرجع بنقصان

وجہ کیونکہ بائع کے پاس سے یہ عیوب آئے ہی نہیں ہیں۔ اثر میں ہے عن حماد فی رجل اشتری عبدا فاخبر انه ابق وهو صغير قال لا یرد من ذلك، انما یرد من ذلك اذا فعله وهو كبير (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب هل یرد من العسر والعین والحق والابق ج ثامن ص ۱۶۷ نمبر ۱۴۷۰) اس اثر میں بچپن میں بھاگنے سے لوٹانے کی اجازت نہیں دی۔

اصول بائع کے یہاں سے عیب نہ آیا ہو تو مشتری واپس نہیں کر سکتا۔

نکتہ الا باق : بھاگنا۔ السرقة : چوری کرنا۔ يعاوده : دوبارہ ظاہر ہو۔

[۸۷۴] (۴) منہ کی بدبو اور بغل کی بدبو عیب ہے باندی میں اور نہیں ہے عیب غلام میں مگر یہ کہ بیماری کی وجہ سے ہو۔

تشریح باندی کے ساتھ مولیٰ رات گزارے گا۔ پس اگر باندی میں منہ کی بدبو یا بغل کی بدبو ہو تو رات گزارنا مشکل ہوگا۔ اور نفع اٹھانے سے محروم رہے گا اس لئے باندی میں یہ عیب ہے۔ ان کی وجہ سے باندی کو واپس کر سکتا ہے۔ البتہ غلام کے ساتھ رات گزارنا نہیں ہے اس لئے اس میں بدبو ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر بیماری کی وجہ سے بدبو ہو تو بیماری خود عیب ہے اس لئے بیماری کی وجہ سے غلام واپس کر سکتا ہے

نکتہ الخمر : منہ کی بدبو۔ الذفر : بغل کی بدبو۔ الجارية : باندی۔ داء : بیماری۔

[۸۷۵] (۵) زنا اور ولد الزنا ہونا عیب ہے باندی میں نہ کہ غلام میں۔

وجہ (۱) زنا والی عورت ہوگی تو اس سے جو نسل چلے گی وہ خراب عادت کی ہوگی۔ اور باندی سے نسل بڑھانا ہے تو گویا کہ خراب عادت ڈالنے والی عورت آگئی اس لئے باندی میں زنا کار ہونا عیب ہے۔ اسی طرح باندی تو خود زنا کار نہیں ہے لیکن اس کی ماں نے زنا کر کے اس کو پیدا کیا ہے اور یہ باندی حرامی ہے اب اس سے جو نسل ہوگی وہ بھی حرامی اور عیب دار کہلائے گی۔ اس لئے باندی میں زنا کار ہونا، حرامی ہونا عیب ہے۔ غلام سے نسل نہیں بڑھانا ہے اس لئے اس میں یہ دونوں باتیں عیب نہیں ہیں۔ ہاں غلام زنا میں اتنا مشغول ہے کہ خدمت کرنے میں خلل انداز ہوتا ہے تو پھر یہ عیب شمار ہوگا۔ اور اس کے ماتحت بائع کو واپس کیا جائے گا (۲) دلیل یہ اثر ہے عن شریح اختصم الیہ فی امۃ زنت فقال الزنا یرد منه (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب یرد من الزنا والحمل، ج ثامن ص ۱۶۶ نمبر ۱۴۷۳) اس اثر میں باندی زنا کی وجہ سے لوٹائی گئی۔

[۸۷۶] (۶) اگر مشتری کے پاس نیا عیب پیدا ہو جائے پھر اس عیب پر مطلع ہو تو جو بائع کے پاس تھا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ عیب کے

حاشیہ : (الف) حضرت حماد سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔ پس اس کو خبر دی گئی کہ بچپن میں وہ بھاگتا تھا۔ فرمایا اس کی وجہ سے لوٹایا نہیں جائے گا۔ لوٹایا جائے گا اس وجہ سے جب وہ بڑے ہونے کی حالت میں بھاگا ہو (ب) حضرت قاضی شریح کے سامنے ایک فیصلہ آیا۔ ایک باندی نے زنا کی تھی، زنا کی وجہ سے بائع کی طرف واپس کی جائے گی۔

العیب ولا یرد المبیع الا ان یرضی البائع ان يأخذه بعیبه [۸۷۷] (۷) وان قطع المشتري

نقصان کا رجوع کرے اور بیع واپس نہ لوٹائے مگر یہ بائع راضی ہو کہ اس کو بعینہ واپس لے لے۔

شرح مشتری نے بیع خریدی، پھر اس کے یہاں نیا عیب پیدا ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ بائع کے یہاں بھی ایک عیب تھا۔ اب بیع واپس کرتے ہیں تو نئے عیب والی بیع واپس کرنا ہوگی۔ اور نہیں کرتے ہیں تو مشتری کا حق ضائع ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ صحیح سالم بیع اور عیب دار بیع کے درمیان جو فرق ہے وہ فرق بائع سے وصول کرے اور بیع اپنے پاس رکھ لے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بائع راضی ہو تو نئے عیب کے باوجود بیع کو واپس کر دے۔ لیکن اس صورت میں اس عیب دار بیع کو لینے کے لئے بائع کا راضی ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مشتری کے یہاں بھی ایک عیب پیدا ہو چکا ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابراہیم فی الرجل یشتری عبداً به عیب فیحدث عند المشتري عیباً، قال یرد الداء بدائه، واذا حدث به حدث فهو من مال المشتري ویرد البائع فضل ما بین الصحة والداء (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب العیب یحدث عند المشتري وكيف ان كان یعرف انه قدیم ج خامس ص ۱۵۷ نمبر ۱۴۷۰) اس اثر میں ہے کہ مشتری عیب کا نقصان وصول کر سکتا ہے۔ عبارت میں یرد الداء بدائه ہے اس لئے بائع راضی ہو تو بیع واپس کر سکتا ہے (۲) عیب دار لینا بائع کا اپنا حق ہے اس لئے وہ اپنا حق ساقط کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اس بات پر متفرع ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ اثر میں ہے عن شریح قال عہدة السلم وان لم یشرط لا داء ولا غائلة ولا خبث ولا شین (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴۲ فی الرجل یشتری السلعة ولا تبرا الیہ ج خامس ص ۵، نمبر ۲۳۱۶۸) اس اثر میں ہے کہ چاہے شرط بھی نہ لگائے تب بھی مسلمان دوسرے کو نہ بیماری والی بیع دے نہ ہلاکت والی دے نہ خباثت والی دے اور نہ عیب دار بیع دے (۳) ایک اور حدیث میں ہے کہ دھوکہ دینا ٹھیک نہیں عن ابی ہریر ؓ ان رسول اللہ ﷺ مر علی صبرة من طعام فادخل یدہ فیہا فنالت اصابعہ بللاً فقال یا صاحب الطعام ما هذا؟ قال اصابتہ السماء یا رسول اللہ قال افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس ثم قال من غش فلیس منا (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کرہیۃ الغش فی البیوع ص ۲۴۵ نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اندر رجوع عیب ہو اس کو ظاہر کر دینا چاہئے اور کسی کو دھوکہ نہ دینا چاہئے۔ اس لئے بائع یا مشتری کسی کو نقصان ہوا ہو تو حتی الامکان اس نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اصول حتی الامکان نقصان ادا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۸۷۷] (۷) اگر مشتری نے کپڑا کاٹا اور اس کو سی لیا یا کپڑے کو رنگ دیا یا ستو کو گھی میں ملا دیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے نقصان کا رجوع

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ ایک نے غلام خریدا اس میں عیب تھا۔ پھر مشتری کے پاس دوسرا عیب پیدا ہوا۔ فرمایا عیب دار کو پہلے عیب کے ماتحت لوٹا یا جاتا، لیکن جب اس میں نیا عیب پیدا ہوا تو بیع مشتری کا مال ہے اور بائع وہ فرق واپس کرے گا جو صحیح سالم بیع اور عیب دار کے درمیان ہے (ب) آپؐ غلے کے ایک ڈھیر پر سے گزرے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا تو آپؐ کی انگلیوں پر اس کی تری لگی۔ آپؐ نے پوچھا غلہ والے یہ کیا ہے؟ فرمایا یا رسول اللہ بارش ہو گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تو غلہ کو اوپر کیوں نہ کر دیا؟ تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا جو دھوکہ دے ہم میں سے نہیں ہے۔

الثوب وخاطه او صبغه او لث السويق بسمن ثم اطلع على عيب رجع بنقصانه وليس للبائع ان يأخذه بعينه [۸۷۸] (۸) ومن اشترى عبدا فاعتقه او مات عنده ثم اطلع على

کرے گا۔ اور بائع کے لئے جائز نہیں ہے کہ بعینہ بیع کو لے لے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری کے پاس جانے کے بعد بیع میں ایسی زیادتی ہوگئی کہ بیع سے الگ نہیں ہو سکتی۔ اب اگر بیع کو واپس کرتے ہیں تو زیادتی کے ساتھ واپس ہوتی ہے۔ اس صورت میں سود کا شائبہ ہیکہ بائع نے سود لیا۔ اس لئے یہی ایک صورت ہے کہ صحیح اور عیب دار بیع میں جو فرق ہے وہ وصول کرے۔

مذہب (۱) اثر میں اس کا ثبوت ہے عن علی فی رجل اشترى جارية فوطئها فوجد بها عيبا قال لزمته ويرد البائع ما بين الصحة والداء وان لم يكن ووطئها ردھا (الف) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فیمن اشترى جارية فاصابها ثم وجد بها عيبا ج خامس ص ۵۲۶، نمبر ۴۵/۱۰ مصنف عبدالرزاق، باب الذی یشتری الامۃ فبیع علیہا ج ثامن ص ۱۵۲ نمبر ۶۸۴/۱۴) اس اثر میں باندی سے وطی کرنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تو باندی کو واپس نہیں کر سکتا بلکہ نقصان واپس لینے کا حکم دیا۔ اسی طرح کپڑا کاٹ کر سی لیا تو کپڑے میں زیادتی ہوگئی۔ یا رنگ دیا تو زیادتی ہوگئی یا ستون کو گھی میں ملا لیا تو ستون میں ایسی زیادتی ہوگئی کہ الگ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے نقصان کا رجوع کرے گا۔ اور بائع اس بیع کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا کیونکہ اس بیع میں زیادتی ہوگئی۔ اب اگر اس کو واپس لیگا تو زیادتی ہونے کی وجہ سے ربوا اور سود کا شائبہ ہوگا۔ اس لئے اس بیع کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔

اصول بیع میں زیادتی ہو جائے پھر عیب دیکھے تو رجوع بالنقصان کرے گا۔

[۸۷۸] (۸) کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا مشتری کے پاس مر گیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

تشریح کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا اس کے پاس مر گیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

تشریح غلام مر گیا اس کے بعد عیب کی اطلاع ہوئی تو غلام کو واپس نہیں کر سکتا لیکن مشتری کا حق بائع کے پاس رہ گیا جس کو واپس کرنا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ نقصان کا رجوع کرے۔ یہ بھی نہیں ہے کہ مشتری نے جان کر مارا ہے کہ یہ کہہ سکے کہ مشتری اس عیب پر راضی تھا بلکہ یہ قدرتی طور پر مر رہا ہے اس لئے رجوع بالنقصان کرے گا۔ اثر میں ہے عن الزہری فی العہدۃ بعد الموت قال ینقص عنه بقدر العیب (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب العہدۃ بعد الموت والعق ج ثامن ص ۱۶۳ نمبر ۷۲/۱۴) اس اثر میں ہے کہ مرنے کے بعد عیب کی مقدار نقصان کا رجوع کرے گا۔ اس طرح غلام آزاد کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

مذہب (۱) آزاد ہونا انسان کا انسانی حق ہے اس لئے مولیٰ نے آزاد کیا تو اس کو اس کا انسانی حق دیا تو جو ہونا چاہئے وہی کیا تو آزاد کرنا غلام کے

حاشیہ : (الف) حضرت علی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے باندی خریدی اور اس سے وطی کی۔ پھر اس میں عیب پایا تو فرمایا کہ باندی مشتری کو لازم ہوگئی۔ اور بائع تندرست اور عیب کے درمیان جو فرق ہے وہ واپس کرے۔ اور اگر باندی سے وطی نہ کی ہو تو باندی واپس کر سکتا تھا (ب) حضرت زہری سے غلام کی موت کے بعد عہدے کے بارے میں یہ ہے، فرمایا عیب کی مقدار اس سے کم کر دیا جائے گا۔

عیب رجع بنقصانه [۸۷۹] (۹) فان قتل المشتري العبد او كان طعاما فاكله ثم اطلع على عيبه لم يرجع عليه بشيء في قول ابي حنيفة رحمه الله وقالوا يرجع بنقصان العيب [۸۸۰] (۱۰) ومن باع عبدا فباعه المشتري ثم رُدَّ عليه بعيب فان قبله بقضاء القاضي فله ان يرده

خود بخود مرنے کی طرح ہو گیا اس لئے اس صورت میں بھی نقصان وصول کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے عن الشعبي ان رجلا ابتاع عبدا فاعتقه ووجد به عيبا فقال يرد علي صاحبه فضل ما بينهما ويجعل ما رد عليه في رقاب لانه قد كان وجهه (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب العهد بعد الموت والعق ج ثامن ص ۱۶۲ نمبر ۱۴۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تو نقصان وصول کرے گا۔

اصول خود بخود بیع ہلاک ہو جائے اور بعد میں عیب کا پتہ چلے تو چونکہ یہ شائبہ نہیں ہے کہ مشتری اس عیب سے راضی تھا اس لئے بائع سے نقصان وصول کرے گا۔

[۸۷۹] (۹) پس اگر مشتری نے غلام کو قتل کر دیا یا کھانا کھا تو اس کو کھالیا پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا تو امام ابوحنیفہ کے قول میں بائع پر کچھ بھی رجوع نہیں کرے گا۔ اور صاحبین نے فرمایا نقصان وصول کرے گا۔

تشریح مشتری نے غلام کو قتل کر دیا، یا بیع کھانا کھا تو اس کو کھالیا پھر پتہ چلا کہ اس میں عیب ہے تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بائع سے نقصان وصول نہیں کرے گا۔

مذہب کیونکہ جب خود قتل کر دیا اور کھالیا تو اب اگر بائع اس بیع کو واپس مانگے تو مشتری نہیں دے سکے گا۔ اور یہ مشتری کے کرتوت سے ہوا تو گویا کہ مشتری کا عمل نے بیع کو واپس نہیں ہونے دیا۔ اس لئے مشتری کو نقصان لینے کا حق نہیں ہوگا (۲) قتل کرنا اس بات پر دلیل ہو سکتا ہے کہ وہ اس عیب سے راضی تھا۔ اس لئے بھی نقصان نہیں لے سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نقصان لے گا۔

مذہب کیونکہ مشتری کو کیا پتہ کہ بیع میں عیب تھا اس لئے وہ عیب سے راضی نہیں تھا۔ اور مشتری کا حق عیب بائع کے یہاں محبوس ہے۔ اس لئے وہ عیب کا نقصان بائع سے لے گا (۲) صاحبین کی دلیل اوپر حضرت علی کا اثر ہے کہ عیب کا نقصان لے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری نے خود بیع کو ہلاک کیا ہو پھر عیب دیکھے تو نقصان لیگا یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں لے گا، صاحبین کے نزدیک لے گا۔

[۸۸۰] (۱۰) کسی نے غلام بیچا۔ پھر اس غلام کو مشتری نے دوسرے کے پاس بیچ دیا۔ پھر عیب کے ماتحت غلام مشتری پر واپس کر دیا گیا۔ پس اگر مشتری نے اس غلام کو قاضی کے فیصلہ سے قبول کیا تو اس کو حق ہے کہ اس غلام کو بائع اول کو واپس کر دے۔ اور اگر اس کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر قبول کیا تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو بائع اول پر واپس کرے۔

حاشیہ: (الف) حضرت شعبی سے منقول ہے کہ کسی آدمی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا۔ بعد میں اس میں عیب پایا۔ فرمایا بائع پر دونوں کے درمیان فرق لوٹایا جائے گا (یعنی صحیح اور عیب دار کے درمیان قیمت کا جو فرق ہو وہ بائع سے لیا جائے گا) پھر جو کچھ لوٹایا وہ غلام کی گردن پر ڈالا جائے گا۔ اس لئے کہ وہی اس کا سبب بنا۔

علی بائعہ الاول وان قبلہ بغير قضاء القاضی فلیس له ان یرده علی بائعہ الاول [۸۸۱]

(۱۱) ومن اشتری عبدا و شرط البائع البراءة من کل عیب فلیس له ان یرده بعیب وان

تشریح مثلاً زید مشتری نے غلام خریدا، پھر اس کو دوسرے کے پاس بیچا، پھر مشتری ثانی خالد نے اسی عیب کے ماتحت جو پہلے بائع کے پاس تھا مشتری اول زید کو واپس کر دیا، تو زید بائع اول رحیم کے پاس واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ زید نے عیب کا انکار کیا پھر قاضی نے عیب کے ماتحت غلام کو واپس کرنے کا فیصلہ دیا جس سے مجبور ہو کر زید نے غلام کو قبول کیا تو اس صورت میں زید کو حق ہے کہ اس عیب کی وجہ سے غلام کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کر دے۔

وجہ قاضی نے جب غلام واپس کرنے کا فیصلہ دیا تو زید اور خالد کے درمیان کی بیع بالکل ختم ہو گئی گویا کہ کوئی بیع ہوئی ہی نہیں۔ اور مشتری نے گویا کہ کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے بیع بائع اول رحیم کی طرف لوٹنا متعذر ہو۔ قاعدہ یہ ہے کہ مشتری کوئی ایسا کام کرے جس سے بیع بائع کی طرف لوٹنا متعذر ہو جائے تو پھر مشتری عیب کی وجہ سے بائع کی طرف نہیں لوٹا سکتا۔ یہاں تو قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے دوسری بیع نسیا منسب ہو گئی۔ اس لئے مشتری نے گویا کہ کوئی ایسا کام کیا ہی نہیں جس کی وجہ سے بیع کا واپس ہونا متعذر ہو۔ اس لئے مشتری زید بائع اول رحیم کی طرف بیع واپس کر دے گا۔

اور قاضی کے فیصلہ کے بغیر مشتری زید نے خالد سے بیع واپس لے لی تو زید اور خالد کی درمیان کی بیع بالکل ختم نہیں ہوئی۔ اس کے اثرات باقی ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ زید کے بیچنے کی وجہ سے بیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کرنا متعذر ہو گیا۔ اور قاعدہ گزر گیا کہ مشتری کے عمل سے بیع کو بائع کی طرف واپس کرنا متعذر ہو جائے تو مشتری بیع کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا۔ اور اس صورت میں یہی ہوا کہ مشتری زید کے بیچنے کی وجہ سے بیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کرنا متعذر ہو گیا۔ اور قاضی کا فیصلہ بھی نہیں ہے کہ بیع نسیا منسب ہو جائے۔ اس لئے زید بیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس نہیں کر سکتا

نوٹ اگر عیب دیکھنے کے بعد بیچا ہو تو بیع واپس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عیب دیکھنے کے بعد بیچنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس عیب پر راضی ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن عامر فی الرجل یشتری السلعة فیری بها العیب ثم یعرضها علی البیع لیس له ان یردها (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۷۴ فی الرجل یشتری السلعة فیجد بها عیبا ج خامس ص ۱۱، نمبر ۲۳۲۳۱) اس اثر میں ہے کہ عیب دیکھنے کے بعد سامان کو بیچنے کے لئے پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عیب سے راضی ہے۔ اس لئے اب اس کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا۔

اصول اگر مشتری کے عمل سے بیع کو واپس کرنا متعذر ہو گیا تو بیع کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا۔

[۸۸۱] (۱۱) کسی نے غلام خریدا اور بائع نے ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگائی تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ عیب کے ماتحت اس کو واپس کرے۔ چاہے تمام عیوب کا نام نہ لیا ہو اور نہ ان کو گنوا یا ہو۔

تشریح بائع نے بیع بیچی اور کہا کہ بیع دیکھ لیں اور خرید لیں۔ میں تمام عیوب سے بری ہوں۔ پھر واپس نہیں کروں گا۔ تو چاہے ہر عیب کو نہ حاشیہ : (الف) حضرت عامر کا اثر ہے کہ ایک آدمی نے سامان خریدا، پس اس میں عیب دیکھا پھر اس کو بیع پر پیش کیا تو اس کے لئے بیع کو لوٹانے کا حق نہیں ہے۔

لم یسم جملة العیوب ولم یعدها.

گنایا ہوا اور نہ تمام عیوب کا نام لیا ہو پھر بھی وہ تمام عیوب سے بری ہوگا۔ اور مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے بائع کے پاس واپس نہیں کر سکے گا۔

وجہ (۱) عیب سے براءت کے ساتھ خریدنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال لی العداء بن خالد بن هوذة الا اقرنک کتابا کتبہ لی رسول اللہ ﷺ؟ قال قلت بلی! فاخرج لی کتابا، ہذا ما اشتری العداء بن خالد بن هوذة من محمد رسول اللہ ﷺ اشتری منی عبدا او امة لا داء ولا غائلة ولا خبثة بیع المسلم المسلم (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کتابہ الشروط ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۶) اس حدیث میں آپؐ نے لا داء ولا غائلة ولا خبثة کی براءت لکھ کر صحابی کو دی ہے کہ یہ عیوب نہیں ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عیب سے براءت کی شرط کے ساتھ بیع کی جاسکتی ہے۔ اور چاہے تمام عیوب نہ گنوائے ہو تب بھی تمام عیوب سے بری ہو جائے گا۔ بشرطیکہ عیب کو جانتے ہوئے جھوٹ نہ بولا ہو۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان عبد اللہ بن عمر باع غلاما لہ بثمانی مائة درهم فباعہ بالبراءة فقال الذی ابتاعہ لعبد اللہ بن عمر بالغلام داء لم تسمہ لی فاخصمنا الی عثمان بن عفان فقال الرجل باعنی عبدا وبه داء لم یسمہ لی وقال عبد اللہ بعته بالبراءة فقضی عثمان علی عبد اللہ بن عمر ان یحلف لہ لقد باعہ العبد وما به داء یعلمہ فابی عبد اللہ ان یحلف وارتجع العبد (ب) (موطا امام مالک، باب العیب فی الرقیق ص ۵۷) اس اثر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تمام عیوب سے براءت کی شرط سے غلام بیچا تھا اور ہر عیب کا نام نہیں گنوایا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے اس کو مان لیا۔ صرف یہ قسم کھائی کہ آپ کو بیچتے وقت اس عیب کا علم نہیں تھا اس پر قسم کھائیں۔ تاہم حضرت عبداللہ نے اس پر بھی قسم نہیں کھائی جس کی وجہ سے غلام حضرت عبداللہ کی طرف واپس کر دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام عیوب سے براءت کا نام لیا اور ہر عیب کا نام نہیں لیا تب بھی تمام عیوب سے براءت ہو جائے گی (۳) یہ اثر بھی اس کی دلیل ہے عن عبد اللہ بن عامر عن زید بن ثابت انه کان یروی البراءة من کل عیب جائزا (سنن للبیہقی، باب بیع البراءة ج ۵ ص ۵۳۶، نمبر ۸۴۸۷) اس اثر میں حضرت عبداللہ تمام عیوب سے براءت کو جائز سمجھتے تھے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عیب سے بری ہونا گویا کہ اچھی بیع کا مالک بنانا ہے اس لئے اس میں جہالت نہیں چلے گی۔ اس لئے جن جن عیوب کا نام لے گا انہیں عیوب سے بری ہوگا۔ اور جن عیوب کا نام نہیں لے گا ان عیوب سے بائع بری نہیں ہوگا۔ ان عیوب کی وجہ سے مشتری کو بیع لوٹانے کا حق ہوگا۔

حاشیہ : (الف) خالد بن هوذة نے مجھ سے کہا، کیا میں ایسا خط پڑھوں جو مجھ کو حضورؐ نے لکھوا کر دیا ہے؟ میں نے کہا ہاں! تو میرے لئے ایک خط نکالا۔ یہ وہ ہے کہ عداء بن خالد بن هوذة نے محمد رسول اللہ سے خریدا ہے غلام یا باندی۔ نہ اس میں بیماری ہو، نہ ہلاکت کی ہو اور نہ خباثت ہو، مسلمان کی بیع مسلمان سے ہے (ب) عبد اللہ بن عمر نے غلام بیچا آٹھ سو درہم میں تو بیچا اس کو براءت کے ساتھ۔ جس نے خریدا تھا اس نے عبداللہ بن عمر سے کہا غلام میں بیماری ہے جس کی آپ نے اطلاع نہیں دی۔ دونوں عثمان کے پاس جھگڑا لے گئے۔ آدمی نے کہا مجھ سے غلام بیچا اور اس میں بیماری ہے جس کی اطلاع نہیں دی۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے اس کو براءت کے ساتھ بیچا ہے۔ حضرت عثمان نے عبداللہ بن عمر پر فیصلہ کیا کہ وہ قسم کھائیں کہ غلام کو بیچا ہے اور اس کو بیماری کا علم نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا تو ان کو غلام واپس لوٹا دیا گیا۔

■ ان کی دلیل یہاں ہے عن ابراهیم النخعی فی الرجل یبوع السلعة ویبرأ من الداء قال هو بری مما سمی (الف)
(سنن للبیہقی، باب بیع البراءة ج خامس ص ۵۳۷، نمبر ۱۰۷۸۸) اس اثر میں ہے کہ جن جن عیوب کا نام لے گا انہیں سے براءت ہوگی باقی
سے نہیں۔



حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا جو آدمی سامان بیچتا ہو اور بیماری سے براءت لی ہو تو جن جن کا نام لیا ہو ان عیوب سے بری ہوگا۔

﴿باب البیع الفاسد﴾

[۸۸۲] (۱) اذا كان احد العوضين او كلاهما محرما فالبیع فاسد كالبیع بالمیتة او بالدم او بالخمير او بالخنزیر [۸۸۳] (۲) وكذلك اذا كان المبیع غیر مملوك كالحر وبیع ام

﴿باب البیع الفاسد﴾

ضروری نوٹ اس باب میں بیع باطل اور بیع فاسد دونوں کو بیان کیا ہے۔ اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

بیع باطل جس بیع میں بیع مال ہی نہ ہو یا ثمن مال نہ ہو تو وہ بیع باطل ہے۔ یعنی اس بیع کا وجود ہی نہیں ہے۔ جیسے کوئی آزاد کو بیچ دے تو آزاد مال نہیں ہے اس لئے یہ بیع ہوگی ہی نہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ بائع اس ثمن کا مالک ہوگا جو مشتری سے لیا ہے، اور نہ مشتری بیع کا مالک ہوگا۔ کیونکہ یہ بیع سرے سے ہی نہیں۔

بیع فاسد جس بیع میں بیع مال ہو اور ثمن بھی مال ہو لیکن کسی غلط شرط لگانے کی وجہ سے بیع خراب ہوئی ہو تو اس کو بیع فاسد کہتے ہیں۔ جیسے گھر بیچے اور کہے کہ دو ماہ تک میں اس میں رہوں گا تو یہ بیع شرط فاسد لگانے کی وجہ سے فاسد ہوگی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ حتی الامکان اس بیع کو توڑ دینا چاہئے۔ لیکن بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا اور مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا اور بیع کو بحال رکھا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا تو کراہیت کے ساتھ اس بیع کو جائز قرار دیں گے۔ اور بیع مشتری کا مالک بن جائے گا اور بائع ثمن کا مالک ہو جائے گا۔ بیع باطل اور بیع فاسد کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر بن عبد الله انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسول الله ﷺ حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام (الف) (مسلم شریف، باب تحریم بیع الخمر والميتة والخنزير والاصنام ص ۲۳۶ نمبر ۱۵۸۱ بخاری شریف، باب بیع الميتة والاصنام ص ۲۹۸، نمبر ۲۲۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب، مردہ، سور اور بت کی بیع حرام ہے اور باطل ہے۔

[۸۸۲] (۱) جب دونوں عوض میں سے ایک یا دونوں حرام ہوں تو بیع فاسد ہے جیسے مردے کی بیع یا خون کی بیع یا شراب کی بیع یا سور کی بیع **تشریح** مردہ اور خون اور شراب اور سور شریعت کے نزدیک مال نہیں ہے اس لئے ان چیزوں کی بیع باطل ہے۔ اگر مردہ، دنیا یا روپے کے عوض بیچا تو مشتری ان چیزوں کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو چیزیں مال نہیں ہیں ان کو بیچنے سے بیع باطل ہوتی ہے۔ ان چیزوں کے مال نہ ہونے کی دلیل اوپر مسلم شریف کی حدیث گزر چکی ہے۔

[۸۸۳] (۲) ایسے ہی بیع باطل ہے اگر بیع مملوک نہ ہو جیسے آزاد کی بیع، ام ولد اور مدبر اور مکاتب کی بیع فاسد ہے۔

تشریح آزاد آدمی کی بیع کرے تو آزاد آدمی مملوک ہی نہیں ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرة عن النبی ﷺ قال الله ثلاثا انا خصمهم يوم القيامة رجل اعطى بي ثم غدر ورجل باع حرا فاكل ثمنه (الف)

حاشیہ : (الف) آپ سے سنا اس حال میں کہ وہ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں تھے کہ آپ نے شراب، مردار، سور اور بت کو بیچنے کو حرام فرمایا (ب) آپ نے فرمایا کہ اللہ نے کہا قیامت کے دن تین آدمیوں کا خصم ہوں گا۔ ایک آدمی جس نے مجھے عہد دیا اور دھوکہ دیا۔ دوسرا جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔

الولد والمدبر والمکاتب فاسد.

(بخاری شریف، باب اثم من باع حرا ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد آدمی کو بیچنا حرام ہے۔ اور اس کا شمن کھانا بھی حرام ہے۔ بلکہ آزاد آدمی تو مال ہی نہیں ہے۔ ام ولد اور مدبر اور مکاتب کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ان کا بیچنا جائز ہے۔ اس لئے کہ ان کے یہاں یہ مال ہیں۔ اس لئے اس کی بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ جائز ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک یہ مال نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی بیع باطل ہے۔

مذہب (۱) ام ولد میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے وہ مولیٰ کے مرتے ہی آزاد ہو جائے گی۔ اب اگر اس کو بیچنا جائز قرار دیں تو بکنے کے بعد اس کی آزادی کا شائبہ ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس غلام یا باندی میں آزادی کا شائبہ آجائے وہ ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے ام ولد یا مدبر کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ وہ گویا کہ مال ہی نہیں ہے۔ ام ولد کے لئے حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال قال رسول الله ايما رجل ولدت امته منه فهي معتقة عن دبر منه (الف) (ابن ماجہ شریف، باب امهات الاولاد ص ۳۶۱ نمبر ۲۵۱۵/ ابوداؤد شریف، باب عتق امهات الاولاد ج ۲ ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام ولد مولیٰ کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ اس لئے اس میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے۔ اور آزاد عورت مال ہی نہیں ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہوگی (۲) دوسری حدیث میں اس کی بیع کو منع فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے عن ابن عمر ان النبي ﷺ نهى عن بيع امهات الاولاد وقال لا يبعن ولا يوهبن ولا يورثن يستمتع بها سيدها مادام حيا فاذا مات فهي حرة (ب) (دارقطنی، کتاب المکاتب ج ۲ ص ۵۷ نمبر ۴۲۰۳) اس حدیث میں ام ولد کو بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ مدبر کی بیع ممنوع ہونے کی۔

مذہب (۱) یہ ہے کہ وہ بھی مولیٰ کے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ اس لئے اس میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے۔ اس لئے اس کی بیع باطل ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر ان النبي ﷺ قال المدبر لا يباع ولا يوهب وهو حر من الثلث (ج) (دارقطنی، کتاب المکاتب ج ۲ ص ۸۷ نمبر ۴۲۲۰/ موطا امام مالک، باب بیع المدبر ص ۵۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بیچا نہیں جائے گا۔ کیونکہ مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگا۔

نوٹ اگر مدبر مقید ہے مثلاً مولیٰ نے یوں کہا کہ اس بیماری میں مر گیا تو تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے تو یہ مدبر مقید ہے۔ ایسا مدبر حنفیہ کے نزدیک بیچا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مدبر غلام بیچا جاسکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمعت جابر بن عبد الله قال اعترق رجل منا عبدا له عن دبر فدعا النبي ﷺ فباعه (الف) (بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۲۹۷ نمبر ۲۵۳۴/ ابوداؤد شریف، باب فی بیع المدبر ج ۲ ص ۱۹۴) حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی بھی آدمی اس سے اس کی باندی بچے جنے تو وہ باندی اس کے مرنے کے بعد آزاد ہے (ب) آپؐ نے ام ولد کو بیچنے سے منع فرمایا اور فرمایا نہ وہ بیچی جاسکتی ہے، نہ ہب کی جاسکتی ہے، اور نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے۔ اس کا مولیٰ اس سے فائدہ اٹھائے گا جب تک وہ زندہ رہے۔ پس جب مولیٰ مر جائے تو ام ولد آزاد ہوگی (ج) آپؐ نے فرمایا مدبر نہ بیچا جاسکتا ہے نہ ہب کیا جاسکتا ہے۔ وہ تہائی مال سے آزاد ہوگا (د) ایک آدمی نے مدبر غلام (باقی اگلے صفحہ پر)

[۸۸۴] (۳) ولا يجوز بيع السمك في الماء قبل ان يصطاده ولا بيع الطائر في الهواء.

ثانی ص ۱۹۵ نمبر ۳۹۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بیچا جاسکتا ہے کیونکہ حضورؐ نے بیچا ہے۔

مکاتب کو بھی بیچنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں بھی آزادی کا شائبہ آچکا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے کچھ روپیہ مال کتابت ادا کر کے مولیٰ سے اپنے آزاد ہونے کا پروانہ اور عہد لے لیا ہے۔ اب اگر اس کو بیچ دیا جائے تو عہد کے خلاف ہوگا اور آزادی کا شائبہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے مکاتب کو بیچنا جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ خود راضی ہو کہ مجھے بیچ دیا جائے اور مکاتب توثیق دیا جائے تو ایسا ہوگا کہ وہ گویا کہ مکمل غلامیت کی طرف لوٹ رہا ہے اور اپنی مرضی سے بکنے پر راضی ہے۔ چنانچہ حضرت بریرہؓ مکاتب تھیں۔ اور اپنی مرضی سے بکنے پر راضی ہوئی تھیں۔ اور حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید لیا تھا۔ حدیث میں ہے دخلت بريرة وهي مكاتبه فقال اشتريني فاعتقيني قالت (عائشة) نعم (الف) (بخاری شریف، باب اذا قال المكاتب اشترني واعتقني فاشتره لذلک ص ۳۴۹ نمبر ۲۵۶۵) ابوداؤد شریف، باب فی بیع المكاتب اذا فسخت المكاتبه ج ثانی ص ۱۹۲ نمبر ۳۹۲۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مکاتب خود بکنے پر راضی ہو جائے اور مکاتب توثیق دے تو اس کو بیچا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

اصول جو چیز مال نہ ہو اس کی بیع باطل ہے۔

[۸۸۴] (۳) نہیں جائز ہے مچھلی کی بیع پانی میں اس کو شکار کرنے سے پہلے اور نہ پرندے کی بیع ہوا میں۔

تشریح بیع اگرچہ مال ہو لیکن قبضہ میں نہ ہو کہ فوراً مشتری کے حوالے کر سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو حوالے کرنا مشکل ہے۔ اسی قاعدے پر مچھلی پانی میں ہوا بھی اس کو شکار نہ کیا ہو۔ اسی طرح پرندہ ہوا میں اس کو شکار نہ کیا ہو یا وہ قبضہ میں نہ ہو تو اس کی بیع کرنا فاسد ہے (۲) اس حدیث میں قبضہ سے پہلے بیع کو بیچنا منع فرمایا ہے۔ سمعت ابن عباس یقول اما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام ان یباع حتی یقبض، قال ابن عباس ولا احسب کل شیء الا مثله (ب) (بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض و بیع مالیس عندک ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵) مسلم شریف، باب بطلان بیع لم یقبض قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵/۳۸۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بیع قبضہ میں نہ ہو اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لا تشتروا السمک فی الماء فانه غور (ج) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی النبی عن بیع السمک فی الماء ج خامس ص ۵۵۵، نمبر ۱۰۸۵۹) اس حدیث سے پانی میں مچھلی بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

نوٹ چونکہ مچھلی اور پرندہ مال ہیں اس لئے بیع فاسد ہوگی۔ لیکن اگر اس پر قبضہ کر کے بعد میں مشتری کے حوالے کر دیا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور مشتری نے قبول کر لیا تو بیع پلٹ کر جائز ہو جائے گی۔

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) بیچا تو حضورؐ نے اس کو بلایا اور اس کو بیچا (الف) حضرت بریرہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ وہ مکاتب تھیں۔ فرمایا مجھے خرید لیں اور آزاد کر دیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہاں (ب) جس سے حضورؐ نے روکا ہے وہ غلہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا میرا گمان ہے کہ ہر چیز کا حال ایسے ہی ہے (ج) آپؐ نے فرمایا مچھلی کو پانی میں مت خریدو اس لئے کہ یہ دھوکہ ہے۔

[۸۸۵] (۴) ولا يجوز بيع الحمل في البطن ولا النتاج [۸۸۶] (۵) ولا الصوف على ظهر الغنم [۸۸۷] (۶) ولا بيع اللبن في الضرع.

اصول جو بیع قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع فاسد ہے۔

لغت السمک : مچھلی۔ یسطاد : شکار کرے۔

[۸۸۵] (۴) اور نہیں جائز ہے حمل کی بیع پیٹ میں اور نہ حمل کے حمل کی بیع۔

تشریح ابھی حمل پیٹ میں ہو اور اس کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حمل میں جو بچہ ہے اس بچہ کے بچے کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے۔

مذہب (۱) یہ بیع بالکل مجہول ہے۔ پتہ ہی نہیں ہے کہ بیع کیسی ہے۔ اس لئے بیع جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیع مجہول ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ اہل عرب حمل کا جو بچہ ہے اس کے بچے کی بیع کرتے تھے اس لئے آپؐ نے منع فرمایا عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع حبل الحبلۃ، وکان یبعا یتباعہ اهل الجاہلیۃ کان الرجل یتباع الجزور الی ان تسنح الناقة ثم تسنح الی فی بطنها (الف) (بخاری شریف، باب بیع الغرور حبل الحبلۃ ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۳ مسلم شریف، باب تحریم بیع حبل الحبلۃ ج ۲ ص ۱۵۱۴) اس حدیث میں حمل اور حمل کے بچے کو بیچنا ناجائز قرار دیا ہے۔

اصول مجہول بیع کی بیع فاسد ہے۔

لغت النتاج : حمل کا جو بچہ ہو اس کو النتاج کہتے ہیں۔

[۸۸۶] (۵) اور نہیں جائز ہے اون کا بیچنا بکری کی پیٹھ پر۔

تشریح بکری یا بھیڑ کی پیٹھ پر اون موجود ہے ابھی کاٹا نہیں، اسی حال میں اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

مذہب کتنا کاٹے گا اور کتنا نہیں کاٹے گا اس کا اندازہ نہیں ہے۔ کمی بیشی ہو سکتی ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیع کے حدود متعین نہ ہوں تو بیچنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے عن ابن عباس قال نہی رسول اللہ ﷺ ان تباع الشمرۃ حتی یسدو صلاحها او یباع صوف علی ظہر او سمن فی لبن او لبن فی ضرع (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی النہی عن بیع الصوف علی ظہر الغنم واللبن فی ضروع الغنم والسمن فی اللبن ج ۵ ص ۵۵۵، نمبر ۱۰۸۵۷ اردار قطنی، کتاب البیوع ج ۳ ص ۲۸۱) اس حدیث میں اون کو بکری کی پیٹھ پر بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

[۸۸۷] (۶) اور نہیں جائز ہے دودھ کی بیع تھن میں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حمل کے بچے کی بیع سے روکا، جاہلیت کے لوگ ایسی بیع کیا کرتے تھے۔ لوگ اس طرح بیع کرتے تھے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ جب بچہ بنے اس کی بیع کرتا ہوں (ب) آپؐ نے روکا کہ پھل کو اس کے کارآمد ہونے سے پہلے بیچے یا اون کو پیٹھ پر بیچے یا گھی کو دودھ میں بیچے یا دودھ کو تھن میں بیچے۔

[۸۸۸] (۷) ولا يجوز بيع ذراع من ثوب ولا بيع جذع من سقف [۸۸۹] (۸) وضربة

مجمع تھن میں دودھ ہے، ابھی اس کو نکالنا نہیں ہے اور بیچ رہا ہے تو دودھ مجہول ہے اور بیچ مستور ہے اس لئے اس کی بیع جائز نہیں۔ البتہ اگر اس کو نکال دے اور دوبارہ سکوتی طور پر ایجاب و قبول کر لے یعنی بائع دے اور مشتری لے لے تو بیع پلٹ کر جائز ہو جائے گی (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۵ میں گزر چکی ہے او لبن فی الضرع (دارقطنی نمبر ۲۸۱۱ سنن للبیہقی، نمبر ۱۰۸۵۷)۔

اصول مجہول بیع کی بیع جائز نہیں ہے۔

لغت الضرع : تھن

[۸۸۸] (۷) اور نہیں جائز ہے گز کی بیع تھان میں سے اور نہ شہتیر کی بیع چھت میں سے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیع بائع کے مال کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس لئے بیع کو اس سے الگ کرنے میں بائع کے مال کا نقصان ہوتا ہو۔ اب اس بیع میں بائع کے مال کا بلا وجہ نقصان ہے اس لئے یہ بیع فاسد ہے۔ مثلاً ایک گز کو تھان سے کاٹنے میں باقی تھان کا نقصان ہے کیونکہ وہ کسی کام کا نہیں رہے گا تو تھان میں سے ایک گز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ لیکن اگر گز کو الگ کرنے سے تھان کا نقصان نہیں ہے جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے تو ایک دو گز کی بیع جائز ہوگی۔ اسی طرح شہتیر چھت میں لگا ہوا ہے اس کو نکالنے سے پوری چھت کے گرنے کا یا کمزور ہونے کا خطرہ ہے تو ایسے شہتیر کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

مجمع حدیث میں لا ضرر ولا ضرار ہے۔ (دارقطنی نمبر ۳۰۶۰) اس میں ہے کہ نہ نقصان دو اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ۔ اور اس بیع میں بائع کا نقصان ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

لغت جذع : شہتیر جو چھت میں لگی ہوتی ہے اور ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے۔ سقف : چھت۔

[۸۸۹] (۸) اور نہیں جائز ہے جال کا ایک پھینک۔

تشریح یوں کہا کہ ایک مرتبہ پانی میں جال پھینکتا ہوں اس میں جتنی مچھلی آجائے اس کی قیمت مثلاً پانچ پونڈ ہوگی تو اس طرح کی بیع جائز نہیں ہے۔

مجمع اس میں بیع مجہول ہے معلوم نہیں کتنی مچھلی آئے گی اور نہیں آئے گی۔ اور یہ بھی یہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی سی مچھلی آئے اور مفت میں پانچ پونڈ دینا پڑے اس لئے یہ بیع جائز نہیں عن ابی ہریرہ ؓ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرر و بیع الحصاة (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ بیع الغرر ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دھوکے کی بیع جائز نہیں ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ ﷺ ... وعن شراء ضربة الغائص (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۱۲ نمبر ۲۸۱۵) اس حدیث میں ضربة الغائص کو باضا بطع فرمایا ہے۔

اصول جس بیع میں دھوکہ ہو وہ جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے دھوکہ کی بیع سے روکا اور کنکری مارنے کی بیع سے روکا۔

الغائص [۸۹۰] (۹) ولا بیع المزانية وهو بیع التمر علی النخل بخرصة تمرا.

لغت الغائص : غوط لگانے والا۔

[۸۹۰] (۹) اور نہیں جائز ہے بیع مزانہ، وہ یہ ہے کہ کھجور کی بیج کھجور کے درخت پر ٹوٹے ہوئے کھجور سے اندازہ کر کے۔

تشریح کھجور کے درخت پر کھجور لگا ہوا ہوا اس کو ٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے میں بیچتے تو یہ بیع فاسد ہے۔

مذ (۱) ادھر بھی کھجور ہے اور درخت پر بھی کھجور ہے لیکن درخت پر کھجور کتنا ہے اس کا اندازہ نہیں ہے اس لئے کھجور کے بدلے میں کھجور کی بیشی ہوگی تو ربوا اور سود ہو جائے گا اس لئے جائز نہیں ہے (۲) مزانہ کے ناجائز ہونے کی یہ دلیل یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ نہی عن المزانية والمحاقلۃ، والمزانية اشتراء التمر بالتمر علی رؤوس النخل (الف) (بخاری شریف، بیع المزانية وہی بیع التمر بالتمر ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۶ مسلم شریف، باب النھی عن المحاقلة والمزانية ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۳۹) اس حدیث میں مزانہ کو حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وقت سے کم میں جائز ہے۔

مذ کیونکہ عرایا میں حضورؐ نے اجازت دی ہے۔ اور عرایا کی شکل یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے درخت پر لگے ہوئے کھجور کو خریدے۔ حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ رخص فی بیع العرایا فی خمسة اوسق او دون خمسة اوسق قال نعم (ب) (بخاری شریف، باب بیع التمر علی رؤوس النخل بالذهب والفضۃ ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۹۰ مسلم شریف، باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا ص ۸ نمبر ۱۵۴۱) اس حدیث میں آپؐ نے عرایا کی بیع کرنے کی اجازت دی اگر پانچ وقت سے کم ہو، اور بعض حدیث میں ہے کہ ایک دو درخت ہو تو جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عرایا اصل میں درخت کے مالک کی جانب سے ہدیہ ہے بیع نہیں ہے۔ صرف بیع کی صورت ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب مساکین کو ایک دو درخت کھانے کے لئے ہدیہ دے دیا کرتے تھے۔ لیکن غربت کی وجہ سے وہ کھجور پکنے تک صبر نہیں کر پاتے تو اس درخت کے کھجور کے بدلے مالک درخت سے کٹے ہوئے کھجور دے دیا کرتے تھے۔ جو صورت میں بیع ہے لیکن حقیقت میں پہلے والا ہدیہ ہی کٹے ہوئے کھجور کی صورت میں دینا ہے۔ خود امام بخاریؒ نے سفیان بن حسین کے واسطے سے عرایا کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ عبارت یہ ہے عن سفیان بن حسین العرایا نخل کانت توہب للمساکین فلا یستطیعون ان ینتظروا بها فرخص لهم ان یشعواھا بما شاء وامن التمر (ج) (بخاری شریف، باب تفسیر العرایا ص ۲۹۲ نمبر ۲۱۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہدیہ کے بدلے درخت کا مالک ہدیہ دے رہا ہے یہی عرایا ہے۔ اور اس کی گنجائش ہمارے یہاں بھی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مزانہ اور محاقلہ کی بیع سے روکا، مزانہ کی تفسیر یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر کھجور ہوا اس کے بدلے میں کھجور خریدے (ب) آپؐ نے عرایا کی بیع میں رخصت دی پانچ وقت یا اس سے کم میں فرمایا ہاں (ج) سفیان بن حسین نے فرمایا عرایا کھجور کا درخت ہوتا ہے۔ اس کو مساکین کو ہبہ کر دے پھر وہ انتظار نہ کر سکے تو ان مسکینوں کے لئے رخصت ہے کہ اس کو جتنے کھجور میں چاہے بیچے۔

[۸۹۱] (۱۰) ولا يجوز البيع بالقاء الحجر والملاسة [۸۹۲] (۱۱) ولا يجوز بيع ثوب

نوٹ امام ابو حنیفہ کی نظر اس بات کی طرف گئی ہے کہ اٹکل سے کھجور کے بدلے کھجور بیچنا سود ہے اس لئے پانچ وسق سے کم میں بھی جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے فقال له معمر لم فعلت ذلك انطلق فردده ولا تأخذن الا مثلا بمثل فانی كنت اسمع رسول الله ﷺ يقول الطعام بالطعام مثلا بمثل (الف) (مسلم شریف، باب بیع الطعام مثلا بمثل ص ۲۶ نمبر ۱۵۹۲ بخاری شریف، باب بیع الشعیر بالشعیر ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۷۷) اس حدیث میں ایک جنس کی کوئی چیز کیلی یا وزنی ہو ان کو کی زیادتی کے ساتھ بیچنا منع فرمایا ہے۔ اس لئے ٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے لگے ہوئے کھجور کو کی زیادتی کے ساتھ خریدنا جائز نہیں ہوگا۔ چاہے پانچ وسق سے کم ہو یا چاہے عرایا کی دوسری شکل ہو۔ **اصول** کیلی اور وزنی چیزوں کو کی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ درخت پر لگے ہوئے کھجور کو کھجور کے علاوہ کسی اور چیز سے خریدے تو جائز ہے۔ کیونکہ خلاف جنس ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہوگا۔ **نکتہ** خرس : اندازہ کر کے، اٹکل سے

[۸۹۱] (۱۰) نہیں جائز ہے پتھر ڈالنے کی بیع اور چھونے کی بیع۔

تشریح یہ سب بیع زمانہ جاہلیت کی تھیں۔ کسی جگہ بیع رکھی ہوئی ہے، مشتری نے پتھر پھینکا اور ایک بیع پر لگ گیا، جس بیع پر پتھر لگا وہ مشتری کی ہوگئی اور گویا کہ ایجاب و قبول ہو گئے۔ یہ القائے حجر کی بیع ہے۔ اور ملاسمہ کی صورت یہ ہے کہ کئی قسم کی بیع رکھی ہوئی ہیں مشتری نے ایک کو چھو دیا تو وہ بیع مشتری کی ہوگئی۔ یا کئی مشتری کھڑے ہیں بائع نے ایک مشتری کو چھو لیا تو اس مشتری کو بیع کا لینا ضروری ہو گیا یہ ملاسمہ کی بیع ہوئی۔ یہ دونوں بیع ناجائز ہیں۔

وجہ ان دونوں بیوع میں دھوکہ ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ دھوکہ کی بیع جائز نہیں (۲) حدیث میں ان دونوں بیعوں سے منع فرمایا ہے۔ ان ابا سعید اخبرہ ان رسول الله نهى عن المناذرة وهى طرح الرجل ثوبه بالبيع الى رجل قبل ان يقبله او ينظر اليه ونهى عن الملاسة، والملاسة لمس الثوب لا ينظر اليه (ب) (بخاری شریف، باب بیع الملاسة ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۴، مسلم شریف، باب ابطال بیع الملاسة والمناذرة ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۲) اس حدیث میں ملاسمہ اور مناذرہ کی تفسیر کی گئی ہے۔ اور دونوں بیعوں سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

اصول جہاں دھوکہ ہو کہ کون سی بیع ہے اور کیسی ہے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

نوٹ جو میں یہی ساری شکلیں ہوتی ہیں اس لئے جوا حرام ہے۔

[۸۹۲] (۱۱) اور نہیں جائز ہے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع۔

حاشیہ : (الف) معمر نے اس سے کہا کیوں کیا یہ؟ جاؤ اس کو لوٹا دو اور مت لوگر برابر سراہر اس لئے کہ میں حضورؐ سے سنا کرتا تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ غلہ غلے کے بدلے میں بیچو برابر سراہر (ب) آپؐ نے منع فرمایا بیع مناذرہ سے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کپڑا بیع کے لئے پھینکے آدمی کی طرف اس سے پہلے کے اس کو پٹے یا اس کو دیکھے۔ اور منع فرمایا بیع ملاسمہ سے اور ملاسمہ یہ ہے کہ کپڑا چھوئے اور اس کو دیکھے نہیں اور بیع لازم ہو جائے۔

من ثوبین [۸۹۳] (۱۲) ومن باع عبدا علی ان یعتقه المشتري او یدبره او یکاتبه او باع

تشریح دو کپڑے مختلف انداز کے ہیں اور ایجاب کرتے وقت یہ نہیں بتا رہا ہے کہ دونوں میں سے کس کپڑے کی بیع ہو رہی ہے، صرف یوں کہہ رہا ہے کہ دونوں کپڑوں میں سے ایک کی بیع ہو رہی ہے تو چونکہ بیع مجہول ہے بعد میں کپڑا سپرد کرنے میں جھگڑا ہوگا اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی۔ حدیث گزر چکی ہے۔

نوٹ مجلس ختم ہونے سے پہلے ایک کپڑے کی تعیین ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

اصول مجہول بیع کی بیع فاسد ہے۔

[۸۹۳] (۱۲) کسی نے غلام بیچا اس شرط پر کہ مشتری اس کو آزاد کرے گا یا اس کو مدبر بنائے گا یا اس کو مکاتب بنائے گا یا باندی بیچی اس شرط پر کہ اس کو ام ولد بنائے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے تو وہ بیع فاسد ہو جائے گی۔ شرط لگانے کی چار صورتیں ہیں (۱) ایسی شرط جو خود بیع کے موافق ہے، مثلاً بیع اس لئے کرتا ہوں کہ مشتری کا قبضہ ہو جائے تو شرط خود بیع کا مقتضاء ہے اس لئے اس سے بیع فاسد نہیں ہوگی (۲) ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے البتہ بائع کا فائدہ ہے، مثلاً اس شرط پر گھر بیچتا ہوں کہ دو ماہ تک اس میں رہوں گا۔ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی (۳) اس شرط پر بیع کرے کہ مشتری کا فائدہ ہو مثلاً اس شرط پر خریدتا ہوں کہ مجھے مزید قرض دیں گے۔ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی (۴) اور شرط کی چوتھی صورت یہ ہے کہ ایسی شرط لگائے جس میں خود بیع کا فائدہ ہو اور بیع غلام یا باندی ہو جو قاضی کے قضا تک پہنچ سکتا ہو۔ اس صورت میں بیع کا فائدہ ہے اور بیع جھگڑا کر سکتا ہے اس لئے اس صورت میں بھی بیع فاسد ہوگی۔ اوپر کا مسئلہ اسی چوتھی قسم کی شرط پر متفرع ہے۔ کیونکہ غلام کو آزاد کرنے، اس کو مدبر بنانے اور اس کو مکاتب بنانے میں خود بیع کا فائدہ ہے اور بیع انسان ہے اس لئے جھگڑا بھی کر سکتا ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

مجا شریعت کے خلاف شرط لگانے سے حدیث میں منع فرمایا عن عائشة قالت... ثم قال ﷺ اما بعد ما بال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ؟ ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل وان کان مائة شرط قضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق (الف) (بخاری شریف، باب اذا اشترط فی البیع شروطا لا تحل ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۶۸) مسلم شریف، باب بیان ان الولا لمن اعتق ج اول ص ۴۹۳ نمبر ۱۵۰/۷۷۷ (۳۷) اس حدیث میں بتایا گیا ہے شریعت کے خلاف جو بھی شرط لگائے اس کا اعتبار نہیں ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الرجل یشترط ما لیس عنده ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰) اس حدیث میں ہے کہ دو شرطیں لگانا ممنوع ہے۔ اور خاص طور پر جس شرط لگانے سے جھگڑے کا خطرہ ہو اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا اما بعد! لوگوں کو کیا ہوا کہ شرط لگاتے ہیں ایسی شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ حقدار ہے اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں حلال ہے ادھار بیچنا اور بیع کرنا اور نہ دو شرطیں ایک بیع میں۔

امة على ان يستولدها فالبیع فاسد [۸۹۴] (۱۳) و كذلك لو باع عبدا على ان يستخدمه
البائع شهرا او دارا على ان يسكنها البائع مدة معلومة او على ان يقرضه المشتري درهما

اصول ایسی شرط جو بیع کے مخالف ہو اور بائع یا مشتری یا بیع کا فائدہ ہو اور بیع انسان ہو تو اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں انسان کا فطری فائدہ ہے اس لئے ایسی شرط لگا کر بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ نے حضرت بریرہؓ کو آزاد کرنے کی شرط سے خریدا تھا جیسا کہ اوپر حدیث گزری (بخاری شریف، نمبر ۲۱۶۸، مسلم شریف نمبر ۱۵۰۴)

نکتہ یدبرہ : مدبر بنادے، مولی غلام سے کہے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔ یکاتبہ : مکاتب بنائے، مولی غلام سے کہے کہ اتنے روپے ادا کرو تو تم آزاد ہو جاؤ گے اس کو مکاتب بنانا کہتے ہیں۔ لیستولدھا : ام ولد بنائے، باندی سے وطی کرے پھر اس سے مولی کا بچہ پیدا ہو تو اس کی ماں یعنی باندی ام ولد ہو جاتی ہے۔ اور مولی کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گی۔ ایسی باندی کو ام ولد کہتے ہیں۔

[۸۹۴] (۱۳) ایسے ہی غلام بیچا اس شرط پر کہ اس سے بائع ایک ماہ تک خدمت لے گا یا گھر بیچا اس شرط پر کہ اس میں بائع ایک مدت معلوم تک ٹھہرے گا یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو کچھ درہم قرض دے گا یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو ہدیہ دے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح اس عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ اور چاروں بیوع کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بائع بیع کے خلاف شرطیں لگا رہا ہے جس میں بائع کا فائدہ ہے اور پہلے اصول گزر چکا ہے کہ بیع کے خلاف شرط ہو اور بائع یا مشتری کا فائدہ ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ مثلاً بائع نے غلام بیچا اس شرط پر کہ غلام ایک ماہ تک بائع کی خدمت کرے گا تو بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ غلام تو بیعت ہی مشتری کا ہو جائے گا تو بائع کی خدمت کیوں کرے؟ یا اس شرط پر گھر بیچا کہ بائع اس میں ایک مدت معلوم مثلاً ایک ماہ تک مقیم رہے گا۔ یا اس شرط پر بیچا کہ مشتری بائع کو کچھ پونڈ قرض دے گا یا ہدیہ دیگا تو یہ شرطیں فاسد ہیں اس لئے ان سے بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس اثر سے بھی خدمت کی شرط لگانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے ان عمر ابن الخطاب اعطی امرأة عبد الله بن مسعود جاریة من الخمس فباعتها من عبد الله بن مسعود بالف درهم واشترطت علیها خدمتها فبلغ عمر بن خطاب فقال یا ابا عبد الرحمن اشتريت جاریة امرأتک فاشترطت علیک خدمتها فقال لا تشتريها وفيها مثنویة (سنن للبیہقی، باب من باع حیوانا وغیرہ واستثنی منافع مدّة ج خاس ص ۵۴۹، نمبر ۱۰۸۳۵) حدیث اور اصول پہلے گزر چکے ہیں۔ اس مسئلہ میں بائع کے فائدے کی شرط ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

فائدہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ایسی شرط پر بائع اور مشتری راضی ہو جائیں تو جائز ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جابر بن عبد اللہ سے اونٹ خریدا اور حضرت نے شرط لگائی کہ گھر تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا پھر اونٹ آپ کے حوالے کروں گا۔ حدثنی جابر بن عبد اللہ انه كان يسير على جمل له قد اعيأ... ثم قال بعنيه فبعته بوقية و استثنيت عليه حملانه الى اهلي فلما بلغت اتيته بالجمل فنقدني ثمنه (الف) (مسلم شریف، باب البعير واستثناءه كونه ج ثانی

حاشیہ : (الف) حضرت جابر بیان فرماتے ہیں کہ وہ ایک اونٹ پر سوار تھے جو تھک چکا تھا... پھر آپؐ نے فرمایا اس اونٹ کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ حضرت فرماتے ہیں کہ چالیس درہم میں میں نے اس کو بیچ دیا اور میرے اہل یعنی مدینہ تک اس پر سوار ہونا مستثنی کر لیا۔ پس جب مدینہ پہنچا تو اونٹ لیکر آپ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

او علی ان یهدی له [۸۹۵] (۱۴) ومن باع عینا علی ان یسلمها الی رأس الشهر فالبیع فاسد [۸۹۶] (۱۵) ومن باع جاریة او دابة الا حملها فسد البیع [۸۹۷] (۱۶) ومن

نمبر ۱۶۰۸/۴۰۹۸) اس حدیث میں حضرت جابر نے اونٹ بیچا اور اس کی خدمت مدینہ تک سوار ہونے کی اپنے لئے مخصوص کی۔ اور حضورؐ نے جائز کیا اس لئے بائع اور مشتری راضی ہو جائیں تو ایسی شرط سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔

[۸۹۵] (۱۴) کسی نے کوئی عینی چیز بیچی اس شرط پر کہ اس کو ایک مہینے میں سپرد کرے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح ایک ہے بیع سلم اس میں بیع مہینوں کے بعد دی جاتی ہے لیکن یہ فوری بیع ہے۔ بیع سامنے موجود ہے جس کو بیع عین کہتے ہیں۔ اس میں جیسے ہی بیع ہوئی مشتری بیع کا مالک بن گیا۔ اس لئے اب یہ شرط لگانا کہ ایک مہینے کے بعد بیع سپرد کریں گے شرط فاسد ہے اور بائع کا اس میں فائدہ ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔ اس حدیث میں اس کی ممانعت ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن المحاقلة... وقال آخر بیع السنین ثم اتفقوا وعن الثنیا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الخابرة ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۴)

لغت عین : بیع سلم کے خلاف فوری بیع۔ رأس الشهر : مہینے کے شروع میں یا ایک مہینہ پر۔

[۸۹۶] (۱۵) کسی نے باندی بیچی یا جانور بیچا مگر ان کا حمل تو بیع فاسد ہے۔

تشریح باندی بیچی اور کہا کہ مگر اس کا حمل نہیں بیچتا ہوں، اس کو بیع سے استثناء کر دیا۔ اسی طرح جانور بیچا لیکن اس کے حمل بیع سے استثناء کر دیا تو بیع فاسد ہوگی۔

مجموعہ (۱) بچہ جب تک پیدا نہیں ہوا ہے ماں کے عضو کی طرح جز ہے۔ اس لئے جب ماں کی بیع ہوگی تو عضو اور جز کی بھی بیع ہوگی۔ اس لئے یہ شرط لگانا کہ ماں کی بیع کرتا ہوں اور اس کے حمل کی بیع نہیں کرتا ہوں شرط فاسد ہے۔ اس لئے بیع فاسد ہوگی (۲) حدیث میں گزرا عن جابر بن عبد اللہ قال نہی رسول اللہ ﷺ... وعن الثنیا و رخص فی العرایا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الخابرة ج ثانی ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۴) رتزدی شریف، باب ماجاء فی النھی عن الثنیا ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلاف شریعت استثناء کرنا صحیح نہیں ہے اس سے بیع فاسد ہوگی۔

نوٹ وراثت اور وصیت میں باندی کا حمل الگ جز شمار کیا جاتا ہے۔

[۸۹۷] (۱۶) کسی نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ بائع اس کو کاٹ دیگا اور اس کا قمیص سی دے گا یا قباسی دے گا، یا چپل خریدی اس شرط پر کہ اس کو برابر کر دے گا یا پٹی لگا دے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح کپڑا خریدا اور یہ بھی شرط لگائی کہ بائع اس کو کاٹ کر قمیص سی دیگا یا قباسی دیگا تو خریدنے کے علاوہ یہ الگ شرط ہے جس میں مشتری کا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پاس آیا تو آپؐ نے مجھے اس کی نقد قیمت دی (الف) آپؐ نے محافلہ کی بیع سے منع فرمایا۔ اور دوسرے راوی نے فرمایا کئی سال کی مدت پر بیع کرنے سے منع فرمایا۔ پھر راوی متفق ہیں کہ بیع کے استثناء کرنے سے منع فرمایا (ب) آپؐ نے بیع میں استثناء کرنے سے منع فرمایا اور عرایا میں رخصت دی۔

اشتری ثوبا علی ان یقطعه البائع ویخیطه قمیصا او قباء او نعلا علی ان یحذوها او یشرکها فالبیع فاسد [۸۹۸] (۷۱) والبیع الی النیروز والمهر جان وصوم النصاری وفطر

فائدہ ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ بیع کے خلاف ایسی شرط لگائی جس میں کسی کا فائدہ ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ یہاں مشتری کا فائدہ ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

وجہ اس صورت میں ایک تو بیع ہوئی اور الگ سے کاٹنے اور سینے کی شرط لگائی تو یہ اجارہ ہوا اور ایک ہی بیع میں دو معاملہ کرنا ممنوع ہے۔ یہ تو ایک بیع میں دو بیع کرنے کی طرح ہوا۔ اور حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے عن ابی ہریر ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من باع بیعتین فی بیعة فله او کسهما او الربا (الف) (ابوداؤد، باب فین باع بیعتین فی بیعة ص ۱۳۲ نمبر ۳۶۱۱ ترمذی شریف، باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعة ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۱) اس حدیث میں ایک بیع دو بیوع گھسانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس لئے بیع کے ساتھ اجارہ کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ اس مسئلہ کی شرط میں مشتری کا فائدہ ہے اور ایک بیع کے ساتھ دوسری بیع یعنی اجارہ کی شرط لگائی ہے اس لئے بیع فاسد ہوئی۔
فائدہ کچھ ملکوں میں یہ رواج ہے کہ چپل کو برابر کر کے اور تسمہ لگا کر ہی دیتے ہیں۔ اور یہ عام متعارف ہے کہ دکان سے چپل یا جوتا اسی وقت خریدے گا جب وہ بنا کر اور تسمہ لگا کر دے اس لئے ان ملکوں میں عام تعارف کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔ اس کو بٹھ بنوانا کہتے ہیں۔
نعت نعل : جوتا یا چپل۔ یحذو : ایک چپل کو دوسرے چپل کے برابر کاٹنے کو یحذو کہتے ہیں۔ یشرک : چپل میں پٹی لگانا یا چپل کو گانٹھنا۔

[۸۹۸] (۷۱) اور بیچنا نیروز کے دن تک اور مهر جان کے دن تک اور نصاری کے روزے کے دن تک اور یہودی کے افطار کے دن تک جبکہ بائع اور مشتری ان دونوں کو نہ جانتے ہوں تو بیع فاسد ہے۔

تشریح یوں کہا کہ میں نیروز کے دن بیع کرتا ہوں، شمسی سال کے پہلے دن کو نیروز کہتے ہیں۔ اور پارسیوں کے عید کے دن کو مهر جان کہتے ہیں۔ اب ان دنوں میں بیع کیا اور بائع اور مشتری کو یہ معلوم نہیں ہے کہ نیروز کس دن ہے اور مهر جان کس دن ہے تو وقت مجہول ہو گیا اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

وجہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ بیع میں اجل معلوم ہونا چاہئے۔ عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون فی الثمار السنن والثلث فقال اسلفوا فی الثمار فی کیل معلوم الی اجل معلوم (ب) (بخاری شریف، باب السلم الی اجل معلوم ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۳، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع میں اجل معلوم ہو تب بیع جائز ہوگی۔ ورنہ مشتری جلدی مانگے گا اور بائع بیع دیر کر کے دے گا۔ اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بیع میں دو بیع کی تو اس کے لئے کم درجہ والی ہے یا سود کی شکل والی ہے (ب) آپؐ مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ دو سال تین سالوں کے لئے پھلوں کی بیع کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا پھلوں میں بیع کرو، کیل معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

اليهود اذا لم يعرف المتبايعان ذلك فاسد [۸۹۹] (۱۸) ولا يجوز البيع الى الحصاد والدياس والقطاف وقدم الحاج فان تراضيا باسقاط الاجل قبل ان يأخذ الناس في الحصاد والدياس وقبل قدوم الحاج جاز البيع [۹۰۰] (۱۹) واذا قبض المشتري المبيع

اصول اجل مجهول ہو تو بیع فاسد ہوگی۔

نوٹ اگر بائع یا مشتری کو نیروز اور مہرجان یا صوم نصاریٰ یا افطار یہود کا وقت اور تاریخ معلوم ہو تو اجل معلوم ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہوگی۔ [۸۹۹] (۱۸) نہیں جائز ہے بیع کھیتی کٹنے تک اور گاہنے تک اور پھل توڑنے تک اور حاجی کے آنے تک، پس اگر ان مدتوں کے ساقط کرنے پر بائع اور مشتری راضی ہو جائیں لوگوں کے کٹنے میں لگنے سے پہلے اور گاہنے میں لگنے سے پہلے اور حاجی کے آنے سے پہلے تو بیع جائز ہو جائیگی۔

تشریح کسی نے یوں کہا کہ کھیتی کٹنے کے دن بیع دوں گا، یا کھیتی کٹنے کے دن بیع کروں گا یا گیہوں گاہنے کے دن بیع دوں گا یا گیہوں گاہنے کے دن بیع کروں گا یا پھل توڑنے کے دن بیع کروں گا یا بیع دوں گا یا حاجی آنے کے دن بیع کروں گا یا بیع دوں گا تو یہ دن متعین نہیں ہیں۔ پہلے بھی ہو سکتے ہیں اور بعد میں بھی۔ کس دن کھیتی کاٹے گا معلوم نہیں۔ اس لئے اجل اور مدت مجهول ہونے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے۔ اگر یہ دن متعین ہو جائے تو جائز ہو جائے گی۔ ہاں! اگر یہ دن آنے سے قبل ان مدتوں کو ساقط کر دے تو فساد شامل ہونے سے پہلے ساقط ہو گیا اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔ اصل قاعدہ یہ ہے کہ مدت میں جہالت ہوگی تو بیع فاسد ہوگی اور جھگڑا ہونے سے پہلے یا فساد کے گھٹنے سے پہلے جہالت ساقط ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔ مسئلہ نمبر ۱ کی حدیث (بخاری ژریف نمبر ۲۲۵۳ / مسلم ژریف نمبر ۱۶۰۴) کے علاوہ یہ اثر بھی ہے۔ عن ابن عباس قال لا سلف الى العطاء ولا الى الحصاد ولا الى الاندر (الف) (سنن للبیہقی، باب لا يجوز السلف حتى يكون ثمن معلوم فی کیل او وزن معلوم الی اجل ج سادس، ص ۴۱، نمبر ۱۱۱۱۵) اس اثر میں ہے کہ کاٹنے تک اور گاہنے تک کی بیع صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ متعین نہیں ہے کہ کس دن کھیتی کاٹے گا اور کس دن گاہے گا۔

نوٹ ان شرطوں میں اجل مجهول تو ہے لیکن کم مجهول ہے اس لئے اگر وقت سے پہلے جہالت ساقط کر دے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

لغت الحصاد : کھیتی کاٹنا۔ دیاس : کھیتی کو گاہنا۔ قطاف : پھل توڑنا۔

﴿ حکم البیوع الفاسد ﴾

[۹۰۰] (۱۹) اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع کے حکم سے بیع پر قبضہ کر لیا اور عقد میں دونوں عوض مال ہیں تو مشتری بیع کا مالک ہو جائے گا۔ اور اس پر بیع کی قیمت لازم ہوگی۔ اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ بیع کو فسخ کر دے۔ پس اگر مشتری نے بیع کو بیچ دیا تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا عطیہ ملنے تک بیع نہ کریں نہ کھیتی کٹنے تک اور نہ گاہنے تک۔ الاندر : کاشت کو گاہنا۔

فی البیع الفاسد بامر البائع وفى العقد عوضان کل واحد منهما مال ملک المبیع ولزمته قیمته ولکل واحد من المتعاقدين فسخه فان باعه المشتري نفذ بیعه [۹۰۱] (۲۰) ومن

تشریح تین شرطیں پائی جائیں تو بیع فاسد میں مشتری بیع کا مالک بنتا ہے (۱) مشتری نے بیع پر قبضہ کیا ہو (۲) بائع کی رضامندی سے قبضہ کیا ہو (۳) بیع اور ثمن دونوں ہی مال ہوں۔ یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو مشتری بیع کا مالک بنتا ہے۔ اور اس پر بیع کی بازاری قیمت لازم ہوگی **وجہ** (۱) بیع فاسد میں صلب عقد اور اصل عقد میں خامی نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں جانب مال ہیں۔ اس لئے مالک ہو جائیں گے۔ یہاں خامی تو شرط میں ہے کہ کہیں مدت مجہول ہے۔ کسی بیع میں بائع کا فائدہ تو کسی بیع میں مشتری کا فائدہ ہے۔ اور کسی بیع میں بیع بائع کی ملکیت سے علیحدہ نہیں ہے جس کی وجہ سے بیع فاسد کی گئی ہے۔ کیونکہ کسی میں دھوکہ ہے اور کہیں جھگڑا ہونے کا خطرہ ہے۔ اس کی پیش بندی کی وجہ سے بیع فاسد کی گئی۔ لیکن اگر جھگڑا نہیں ہوا اور آخر مشتری نے قبضہ کر ہی لیا تو آخر بیع جائز قرار دیدی جائے گی (۲) اس کا ثبوت حدیث میں ہے کہ آپؐ جنازے سے واپس آ رہے تھے۔ ایک عورت نے دعوت کی۔ انہوں نے بکری خریدنے کے لئے آدمی بھیجا لیکن نہیں ملی۔ آخر ایک عورت نے اپنے شوہر کی بکری بغیر اس کی اجازت کے بیچ دی۔ اور دعوت کرنے والی نے ذبح کر کے حضور کو کھلانے کے لئے پیش کی۔ آپؐ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس بکری کے خریدنے میں خامی ہے۔ عورت کو پوچھنے پر معلوم ہوا مالک کی اجازت کے بغیر بکری دی گئی ہے۔ اور بیع فاسد ہے۔ لیکن آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ عورت کی ملکیت نہیں ہوئی بلکہ یوں فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ قبضہ کے بعد عورت کی ملکیت تو ہو گئی اس لئے قیدیوں کو کھلا دو۔ لیکن اس میں کراہیت ضرور ہے اس لئے خود آپؐ نے نوش نہیں فرمایا۔ عن رجل من الانصار قال خر جنا مع رسول الله ﷺ فى جنازة... فارسلت الی امرأته فارسلت الی بها فقال رسول الله ﷺ اطعمیه الا ساری (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اجتناب الشبهات ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۳۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد مشتری بیع کا مالک بن جائے گا۔

بیع فاسد میں مشتری نے قبضہ کی ہوئی بیع کو دوسرے کے ہاتھ میں بیچ دیا تو دوسری بیع نافذ ہو گئی۔ کیونکہ پہلی بیع کے اصل عقد میں خامی نہیں تھی۔ صرف اس کے وصف اور شرط میں خامی تھی اور وہ بھی جھگڑا اٹھے بغیر منٹ گئی تو پہلی بیع بھی نافذ ہو گئی (۲) پہلی بیع کی خامی میں شریعت کا حق تھا اور دوسری بیع میں بندے کا حق ہے۔ اور بندے کا حق مقدم ہے اس لئے بندے کے حق کی وجہ سے شریعت کا چھوٹا موٹا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے مشتری کی بیع نافذ ہو جائے گی۔

نوٹ اور صلب عقد اور اصل عقد میں خامی ہو تو بیع باطل ہوگی۔ اس صورت میں بائع اور مشتری کی رضامندی کے باوجود بھی مشتری بیع کا مالک نہیں ہوگا۔ بلکہ بیع ہوئی ہی نہیں۔

[۹۰۱] (۲۰) کسی نے بیع میں آزاد اور غلام کو جمع کیا یا ذبح شدہ بکری اور مردہ بکری کو جمع کیا تو بیع دونوں میں باطل ہے۔

حاشیہ : (الف) فرمایا ہم حضور کے ساتھ ایک جنازے میں نکلے... میں نے اس کی بیوی کے پاس خبر بھیجی کہ بکری دے دو تو انہوں نے بکری میرے پاس بھیج دی۔ پس آپؐ نے فرمایا یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔

جمع بین حر و عبد او شاة ذکية و ميتة بطل البیع فیہما [۹۰۲] (۲۱) ومن جمع بین عبد و مدبر او بین عبده و عبد غیره صح البیع فی العبد بحصته من الثمن.

مجبہ آزاد بیع ہی نہیں ہے۔ اسی طرح مردہ بکری بیع ہی نہیں ہے اس لئے ان کی بیع ہی نہیں ہوئی۔ اور عقد ایک ہے اس لئے اس کا اثر دوسری بیع یعنی غلام اور ذبح شدہ بکری پر بھی پڑے گا اور ان کی بیع بھی نہیں ہوگی (۲) آزاد اور مردہ بکری کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے غلام اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت آگئی اس لئے غلام اور ذبح شدہ بکری کی بیع بھی نہیں ہوگی۔

اصول یہاں یہ اصول ہے کہ آزاد اور مردہ بکری کی بیع ہوئی ہی نہیں اس لئے ان کے اثر سے غلام اور ذبح شدہ بکری کی بیع بھی فاسد ہوگی۔
فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت الگ بیان کی ہو اور آزاد کی قیمت الگ بیان کی ہو تو غلام کی بیع ہو جائے گی چاہے دونوں ایک عقد میں یکے ہوں۔

مجبہ کیونکہ دونوں کی قیمت الگ الگ ہونے کی وجہ سے آزاد کی بیع نہیں ہوئی تو غلام کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے غلام کی بیع فاسد نہیں ہوگی۔ اسی طرح ذبح شدہ بکری کی قیمت الگ بیان کی گئی ہو تو مردہ بکری کی بیع نہیں ہوئی تب بھی ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے ذبح شدہ بکری کی بیع باجائے گی۔
نکتہ ذکیتہ : ذبح کی ہوئی۔

[۹۰۲] (۲۱) کسی نے غلام اور مدبر کو جمع کیا یا اپنے غلام اور غیر کے غلام کو بیع میں جمع کیا تو غلام میں بیع صحیح ہوگی اس کی قیمت کے حصے کے ساتھ۔

تشریح غلام اور مدبر غلام دونوں کو ایک بیع میں جمع کر دیا۔ یا اپنے غلام کو اور دوسرے کے غلام کو بغیر اس کی اجازت کے ایک بیع میں جمع کر دیا تو مدبر کی بیع تو نہیں ہوگی لیکن خالص غلام کی بیع ہو جائے گی۔ اور جو قیمت اس کے حصے کی ہوگی وہ لازم ہوگی۔ مثلاً دو ہزار کے غلام اور مدبر تھے تو خالص غلام کی قیمت ایک ہزار رہ گئی تو ایک ہزار لازم ہوں گے۔ اسی طرح دوسرے کا غلام اس کی اجازت کے بغیر بیع میں داخل نہیں ہوگا۔ لیکن اپنے غلام کی بیع ہو جائے گی۔ اور جو اس کے حصے کی قیمت ہے وہ مشتری پر لازم ہوگی۔

مجبہ مدبر کسی نہ کسی امام کے نزدیک غلام کی طرح بکنے کے قابل ہے اس لئے وہ مال ہے۔ حدیث میں ہے عن جابر قال باع النبی ﷺ المدبر (الف) (بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بکنے کے قابل ہے۔ اس لئے اس کو خالص غلام کے ساتھ ملایا تو بیع ہوگئی۔ اب بعد میں مدبر کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت الگ ہوگی اور کم ہوگی۔ اس لئے غلام کی بیع ہوگئی۔ یہی حال اپنے غلام اور دوسرے غلام کو ملانے کا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیع کے ساتھ دوسری بیع مال ہے اور بکنے کے قابل ہے۔ اس لئے دونوں بیع کی لیکن کسی وجہ سے دوسری بیع نہ بک سکی تو پہلی بیع بیع میں داخل ہوگی۔ اور اس کی قیمت اس کے حصے کے مطابق لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپ نے مدبر غلام کو بیچا ہے۔

[۹۰۳] (۲۲) ونهی رسول اللہ ﷺ عن النجش [۹۰۴] (۲۳) وعن السوم علی سوم

نوٹ مسئلہ نمبر ۲۰ کا اصول یہ تھا کہ از سر نو آزادی بیع ہی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کے ساتھ غلام کی بیع فاسد ہوئی۔ اور یہاں یہ ہے کہ مدبر من وجہ مال ہونے کی وجہ سے بیع ہوگئی اور بعد میں قیمت کی تقسیم ہوئی۔

[۹۰۳] (۲۲) اور روکا حضورؐ نے نجش کرنے سے۔

تشریح نجش کا مطلب یہ ہے کہ خود کو خریدنا نہیں ہے لیکن قیمت لگا کر خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا رہا ہے تاکہ دوسرا آدمی مہنگا خریدے۔ اس کو دلالی کرنا کہتے ہیں ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) اس میں دوسرے کو نقصان دینا ہے اس لئے مکروہ ہے (۲) حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے عن ابن عمر قال نہی النبی ﷺ عن النجش (الف) (بخاری شریف، باب النجش ومن قال لا یجوز ذلک البیع ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۲/مسلم شریف، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیه وسومہ علی سومہ و تخریم النجش و تخریم التصریہ ص ۳ نمبر ۱۵۱۶/ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ النجش ص ۲۴۴ نمبر ۱۳۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دلالی کرنا ممنوع ہے تاہم بیع ہو جائے گی۔ کیونکہ صلب عقد میں خامی نہیں ہے۔

[۹۰۴] (۲۳) اور روکا دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے۔

تشریح دوسرا آدمی بیع کے لئے بھاؤ کر رہا ہے۔ اب وہ خریدنے کے قریب ہے کہ آپ نے بھاؤ کر دیا یہ مکروہ ہے۔

وجہ پہلے بھاؤ کرنے والے کو متوجش کرنا ہے اور نقصان دینا ہے اس لئے مکروہ ہے (۲) حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال نہی رسول اللہ ﷺ ان یبیع حاضر لباد ولا تناجشوا ولا یبیع الرجل علی بیع اخیه (ب) (بخاری شریف، باب لا یتبع علی بیع اخیه ولا یسوم علی سوم اخیه حتی یأذن لہ او یتراک ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۰/مسلم شریف، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیه وسومہ علی سومہ ص ۳ نمبر ۱۵۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھاؤ کر رہا ہو اور مائل ہو چکا ہو تو اس پر بھاؤ کرنا مکروہ ہے۔

نوٹ اگر ابھی مائل نہ ہوا ہو تو دوسرا آدمی بھاؤ کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بیع من یرید ہے۔ اور حدیث میں اس کی اجازت ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول اللہ باع حلسا وقدحا وقال من یشتری هذا الحلس والقدر ففقال رجل اخذتھما بدرھم فقال النبی ﷺ من یرید علی درھم؟ من یرید علی درھم؟ فاعطاه رجل درھمین فباعھما منہ (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع من یرید ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث میں آپؐ نے بیع من یرید کی اور کئی آدمیوں نے بھاؤ پر بھاؤ کئے لیکن چونکہ کوئی آدمی بالکل خرید لینے پر مائل نہیں تھا اس لئے دوسرے کے لئے بھاؤ کرنا جائز تھا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے نجش یعنی دلالی کرنے سے منع فرمایا (ب) آپؐ نے منع فرمایا اس بات سے کہ شہر والے دیہات والے سے بیچے اور نہ دلالی کرے۔ اور نہ آدمی بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرے (ج) آپؐ نے جھول اور پیالہ بیچا اور فرمایا اس جھول اور پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے کہا میں نے ان دونوں کو ایک درہم میں لیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ تو ایک آدمی نے آپؐ کو دو درہم دیئے تو آپؐ نے ان دونوں کو اس آدمی سے بیچ دیا۔

غیرہ [۹۰۵] (۲۴) وعن تلقی الجلب [۹۰۶] (۲۵) وعن بیع الحاضر للبادی.

اصول کسی کو نقصان دینا یا متوحش کرنا مکروہ ہے۔ حدیث لا ضرر ولا ضرار گزر چکی ہے۔

نکتہ السوم : بھاؤ کرنا۔

[۹۰۵] (۲۴) اور روکا آپؐ نے سودا گروں سے مل جانے سے۔

تشریح تلقی کا ترجمہ ہے آگے بڑھ کر کسی سے ملنا۔ اور جلب کا ترجمہ ہے کھینچنا یا منفعت کو کھینچنا۔ یہاں تلقی الجلب کا مطلب یہ ہے کہ باہر سے سودا گر سامان بیچنے آئے تو شہر سے باہر جا کر ان سے ملاقات کرے اور کم داموں میں تمام سامان خرید لے۔ تاکہ بعد میں وہ سامان شہر والوں کو مہنگی قیمت میں بیچے۔ اس کو 'تلقى الجلب' کہتے ہیں۔ اس کے مکروہ ہونے کی۔

وجہ (۱) کبھی سودا گر کو دھوکہ دیا جاتا ہے کہ شہر کی صحیح قیمت سے آگاہ نہیں کیا جاتا اور سودا گر سے مال سستا خرید لیتا ہے۔ اس میں سودا گروں کا نقصان ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مکروہ ہے (۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ شہر والوں کو مثلاً غلوں کی سخت ضرورت ہے، باہر سے آیا ہوا غلہ کچھ مخصوص تاجروں نے خرید لیا اب شہر والوں کو غلہ نہیں ملے گا یا بہت مہنگا ملے گا۔ اس صورت میں شہر والوں کا نقصان ہوگا۔ اس لئے بھی تلقی الجلب مکروہ ہے (۳) حدیث میں تلقی الجلب سے منع فرمایا گیا ہے۔ عن ابی ہریر ؓ قال نہی النبی ﷺ عن التلقى وان یبیع حاضر لباد (الف) (بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص ۲۸۹ نمبر ۲۱۶۲ / مسلم شریف، باب تحریم تلقی الجلب ص ۴ نمبر ۱۵۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے تلقی الجلب سے منع فرمایا ہے۔

اصول اہل شہر کو نقصان ہو تو یہ بیع مکروہ ہے۔

نوٹ اگر اہل شہر کو اس غلے کی ضرورت نہیں اور آنے والے قافلے کو بھی قیمت بتانے میں دھوکہ نہیں دیا تو پھر تلقی الجلب مکروہ نہیں ہے۔

[۹۰۶] (۲۵) اور آپؐ نے منع فرمایا شہر والوں کی بیع دیہات والوں سے۔

تشریح شہر والوں کو مثلاً غلوں کی سخت ضرورت ہے اس کے باوجود تاجر دیہات سے آنے والے لوگوں سے زیادہ قیمت میں غلہ بیچ رہے ہیں تو یہ مکروہ ہے۔

وجہ کیونکہ اس سے شہر والوں کو نقصان ہوگا۔ وہ محتاج ہیں اور ان کا زیادہ حق ہے (۲) حدیث میں منع فرمایا گیا ہے عن ابی ہریر ؓ قال نہی النبی ﷺ عن التلقى وان یبیع حاضر لباد (ب) (بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص ۲۸۹ نمبر ۲۱۶۲ / مسلم شریف، باب تحریم بیع الحاضر للبادی ص ۴ نمبر ۱۵۲۰) اس حدیث میں منع فرمایا گیا ہے کہ شہر والے دیہات والوں سے ضرورت کے وقت سامان فروخت کرے۔ اور شہر والوں کو ضرورت نہ ہو تو دیہات والوں سے بیچ سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے سألت ابن عباس ما معنی قوله لا یبیعن حاضر لباد؟ قال لا یکون له سمسار (ج) (بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص ۲۸۹ نمبر ۲۱۶۳ / مسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپؐ نے تلقی الجلب سے روکا اور اس سے بھی کہ شہر والے دیہات والے سے بیچے (ب) آپؐ نے تلقی الجلب سے روکا اور اس سے بھی کہ شہر والے دیہات والے سے بیچے (ج) حضرت عبداللہ بن عباس سے لایبیعن حاضر لباد کا مطلب پوچھا تو فرمایا کہ ان کے لئے دلال نہ بنے، سمسار دلال کو کہتے ہیں۔

[۹۰۷] (۲۶) والبیع عند اذان الجمعة [۹۰۸] (۲۷) وکل ذلک یکره ولا یفسد به

البیع [۹۰۹] (۲۸) ومن ملک مملو کین صغیرین احدهما ذو رحم محرم من الآخر لم

تحریم بیع الحاضر للبادی ص ۴ نمبر ۱۵۲۱) اس اثر میں عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ بیچنے والا تا جرد لال نہ بنے کہ زیادہ قیمت میں بیچے، پس اگر دلال نہیں بنتا ہے تو شہر والے دیہات والوں سے سامان بیچے تو جائز ہوگا مکروہ نہیں ہوگا۔

لغت حاضر : شہر والے جو حاضر رہتے ہیں۔ باد : دیہات والے۔

[۹۰۷] (۲۶) اور منع کیا جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنے سے۔

تشریح جمعہ کی اذان ہوگئی ہو اس وقت بیع کرنا مکروہ ہے۔

مجا آیت میں کہا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت بیع چھوڑ دینا چاہئے اور جمعہ کی طرف دوڑ پڑنا چاہئے۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع (الف) (آیت ۹ سورة الجمعة ۶۲) اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت بیع چھوڑ دے۔ اس لئے اس وقت بیع مکروہ ہے۔

[۹۰۸] (۲۷) یہ سب مکروہ ہیں لیکن ان سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح اوپر پانچ صورتیں بیان کی گئی ہیں جن سے بیع مکروہ ہوگی لیکن بیع فاسد نہیں ہوگی۔

مجا اوپر کی پانچ صورتوں میں خامی صلب عقد اور اصل عقد میں نہیں ہے بلکہ شرائط اور دیگر چیزوں میں ہے اس لئے بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ صرف مکروہ ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشتری بیع پر قبضہ کر لے تو مشتری بیع کا مالک ہو جائے گا البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے نہیں کرنا چاہئے۔ ہر ایک مسئلے کی وجہ اور تشریح گزر چکی ہے۔

[۹۰۹] (۲۸) کوئی دو چھوٹے مملوک کا مالک بنا، ان میں سے ایک دوسرے کا ذی رحم محرم ہے تو دونوں کے درمیان تفریق نہ کی جائے۔ ایسے ہی جبکہ ان میں سے ایک بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا ہو۔ پس اگر دونوں کو علیحدہ کیا تو یہ مکروہ ہے۔ اور بیع جائز ہوگی۔ اور دونوں بڑے ہوں تو دونوں کو جدا کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

تشریح دونوں مملوک چھوٹے ہوں، یا ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا ہو اور دونوں ذی رحم محرم ہوں تو ان کو بیچ کر یا ہبہ کر کے جدا کرنا مکروہ ہے۔

مجا (۱) چھوٹا دوسرے سے انسیت حاصل کرتا ہے مثلاً ماں اور بیٹا ہے تو ماں کو بیٹے سے انسیت ہوتی ہے اور پرورش کرتی ہے، اب اگر جدا کر دیں تو دونوں پریشان ہوں گے اور پرورش میں بھی کمی آئے گی۔ اس لئے دونوں کو جدا کرنا مکروہ ہے، تاہم دونوں مولیٰ کے مملوک ہیں اس لئے بیچا اور ہبہ کیا تو جائز ہو جائے گا (۲) اس میں مملوک کو ضرر ہے اس لئے مکروہ ہے (۳) حدیث میں ہے عن ابی ایوب قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول من فرق بين الوالدة وولدها فرق الله بينه وبين احبته يوم القيامة (نمبر ۱۲۸۳) دوسری حدیث میں ہے عن علی قال وهب لی رسول اللہ ﷺ غلامین اخوین فبعت احدهما فقال لی رسول اللہ ﷺ یا علی ما فعل

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور بیع چھوڑ دو۔

یفرق بینہما وکذلک اذا کان احدہما کبیرا والآخر صغیرا فان فرق بینہما کرہ ذلک
وجاز البیع وان کان کبیرین فلا بأس بالتفریق بینہما۔

غلامک فاحبرته فقال رده رده (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الفرق بین الاخوان اوبین الوالدۃ وولدہا فی البیع ص
۲۴۱ نمبر ۱۲۸۴) اس حدیث میں والدہ اور بھائی کو جدا کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے چھوٹے مملوک کے درمیان جدائیگی کرنا
مکروہ ہے۔ اور اگر دونوں غلام بڑے ہوں تو جدا کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔



حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے کہتے سنا، جس نے والدہ اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کی اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان قیامت میں تفریق
کرے گا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے دو غلام دیئے جو دونوں بھائی تھے۔ پس میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا۔ حضورؐ نے مجھے کہا اے علیؑ! اپنے غلام کو
کیا کیا؟ میں نے ان کو بیچنے کی خبر دی، آپؐ نے فرمایا اس کو واپس کر لو اس کو واپس کر لو۔

﴿ باب الاقالة ﴾

[۹۱۰] (۱) الاقالة جائزۃ فی البیع للمشتري بمثل الثمن الاول [۹۱۱] (۲) فان

﴿ باب الاقالة ﴾

ضروری نوٹ اقالہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع بیع بیچنے کے بعد نادم ہو جائے کہ میں نے غلط بیچ دیا، پھر مشتری سے کہے کہ مجھے بیع واپس کر دیں اور ثمن واپس لے لیں اور مشتری ایسا کر دے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں۔ یا مشتری خریدنے پر نادم ہو جائے اور بائع سے کہے کہ بیع واپس لے لیں اور ثمن دے دیں اور بائع ایسا کرے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله من اقال مسلما اقاله الله عشرته (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی فضل الاقالة ج ثانی ص ۱۳۲ نمبر ۳۳۶ ابن ماجہ شریف، باب الاقالة ص ۳۱۵ نمبر ۲۱۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقالہ کرنا جائز ہے بلکہ سامنے والے کی مجبوری ہو تو اقالہ یعنی بیع واپس کرنے میں ثواب ملے گا۔

[۹۱۰] (۱) اقالہ جائز ہے بیع میں بائع کے لئے اور مشتری کے لئے ثمن اول کے مثل سے۔

تشریح بائع اور مشتری دونوں کے لئے اقالہ جائز ہے۔ لیکن جس قیمت میں بیع ہوئی تھی بائع اتنی ہی قیمت واپس کرے گا، کم بھی نہیں اور زیادہ بھی نہیں۔ بائع نے جتنی قیمت پہلے لی ہے وہی قیمت واپس کرے، اسی کو بمثل الثمن الاول کہا ہے۔

مجا (۱) بائع اور مشتری کے درمیان کوئی نئی بیع نہیں ہے کہ قیمت زیادہ لے یا کم لے بلکہ اقالہ کا مطلب ہے۔ پہلے ہی بیع کو توڑنا ہے اس لئے پہلی ہی قیمت واپس کرے گا (۲) عن ابن عباس انه كره ان يبتاع البيع ثم يردده ويرد معه دراهم وفي هذا دلالة على ان الاقالة فسخ فلا تجوز الابرأس المال (ب) (سنن للبيهقي، باب من اقال المسلم اليه بعض المسلم قبض بعضا سادس ص ۲۵، نمبر ۱۱۱۳) عن الاسود انه كره ان يرددها ويرد معها شيئا (ج) (مصنف عبد الرزاق ج ثامن ص ۱۹ نمبر ۱۴۱۳) اس اثر میں حضرت عبداللہ بن عباس نے ثمن کے ساتھ مزید کچھ دینے سے کراہیت کا اظہار کیا ہے۔

اصول اقالہ بیع اول کا فسخ ہے۔

[۹۱۱] (۲) پس اگر پہلی قیمت سے زیادہ کی شرط لگائی یا اس سے کم کی تو شرط باطل ہے، اور ثمن اول ہی لوٹایا جائے گا۔

تشریح مثلاً چار سو میں بیع خریدی تھی اور مشتری نے اقالہ کے لئے پانچ سو درہم مانگے یا بائع نے کہا کہ اقالہ کے لئے تین سو دوں گا تو یہ کی زیادتی کی شرط باطل ہے۔ البتہ اس میں شرط لگانے سے اقالہ باطل نہیں ہوگا بلکہ ثمن اول ہی پر اقالہ ہوگا۔

مجا اوپر ابن عباس کا اثر گزر چکا ہے کہ زیادہ دینا وہ مکروہ سمجھتے تھے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے مسلمان سے اقالہ کیا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا (ب) حضرت عبداللہ بن عباسؓ ناپسند کرتے تھے کہ آدمی بیع کرے پھر اس کو واپس لوٹائے اور اس کے ساتھ کچھ درہم لوٹائے۔ اس قول میں اس بات پر دلالت ہے کہ اقالہ کرنا بیع کو فسخ کرنا ہے۔ اس لئے نہیں جائز ہے مگر راس المال یعنی پہلی قیمت کے ساتھ (ج) حضرت اسود ناپسند فرماتے تھے کہ بیع واپس کرے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی واپس کرے۔

شرط اکثر منه فالشرط باطل ویرد بمثل الثمن الاول [۹۱۲] (۳) وہی فسخ فی حق المتعاقدين بیع جدید فی حق غیرہما فی قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ [۹۱۳] (۴) وھلاک الثمن لا یمنع صحۃ الاقالہ وھلاک المبیع یمنع صحتھا [۹۱۴] (۵) وان

نوٹ ثمن پر اس وقت اقالہ ہوگا جبکہ بیع میں کوئی عیب نہ ہوا ہو۔ اگر بیع میں عیب ہو گیا تو مشتری کم قیمت واپس کر سکتا ہے۔

[۹۱۲] (۳) اقالہ متعاقدين کے حق میں فسخ ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے حق میں بیع جدید ہے امام ابوحنیفہ کے قول میں۔

تشریح جب اقالہ کیا تو بائع اور مشتری کے درمیان پہلے ہی بیع کا فسخ ہے۔ وہی بیع ٹوٹی ہے لیکن ان دونوں کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کے حق میں بیع جدید ہے۔ گویا کہ مشتری بائع سے نئی بیع کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ بیع مشتری کے ہاتھ سے نکل کر بائع کے ہاتھ میں جا رہی ہے اور ایجاب اور قبول بھی ہو رہے ہیں۔ اس لئے تیسرے آدمی کے حق میں بیع جدید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر کوئی حق شفیعہ کا دعویٰ کرے ناچاہے تو کر سکتا ہے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے کہ متعاقدين کے حق میں فسخ ہے عن ابن عباس انہ کره ان یتنازع البیع ثم یردہ و یرد معہ دراهم و فی هذا دلالة علی ان الاقالہ فسخ فلا تجوز الا برأس المال (الف) (سنن للبیہقی، باب من اقال المسلم الیہ بعض المسلم قبض بعضا ج سادس ص ۴۵، نمبر ۱۱۱۳۳) اس اثر میں ہے کہ اقالہ متعاقدين کے حق میں فسخ ہے۔ البتہ تیسرے کے حق میں بیع جدید ہوگی۔

[۹۱۳] (۴) اور ثمن کا ہلاک ہونا اقالہ کے صحیح ہونے کو نہیں روکتا اور بیع کا ہلاک ہونا اس کے صحیح ہونے کو روکتا ہے۔

تشریح ثمن ہلاک ہو جائے، بائع کے پاس نہ رہے تب بھی اقالہ ہو سکتا ہے۔ لیکن مشتری کے پاس بیع ہلاک ہو جائے تو اقالہ نہیں ہو سکے گا۔ **وجہ** (۱) اصل واپسی بیع کی ہے۔ وہی متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے۔ قیمت اور روپیہ تو کوئی سا بھی دے گا۔ اس لئے اگر بیع ہلاک ہو جائے تو کس چیز کو واپس کرے گا؟ اس لئے بیع ہلاک ہونے کے بعد اقالہ نہیں ہو سکے گا۔ اور ثمن ہلاک ہو جائے تو یہ پونڈ نہیں دوسرے پونڈ بائع واپس کر دے گا۔ اس لئے ثمن کے ہلاک ہونے کے باوجود اقالہ ہو سکتا ہے۔

اصول اقالہ میں اصل واپسی بیع کی ہوتی ہے۔

[۹۱۴] (۵) اگر بعض بیع ہلاک ہو جائے تو باقی میں اقالہ جائز ہے۔

وجہ مثلاً چھ کیلو گہہوں دس روپے میں خریدے تھے۔ پھر تین کیلو گہہوں ہلاک ہو گئے تو باقی ماندہ تین کیلو گہہوں واپس کر سکتا ہے اور پانچ روپے واپس لے سکتا ہے۔

وجہ اقالہ اتنے ہی میں ہو رہا ہے جتنی بیع موجود ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ ابن عباس ناپسند کرتے تھے کہ آدمی بیع کرے پھر اس کو واپس لوٹائے اور اس کے ساتھ کچھ درہم لوٹائے۔ اور اس میں اشارہ ہے اس بات کا کہ اقالہ فسخ بیع ہے۔ اس لئے نہیں جائز ہے اقالہ مگر رأس المال یعنی پہلی قیمت کے ساتھ۔

هلک بعض المبیع جازت الاقالة فی باقیہ.

نوٹ اگر دونوں طرف سامان ہی تھا مثلاً بیع گیہوں اور شبن میں جو تھا تو چونکہ دونوں بیع بن سکتے ہیں۔ اور دونوں متعین ہوتے ہیں اس لئے اگر بیع مثلاً گیہوں ہلاک ہو گیا تو جو بیع بن سکتا ہے اس لئے اس صورت میں بھی اقالہ صحیح ہو سکے گا۔



﴿باب المراجعة والتولية﴾

[۹۱۵] (۱) المراجعة نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول مع زيادة ربح [۹۱۶] (۲)

والتولية نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول من غير زيادة ربح.

﴿باب المراجعة والتولية﴾

ضروری نوٹ : مراجعہ : کا مطلب یہ ہے کہ جتنے میں خرید ابائع مشتری کو صاف بتائے کہ میں نے مثلاً دس پونڈ میں یہ بیع خریدی ہے اور دو پونڈ نفع لیکر بارہ پونڈ میں آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں۔ اس میں دو پونڈ نفع لیا اس لئے اس کو مراجعہ کہتے ہیں۔ اگر بائع نفع لے لیکن مشتری کو یہ نہ بتائے کہ کتنے میں خریدا ہے تو یہ عام بیع ہے۔ اس کو مراجعہ نہیں کہیں گے۔ مراجعہ میں پہلی قیمت بتانا ضروری ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ مشتری کو اعتماد ہو اور دھوکہ نہ ہو۔ اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔ رایت علی علیؑ ازارا غلیظا قال اشتریت بخمسة دراهم فمن اربحنی فیہ درهما بعته ایاہ (سنن للبیہقی، باب المراجعة خامس ص ۵۳۸، نمبر ۹۴۷۱۰) اس اثر میں پانچ درہم میں ازار خریدی تھی اور ایک درہم مراجعہ پر حضرت علیؑ بیچنا چاہتے تھے۔ جس سے بیع مراجعہ کا ثبوت ہوا۔

تولیه : کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کو بتائے کہ میں نے مثلاً دس پونڈ میں یہ بیع خریدی ہے اور دس ہی پونڈ میں بیچتا ہوں۔ جتنے میں خریدی اتنے ہی میں بیع کا ولی بنا دیئے کو تولیہ کہتے ہیں۔ اگر نہیں بتایا کہ کتنے میں خریدی تو یہ تولیہ نہیں ہے، عام بیع ہے۔ اس بیع کا ثبوت اس حدیث میں ہے قالت عائشة فبینما نحن یوما جلوس فی بیت ابی بکر ... قال ابو بکر فخذ بابی انت یا رسول اللہ احدی راحلتی ہاتین قال رسول اللہ بالثمن (الف) (بخاری شریف، باب ہجرة النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ ص ۵۵۳ نمبر ۳۹۰۵/بخاری شریف، باب اذا اشتری متاعا وادلیہ فوضعه عند البائع ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۳۸) اس حدیث میں حضورؐ نے ابو بکر سے فرمایا کہ جتنے میں اونٹنی خریدی ہے اتنے ہی میں دیدے۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا بالثمن، یعنی بالثمن الاول، اس لئے اس سے بیع کو تولیہ کا ثبوت ہوا۔

[۹۱۵] (۱) بیع مراجعہ منتقل کرنا ہے جس چیز کا مالک بنا عقد اول میں ثمن اول سے نفع کی زیادتی کے ساتھ۔

تشریح پہلی بیع میں جس بیع کا جتنی قیمت سے مالک بنا ہے اسی قیمت پر کچھ نفع لیکر بیچنے کو مراجعہ کہتے ہیں۔**وجہ** مراجعہ رنگ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی نفع لینا ہے۔ اس لئے پہلی قیمت پر نفع لے گا۔ اس لئے اس کو مراجعہ کہتے ہیں۔

[۹۱۶] (۲) اور بیع تولیہ وہ منتقل کرنا ہے جس کا مالک بنا عقد اول سے ثمن اول کے ساتھ بغیر نفع کی زیادتی کے۔

تشریح جتنے میں پہلی بیع میں خریدا ہے اتنی قیمت میں بیچ دینے کو تولیہ کہتے ہیں۔**وجہ** چونکہ پہلی ہی قیمت میں مشتری کو بیع کا ولی بنانا ہے اور اس پر کچھ نفع نہیں لینا ہے اس لئے اس بیع کو تولیہ کہتے ہیں (۲) مراجعہ اور تولیہ

دونوں بیوع کی دلیل ضروری نوٹ میں گزر گئی (بخاری شریف نمبر ۳۹۰۵/سنن بیہقی، نمبر ۹۴۷۱۰)

حاشیہ : (الف) حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں میری ان دواؤں میں سے ایک آپؐ لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا پہلی قیمت سے لوں گا۔

[۹۱۷] (۳) ولا تصح المراجعة والتولية حتى يكون العوض مما له مثل [۹۱۸] (۴)

ویجوز ان یضیف الی رأس المال اجرة القصار والصباغ والطراز والقتل واجرة حمل

[۹۱۷] (۳) نہیں صحیح ہے مراجعہ اور تولیہ یہاں تک عوض اس میں ہے ہو جس کی مثل ہو۔

تشریح مراجعہ اور تولیہ اسی وقت ہوگا جبکہ اس کا ثمن مثلی ہو۔ اگر ثمن مثلی نہ ہو تو مراجعہ اور تولیہ نہیں ہو سکتے گا۔ مثلاً گیہوں، چاول، درہم اور دنانیر ہوں جو دنیا میں اس جیسا دوسرا مل سکتا ہو۔ گائے، بھینس وغیرہ نہ ہو کہ اس جیسا دنیا میں نہیں مل سکتا ہو، بڑا چھوٹا ضرور ہوتا ہے۔

وجہ اس جیسا دوسرا مل سکتا ہو تب ہی اگلا مشتری اس جیسا ثمن دیکر بیع خریدے گا۔ اور اگر اس جیسا نہیں مل سکتا ہو تو اگلا مشتری کیا دیکر خریدے گا اور کیسے اس پر نفع دیگا یا وہی قیمت دے گا؟ اس لئے مراجعہ اور تولیہ کے لئے ضروری ہے کہ مثلی ثمن سے بیع خریدی ہو۔

[۹۱۸] (۴) جائز ہے کہ رأس المال میں جمع کرے دھوبی کی اجرت، رنگنے والے کی اجرت، کشیدہ کرنے والے کی اجرت، باٹنے والے کی اجرت اور کھانا اٹھانے والے کی اجرت۔

تشریح جتنے میں بیع خریدی ہے اس کے لئے جن جن کاموں سے بیع میں بڑھوتری ہوگی اس کی اجرت بھی ثمن اور قیمت میں شامل کی جائے گی۔ اور مراجعہ کرتے وقت کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ بیع اتنے میں پڑی ہے۔ مثلاً دس پونڈ میں کپڑا خریدا، دو پونڈ اس کی دھلائی کے دینے تو اب ثمن بارہ پونڈ ہو گئے۔ مراجعہ یا تولیہ کرتے وقت کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ کپڑا بارہ پونڈ میں پڑا ہے۔ اور تولیہ میں بارہ پونڈ میں دوں گا اور مراجعہ میں بارہ پونڈ پر تین پونڈ نفع لیکر مثلاً پندرہ پونڈ میں دوں گا۔

نوٹ دھوبی کی دھلائی سے کپڑے کی چمک زیادہ ہوتی ہے جس سے گویا کہ کپڑے میں بڑھوتری ہوئی۔ اسی طرح رنگریز کی رنگائی سے، نقش و نگار کرنے والے کی نقش و نگار کرنے سے، اور رسی کو باٹنے سے ان کی قیمت میں زیادتی ہوتی ہے۔ اسی طرح غلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے مثلاً اس شہر میں پانچ پونڈ کیلو ہے تو دوسرے شہر میں چھ پونڈ کیلو ہے۔ اس لئے غلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے کی اجرت بھی اصل ثمن میں ملائی جائے گی۔ اثر میں اس کا ثبوت ہے قلت لابرہیم انا نشتری المتناع ثم نزيد عليه القصار والكراء ثم نبيعه بدینار زیادہ قال لا بأس (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۷/۲ فی النفقة تظم الی رأس المال ج ۱، ص ۳۰۸، نمبر ۲۰۴۰) اس اثر میں فرمایا کہ دھلائی اور کرایہ کو اصل میں شامل کر سکتا ہے۔

اصول جن کاموں سے قیمت میں بڑھوتری ہوتی ہے ان کی اجرت ثمن میں شامل کی جائے گی۔

نکتہ القصار : دھوبی۔ الصباغ : رنگریز۔ الطراز : نقش و نگار بنانے والا۔ القتل : رسی باٹنا۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت ابراہیم سے کہا ہم سامان خریدتے ہیں۔ پھر اس پر دھلائی کی قیمت اور کرایہ لگاتے ہیں پھر اس کو ایک دینار زیادہ سے بیچتے ہیں تو حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

الطعام [۹۱۹] (۵) ویقول قام علی بكذا ولا یقول اشتريته بكذا [۹۲۰] (۶) فان اطلع المشتري علی خیانة فی المراجعة فهو بالخيار عند ابی حنیفة رحمه الله تعالى ان شاء اخذه بجميع الثمن وان شاء رده.

[۹۱۹] (۵) اور کہے گا مجھ کو اتنے میں پڑی ہے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اس کو اتنے میں خریدی ہے۔

تشریح اجرت وغیرہ جو کچھ اصل ثمن میں شامل کی جائے گی اس کو شامل کرنے کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے۔ کیونکہ یہ تو جھوٹ ہوگا اتنے میں تو اس نے خریدی نہیں ہے۔ اس لئے یوں کہے کہ مجھے یہ بیع اتنے میں پڑی ہے۔

اصول آدمی ہر حال میں سچ بولے۔ تاکہ اعتماد بحال رہے۔

لغت قام علی کذا : مجھ کو اتنی میں پڑی ہے۔

[۹۲۰] (۶) پس اگر مشتری بیع مراہمہ میں خیانت پر مطلع ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے تو پوری قیمت سے لے چاہے تو اس کو رد کر دے۔

تشریح مثلاً دس پونڈ میں کپڑا خریدا تھا اور اس نے خیانت کی اور کہا کہ بارہ پونڈ میں خریدا ہے۔ اور تین پونڈ نفع لیکر پندرہ پونڈ میں بیچتا ہوں۔ مشتری نے اعتماد کر کے خرید لیا بعد میں پتہ چلا کہ بائع نے جھوٹ بولا ہے۔ اس نے دس پونڈ ہی میں خریدا تھا اور مجھ سے تین پونڈ نہیں پانچ پونڈ نفع لیا ہے۔ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے کہ لے یا رد کر دے۔ لیکن لے گا تو پندرہ پونڈ میں لے گا۔ دس پر تین پونڈ نفع ملا کر تیرہ پونڈ میں قانونی طور پر نہیں لے سکے گا۔

مجمع تیرہ پونڈ میں لے تب بھی مراہمہ ہوگا اور پندرہ پونڈ میں لے تب بھی مراہمہ ہے۔ دونوں صورتوں میں مراہمہ ہی ہے۔ اور بائع نے لفظ مراہمہ بولا ہے جس میں وہ سچ ہے اس لئے خریدے تو پندرہ میں خریدے۔ البتہ دو پونڈ کا جھوٹ بولا ہے اس لئے مشتری کو اختیار ہے لے یا نہ لے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بائع جو لفظ مراہمہ بولا ہے اس میں وہ سچ ہے۔ جھوٹ بولنے پر مشتری کو رد کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس کا اشارہ اس حدیث میں ہے عن ابی ذر عن النبی ﷺ قال ثلاثة لا ينظر الله اليهم يوم القيامة ولا يزيهم ولهم عذاب اليم۔ قلنا من هم يا رسول الله؟ فقد خابوا وخسروا فقال المنان والمسل ازاره والمنفق سلعته بالحلف الكاذب (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن حلف علی سلعة كاذبا ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۱) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کا بھاؤ بڑھائے اس پر اللہ کا عذاب ہے۔

نوٹ اگر دونوں جھوٹ کے تین پونڈ کم کر کے لینے دینے پر راضی ہو جائیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ البتہ قانونی طور پر بائع کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں کو اللہ قیامت کے روز نہیں دیکھے گا اور نہ ان کو پاک صاف کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول خائب و خاسر ہو جائیں وہ کون ہیں؟ پس آپؐ نے فرمایا احسان بتانے والا، ازار لگانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔

[۹۲۱] (۷) وان اطلع على خيانة في التولية اسقطها من الثمن [۹۲۲] (۸) وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى يحط فيهما وقال محمد رحمه الله تعالى لا يحط فيهما لكن يخير فيهما [۹۲۳] (۹) ومن اشترى شيئاً مما ينقل ويحول لم يحز له بيعه حتى يقبضه

[۹۲۱] (۷) اور اگر خیانت پر مطلع ہوا بیع تولیہ میں تو ثمن میں سے اتنا کم کرے گا۔

تشریح مثلاً دس پونڈ میں کپڑا خریدا تھا اور جھوٹ بولا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا ہوں اور تیرہ پونڈ ہی پر تولیہ کرتا ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں تین پونڈ کم کر کے دس پونڈ ہی میں لے گا۔

مذہب تولیہ کہتے ہیں اس بیع کو کہ جتنے میں خریدا ہے اتنے میں ہی دوں گا اور حقیقت میں دس پونڈ ہی میں خریدا تھا۔ جھوٹ بولا تھا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا تھا۔ اس لئے جتنے میں خریدا تھا اتنے ہی میں مشتری لے گا۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو لفظ تولیہ بولا ہے اسی کی حقیقت پر فیصلہ کیا جائے گا اور اسی قیمت پر مشتری کو لینے کا حق ہوگا۔ اور وہ ہے کم قیمت یعنی دس پونڈ۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

اصول بیع مراحہ اور تولیہ کا مدار ان کے الفاظ پر ہوگا۔

[۹۲۲] (۸) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں کم کیا جائے گا، اور امام محمدؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں کم نہیں کیا جائے گا لیکن دونوں کو اختیار دیا جائے گا۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تولیہ اور مراحہ دونوں صورتوں میں جتنی قیمت جھوٹ بول کر لی ہے اتنی قیمت کم کر کے مشتری کو لینے کا اختیار ہوگا۔ مثلاً مثال مذکور میں دس پونڈ میں خریدا تھا اور جھوٹ بولا تھا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا ہے تو تین پونڈ جھوٹ بول کر لئے تھے اس لئے مراحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں تین پونڈ کم کر کے لے گا۔ اس لئے مراحہ کی شکل میں پندرہ کی بجائے بارہ پونڈ دے گا اور تولیہ کی شکل میں دس پونڈ ہی دے گا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مراحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں کم نہیں کیا جائے گا۔

مذہب بائع نے ترغیب دینے کے لئے مراحہ اور تولیہ کی بات کی ہے۔ اصل مقصود تو وہ قیمت ہے جس پر بات طے ہوئی ہے۔ بائع مراحہ میں مثلاً پندرہ پونڈ اور تولیہ میں مثلاً تیرہ پونڈ سے کم پر دینے کے لئے راضی نہیں ہے۔ اور اسی پر بات بھی طے ہوئی ہے اس لئے اس سے کم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ چونکہ بائع جھوٹ بولا ہے اس لئے مشتری کو لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا۔ انکا اصول یہ ہے کہ جس قیمت پر بات طے ہوئی ہے وہی لازم ہوگی۔ مراحہ اور تولیہ کا لفظ ترغیب کے لئے ہے۔

نکتہ محط : کم کیا جائے گا، مشتق ہے حط سے کم کرنا۔

[۹۲۳] (۹) کسی نے کوئی ایسی چیز خریدی جو منتقل ہو سکتی ہے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے۔

مذہب منتقل ہونے والی چیز پر قبضہ کرے تب اس کو آگے بیچے۔ کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ چیز ضائع ہو جائے اور اس کے پاس نہ آئے تو کیسے بیچے گا (۲) پہلے حدیث گزر چکی ہے جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کو نہ بیچو، لا تبع ما ليس عندك (ابوداؤد شریف

[۹۲۴] (۱۰) ويجوز بيع العقار قبل القبض عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمہما اللہ
وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا يجوز [۹۲۵] (۱۱) ومن اشترى مکیلا مکیلة او موزونا
موازنة فاکتاله او اتزنه ثم باعه مکیلة او موازنة لم یجز للمشتري منه ان یبعه ولا ان
یاکله حتی یعید الکیل والوزن.

نمبر ۳۵۰ (۳) حدیث میں ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے مت بیچو عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعه
حتی لیستوفیه زاد اسمعیل فلا یبعه حتی یقبضه (الف) (بخاری شریف، بیع الطعام قبل ان یقبض و بیع مالیس عندک ص ۲۸۶ نمبر
۲۱۳۶) مسلم شریف، باب بطلان بیع لم یقبض قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵/۱ بوداؤد شریف، نمبر ۳۴۹۲ (۳) اس حدیث میں ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے سے
پہلے اس کو مت بیچو، اس لئے منقولی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

[۹۲۴] (۱۰) اور جائز ہے زمین کو بیچنا قبضہ کرنے سے پہلے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا جائز نہیں۔
مجاہد زمین منقولی چیز نہیں ہے۔ اس لئے اس میں ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے اس لئے اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دیا تو جائز ہے (۲) حضرت
عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ قبضہ کرنے کی شرط غلہ وغیرہ میں ہے۔ جس سے اندازہ ہوا کہ زمین وغیرہ پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز ہے
سمعت ابن عباس یقول اما الذی نہی عنہ النبی فهو الطعام ان یباع حتی یقبض (ب) (بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل
ان یقبض و بیع مالیس عندک ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵) اس اثر میں ہے کہ غلے کے بارے میں ہے قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے۔ اس کا مطلب یہ ہوا
کہ زمین وغیرہ کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن سیرین قال لا بأس ان یشتری شیئا لا یکال ولا
یوزن بنقد ثم یبعه قبل ان یقبضه (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یشتری اشیء مما لا یکال ولا یوزن ھل یبعه قبل ان یقبضه، ج
ثامن، ص ۴۳، نمبر ۱۴۲۳) امام محمد فرماتے ہیں کہ زمین کو بھی قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

مجاہد ان کی دلیل پہلی والی حدیث ہے جس میں مطلقاً قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔
[۹۲۵] (۱۱) کسی نے کیلی چیز کیل کر کے خریدی یا وزنی چیز وزن کر کے خریدی پھر اس کو کیل کیا یا وزن کیا پھر اس کو کیل سے یا وزن سے بیچا تو
مشتري کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو بیچے اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کو کھائے یہاں تک کہ دوبارہ کیل یا وزن کر لے۔
تشریح کیلی چیز مثلاً گیہوں چاول اور وزنی چیز مثلاً درہم اور دنانیر کیل اور وزن سے خریدا۔ اور کیل یا وزن کر کے بائع سے لیا۔ اب اس کو دو
بارہ کیل کر کے یا وزن کر کے بیچنا چاہتا ہے اٹکل سے نہیں تو پہلا کیل کیا ہوا یا وزن کیا ہوا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اگلے مشتری کے سامنے دوبارہ کیل
کرنا ہوگا۔ یا وزنی چیز ہے تو وزن کرنا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے غلہ بیچا تو اس کو نہ بیچے یہاں تک کہ اس کو پورا لے لے، راوی اسمعیل نے یہ بھی فرمایا کہ اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس پر
قبضہ نہ کر لے (ب) بہر حال جس سے حضورؐ نے روکا ہے وہ غلہ جات ہیں کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچا جائے (ج) حضرت ابن سیرین نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے کہ
آدمی کوئی ایسی چیز خریدے جو نہ کیل کی جاتی ہو اور نہ وزن کی جاتی ہو نقد کے ذریعہ پھر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچے۔

[۹۲۶] (۱۲) والتصرف فی الثمن قبل القبض جائز.

مذ (۱) پہلا کیل کرنا یا وزن کرنا پہلے مشتری کو حوالے کرنے کے لئے تھا۔ یہ وزن اگلے مشتری کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر کیل یا وزن سے اس نے خریدا ہے تو اس کے سامنے دوبارہ کیل یا وزن کرنا ہوگا۔ تاکہ اس کو اطمینان ہو۔ اور کی زیادتی نہ ہونے پائے (۲) آیت میں اس کی تاکید ہے الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوهم او وزنوهم یخسرون (الف) (آیت ۳۲ سورۃ المطففین ۸۳) اس آیت میں کیل اور وزن پورا دینے کی تاکید ہے (۳) حدیث میں ہے عن عثمان ان النبی ﷺ قال اذا بعت فکیل واذا ابتعت فاکتل (ب) (بخاری شریف، باب الکیل علی البائع والمعتی ص ۲۸۵ نمبر ۲۱۲۶ مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۸) (۳) ابن ماجہ شریف میں ہے عن جابر قال نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الطعام حتی یجری فیہ الصاعان صاع البائع وصاع المشتري (ج) ابن ماجہ شریف، باب النھی عن بیع الطعام قبل الم یقبض ص ۳۱۹ نمبر ۲۲۲۸) اس حدیث میں ہے کہ مشتری جب تک دوبارہ کیل نہ کرے اگلے مشتری کو نہ بیچے۔

نوٹ اس حدیث کی بنیاد پر کھانے کے وقت دوبارہ کیل کرنا استحبائی ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ غلہ زیادہ آگیا ہو تو بائع کو واپس کر سکے، یا کم آیا ہو تو اس سے لے سکے۔

نوٹ اگر کیل یا وزن کر کے نہ بیچے بلکہ اٹکل سے بیچے تو دوبارہ کیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اصول کسی کو مال پورا دینا چاہئے اور پورا لینا چاہئے۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

[۹۲۶] (۱۲) اور تصرف کرنا ثمن میں قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے۔

تشریح بائع نے بیچنے کی ابھی بات کی ہے اور بیع دی تھی لیکن مشتری نے ابھی ثمن نہیں دیا ہے اور نہ بائع نے اس پر قبضہ کیا ہے۔ اس سے پہلے اس ثمن کے ذریعہ کوئی چیز خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے۔ یا ثمن کو ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کر سکتا ہے۔

مذ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے یہ ثمن نہیں دے سکے گا تو اپنی طرف سے کوئی دوسرا پونڈ یا روپیہ دے دے گا۔ یہی ثمن دینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس ثمن کی تعیین تو بائع کو بھروسہ دینے کے لئے کی ہے۔ اثر میں ہے کہ ثمن کے بدلے کوئی اور چیز بھی لے سکتا ہے۔ ابن سیرین قال اذا بعت شیئاً بدینار فحل الاجل فخذ بالبدینار ما شئت من ذلک النوع و غیرہ (د) (مصنف عبد الرزاق، باب السلعة یسلفھا فی دینار هل یأخذ غیر البدینار ج ۸ ص ۱۶ نمبر ۱۳۱۱) اس اثر میں ہے کہ ثمن دینار ہو تو اس کے بدلے کوئی اور چیز لے سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کو قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کر سکتا ہے۔

نوٹ ثمن اگر سامان ہے جو متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچ نہیں سکتا۔ دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

حاشیہ : (الف) وہ لوگ جو لوگوں سے کیل کر کے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب کیل کر کے دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا جب بیچو تو کیل کر کے بیچو اور جب خریدو تو کیل کرو (ج) آپؐ نے غلوں کو بیچنے سے روکا یہاں تک کہ اس میں دو صاع جاری ہوں، بائع کا صاع اور مشتری کا صاع (د) ابن سیرین نے فرمایا اگر آپؐ نے کسی چیز کو دینار کے بدلے بیچا پس وقت آیا تو دینار کے بدلے جو چاہے لو اسی قسم میں سے یا اس کے علاوہ۔

[۹۲۷] (۱۳) ويجوز للمشتري ان يزيد البائع في الثمن [۹۲۸] (۱۴) ويجوز للبائع ان يزيد في المبيع ويجوز ان يحط من الثمن [۹۲۹] (۱۵) ويتعلق الاستحقاق بجميع

[۹۲۷] (۱۳) اور مشتری کے لئے جائز ہے کہ بائع کو ثمن میں زیادہ دے۔

تشریح مثلاً دس پونڈ میں کپڑا خریدا ہے اب مشتری خوش ہو کر بارہ پونڈ دینا چاہتا ہے تو دے سکتا ہے۔

مذہب یہ مشتری کی ملکیت ہے اس کو جیسا چاہے خرچ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں قیمت زیادہ دی گئی ہے۔ عن ابی رافع قال استسلف رسول الله بکرا فجاءته ابل من الصدقة فامرني ان اقضي الرجل بکرة فقلت لم اجد في الابل الا جملا خيارا رباعيا فقال النبي ﷺ اعطه اياه فان خيار الناس احسنهم قضاء (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی حسن القضاء ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۳۶) اس حدیث میں جو ان اونٹ لیا تھا اور اس کے بدلے اچھے قسم کا اونٹ واپس دیا اور فرمایا کہ حسن ادا کرنے والا اچھا آدمی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مشتری زیادہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

[۹۲۸] (۱۴) اور بائع کے لئے جائز ہے کہ بیع میں زیادہ کر دے اور جائز ہے کہ ثمن میں کمی کر دے۔

تشریح بائع کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ جتنی بیع طے ہوئی ہے اس سے زیادہ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ جتنا ثمن طے ہوا ہیں اس سے کم لے۔

مذہب اس کی ملکیت ہے وہ ایسا کر سکتا ہے (۲) بیع زیادہ دینے کی ترغیب حدیث میں ہے۔ حدثنا سويد بن قيس ... وثم رجل يزن بالاجر فقال له رسول الله ﷺ زن وارجح (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجمان فی الوزن ص ۱۱۸ نمبر ۳۳۳۶) اس حدیث میں ہے کہ بائع کو چاہئے کہ بیع کو وزن میں کچھ زیادہ ہی دینا چاہئے۔

[۹۲۹] (۱۵) اور استحقاق ان تمام کے ساتھ متعلق ہونگے۔

تشریح مشتری نے دس پونڈ قیمت کی تھی اس کے بجائے بارہ پونڈ دیئے تو اب مراہمہ اور تولیہ جو کرے گا وہ بارہ پونڈ پر کرے گا۔ اسی طرح بائع نے ایک بیع کے بجائے دو بیع دس پونڈ میں دیدی تو اب یوں کہے گا کہ دو بیع دس پونڈ میں لی ہیں۔ یوں نہیں کہے گا کہ ایک بیع دس پونڈ میں لی ہے۔ اسی طرح بائع نے دس پونڈ کے بجائے آٹھ پونڈ لئے تو لینے والا یوں کہے گا کہ آٹھ پونڈ میں بیع خریدی ہے۔ اور اسی آٹھ پونڈ پر مراہمہ اور تولیہ کرے گا۔ اب دس پونڈ پر مراہمہ یا تولیہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح جو آدمی شفعہ کا دعویٰ کرے گا وہ اب موجودہ قیمت اور موجودہ بیع پر شفعہ کا دعویٰ کرے گا۔

مذہب کیونکہ اب یہی قیمت اصل بن گئی اور زیادہ دی ہوئی قیمت یا بائع کی جانب سے کم کی ہوئی قیمت ہی اصل بن گئی۔ اس لئے اب تمام حقوق اسی پر منحصر ہونگے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جو ان اونٹ کا سودا کیا پھر آپ کے پاس صدقہ کا اونٹ آیا تو مجھے حضورؐ نے حکم دیا کہ جو ان اونٹ ادا کر دوں تو میں اونٹ میں نہیں پایا مگر اس سے اچھا اونٹ چار دانت والا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا اونٹ اس کو دیدو۔ اچھے لوگ وہ ہیں جو اچھے انداز سے ادا کرے (ب) وہاں ایک آدمی تھا جو اجرت پر وزن کرتا تھا تو آپؐ نے فرمایا جھکا کر تو لا کرو۔

ذلک [۹۳۰] (۱۶) ومن باع بضمن حال ثم اجله اجلا معلوما صار مؤجلا [۹۳۱] (۱۷) وکل دین حال اذا اجله صاحبه صار مؤجلا الا القرض فان تأجيله لا یصح۔

اصول زیادہ دی ہوئی قیمت یا کم کی ہوئی قیمت یا زیادہ دی ہوئی بیع اصل کے ساتھ لاحق ہو کر اب یہ اصل بن جائیگی (۲) اب تمام حقوق ان ہی کے ساتھ متعلق ہونگے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ شروع میں جو قیمت یا بیع طے ہوئی تھی وہی اصل ہے۔ اسی کے ساتھ تمام حقوق متعلق ہوں گے۔ اور بعد میں جو بیع زیادہ کی یا ضمن زیادہ کئے وہ بعد کا ہدیہ اور ہبہ ہے اس کا تعلق اصل بیع اور ضمن کے ساتھ نہیں ہے۔ اس لئے اس زیادتی کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہونگے۔

[۹۳۰] (۱۶) کسی نے فوری ضمن کے ساتھ بیچا پھر اس کو مؤخر کر دیا اجل معلوم کے ساتھ تو مؤجل ہو جائے گا۔

تشریح کسی نے اس طرح بیع کی کہ ابھی قیمت دے گا لیکن بعد میں متعین تاریخ کے ساتھ مؤخر کر دیا تو اب مؤخر ہو جائے گا۔ اور متعین تاریخ پر قیمت دینی ہوگی۔

مجموعہ حدیث میں قیمت مؤخر کرنے کی ترغیب ہے۔ ان حذیفۃؓ قال قال النبی ﷺ تلقت الملائکۃ روح رجل ممن قبلکم فقالوا اعملت من الخیر شیئا؟ قال کنت آمر فتيانی ان ينظروا ويتجاوزوا عن الموسر قال فتجاوزوا عنه (الف) (بخاری شریف، باب من انظر موسرا ص ۲۷۹ نمبر ۲۰۷۷) اس حدیث میں پچھلے زمانے کے ایک آدمی کو اس بنا پر اللہ نے معاف کر دیا کہ وہ قیمت لینے میں مہلت دیا کرتا تھا۔ اس لئے قیمت لینے میں مہلت دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ تاریخ معلوم ہو ورنہ جھگڑا ہوگا (۲) تاخیر دینا بائع کا اپنا اختیار ہے اس لئے وہ استعمال کر سکتا ہے۔

نکتہ حال : ابھی فوری۔ اجلا : تاخیر کے ساتھ۔

[۹۳۱] (۱۷) ہر وہ دین جو فوری ہو اگر اس کو مؤخر کر دیا جائے تو مؤخر ہو جائے گا مگر قرض کہ اس کی تاخیر صحیح نہیں ہے۔

تشریح مثلاً بیع کی قیمت مشتری پر فوری ہو اس کو مؤخر کر دیا تو وہ مؤخر ہو جائے گی۔ اب بائع تاریخ سے پہلے لینا چاہے تو نہیں لے سکے گا۔

مجموعہ تاخیر کرنے میں بیع کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے تاخیر کی بھی قیمت ہوئی اس لئے اس کو تاریخ سے پہلے نہیں لے سکتا۔ لیکن قرض تو شروع سے تبرع اور احسان ہے اس لئے جب چاہے قرض دینے والا واپس لے سکتا ہے۔ تاریخ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگی۔ قانونی طور پر پہلے بھی لے سکتا ہے۔ البتہ تاریخ پر لے تو بہتر ہے۔ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابراہیم قال والقرض حال وان کان الی اجل (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۶۴ من قال القرض حال وان کان الی اجل، ج رابع ص ۳۲۴ نمبر ۲۰۵۷)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم سے پہلی قوم میں ایک آدمی کی روح فرشتہ نے قبضہ کرنا چاہا تو انہوں نے کہا تم نے کوئی خیر کام کیا ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ میں نوجوان کو حکم دیتا تھا کہ تنگدستوں کو مہلت دیں اور درگزر کریں۔ حضورؐ نے فرمایا تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا (ب) قرض فوری ہوتا ہے چاہے مؤخر کر کے لینے کا وعدہ ہو۔

﴿باب الربوا﴾

[۹۳۲] (۱) الربوا محرم فی کل مکیل او موزون اذا بیع بجنسه متفاضلا [۹۳۳] (۲)

﴿باب الربوا﴾

ضروری نوٹ ایسی زیادتی جو عوض سے خالی ہو اس کو ربوا کہتے ہیں۔ یہاں مخصوص زیادتی کو ربوا اور سود کہا ہے جو حرام ہے۔ اس کے حرام ہونے کی دلیل یہ آیت ہے واحل الله البيع وحرم الربوا (آیت ۲۷۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں سود کو حرام کہا گیا ہے۔ اور اس کا اصول اس حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید فمن زاد او استزاد فقد اربى الآخذ والمعطى فيه سواء (الف) (مسلم شریف، باب الصرف وبيع الذهب بالورق ص ۲۴ نمبر ۱۵۸/۶۴۰ بخاری شریف، باب بیع الفضة بالفضة ص ۲۹۰ نمبر ۶۲۱/۲۱۷۰ ابوداؤد شریف، باب فی الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۹/۳۳۳ ترمذی شریف، باب ما جاء ان الحطه بالخطه مثلاً بمثل وکراهیة التفاضل فی ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰) ان احادیث میں ایک جنس کی چیز ہو اور کیلی یا وزنی ہو تو کمی بیشی کر کے بچنا حرام قرار دیا ہے۔

[۹۳۲] (۱) ربوا حرام ہے کیلی یا وزنی چیز میں جبکہ بیچا جائے اسی جنس سے کمی بیشی کر کے۔

تشریح کیلی چیز وہ ہے جو پچھلے زمانے میں کیلی اور صاع میں رکھ کر بیچتے تھے۔ جیسے گیہوں، چاول اور غلہ وغیرہ۔ اور وزنی جو ترازو سے وزن کیا جاتا ہے جیسے درہم اور دنانیر اور لوہا وغیرہ۔ پس کیلی چیز ہو اور بیع اور ثمن ایک جنس کے ہو مثلاً دونوں طرف گیہوں ہو کہ گیہوں کے بدلے گیہوں لے رہا ہو یا چاول کے بدلے چاول لے رہا ہو یا درہم کے بدلے درہم لے رہا ہو یا دینار کے بدلے دینار لے رہا ہو تو چونکہ ان بیوع میں دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے اس لئے برابر برابر لینا ہوگا۔ کمی بیشی کرے گا تو سود ہوگا اور حرام ہوگا۔ اور نقد قبضہ کرنا ہوگا۔ دونوں میں سے ایک بھی ادھار ہوگا تو سود ہو جائے گا۔ حرام ہونے کی وجہ اوپر کی حدیث ہے۔

نکتہ : ایک ہی قسم کی چیز دونوں طرف ہوں، مثلاً بیع میں بھی گیہوں اور ثمن بھی گیہوں ہو۔

[۹۳۳] (۲) پس علت ربوا میں کیلی ہے جنس کے ساتھ اور وزن ہے جنس کے ساتھ۔

تشریح ربوا ہونے کے لئے دو علتیں ہیں (۱) دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہو تب کمی بیشی حرام ہے پس اگر ایک طرف گیہوں ہو اور دوسری طرف چاول ہو تو کمی بیشی جائز ہے۔ ایک کیلو گیہوں دیکر دو کیلو چاول لے سکتا ہے (۲) اور دوسری علت یہ ہے کہ وہ چیز کیل سے ناپی جاتی ہو جیسے تمام غلہ کہ پچھلے زمانے میں ان کو کیل سے ناپتے تھے۔ اس زمانے میں ان کو ترازو سے وزن کرتے ہیں۔ یا وزن کئے جاتے ہوں جیسے درہم اور دنانیر۔ پس اگر ایسی چیز ہو جو نہ کیل کی جاتی ہے اور نہ وزن کی جاتی ہو مثلاً عددی ہو یا ذراعی ہو کہ ہاتھ سے ناپی جاتی ہو تو ایک ہاتھ کپڑا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا (۱) سونا سونے کے بدلے میں (۲) چاندی چاندی کے بدلے میں (۳) گیہوں گیہوں کے بدلے میں (۴) جو جو کے بدلے میں (۵) کھجور کھجور کے بدلے میں (۶) اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر، ہاتھوں ہاتھ، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو سود لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہے۔

فالعلة فيه الكيل مع الجنس والوزن مع الجنس [۹۳۴] (۳) فاذا بيع المكيل بجنسه او الموزون بجنسه مثلا بمثل جاز البيع وان تفاضلا لم يجز.

دے کر دو ہاتھ کپڑا لے سکتا ہے۔ یا ایک اخروٹ دے کر دو اخروٹ لے سکتا ہے۔ اس لئے کہ احادیث میں عددی یا ذراعی کے ربوا کے سلسلے میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے۔ اوپر جو ابوسعید خدری کی حدیث گزری اس میں درہم و دنانیر کا ذکر ہے جو وزنی ہیں اور گیہوں، جو، کھجور اور نمک کو برابر سرابریلینے کا تذکرہ ہے جو کیلی ہیں۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک چیز یا وزنی ہو یا کیل ہو تب سود ہوگا۔

وجہ (۱) وزن کو علت بنانے کی وجہ اس حدیث کا اشارہ بھی ہے۔ عن فضالة بن عبيد قال كنا مع رسول الله يوم خيبر نبايع اليهود الاوقية الذهب بالدينارين والثلاثة فقال رسول الله لا تبيعوا الذهب بالذهب الا وزنا بوزن (الف) (مسلم شریف، باب بیع القلادہ فیما خرز و ذهب ص ۲۵ نمبر ۱۵۹۱/۸۰۷۸) اس حدیث میں ہے وزنا بوزن، اس سے بھی اس علت کا اشارہ ملتا ہے کہ چیز وزنی ہو تب سود ہوگا (۲) دارقطنی کی حدیث میں وزنی اور کیلی چیزیں سود ہونے کی صراحت ہے۔ عن سعید بن المسيب ان رسول الله ﷺ قال لا ربوا الا في ذهب او فضة او مما يكال او يوزن و يؤكل و يشرب (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ۳، ص ۱۱، نمبر ۲۸۱۰) اس حدیث مرسل میں صراحت ہے کہ سونا، چاندی یا کیلی اور وزنی چیزیں سود ہیں جو کھائی اور پی جاتی ہوں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سود کی علت کیلی اور وزنی نہیں ہے بلکہ ایک جنس ہو اور ثمنیت ہو یا کھانے کی چیز ہو تو اس میں ربوا ہوگا۔
وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ضروری نوٹ میں حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں سونا اور چاندی ہیں جن میں ثمنیت ہے یعنی ثمن اور قیمت بننے کی صلاحیت ہے۔ اور گیہوں، جو، کھجور اور نمک کھانے کی چیزیں ہیں اس لئے ثمنیت اور کھانا سود کی علت ہوگی (۲) دارقطنی کی حدیث جو اوپر گزری اس میں سونا اور چاندی کے ساتھ یوکل و یشریب کی تصریح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کھانا سود کی علت ہے۔ اس لئے ان کے یہاں بیع اور ثمن ایک ہی چیز ہوں اور وہ چیز یا ثمن میں سے ہو یا کھانے میں سے ہو تب سود ہوگا۔ اس لئے چونکہ ان کے یہاں سود نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ نہ ثمن ہیں اور نہ کھائے جاتے ہیں۔

اصول سود کی علت (۱) جنس ایک ہو (۲) اور ثمن بننے کی یا کھانے کی چیز ہو۔
[۹۳۴] (۳) پس اگر کیلی چیز اس کے جنس کے ساتھ بیچی جائے، یا وزنی چیز اس کے جنس کے ساتھ بیچی جائے برابر سرابریلینے جواز ہے اور اگر کی بیشی کرے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح بیع اور ثمن دونوں ایک قسم کی چیزیں ہوں مثلاً دونوں طرف گیہوں ہوں یا دونوں طرف وزنی چیز سونا ہوں تو دونوں کو برابر سرابریلینے جواز ہے اور کی بیشی سے بیچے تو جائز نہیں ہے۔ حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل يدا بيد فمن زاد او

حاشیہ : (الف) ہم حضور کے ساتھ خیبر میں تھے، یہود کے ساتھ بیع کرتے تھے سونے کو دو دینار اور تین دینار کے بدلے تو حضورؐ نے فرمایا مت بیچو سونے کو سونے کے بدلے مگر برابر سرابریلینے کر کے (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں ربوا ہے مگر سونے میں اور چاندی میں یا جو کیل کیا جاتا ہو یا وزن کیا جاتا ہے یا کھایا جاتا ہو یا پیایا جاتا ہو۔

[۹۳۵] (۴) ولا يجوز بيع الجيد بالردى مما فيه الربوا الا مثلاً بمثل [۹۳۶] (۵) واذا

استزاد فقد اربى الاخذ والمعطى فيه سواء (الف) مسلم شریف، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقد اص ۲۴ نمبر ۱۵۸/ترمذی شریف، باب ما جاء ان الحطة بالخطه مثلاً بمثل وكرهية التفاضل فيه ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴/ابوداؤد شریف، باب في الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴/اس حدیث میں ہے کہ برابر سرابری پتو تو ٹھیک ہے اور جائز ہے۔ اور کمی بیشی کی تو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح نقد ہو تو جائز ہے اور ادھار ہو تو جائز نہیں ہے۔

[۹۳۵] (۴) اور نہیں ہے عمدہ کی بیع ردی کے ساتھ جس میں ربوا ہے مگر برابر سرابری۔

تشریح جن چیزوں میں ربوا جاری ہوتا ہے مثلاً گہہوں تو چاہے عمدہ گہہوں کو گھٹیا گہہوں کے بدلے میں بیچے پھر بھی برابر سرابری بیچنا پڑے گا ورنہ سود ہو جائے گا۔

مجا ان چیزوں میں عمدہ اور گھٹیا تو ہوتا ہی ہے۔ اسی لئے تو بیع کرتا ہے۔ پس اگر کمی بیشی جائز قرار دیدے تو ربوا کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس لئے ان میں صفت کے اعلیٰ اور ادنیٰ کا اعتبار نہیں ہے۔ برابر سرابری بیچنا پڑے گا۔ اور اگر برابر سرابری نہیں بیچنا چاہتا ہے تو یوں کرے کہ مثلاً گھٹیا کھجور ایک پونڈ کے دو کیلو مشتری کے ہاتھ بیچ دے اور اسی مشتری سے ایک پونڈ کا ایک کیلو عمدہ کھجور خرید لے۔ اس صورت میں کھجور کھجور کے بدلے میں نہیں ہوا بلکہ دو کیلو گھٹیا کھجور کے بدلے ایک پونڈ آیا اور ایک کیلو عمدہ کھجور ایک پونڈ کے بدلے لیا گیا۔ اس لئے پونڈ سے کھجور کی قیمت لگی اس لئے جائز ہو جائے گی (۲) حدیث میں عمدہ کھجور کو گھٹیا کھجور کے بدلے کمی بیشی کر کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ اور کھجور کو درہم کے بدلے بیچنے کی صورت بتلائی ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلاً علی خیبر فجاءہ بتمر جنب فقال رسول اللہ اکل تمر خیبر ہکذا؟ قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال رسول اللہ لا تفعل بع الجمع بالدرہم ثم ابتع بالدرہم جنبیا (ب) (بخاری شریف، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰/مسلم شریف، باب بیع الطعام مثلاً بمثل ص ۲۴ نمبر ۴۰۸۲/اس حدیث میں خیبر کے جنب کھجور کو جمع کھجور کے بدلے کمی بیشی کر کے خرید ۱۱ اور حضور کے سامنے لایا تو آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ کھجور کو درہم کے بدلے بیچو پھر اس درہم سے عمدہ کھجور خرید لو۔ چاہے اسی مشتری سے کیوں نہ خریدو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ربوی چیزوں میں عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔ برابر سرابری بیچنا ہوگا ورنہ سود ہوگا۔

[۹۳۶] (۵) اگر دونوں وصف نہ ہوں یعنی جنس اور وہ معنی جو اس کے ساتھ ملائی گئی ہو تو کمی بیشی حلال ہے اور ادھار بھی حلال ہے۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گہہوں گہہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے برابر سرابری ہاتھ، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو ربوا کا کام کیا۔ لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہیں (ب) آپؐ نے ایک آدمی کو خیبر کا عامل بنایا پس وہ عمدہ کھجور لے کر آیا۔ پس آپؐ نے فرمایا کیا خیبر کے تمام کھجور ایسے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! خدا کی قسم یا رسول اللہ! لیکن ہم لوگ ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں لیتے ہیں۔ اور دو صاع کو تین صاع کے بدلے میں۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ جمع کھجور کو درہم کے بدلے بیچو پھر درہم کے بدلے جنب کھجور خریدو۔

عدم الوصفان الجنس والمعنی المضموم الیه حل اتفاضل والنساء [۹۳۷] (۶) و اذا
وجدا حرم التفاضل والنساء [۹۳۸] (۷) و اذا وجد احدهما وعدم الآخر حل التفاضل

تشریح سود کی دو علتیں تھیں۔ یہ دونوں علتیں نہ ہوں تو کی بیشی بھی حلال ہوگی اور ادھار لینا بھی حلال ہوگا۔ مجلس میں بیع اور شمن پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ سود کی ایک علت تھی کہ دونوں بیع اور شمن ایک ہی چیز ہوں، مثلاً دونوں گےہوں ہوں یا دونوں چاول ہوں۔ اور دوسری علت تھی کہ دونوں کیلی ہوں یا دونوں وزنی ہوں۔ پس اگر گےہوں کو جو کے بدلے بیچے تو کی زیادتی کر کے بیچ سکتا ہے۔ اسی طرح سونا کو چاندی کے بدلے بیچے تو کی بیشی کر کے بیچ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے عن ابی بکر ؓ قال نهی النبی ﷺ عن الفضة بالفضة والذهب بالذهب الا سواء بسواء وامرنا ان نبتاع الذهب بالفضة كيف شئنا والفضة في الذهب كيف شئنا (الف) (بخاری شریف، باب بیع الذهب بالورق یدابید ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲) مسلم شریف میں یہ جملہ زیادہ ہے فاذا اختلفت هذه الاوصاف فبيعوا كيف شئتم اذا كان یدابید (ب) (مسلم شریف، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ ترمذی شریف، باب ماجاء ان الحطه بالحطه مثلاً بمثل ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰) اس حدیث میں ہے کہ جنس بدل جائے یعنی دونوں ایک ہی قسم کی چیز نہ ہوں اور کیلی اور وزنی بھی نہ ہوں تو ادھار بھی جائز ہے۔

[۹۳۷] (۶) اور اگر دونوں علتیں پائی جائیں تو کی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام۔

تشریح دونوں ایک جنس کے ہوں اور دونوں کیلی اور وزنی ہوں تو کی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام ہوگا۔ دلیل اوپر گزر چکی ہے۔ مثلاً بمثل اور یدابید۔

[۹۳۸] (۷) اور اگر دو علتوں میں سے ایک پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو کی بیشی حلال ہے اور ادھار حرام ہے۔

تشریح مثلاً بیع اور شمن دونوں ایک جنس کے نہیں ہیں لیکن دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی ہیں۔ مثلاً گےہوں کے بدلے چاول ہے یا سونے کے بدلے چاندی ہے تو کی بیشی حلال ہے لیکن ادھار حرام ہوگا۔ دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔

مجموع حدیث میں ہے، عن عبادة بن سامت قال قال رسول الله ﷺ ... فاذا اختلفت هذه الاوصاف فبيعوا كيف شئتم اذا كان یدابید (ج) (مسلم شریف، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ ترمذی شریف، باب بیع الذهب بالورق بالذهب نیصہ ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۰) اس حدیث میں سونا اور چاندی دونوں وزنی ہیں اس لئے ادھار حرام قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ کی زیادتی کو جائز قرار دیا۔

اور اگر بیع اور شمن کیلی اور وزنی نہ ہوں البتہ ایک ہی قسم کی دونوں چیزیں ہوں تو کی زیادتی جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں ادھار حرام ہوگا۔ مثلاً

حاشیہ : (الف) آپؐ نے روکا بیچنے سے چاندی کو چاندی کے بدلے، سونا کو سونا کے بدلے مگر برابر برابر اور حکم دیا کہ ہم بیچیں سونے کو چاندی کے بدلے جیسا چاہیں، اور چاندی کو سونے کے بدلے جیسا چاہیں (ب) پس جب یہ صنف الگ الگ ہو جائیں تو بیچو جیسے تم چاہو جبکہ ہاتھوں ہاتھ ہو (ج) آپؐ نے فرمایا... پس جب یہ صنف الگ الگ ہو جائیں تو بیچو جیسے چاہو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو (ج) آپؐ نے سونا کو چاندی کے بدلے ادھار بیچنے سے روکا۔

و حرم النساء [۹۳۹] (۸) و کل شیء نص رسول الله صلى الله عليه وسلم على تحريم
التفاضل فيه كيلا فهو مكيل ابدًا وان ترك الناس فيه الكيل مثل الحنطة والشعير والتمر

اخروٹ کے بدلے میں اخروٹ خریدے تو اخروٹ عددی ہے اس لئے ایک اخروٹ دیکر دو اخروٹ لے سکتا ہے۔ لیکن ادھار جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ مجلس میں قبضہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ دونوں طرف جنس ایک ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن جابر قال جاء عبد فبايع النبي ﷺ على الهجره ولم يشعر انه عبد فجاء سيدة يريده فقال له النبي ﷺ بعنيه فاشتراه بعبدین اسودین (الف) (مسلم شریف، باب جواز بیع الحیوان بالحو ان من جنسه متفاضلا ص ۳۰ نمبر ۱۶۰۲ بخاری شریف، باب بیع العبد والحو ان نسیئہ ص ۲۹ نمبر ۲۲۲۸) اس حدیث میں ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں خریدا ہے۔ اور ادھار حرام ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سمرة بن جندب عن النبي ﷺ انه نهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة (ب) (سنن للبيهقي، باب ما جاء في النهي عن بيع الحيو ان بالحو ان نسيئة، ج ۱ ص ۲۷۲ نمبر ۱۰۵۳۲) اس حدیث میں عددی چیزوں کی جنس ایک ہو تو ادھار بیچنا حرام قرار دیا۔

لغت النساء : ادھار۔

[۹۳۹] (۸) ہر وہ چیز جس میں حضور ﷺ نے تصریح کی کہ بیہی کے حرام ہونے پر کیل کے اعتبار سے وہ چیز ہمیشہ کیلی ہے اگرچہ لوگ اس کو کیل کرنا چھوڑ دے۔ مثلاً گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔ اور ہر وہ چیز کہ تصریح کی اس میں کی بیہی کے حرام ہونے پر وزن کے اعتبار سے تو وہ ہمیشہ وزنی ہے اگرچہ لوگ اس کو وزن کرنا چھوڑ دے۔ جیسے سونا اور چاندی۔

تشریح حضور کے زمانے میں جو چیزیں کیلی تھیں وہ قیامت تک کیلی ہی رہیں گی۔ اور کی بیہی کا اعتبار کیل کے اعتبار سے ہوگا۔ چاہے بعد میں لوگوں نے ان چیزوں کو کیل کرنا چھوڑ دیا ہو۔ مثلاً گیہوں، جو، کھجور اور نمک وغیرہ حضور کے زمانے میں کیل سے بیچے جاتے تھے اور حضورؐ نے تصریح کی ہے کہ یہ کیلی ہیں اس لئے وہ ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی۔ چاہے آج کل لوگوں نے ان چیزوں کو وزن کر کے بیچنا شروع کر دیا ہے۔ اور جو چیزیں حضور کے زمانے میں وزنی تھیں اور آپؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہیں تو وہ قیامت تک وزنی ہی کے اعتبار سے سود کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً سونا اور چاندی حضور کے زمانے میں وزنی تھے اور آپؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہیں اس لئے قیامت تک وزنی رہیں گے **مجمع** آپ کی حدیث قیامت تک کے لئے ہے اور آپ کا دین قیامت تک کے لئے ہے اس لئے آپ کی تصریح کا اعتبار بھی قیامت تک رہے

گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الوزن وزن اهل مكة والمكيال مكيال اهل المدينة (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی قول النبی ﷺ المکیال مکیال المدینہ ص ۱۱۸ نمبر ۳۳۴۰) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ وزن میں اہل مکہ کا اعتبار ہے اور کیل میں اہل مدینہ کا اعتبار ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس معیار اور قدر کا کیل اہل مدینہ کا ہے اسی کا

حاشیہ : (الف) ایک غلام آیا اور حضورؐ نے اس سے ہجرت کرنے پر بیعت کی اور معلوم نہیں تھا کہ وہ غلام ہے۔ پھر اس کا مالک آکر مانگنے لگا تو آپؐ نے فرمایا اس کو بیچ دو۔ تو آپؐ نے اس کو دو کا لے غلام کے بدلے خریدا (ب) آپؐ نے حیوان کو حیوان کے بدلے میں ادھار بیچنے سے روکا (ج) آپؐ نے فرمایا وزن میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار ہے اور کیل میں اہل مدینہ کے کیل کا اعتبار ہے۔

والملاح وکل شیء نص علی تحریم التفاضل فیہ وزنا فهو موزون ابدًا وان ترک الناس الوزن فیہ مثل الذهب والفضة [۹۴۰] (۹) ومالم ينص فهو محمول علی عادات الناس [۹۴۱] (۱۰) وعقد الصرف ما وقع علی جنس الاثمان يعتبر فیہ قبض عوضیه فی

اعتبار ہوگا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اہل مدنیہ کیلے قرار دے وہ کیلی ہے۔ اور جس چیز کو اہل مکہ و زنی قرار دے وہ وزنی ہے۔ اور مکہ میں بھی آپ کا ہی حکم چلتا تھا اس لئے گویا کہ آپؐ نے جس چیز کو وزنی قرار دیا وہ وزنی ہے اور جس چیز کو کیلی قرار دیا وہ کیلی ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عادت بدل گئی ہو تو اب عادت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ مثلاً لوگ اب گہوں کو کیل کے بجائے کیلو سے بیچنے لگے ہیں تو اب سود کا مدار کیلو پر ہوگا کیل پر نہیں ہوگا۔

مذ حضور کے زمانے میں لوگوں کی عادت کے مطابق فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس لئے اب عادت بدل گئی تو فیصلہ بدل جائے گا۔

[۹۴۰] (۹) اور جس پر تصریح نہیں ہے تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہے۔

تشریح جن چیزوں کے بارے میں شریعت کی تصریح نہیں ہے کہ وہ کیلی ہیں یا وزنی ہیں تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہونگے۔ وہ اس کو کیلی طور پر استعمال کرتے ہیں تو کیلی ہوگی اور وزنی طور پر استعمال کرتے ہیں تو وزنی ہوگی۔

[۹۴۱] (۱۰) عقد صرف جو ثمن کے جنس پر واقع ہو تو اس میں اعتبار ہے مجلس میں دونوں عوض کے قبضے کا۔ اور جو اس کے علاوہ ہے جن میں ربوا ہے ان میں اعتبار کیا جائے گا تعین کا اور نہیں اعتبار کیا جائے گا قبضے کا۔

تشریح جن صورتوں میں سود ہوتا ہے ان صورتوں میں دونوں طرف سونا ہو یا چاندی ہو یا ایک طرف سونا ہو اور دوسری طرف چاندی ہو تو مسئلہ گزرنا کہ ادھار جائز نہیں ہے۔ نقد ضروری ہے۔ اور نقد میں بھی یہ ہے کہ مجلس میں دونوں پر قبضہ کر لے، صرف تعین کرنا کافی نہیں ہے۔

مذ کیونکہ ثمن یعنی سونا چاندی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں جب تک کہ قبضہ نہ کر لیا جائے۔ سود اور ادھار سے بیچنے کے لئے ان دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

ان کے علاوہ جو غلہ جات ہیں جن میں سود ہوتا ہے ادھار سے بیچنے کے لئے ان پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ مجلس میں صرف متعین ہو جائے کہ یہ گہوں یا یہ کھجور دینا ہے اتنا ہی کافی ہے۔

مذ (۱) غلہ جات متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔ اور نقد بیچنے کے لئے اتنا کافی ہے۔ مثلاً گہوں کے بدلے میں گہوں بیچے تو برابر

سرا بر کے ساتھ یہ متعین کر لے کہ یہ گہوں دینا ہے اور یہ گہوں لینا ہے۔ بس اتنا کافی ہے باضابطہ قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے فبلغ عبادة بن صامت فقام فقال انی سمعت رسول اللہ ینہی عن بیع الذهب بالذهب والفضة

بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح الا سواء بسواء عینا بعین (الف) (مسلم شریف،

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گہوں گہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے لگے برابر برابر متعین کر کے۔

المجلس وما سواه مما فيه الربوا يعتبر فيه التعيين ولا يعتبر فيه التقابض [۹۴۲] (۱۱) ولا يجوز بيع الحنطة بالدقيق ولا بالسويق وكذلك الدقيق بالسويق.

باب الصرف ونج الذهب بالورق نقد اص ۲۴ نمبر ۱۵۸) اس حدیث میں یداید کے بجائے عینا بعین ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز متعین ہو جائے اور عین شئی ہو جائے۔ اس لئے حنفیہ اس حدیث کو غلہ جات پر محمول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ غلہ جات میں صرف تعین ہو جائے تو ادھار سے بچنے کے لئے کافی ہے۔ اور یداید کو شمن پر محمول کرتے ہیں۔

فائدہ امام شافعی غلہ جات میں بھی ادھار سے بچنے کے لئے قبضہ کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل احادیث یداید والی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ کرنا ضروری ہے۔

اصول اثمان یعنی درہم اور دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے جب تک کہ قبضہ نہ کر لئے جائیں (۲) غلہ جات اور سامان متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔

[۹۴۲] (۱۱) اور نہیں جائز ہے گیہوں کی بیج آٹے سے اور نہ ستو سے اور ایسے ہی آٹے کی بیج ستو سے۔

تشریح گیہوں کو گیہوں کے آٹے کے بدلے میں بیچے یا اس کے ستو کے بدلے میں بیچے تو جائز نہیں ہے۔

مج کسی برتن میں ناپنے کے لئے گیہوں ڈالے گا تو مثلاً ایک کیلو گیہوں آئے لیکن اسی برتن میں اس کا آٹا ڈالے گا تو سوا کیلو آئے گا۔ کیونکہ گیہوں ہلکے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے دانے ہوتے ہیں۔ اور آٹا باریک ہونے کی وجہ سے دب جائے گا اور زیادہ آئے گا۔ تو برتن کے بھرنے کے اعتبار سے برابر ہے لیکن وزن کے اعتبار سے بہت فرق ہوگا۔ اس لئے مساوات نہیں ہوئی اور دونوں ایک ہی قسم کی چیز اور جنس ہیں اس لئے مساوات اور برابری ضروری تھی اور وہ ہوئی نہیں اس لئے گیہوں کو آٹے کے بدلے یا ستو کے بدلے بیچنا جائز نہیں ہے۔ بیچنا ہی ہو تو درہم اور پونڈ کے بدلے بیچے (۲) حدیث میں ایسی بیج سے منع فرمایا ہے قال سعد سمعت رسول اللہ سئل عن من اشتری التمر بالرطب فقال ینقص الرطب اذا بیس فقالوا نعم فہی عن ذلک (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۴۴ نمبر ۲۹۷ سنن للبیہقی، باب ما جاء فی النھی عن بیع الرطب بالتمر ج خامس ص ۲۹۴) اس حدیث میں ترکھور اور خشک کھجور ایک جنس ہیں لیکن صاع اور برتن میں ترکھور کم آئے گا اور اسی برتن میں خشک کھجور زیادہ آئے گا۔ اس لئے کیلو کے اعتبار سے مساوات نہیں ہوگی اس لئے آپؐ نے منع فرمایا۔ بلکہ پوچھا کیا ترکھور بعد میں کم ہو جائے گا؟ تو صحابہ نے فرمایا کہ ہاں! بعد میں کم ہوگا تو آپؐ نے ترکھور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنے کو منع فرمایا۔ یہی حال گیہوں اور اس کے آٹے کا اور گیہوں اور اس کے ستو کا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن سعید بن مسیب فی البر بالدقيق قال هو ربا (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲ فی السوایق بالحنطۃ واشباہہ من اجازہ ج خامس ص ۳۴) گیہوں کا آٹا ہوا اور گیہوں ہی کا ستو ہو تو بھی دونوں کو بیچنا جائز نہیں۔

حاشیہ: (الف) حضورؐ نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو ترکھور کے بدلے میں خریدا، فرمایا کیا ترکھور کم ہو جاتا ہے جب خشک ہو جاتا ہے؟ لوگوں نے فرمایا ہاں! پس آپؐ نے اس بیج سے روکا (ب) حضرت سعید بن مسیب سے گیہوں کو آٹے کے بدلے میں بیچنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ ربا ہے۔

[۹۴۳] (۱۲) ویجوز بیع اللحم بالحيوان عند ابی حنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ وقال محمد لا یجوز الا علی وجه الاعتبار حتی یكون اللحم اکثر مما فی الحيوان فیکون اللحم بمثل والزيادة بالسقط.

وجہ ستو بھننے کے بعد ہلکا ہو جاتا ہے وہ برتن میں کم آئے گا اور آٹا بھونا ہوا نہیں ہوتا ہے اس لئے اس میں دباؤ ہوتا ہے اور وزنی ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں میں بھی مساوات نہیں ہوگی، اور جنس ایک ہے۔ اس لئے بیع جائز نہیں ہوگی۔

اصول جنس ایک ہو اور وزن میں برابری نہ ہو پاتی ہو تب بھی جائز نہیں ہوگی کیونکہ مثلاً بمثل نہیں ہوا۔

نوٹ ایک اگر جنس بدل جائے۔ مثلاً گیہوں کا آٹا ہو اور جو کے ستو ہو تو جائز ہوگا کیونکہ جنس بدل گئی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک ستو اور آٹا دو جنس ہیں۔ ایک کا مقصد روٹی پکانا ہے اور دوسرے کا مقصد گھول کر کھانا ہے اس لئے ستو کو آٹے کے بدلے بیچنا جائز ہے۔

لغت الدقیق : آٹا۔ السوینق : ستو۔

[۹۴۳] (۱۲) جائز ہے گوشت کی بیع حیوان کے بدلے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے نہیں ضائر ہے مگر اس اعتبار سے کہ گوشت زیادہ ہو اس سے جو حیوان میں ہے تو گوشت گوشت کے بدلے میں اور زیادہ سقط کے بدلے میں۔

تشریح مثلاً گائے کا گوشت ہو اور زندہ گائے کے بدلے میں بیچنا چاہتا ہے تو شیخین کے نزدیک جائز ہے چاہے گائے میں گوشت ساٹھ کلو ہو اور کٹا ہوا گوشت تیس کلو ہو۔

وجہ گوشت وزنی ہے اس کو وزن سے ناپتے ہیں اور گائے عددی ہے اس کو وزن سے نہیں ناپتے ہیں بلکہ عدد سے نیچتے ہیں۔ تو یہ دو جنس ہوئے ایک جنس نہیں ہوئے اس لئے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو کٹا ہوا گوشت ہے وہ اس گوشت سے زیادہ ہونا چاہئے جو زندہ گائے میں ہے تب بیچنا جائز ہوگا۔ مثلاً زندہ گائے میں گوشت ساٹھ کلو ہے تو کٹا ہوا گوشت ستر کلو ہونا چاہئے۔ تاکہ ساٹھ کلو ساٹھ کلو کے برابر ہو جائے اور دس کلو کٹا ہوا گوشت گائے کی کلجی، گردہ اور سقط کے بدلے ہو جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ گائے کا کٹا ہوا گوشت اور زندہ گائے دونوں ایک جنس ہیں اس لئے مساوات اور برابری ضروری ہے (۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سهل بن سعید قال نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع اللحم بالحيوان (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ۳ ص ۵۹ نمبر ۳۰۳ سنن للبیہقی، باب بیع اللحم بالحيوان، ج ۵ ص ۲۸۳، نمبر ۱۰۵۶۹) اس حدیث میں گوشت کو حیوان کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دونوں ایک جنس ہیں۔ تاہم گوشت زیادہ ہو اور مساوات کا اعتبار کریں تو جائز ہو جائیگی۔

لغت السقط : ناکارہ چیز جیسے ہڈی اور سینگ وغیرہ۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا گوشت کو حیوان کے بدلے بیچنے سے۔

[۹۴۴] (۱۳) ويجوز بيع الرطب بالتمر مثلاً بمثل عند ابی حنیفہ و كذلك العنب

بالزبيب [۹۴۵] (۱۴) ولا يجوز بيع الزيتون بالزيت والسّمسم بالشيرج حتى يكون

[۹۴۴] (۱۳) جائز ہے ترکھور کی بیع خشک کھجور کے بدلے برابر سرابرامام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ایسے ہی انگور کی بیع کشمش کے بدلے۔

تشریح ترکھور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز ہے بشرطیکہ دونوں کو صاع کے اعتبار سے برابر سرابریجے۔

مذہب دونوں ہی کھجور ہیں اس لئے ایک جنس ہیں۔ اس لئے برتن میں بھر کر دونوں کو برابر کر کے بیچے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ حدیث گزر

چکی ہے مثلاً بمثل۔ اسی طرح انگور اور اس سے خشک ہو کر کشمش ایک ہی جنس ہیں اس لئے دونوں کو برتن میں بھر کر برابر کر دے اور بیچے تو جائز

ہے۔ اور اگر دو جنس مان لیں تو کمی بیشی کر کے بھی بیچنا جائز ہوگا۔

فائدہ صاحبین اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ترکھور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز نہیں۔

مذہب وہ فرماتے ہیں کہ دونوں کی جنس ایک ہے اور برتن میں بھر کر بیچیں گے تو ابھی تو دونوں برابر ہو جائیں گے لیکن بعد میں ترکھور خشک ہوگا تو

اس کی مقدار کم ہو جائے گی تو بعد میں مساوات باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے یہ مثلاً بمثل نہیں ہوئی۔ اس لئے ترکھور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنا

جائز نہیں (۲) حدیث میں بھی منع فرمایا۔ وقال سعد سمعت رسول الله سئل عن من اشترى التمر بالرطب فقال اينقص

الرطب اذا ييس؟ فقالوا نعم فنهى عن ذلك (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۴۴ نمبر ۲۹۷ سنن للبیہقی، باب ما جاء

فی النهی عن بیع الرطب بالتمر، ج خامس، ص ۴۸۰، نمبر ۱۰۵۵۶) اس حدیث میں آپؐ نے پوچھا کہ کیا ترکھور کو خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتا

ہے؟ تو لوگوں نے کہا ہاں! پس آپؐ نے ترکھور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ اس لئے صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک ترکھور کو

خشک کھجور کے بدلے بیچنا ممنوع ہے۔

لغت الرطب : ترکھور۔ العنب : انگور۔ الزبيب : کشمش، سوکھے ہوئے انگور کو کشمش کہتے ہیں۔

[۹۴۵] (۱۴) اور نہیں جائز ہے زيتون کی بیع زيتون کے تیل کے ساتھ اور تیل کی بیع تیل کے ساتھ یہاں تک کہ زيتون کا تیل اور تیل کا

تیل زیادہ ہو اس سے جو زيتون اور تیل میں ہے۔ تاکہ تیل اس کے مثل کے بدلے ہو جائے اور زیادہ تیل کھلی کے بدلے میں ہو جائے۔

تشریح مثلاً دو کیلو زيتون کا خالص تیل ہے اس کو چھ کیلو زيتون پھل کے بدلے میں بیچنا چاہتا ہے۔ اور چھ کیلو زيتون میں ڈیڑھ کیلو تیل موجود

ہے تو بیع جائز ہوگی۔

مذہب کیونکہ نکالا ہوا ڈیڑھ کیلو تیل اس تیل کے برابر ہو جائے گا جو زيتون کے پھل میں ڈیڑھ کیلو تیل ہے۔ اور باقی آدھا کیلو تیل زيتون کی کھلی

کے مقابلے میں ہو جائے گا۔ اس طرح ڈیڑھ کیلو تیل ڈیڑھ کیلو تیل کے مقابلے میں ہو گیا اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے مساوات اور برابری ہو

گئی اس لئے جائز ہو گیا۔ اور اگر زيتون کے پھل میں جتنا تیل ہے، نکالا ہوا تیل اس سے کم ہو تو بیع جائز نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو ترکھور کے بدلے میں خریدا، فرمایا کیا ترکھور کم ہو جاتا ہے جب خشک ہو جاتا ہے؟ لوگوں نے فرمایا

ہاں! پس آپؐ نے اس بیع سے روکا۔

الزیت والشیرج اکثر مما فی الزیتون والسّمسم فیکون الدھن بمثلہ والزیادۃ بالشجیر [۹۴۶] (۱۵) ویجوز بیع اللحمان المختلفۃ ببعضها ببعض متفاضلا [۹۴۷] (۱۶) وكذلك البان الابل والبقر والغنم بعضها ببعض متفاضل.

مجا تقریباً ایک جنس ہے اس لئے مثلاً بمثل کے بغیر جائز نہیں (۲) حدیث میں اشارہ موجود ہے۔ عن سهل بن سعيد قال نهى رسول الله ﷺ عن بيع اللحم بالحيوان (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ص ۵۹ نمبر ۳۰۳ سنن للبیہقی، باب بیع اللحم بالحيوان، ج خامس، ص ۴۸۳، نمبر ۱۰۵۶۹) اس حدیث میں گوشت کے حیوان کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ دونوں ایک ہی جنس ہیں۔ اسی طرح زیتون کا تیل اور زیتون کا پھل ایک ہی جنس ہیں اس لئے جائز نہیں جب تک کہ تیل زیتون کے اندر کے تیل سے زیادہ نہ ہو۔

اصول ایک جنس ہوں تو بیع اور شمن کا برابر برابر ہونا ضروری ہے ورنہ ربوا ہو جائے گا۔

لغت الزیت : زیتون کا تیل۔ السّمسم : تل۔ الشیرج : تل کا تل۔ الدھن : تیل۔ الشجیر : کھلی۔

[۹۴۶] (۱۵) جائز ہے بیع مختلف گوشت کی بعض کو بعض کے ساتھ کی پیشی کر کے۔

تشریح مثلاً بکری کا گوشت گائے کے گوشت کے بدلے بیچ تو کی پیشی کر کے بیچنا بھی جائز ہے۔

مجا (۱) بکری الگ جنس ہے اور گائے الگ جنس ہے۔ اور بکری کا گوشت بکری کی جنس سے ہوگا اسی طرح گائے کا گوشت گائے کی جنس سے ہوگا۔ اس لئے بکری کا گوشت گائے کے گوشت کے ساتھ کی پیشی کر کے بیچنا جائز ہوگا۔ کیونکہ دو الگ الگ جنس ہوئے (۲) اثر میں ہے قال مالک ولا بأس بلحم الحیتان بلحم الابل والبقر والغنم وما اشبه ذلك من الوحوش کلها اثنتین بواحد واکثر من ذلك یدأ بید فان دخل فی ذلك الاجل فلا خیر فیہ (ب) (موطا امام مالک، باب بیع اللحم باللحم ص ۵۹۳) اس اثر میں مچھلی کے گوشت کو بکری گائے کے گوشت کے ساتھ کی پیشی کر کے بیچنا جائز قرار دیا بشرطیکہ نقد ہو اور ہار نہ ہو اس لئے کہ دونوں وزنی ہیں۔

اصول مختلف جنس ہوں تو کی پیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

لغت اللحمان : لحم کی جمع ہے گوشت۔

[۹۴۷] (۱۶) ایسے ہی اونٹنی کا دودھ، گائے کا دودھ اور بکری کا دودھ بعض کا بعض کے ساتھ کی پیشی کر کے بیچنا جائز ہے۔

تشریح اونٹنی کا دودھ اونٹنی کی جنس ہے اس لئے بکری کے دودھ کے ساتھ کی پیشی کر کے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بکری کا دودھ بکری کے جنس سے ہے اور اونٹنی کے دودھ سے الگ ہے۔ اس لئے جائز ہوگا۔

مجا اور موطا امام مالک کا اثر گزر چکا اور حدیث بھی گزر چکی۔ وبيعوا الشعیر بالتمر کیف شتم یدأ بید (ج) (ترمذی شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے گوشت کو حیوان کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا (ب) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ مچھلی کے گوشت کو اونٹ، گائے اور بکری کے گوشت کے بدلے بیچے یا جو اس کے مشابہ ہو وحشی جانور میں سے دو ایک کے بدلے میں یا اس سے زیادہ بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔ پس اگر اس میں مدت آجائے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا جو کچھ کر کے بدلے میں بیچو جیسے چاہو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔

[۹۴۸] (۱۷) و خل الدقل بخل العنب متفاضلا [۹۴۹] (۱۸) و يجوز بيع الخبز بالحنطة والدقيق متفاضلا [۹۵۰] (۱۹) ولا ربوا بين المولى وعبدہ [۹۵۱] (۲۰) ولا

ما جاء ان الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل وکراہیۃ التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰ اس حدیث میں ہے کہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی کر کے جیسے چاہو بیچو۔
[۹۴۸] (۱۷) اور جائز ہے کھجور کا سرکہ انگور کے سرکہ کے ساتھ کمی بیشی کر کے۔

مجا کھجور کا سرکہ الگ جنس ہے اور انگور کا سرکہ الگ جنس ہے۔ کیونکہ دونوں الگ الگ جنس سے نکلے ہیں اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ اگرچہ دونوں کا نام سرکہ ہے۔

[۹۴۹] (۱۸) اور جائز ہے روٹی کی بیع گیہوں سے اور آٹے سے کمی بیشی کر کے۔

مجا روٹی اگرچہ گیہوں کے آٹے کی ہو پھر بھی اس کو الگ جنس قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ روٹی عدد سے گن کر مکتی ہے اور گیہوں اور آٹا کیلی ہیں۔ اسی طرح روٹی کا مصرف الگ ہے اور گیہوں کا مصرف الگ ہے۔ اس لئے دونوں دو جنس ہو گئے۔ اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہو گیا **لغت** الخبز : روٹی۔ الدقيق : آٹا۔

[۹۵۰] (۱۹) مولى اور اس کے غلام کے درمیان ربوا نہیں ہے۔

تشریح مولى اپنے غلام سے سود لے ایک درہم کے بدلے دو درہم لے تو یہ سود نہیں ہے۔ لے سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ غلام پر قرض نہ ہو۔ کیونکہ غلام پر قرض ہوگا تو غلام کا روپیہ صرف غلام کا نہیں ہے بلکہ قرض دینے والے کا ہے۔

مجا (۱) غلام کے پاس جو روپیہ ہے وہ سب مولى کا ہے۔ اس لئے ایک درہم دیکر دو درہم لے تو گویا کہ مولى نے اپنا ہی روپیہ لیا اس لئے یہ سود ہی نہیں ہوا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ کان ابن عباس یبیع عبداً له الثمرة قبل ان یبدو صلاحها و کان یقول لیس بین العبد و سیدہ ربا (الف) مصنف عبدالرزاق، باب لیس بین عبد و سیدہ و الکاتب و سیدہ ربا، ج ثامن، ص ۶ نمبر ۸۴۳۷ مصنف ابن ابی شیبہ ۸ من قال لیس بین العبد و سیدہ ربا، ج رابع، ص ۲۷۸ نمبر ۲۰۰۳۴ اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولى اور اس کے غلام کے درمیان سود نہیں ہوتا۔

[۹۵۱] (۲۰) اور نہیں ہے سود مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں۔

تشریح دار الحرب میں جو حربی ہیں مسلمان اس کے مال کو سودی کاروبار کر کے لیلے تو یہ سود نہیں ہے۔

مجا (۱) حربی کا مال مال غنیمت کے درجہ میں ہے۔ اور مال غنیمت کا لینا جائز ہے۔ اس لئے حربی کا مال اس کی رضا مندی سے لینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا (۲) اس کے لئے ایک حدیث مرسل بھی ہے۔ عن مکحول ان رسول اللہ ﷺ قال لا ربوا بین اهل الحرب و اظنہ قال و بین اهل الاسلام (ب) درایۃ ص ۱۸۷ اعلاء السنن، باب فی الربا فی دار الحرب بین المسلم و الحربی ج اربع عشر ص ۳۸۶ نمبر ۴۴۴ (۴)

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عباس اپنے غلام سے پھل کا آمد ہونے سے پہلے بیع کرتے اور فرماتے کہ غلام اور اس کے سید کے درمیان سود نہیں ہے (ب) تابعی مکحول سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اہل حرب کے درمیان ربوا نہیں اور گمان ہے کہ یوں بھی فرمایا اور اہل اسلام کے درمیان۔ یعنی حربی اور (باقی اگلی صفحہ پر)

بین المسلم والحربی فی دار الحرب .

اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ حربی اور مسلمان کے درمیان سود نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے۔

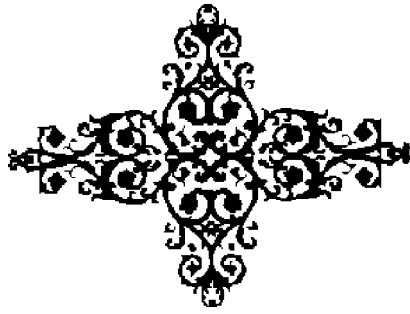
نوٹ مجھے یہ حدیث تلاش بسیار کے بعد کہیں نہیں ملی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حربی اور مسلمان کے درمیان بھی سود جائز نہیں ہے۔

مجمع قرآن میں علی الاطلاق سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ آیت ہے یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین (الف) (آیت ۲۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فرمایا کہ جو سود باقی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو اور یہ علی الاطلاق ہے۔ اس لئے حربی سے سود لینا حرام ہوگا

(۳) حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے سود ختم کرنے کا اعلان فرمایا تھا اور حضرت عباسؓ کا سود جو لوگوں پر تھا اس کو معاف کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔ حالانکہ وہ سود کافروں پر بھی تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سود حربی سے بھی لینا حرام ہے۔ قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ فسأل عن القوم ... واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فانه موضوع كله (ب) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸) ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث میں آپؐ نے علی الاطلاق سود منع فرمایا ہے۔ بلکہ ابوداؤد میں یہ جملہ ہے وربا الجاہلیۃ موضوع جس کا مطلب یہ ہے کہ حربیوں کے سود بھی ختم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے حربی سے بھی سود لینا حرام ہوگا

نوٹ فتویٰ امام یوسف کے مسلک پر ہے۔ خصوصاً دارالامن میں سود لینا بالکل جائز نہیں ہے۔



حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) مسلمان کے درمیان سود واقع نہیں ہوتا (الف) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو (ب) سب سے پہلا ربوا جو ختم کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا ربوا ہے۔ پس وہ تمام کے تمام ختم کئے جاتے ہیں۔

﴿باب السلم﴾

[۹۵۲] (۱) السلم جائز فی المکیلات والموزونات والمعدودات التي لا يتفاوت

﴿باب السلم﴾

ضروری نوٹ بیع سلم کا مطلب یہ ہے کہ قیمت ابھی لے اور بیع کچھ دنوں کے بعد دے۔ اس بیع کو بیع سلم کہتے ہیں۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو۔ کیونکہ حدیث میں گزرا ہے کہ جو بیع تمہارے پاس نہ ہو اس کو نہ بیچو ولا بیع ما لیس عندک (الف) (ابوداؤد شریف نمبر ۳۵۰۴، ترمذی شریف نمبر ۱۲۳۲) لیکن غرباء کے لئے یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ مالداروں سے قیمت ابھی لیں اور اس قیمت سے خرید و فروخت کرتے رہیں اور نفع کماتے رہیں۔ پھر جب بیع دینے کا وقت آئے بیع خرید کر مشتری کے حوالے کر دیں۔ چونکہ بیع سامنے موجود نہیں ہے اس لئے بیع کو مکمل متعین کرنے کے لئے سات شرطیں ہوں تو بیع سلم جائز ہوگی۔ ان شرطوں سے بیع کا خاکہ سامنے آ جاتا ہے اور جھگڑا کرنے کا موقع نہیں رہتا۔ ان شرطوں کی تفصیل آگے آئے گی۔ بیع سلم جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا تدانیتم بدين الى اجل مسمى فاكتبوه (ب) (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فرمایا کہ کسی دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور بیع سلم میں بھی دین کا معاملہ ہے اس لئے اس کا جواز بھی اس آیت میں شامل ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلاث فقال من اسلف في شيء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم (ج) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰، مسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع سلم جائز ہے اور تین شرطوں کا بھی علم ہوا کہ بیع کی کیل، وزن اور مدت معلوم ہوں۔

نوٹ باب السلم میں بائع کو مسلم الیہ، مشتری کو رب السلم، بیع کو مسلم فیہ اور ثمن کو راس المال کہتے ہیں۔

[۹۵۲] (۱) سلم جائز ہے کیلی چیزیں، وزنی چیزیں اور اس عددی چیزوں میں جس کے افراد میں تفاوت نہ ہو۔ جیسے اخروٹ اور انڈے اور ہاتھ سے ناپنے والی چیزوں میں۔

تشریح جو چیز کیلی ہو یعنی کیل سے ناپ کر بیچی جاتی ہو جیسے گیہوں۔ چاول تو اس میں بیع سلم جائز ہے۔ اسی طرح جو چیزیں وزنی ہوں یا جو چیزیں عدد سے گنی جاتی ہوں لیکن ان کے افراد میں زیادہ تفاوت اور فرق نہ ہو جیسے اخروٹ اور انڈے ہیں کہ اس کے افراد میں زیادہ فرق نہیں ہے اس کے چھوٹے بڑے دینے سے جھگڑا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو چیزیں ہاتھ سے اور گز سے ناپ کر بیچتے ہیں جیسے کپڑا وغیرہ تو اس کو بیع سلم کے ذریعہ بیچ سکتے ہیں۔

مجموعہ کیلی، وزنی، عددی اور ذراعی میں بیع سلم کرنا اس لئے جائز ہے کہ ان کی صفات اور وزن متعین کر دیئے جائیں تو کافی حد تک تعین ہو جاتا ہے اور جھگڑا نہیں ہوگا اس لئے انہیں چیزوں میں سلم جائز ہے۔ اور جن چیزوں کو صفات کے ذریعہ متعین کرنا ناممکن ہو ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے اور جھگڑا نہیں ہوگا اس لئے انہیں چیزوں میں سلم جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) مت بیچو وہ چیز جو تمہارے پاس نہ ہو (ب) اے ایمان والو جب تم متعین مدت تک دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو (ج) آپؐ مدینہ تشریف لائے اور لوگ پھل میں دو سال اور تین سال کے لئے بیع سلم کرتے تو آپؐ نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

کالجوز والبيض والمذروعات [۹۵۳] (۲) ولا يجوز السلم فی الحيوان ولا فی اطرافه

ہے۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس... فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (الف) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰) اس حدیث میں کیل معلوم سے پتہ چلا کہ چیز کیلی ہو، اور وزن معلوم سے پتہ چلا کہ چیز وزنی ہو۔ اور کپڑے کے بیع سلم کے لئے یہ اثر ہے۔ عن ابن عباس فی السلف فی الکرا بیس قال اذا کان ذراع معلوم الی اجل معلوم فلا بأس (ب) (سنن للبیہقی، باب السلف فی الحطۃ والشعیر والزبیب والزیت والثیاب وجمع ما یضبط بالصفۃ ج ۶ ص ۴۲، نمبر ۱۱۱۲۳ مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۳ فی السلم بالثیاب، ج ۴ ص ۳۹۸، نمبر ۲۱۴۰۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کپڑا جو ہاتھ سے ناپا جاتا ہے اس کی بیع سلم ہو سکتی ہے۔ اور اسی پر عددی چیزوں کو قیاس کر لیں۔ عددی میں بیع سلم جائز ہونے کے لئے یہ حدیث ہے۔ فكان يأخذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقة (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصة فی ذک یعنی باب فی الحيوان بالجواز ان نسیر ص ۱۲۱ نمبر ۳۳۵) اس حدیث میں آپؐ نے ایک اونٹ کو دواونٹ کے بدلے لیا ہے۔ جس سے عددی چیزوں میں بیع سلم کا پتہ چلتا ہے۔

نوٹ وزنی میں درہم اور دنانیر بھی ہیں۔ ان کی بیع سلم جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے صفات متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔ اس لئے وزنی سے وہ چیزیں مراد ہیں جو وزن کی جاتی ہوں لیکن درہم اور دنانیر نہ ہوں۔ جیسے لوہا وغیرہ۔

اصول صفات متعین کرنے کے ذریعہ جو چیزیں متعین کی جاتی ہوں اس کی بیع سلم جائز ہے۔

لغت الجوز : اخروٹ۔ البیض : انڈا۔ المذروعات : ذراع سے مشتق ہے، جو چیز ہاتھ سے ناپی جاتی ہو یا گز سے ناپی جاتی ہو جیسے کپڑا۔

[۹۵۳] (۲) اور نہیں جائز ہے سلم حیوان میں اور نہ اس کے اطراف میں اور نہ کھال میں گن کر۔

تشریح قیمت ابھی ادا کرے اور حیوان کی ساری صفات متعین کر کے اس کو مثلاً مہینہ بعد میں لے اور اس میں بیع سلم کرے۔ اسی طرح حیوان کے مثلاً سر، پاؤں وغیرہ کی بیع سلم کرے یعنی اس کے صفات ابھی متعین کرے اور مہینہ بعد دینے کی بیع کرے یا اس کی کھال میں بیع سلم کرے تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ دو حیوانوں کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ ظاہری طور پر دو گائے ایک جیسی ہو جائے گی لیکن ایک گائے زیادہ دودھ دے گی اور دوسری کم، ایک زیادہ بچے دے گی اور دوسری کم، اس اعتبار سے معنوی طور پر دو گائے میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ اس لئے جانور میں صفت متعین کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح دو گایوں کے سر اور پاؤں میں بھی بہت فرق رہتا ہے۔ اور اس کی کھال کے بڑے چھوٹے ہونے میں فرق

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو (ب) حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ سوت کے کپڑے میں سلم کے بارے میں فرمایا اگر گز معلوم ہو اور مدت معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ج) آپؐ نے ایک اونٹ دواونٹ کے بدلے میں لیتے صدقہ کے اونٹ آنے تک۔

ولا فی الجلود عددًا [۹۵۴] (۳) ولا فی الحطب حزما ولا فی الرطبة جزا [۹۵۵] (۴)

ہوتا ہے۔ اور نزاع کا خطرہ رہتا ہے۔ اس لئے جانور، اس کے اعضاء اور اس کی کھال میں بیع سلم جائز نہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن سمرۃ ان النبی ﷺ نہی عن بیع الحيوان بالحيوان نسيئة (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ بیع الحيوان بالحيوان نسيئة ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۷ ابوداؤد شریف، باب الحيوان بالحيوان نسيئة ص ۱۲۱ نمبر ۳۳۵۶) اس حدیث میں حیوان کو ادھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ اور بیع سلم ادھار ہوتی ہے اس لئے بیع سلم حیوان میں جائز نہیں ہے۔ چونکہ اس کے اعضاء اور اس کی کھال بھی حیوان کے اجزاء ہیں اس لئے ان میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

اصول جن چیزوں کو صفات کے ذریعہ متعین نہیں کر سکتے ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جانور کی بیع سلم جائز ہے۔

وجہ (۱) وہ فرماتے ہیں کہ جانور کی تمام صفات اور عمر وغیرہ متعین کر دی جائیں تو کافی حد تک متعین ہو جاتا ہے۔ اس لئے جانور، اس کے اعضاء اور کھال کی بیع سلم جائز ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عبد الله بن عمر ان رسول الله امره ان يجهز جيشا فنسفت الابل فامرهم ان يأخذ في قلاص الصدقة فكان يأخذ البعير بالبعيرين الى ابل الصدقة (ب) (ابوداؤد شریف، باب في الرخصة في ذلك (۱) فی بیع الحيوان بالحيوان نسيئة ص ۱۲۱، نمبر ۳۳۵۷ ابوداؤد، باب في حسن القضاء ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۶) اس حدیث میں آپؐ نے ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ دیکر ادھار خریدا ہے جو بیع سلم کی شکل ہے اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز ہے

لغت اطراف : طرف کی جمع ہے اعضاء۔ جلود : جلد کی جمع ہے کھال۔ عددا : گن کر۔

[۹۵۴] (۳) اور نہیں جائز ہے بیع سلم لکڑی کی گٹھر کے اعتبار سے اور نہ سبزیوں میں گڈیوں کے اعتبار سے۔

تشریح ایندھن کی لکڑیوں کا گٹھر بناتے ہیں اور بیچتے ہیں، بعض گٹھر میں زیادہ لکڑی ہوتی ہے اور بعض میں کم۔ بالکل ایک طرح کا گٹھر نہیں بن پاتا اس لئے اس کی بیع سلم جائز نہیں۔ اسی طرح سبزیاں اور ساگ کا گڈا بناتے ہیں اس میں بھی سبزی کسی میں کم آتی ہے کسی میں زیادہ اس لئے اس کی بھی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

نوٹ اگر مشین سے ایک طرح کی لکڑی کاٹی جائے اور اس کی بیع سلم کرے تو جائز ہے۔ کیونکہ صفات کی تعیین ہوگئی۔ اصول اور دلائل اوپر گزر گئے۔ حدیث میں تھا کہ کیل معلوم، وزن معلوم (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰) اور یہاں مقدار معلوم نہیں ہے کتنا ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

لغت الحطب : ایندھن کی لکڑی۔ حزما : گٹھر۔ الرطبة : سبزی۔ حرز : جمع ہے حرزہ کی گڈی۔

[۹۵۵] (۴) اور نہیں جائز ہے سلم یہاں تک کہ مسلم فیہ موجود ہو عقد کے وقت سے دینے کے وقت تک۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے روکا حیوان کو حیوان کی بیع سے ادھار (ب) آپؐ نے حکم دیا کہ لشکر تیار کرے۔ پس اونٹ ختم ہو گئے تو آپؐ نے حکم دیا کہ صدقہ کے جو ان اونٹ لے لیں تو ایک اونٹ کو دو اونٹ کے بدلے لئے صدقہ کے اونٹ آنے تک۔

ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد الى حين المحل [۹۵۶]
(۵) ولا يصح السلم الا مؤجلا ولا يجوز الا باجل معلوم.

تشریح یہاں سے بیع سلم صحیح ہونے کے لئے اس کے شرائط کا بیان ہے۔ اس میں ایک شرط یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع سلم جائز ہے جو عقد کے وقت سے جس دن بیع مشتری کو دینا ہے اس وقت تک بازار میں موجود ہو اور ملتی ہو۔ اگر وہ چیز بازار میں بھی نہیں ملتی ہو تو بیع سلم جائز نہیں ہے۔ یاد دینے کے دنوں ملے گی لیکن ابھی بازار میں نہیں ہے۔ درمیان میں بازار سے غائب ہونے کا قوی امکان ہے تب بھی بیع سلم جائز نہیں ہوگی۔
وجہ جو چیز بازار میں ملتی نہیں ہے اس کی بیع سلم کر لیں تو وقت آنے پر مشتری کو کیا چیز دیں گے۔ اور کیسے اس کے روپے حلال کریں گے۔ اس لئے منع فرمایا (۲) حدیث میں ایسی چیز کی بیع سلم سے منع فرمایا جو ابھی بازار میں نہیں ملتی ہو۔ عن ابن عمر ان رجلا اسلف رجلا في نخل فلم تخرج تلك السنة شيئا فاختصما الى النبي ﷺ فقال بما تستحل ماله اردد عليه ماله ثم قال لا تسلفوا في النخل حتى يبدو صلاحه (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی السلم فی ثمرۃ بعینہا ص ۳۵ نمبر ۳۴۶/بخاری شریف، باب السلم الی من لیس عنده اصل ص ۲۹۹ نمبر ۲۲۴۶/ابن ماجہ شریف، باب اذا السلم فی نخل بعینہ لم یطلع ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۴) اس حدیث میں فرمایا کہ بازار میں بھی اصل موجود نہ ہو تو کیسے بیع کرو گے؟ اور کیسے مشتری کے مال کو حلال کرو گے؟ اس لئے مال کا بازار میں ہونا ضروری ہے۔
اصول مال کم از کم بازار میں ملتا ہو تو بیع سلم جائز ہوگی۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دینے کے وقت بیع بازار میں ملتی ہو تب بھی بیع سلم جائز ہے۔
وجہ دینے کے وقت بیع موجود ہے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ اسی وقت بیع کی ضرورت پڑے گی۔
نکتہ المسلم فیہ : بیع۔ المحل : مدت حلول ہونے کا وقت، بیع دینے کا وقت۔
[۹۵۶] (۵) اور نہیں جائز ہے سلم مگر مؤخر کر کے اور نہیں جائز ہے مگر معلوم مدت کے ساتھ۔

تشریح بیع سلم کہتے ہی ہیں اس کو جس میں بیع بعد میں دی جائے۔ اور اگر بیع فوری دینے کی بات ہو تو اس کو بیع سلم نہیں کہیں گے۔ اس کو عام بیع اور بیع عین کہیں گے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر سلم کے الفاظ سے بیع کی ہو تو اس کو بھی بیع سلم کہہ سکتے ہیں۔ بیع سلم میں یہ بھی ضروری ہے کہ مدت معلوم ہو۔

وجہ (۱) ورنہ تو مشتری پہلے لینا چاہے گا اور بائع بعد میں دینا چاہے گا۔ اور جھگڑا ہوگا اس لئے بیع دینے کی تاریخ طے ہونا ضروری ہے (۲) حدیث میں گزرا الی اجل معلوم (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰/مسلم شریف نمبر ۱۶۰۴) اس لئے مدت متعین ہونا ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کھجور کے درخت کے بارے میں بیع سلم کی۔ لیکن اس سال کوئی پھل نہیں آیا۔ تو دونوں حضور کے پاس جھگڑا لیکر آئے۔ آپ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال کرو گے؟ اس کے مال کو واپس کرو۔ پھر آپ نے فرمایا کھجور کے بارے میں بیع سلم نہ کرو جب تک کہ کار آمد نہ ہو جائے۔

[۹۵۷] (۶) ولا يجوز السلم بمكيال رجل بعينه ولا بذراع رجل بعينه [۹۵۸] (۷) ولا في طعام قرية بعينها ولا في ثمرة نخلة بعينها.

[۹۵۷] (۶) کسی آدمی کے متعین مکیال سے بیع سلم جائز نہیں اور نہ کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے۔

تشریح ایک آدمی کا متعین برتن ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ کتنا کیلو اس میں آتا ہے۔ اب اس برتن کی ناپ سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔

مذہب بیع مہینوں بعد ادا کرنا ہے اس لئے اگر وہ برتن گم ہو جائے تو کس برتن سے ناپیں گے۔ اس کی مقدار تو معلوم نہیں ہے اس لئے کسی آدمی کے متعین برتن سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح متعین آدمی کے ہاتھ سے بیع سلم کی اور وہ آدمی مر گیا یا کہیں چلا گیا تو کس آدمی کے ہاتھ سے پکڑنا نہیں گے۔ اس لئے کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں حدیث آگے آرہی ہے۔

[۹۵۸] (۷) اور نہیں جائز ہے بیع سلم کسی متعین گاؤں کے کھانے میں اور نہ متعین درخت کے پھل میں۔

تشریح کوئی یوں طے کرے کہ فلاں متعین گاؤں کے گیہوں کی بیع سلم کرتا ہوں یا متعین آدمی مثلاً زید کے فلاں درخت کے پھل کی بیع سلم کرتا ہوں تو یہ بیع سلم صحیح نہیں ہے۔

مذہب (۱) اگر اس گاؤں میں گیہوں کی پیداوار نہ ہو تو کون سا گیہوں دے گا؟ اور اس قسم کے گیہوں کہاں سے لائے گا؟ اسی طرح متعین درخت میں پھل نہیں آئے تو کون سا پھل دے گا؟ اس لئے متعین گاؤں یا متعین درخت کے پھل میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ ہاں کہیں کا بھی گیہوں ہو

تو جائز ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمر ان رجلا اسلف رجلا في نخل فلم تخرج تلك السنة شيئا فاختصما الى النبي ﷺ فقال بما تستحل ماله اردد عليه ماله ثم قال لا تسلفوا في النخل حتى يبدو صلاحه (الف)

(ابوداؤد شریف، باب فی السلم فی ثمرة بعینھا ص ۱۳۵ نمبر ۱۳۶۱ ابن ماجہ شریف، باب اذا السلم فی نخل بعینہ لم یطع ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸) اس حدیث میں ہے کہ ایک خاص درخت کے پھل میں بیع سلم کی اور اس میں اس سال پھل نہیں آئے تو آپؐ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال

کرو گے؟ مال واپس کرو۔ اس لئے متعین گاؤں اور متعین درخت کی بیع سلم جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ قال عبد الله بن سلام ...

فقال زيد بن سعنه يا محمد هل لك ان تبيعني تمرا معلوما الى اجل معلوم من حائط بني فلان قال لا يا يهودي ولكنني ابيعك تمرا معلوما الى كذا وكذا من الاجل ولا اسمي من حائط بني فلان فقلت نعم (ب) (سنن للبيهقي،

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کھجور کے درخت کے بارے میں بیع سلم کی۔ لیکن اس سال کوئی پھل نہیں آئے۔ تو دونوں حضرات کے پاس جھگڑا لکڑا آئیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال کرو گے؟ اس کی مال کو واپس کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کھجور کے بارے میں بیع سلم نہ کرو جب تک کہ کارآمد نہ ہو جائے (ب) زید بن سعنه نے کہا اے محمد! کیا آپؐ چاہتے ہیں کہ بنی فلاں کے باغ کا کھجور مجھے بیچے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اے یہودی۔ لیکن میں تم سے بیچتا ہوں معلوم کھجور اتنی مدت تک، بنی فلاں کے باغ کو متعین نہیں کرتا۔ میں نے کہا ہاں۔ یعنی میں بنی فلاں کے باغ کو متعین نہیں کرتا۔ البتہ کوئی بھی کھجور کی بیع سلم کر سکتا ہوں۔

[۹۵۹] (۸) ولا یصح السلم عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ الا بسبع شرائط تذکر فی العقد

جنس معلوم و نوع معلوم و صفة معلومة و مقدار معلوم و اجل معلوم و معرفة مقدار رأس

باب لا یجوز السلف حتی یکون بصفة معلومة لا تتعلق بعین، ج سادس، ص ۴۰، نمبر ۱۱۱۱ اس حدیث میں زید بن سعنه نے خاص فلاں کے باغ کے کھجور کی بیع سلم کرنا چاہا تھا لیکن آپؐ نے انکار فرمایا۔ اور فرمایا کسی باغ کے کھجور کی بیع کروں گا۔ خاص بنی فلاں کے باغ کے کھجور کی بیع سلم نہیں کرتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خاص باغ یا خاص درخت کے پھل کی بیع سلم جائز نہیں۔

اصول جس بیع کے نہ ملنے کا خطرہ ہو اس کی بیع سلم جائز نہیں۔

[۹۵۹] (۸) اور نہیں صحیح ہے سلم امام ابو حنیفہ کے نزدیک مگر سات شرطوں کے ساتھ جو ذکر کی جائے عقد میں (۱) جنس معلوم ہو (۲) نوع معلوم ہو (۳) صفت معلوم ہو (۴) بیع کی مقدار معلوم ہو (۵) مدت معلوم ہو (۶) ثمن کی مقدار معلوم ہو اگر ثمن اس میں سے ہو کہ اگر تعلق رکھتا ہو اس کی مقدار پر جیسے کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو (۷) اور اس جگہ کا متعین کرنا جس میں بیع سپرد کرے گا اگر بیع کو اٹھانے کی زحمت ہو اور اجرت لگتی ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ سات شرطیں پائی جائیں تو بیع سلم درست ہوگی ورنہ نہیں۔

مجمع سلم میں بیع بعد میں دیگا اس لئے یہ چیزیں ابھی سے متعین ہو جائے تو نزاع نہیں ہوگا۔ اور بیع کافی حد تک متعین ہو جائے گی۔

نوٹ یہ ساری شرطیں کچھ تو حدیث من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم (الف) (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰) سے مستنبط ہے اور کچھ شرطیں اس لئے لگائی گئی ہیں تاکہ بیع میں دھوکہ نہ رہے۔ عن ابی ہریرۃ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرر و بیع الحصاة (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ بیع الغرر ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۳۰) اور حدیث فقال رسول اللہ ﷺ لیس منا من غش (ج) (ابوداؤد شریف، باب النھی عن الغش ص ۱۳۳ نمبر ۳۳۵۲) کا خلاصہ ہے۔ تاکہ بائع کو اد مشتری کو کسی قسم کا دھوکہ نہ رہے۔ اس لئے یہ سات شرطیں لگائی گئی ہیں۔ اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ بیع خلاف قیاس ہے اس لئے بھی کچھ شرطیں لگی ہیں۔ ہر شرط کی تفصیل اس طرح ہے۔

شرط ۱ جنس معلوم ہو : یعنی یہ معلوم ہو کہ کس چیز کی بیع کر رہا ہے۔ گیہوں کی، چاول کی یا کھجور کی۔ اس سے چیز کا پتہ چلے گا کہ کیا چیز ہے؟ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ فقال (ابن ابی اوفی) انا کنا نسلف علی عہد رسول اللہ ﷺ و ابی بکر و عمر فی الحنطة و الشعیر و الزبیب و التمر و سألت ابن ابزی فقال مثل ذلک (د) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۲) اس اثر میں گیہوں، جو، کشمش اور کھجور الگ الگ جنس کا نام لیا ہے کہ ہم لوگ ان میں بیع سلم کرتے تھے۔ اس لئے جنس معلوم ہونا ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور اجل معلوم ہو (ب) حضورؐ نے روکا دھوکے کی بیع سے اور کنکری والی بیع سے (ج) آپؐ نے فرمایا ہم میں سے وہ نہیں ہے جو دھوکہ دیتا ہو (د) ابن ابی اوفی نے فرمایا ہم حضورؐ کے زمانے میں بیع سلم کرتے تھے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں گیہوں میں، جو میں، کشمش میں اور کھجور میں۔ اور ابن ابزی سے پوچھا تو انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا۔

المال اذا كان مما يتعلق العقد على قدره كالمكيل والموزون والمعدود وتسمية المكان

شرط ۲ نوع معلوم ہو : کیونکہ گیہوں بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ طے کرنا ہوگا کہ کس قسم کے گیہوں چاہئے یا کس قسم کے چاول چاہئے۔ اس کو نوع معلوم کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔ عن عامر قال اذا اسلم في ثوب يعرف ذرعه ورقعة فلا بأس (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۱ فی السلم بالثياب، ج رابع، ص ۳۹۸، نمبر ۲۱۴۰۱) اس اثر میں ہے ورقعة یعنی کس قسم کا کپڑا ہو۔ یہ معلوم ہو تو کپڑے میں بیع مسلم جائز ہے۔

شرط ۳ صفت معلوم ہو : یعنی یہ بھی طے ہو کہ عمدہ قسم کے گیہوں ہو یا ردی قسم کے۔ ورنہ مشتری عمدہ لینا چاہے گا اور بائع ردی دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔ اس لئے صفت کا طے ہونا ضروری ہے۔

شرط ۴ بیع کی مقدار معلوم ہو : یعنی بیع کتنے کیلو ہوگی یا کتنے صاع ہوگی۔ تاکہ یہ نہ ہو کہ بیس کیلو پر بات طے ہوئی تھی یا تیس کیلو پر؟ حدیث گزر چکی ہے فقی کیل معلوم و وزن معلوم۔

شرط ۵ مدت معلوم ہو : یعنی کب بیع دو گے۔ تاکہ یہ نہ ہو کہ بائع دیر کر کے دے اور مشتری جلدی مانگے جس سے نزاع ہو۔ حدیث گزر چکی ہے الی اجل معلوم (بخاری شریف، نمبر ۲۲۴۱)

شرط ۶ رأس المال یعنی ثمن کی مقدار معلوم ہو : یعنی وہ کتنے کیلو یا کتنے صاع یا کتنے عدد ہیں۔

مذہب کیونکہ مثلاً بیع نہیں دے سکا اور ثمن کو لوٹانے کی ضرورت پڑی تو اگر ثمن کی مقدار معلوم نہیں تو کیسے لوٹائے گا۔ یا مثلاً ثمن میں کھوٹا پن ہے اور اس کو لوٹانے کی ضرورت پڑی تو کیسے لوٹائے گا۔ اس لئے اگر ثمن کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو تو ثمن کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے۔ چاہے ثمن کی طرف اشارہ کر کے بیع مسلم طے کی ہو۔ ہاں اگر ثمن ذرائع ہو مثلاً کپڑا ہو تو کپڑوں میں ذراع صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے ذرائع کی شکل میں کپڑا سامنے ہو تو کتنا گز ہے اس کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ اثر ہے وقال ابن عمر لا بأس فی الطعام الموصوف بسعر معلوم الی اجل معلوم (ب) (بخاری شریف، باب السلم الی اجل معلوم ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۳) اس اثر میں ہے کہ بھاء معلوم ہو یعنی رأس المال ثمن کی مقدار معلوم ہو۔

شرط ۷ سپرد کرنے کی جگہ معلوم ہو : مسلم فیہ یعنی بیع کو اٹھا کر لے جانے کا کرایہ لگتا ہو تو بیع کو کس مقام پر مشتری کو دے گا اس جگہ کا تعین بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر جگہ متعین نہ ہو تو بائع اپنے قریب بیع دینا چاہے گا اور مشتری اپنے قریب لینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔ اس لئے بیع دینے کی جگہ کا متعین ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر بیع کے اٹھانے کا کرایہ نہ ہو تو کسی جگہ بھی دیگا تو صحیح ہو جائے گا۔ اس صورت میں جگہ کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اصول بیع سامنے نہ ہو تو اتنی شرطیں لگائی جائیں کہ بیع کافی حد تک موجود کے درجے میں ہو جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عامر نے فرمایا اگر کپڑے میں بیع مسلم کرے تو اس کا گز اور اس کی قسم معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے مسلم کرنے میں صفات بیان کئے ہوئے کھانے میں بھاء معلوم ہو مدت معلوم ہو۔

الذی یوفیه اذا کان له حمل و مؤنة [۹۶۰] (۹) وقال ابو یسف و محمد رحمهما الله لا یحتاج الی تسمیة رأس المال اذا کان معینا ولا الی مکان التسلیم ویسلمه فی موضع العقد [۹۶۱] (۱۰) ولا یصح السلم حتی یقبض رأس المال قبل ان یفارقه [۹۶۲] (۱۱)

لغت حمل و مؤنة : اٹھانا اور اس کی اجرت۔

[۹۶۰] (۹) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ رأس المال کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر وہ معین ہو اور نہ سپرد کرنے کی جگہ متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ اور بیع کو سپرد کرے گا عقد کی جگہ میں۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ رأس المال یعنی ثمن سامنے ہے تو عام بیوع میں اس کی مقدار معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جاتا ہے۔ اس لئے بیع سلم میں بھی صرف اس کی طرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جائے گا۔ اس کی تعداد یعنی کتنے کیلو ہیں یا کتنے صاع ہیں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح بیع ادا کرنے کی جگہ متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مجموعہ کیونکہ جس جگہ بیع کی بات ہوئی وہی جگہ بیع دینے کے لئے خود بخود متعین ہو جائے گی۔ اس لئے الگ سے جگہ متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ کر لے تو اچھا ہے۔

لغت موضع العقد : عقد کرنے کی جگہ۔

[۹۶۱] (۱۰) اور نہیں صحیح ہے سلم یہاں تک کہ رأس المال پر قبضہ کرے جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح بیع سلم طے ہونے کے بعد بائع اور مشتری کے جدا ہونے سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اگر ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔

مجموعہ بیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں تو حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عام بیوع میں مجلس میں بیع پر قبضہ ہو جاتا ہے اس لئے ثمن پر قبضہ نہ بھی ہو تو چل جائے گا۔ لیکن بیع سلم میں بیع لازمی طور پر بعد میں دے گا اس لئے کم از کم ثمن پر قبضہ ضروری ہے۔ ورنہ تو بیع بھی ادھار ہوگی اور ثمن بھی ادھار ہوگا۔ حالانکہ دونوں ہی شرطیہ طور پر ادھار ہوں تو حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه نهى عن بيع الكالئ بالکالی قال اللغویون هو النسيئة بالنسيئة (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۰ نمبر ۳۰۴۲ سنن للبیہقی، باب ما جاء عن بیع الدین بالدين، ج خامس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۰۵۳۶) اس حدیث میں ادھار کی بیع ادھار سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے امام حنفیہ کے نزدیک بیع سلم میں مجلس میں رأس المال پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

[۹۶۲] (۱۱) اور نہیں جائز ہے رأس المال میں تصرف کرنا اور نہ مسلم فیہ میں تصرف کرنا قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح بیع سلم میں ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اس کی بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ کرنے سے منع فرمایا۔ لغویوں نے کہا کہ کالی باکالی کا ترجمہ ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ ہے۔

ولا يجوز التصرف في رأس المال ولا في المسلم فيه قبل القبض [۹۶۳] (۱۲) ولا يجوز الشركة ولا التولية في المسلم فيه قبل قبضه [۹۶۴] (۱۳) ويصح السلم في الثياب اذا سمي طولاً و عرضاً ورقعة.

نہیں۔ رأس المال سے مراد ثمن اور مسلم فیہ سے مراد بیع ہے۔

مجمع حدیث میں پہلے گزر چکا ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ مثلاً اس کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سلم میں رأس المال بیع کے درجے میں ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں (۲) حدیث میں ہے سمعت ابن عباس يقول اما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام ان يباع حتى يقبض قال ابن عباس ولا احسب كل شيء الا مثله (الف) (بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان يقبض و بیع ماليس عندك ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵، مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵/۳۸۳۸/۱ بوداؤد شریف نمبر ۳۴۹۲) اس حدیث میں بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ اور چونکہ بیع سلم میں رأس المال بیع کے درجے میں ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مسلم فیہ تو بیع ہے ہی اس لئے اس پر بھی قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

[۹۶۳] (۱۲) اور نہیں جائز ہے شرکت اور تولیہ مسلم فیہ میں اس کے قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح مسلم فیہ یعنی بیع پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس میں بیع تولیہ کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس میں کسی کو شریک کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا۔

مجمع بیع تولیہ کرنا کسی کو شریک کرنا اس میں تصرف کرنا ہے۔ اور ابھی گزر چکا ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں بیع تولیہ کرنا کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔

[۹۶۴] (۱۳) اور صحیح ہے بیع سلم کرنا کپڑے میں جبکہ متعین کی جائے لمبائی۔ چوڑائی اور اصل جوہر۔

تشریح رقعة کے معنی ہیں پیوند، کپڑے کا ٹکڑا، یہاں اس کا مطلب ہے کہ کپڑے کا جوہر اور حقیقت کیا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے، تو مطلب یہ نکلا کہ کپڑے کی لمبائی کہ کتنے گز ہیں اور چوڑائی کہ کتنا انچ چوڑا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے یہ سب متعین ہو جائے تو کپڑے میں بھی بیع سلم جائز ہے۔ اس دور میں مشین ایک ہی قسم کے ہزاروں گز کپڑا بناتی ہے۔ اس لئے بیع سلم جائز ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مجمع اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عامر قال اذا اسلم في ثوب يعرف ذرعه ورقعه فلا بأس (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۷۳)

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے سنا وہ فرماتے تھے بہر حال جس سے حضورؐ نے روکا ہے وہ غلہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچا جائے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نہیں گمان کرتا ہوں مگر ہر چیز اسی کی مثل ہے۔ یعنی تمام غلوں کو قبضہ کرنے کے بعد ہی بیچا جائے۔ اس سے پہلے نہیں (ب) حضرت عامر سے مروی ہے کہ اگر کپڑے میں بیع سلم کرے اور اس کے گز اور قسم معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

[۹۶۵] (۱۴) ولا يجوز السلم في الجواهر ولا في الحرز [۹۶۶] (۱۵) ولا بأس بالسلم في اللبن والآجر اذا سمى ملبنا معلوما [۹۶۷] (۱۶) وكل ما امكن ضبط صفته ومعرفة مقداره جاز السلم فيه وما لا يمكن ضبط صفته ومعرفة مقداره لا يجوز السلم فيه.

فی السلم بالثیاب، ج رابع، ص ۳۹۸ سنن للبیہقی، باب السلف فی الحطیة والشعیر والزبیب والزیت والثیاب وجمع ما یضبط بالصفة، ج سادس، ص ۴۲، نمبر ۱۱۱۳ اس اثر میں موجود ہے کہ کپڑے کی لمبائی چوڑائی اور کس قسم کا ہے وہ متعین ہو جائے تو بیع سلم جائز ہے۔

نوٹ پچھلے زمانے میں کپڑا ہاتھ سے بنتے تھے اور ہرگز الگ الگ انداز کا ہوتا تھا اس لئے کپڑے کی صفات متعین کرنا مشکل تھا اس لئے بیع سلم کے جواز میں اندیشہ تھا۔ لیکن اس مشینی دور میں یہ بات نہیں ہے۔

[۹۶۵] (۱۴) اور نہیں جائز ہے سلم جواہر میں اور نہ موتیوں میں۔

وجہ جواہر اور موتی بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور ان میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ اور وزن سے نہیں جکتے بلکہ گن کر جکتے ہیں اس لئے ان کی صفات کو منضبط نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان میں بیع سلم جائز نہیں۔

اصول جن چیزوں کے صفات منضبط نہیں کر سکتے ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

لغت الجواہر : جمع ہے جوہر کی۔ الحرز : خزانہ کی جمع ہے سوراخ دار چیز، موتی۔

[۹۶۶] (۱۵) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے سلم کرنے میں کچی اینٹ میں اور پکی اینٹ میں جبکہ متعین کیا جائے اس کا سانچہ۔

تشریح اینٹ بنانے کا سانچہ متعین ہو تو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کتنی بڑی اینٹ ہے۔ اس سے اس کی مقدار کی معلومات ہو جائے گی۔ اس لئے سانچہ متعین ہو جائے چاہے پکی اینٹ ہو یا کچی اینٹ ہو تو ان کا بیع سلم کرنا جائز ہے۔

لغت اللبن : کچی اینٹ۔ الآجر : پکی اینٹ۔ ملبنا : اینٹ بنانے کا سانچہ، لمبن سے اسم آلہ ہے۔

[۹۶۷] (۱۶) ہر وہ چیز جس کی صفت منضبط کرنا ممکن ہو اور اس کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے۔ اور ہر وہ چیز جس کی صفت ضبط کرنا ممکن نہ ہو اور اس کی مقدار معلوم کرنا ممکن نہ ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں۔

تشریح اس مسئلہ میں مصنف علیہ الرحمۃ نے بیع سلم کا قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ جن چیزوں کو صفات متعین کرنے کے ذریعہ اور مقدار متعین کرنے کے ذریعہ منضبط کر سکتا ہو ان کی بیع سلم جائز ہے۔ اور جن چیزوں کو صفات متعین کرنے کے ذریعہ اور مقدار متعین کرنے کے ذریعہ منضبط نہ کر سکتا ہو ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) عن ابن عباس قال قدم النبي ﷺ المدينة وهم يسلفون بالشمز السنين وثلاث فقال من اسلف في شيء ففسي

کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (الف) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ مسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور لوگ دو سال اور تین سال کے لئے پھلوں کی بیع کرتے تھے۔ پس آپ نے فرمایا جو کسی چیز کی بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

[۹۶۸] (۱۷) ويجوز بيع الكلب والفهد والسباع [۹۶۹] (۱۸) ولا يجوز بيع الخمر

اسلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلم فیک کیل، وزن اور اجل معلوم کی جاسکتی ہو اور متعین کی جاسکتی ہو تو بیع سلم جائز ہوگی (۲) سنن بیہقی نے انہیں احادیث کے لئے یہ باب باندھا ہے باب السلف فی الحنطة والشعیر والزبيب والزیت والشیاب وجميع ما يضبط بالصفة (ج ۱ ص ۴۲، نمبر ۱۱۱۲۲) جس سے معلوم ہوا کہ جن کی صفات منضبط کی جاسکتی ہوں ان کی بیع سلم جائز ہے۔

[۹۶۸] (۱۷) اور جائز ہے کتے کی بیع اور چیتے کی بیع اور پھاڑ کھانے والے کی بیع۔

تشریح یہ جانور پھاڑ کھانے والے ہیں۔ ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔ اس لئے امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ ان کی بیع جائز نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان کی بیع جائز ہے۔

مذہب یہ جانور کھانے کے لئے نہیں ہیں لیکن کسی نہ کسی کام کے ہیں۔ اور نجس العین نہیں ہیں اس لئے ان کی بیع جائز ہے۔ مثلاً کتا شکار کے کام کا ہے۔ چیتے کی کھال کام کی ہے۔ پھاڑ کھانے والے جانور کی کھال دباغت کے بعد کام آتی ہے اس لئے اس کی بیع جائز ہوگی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ عن جابر ان النبی ﷺ نہی عن ثمن السنور والكلب الا کلب صید (الف) (نسائی شریف، باب الرخصة فی ثمن کلب الصید ج ۲ ص ۲۰۱ نمبر ۴۳۰۰ ترمذی شریف، باب الرخصة فی ثمن کلب الصید ص ۲۴۱ نمبر ۱۲۸۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے بلی اور کتے کے ثمن سے منع فرمایا۔ لیکن شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے۔ اسی لئے تو اس کے ثمن کی اجازت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتے کی بیع جائز نہیں ہے۔

مذہب وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ حدیث میں ہے عن ابی مسعود الانصاری ان رسول الله ﷺ نہی عن ثمن الكلب ومهر البغی وحلوان الکاهن (ب) (بخاری شریف، باب ثمن الكلب ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۳۷) مسلم شریف، باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الکاهن ص ۱۹ نمبر ۱۵۶۷ ترمذی شریف نمبر ۱۲۸۱) اس حدیث میں کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کی بیع بھی جائز نہیں ہوگی (۲) ان کے یہاں کتا نجس العین ہے اور نجس العین کی بیع جائز نہیں اس لئے کتے کی بھی بیع جائز نہیں ہے۔

اصول چیز نجس العین نہ ہو اور فائدہ مند ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔

نکتہ الفهد : چیتا۔ سباع : سب سے بڑا ہے۔ پھاڑ کھانے والے جانور۔

[۹۶۹] (۱۸) اور نہیں جائز ہے شراب کی بیع اور سور کی بیع۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے کتے اور بلی کی بیع سے منع فرمایا مگر شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی (ب) آپؐ نے منع فرمایا کتے کی قیمت، زنا کی اجرت اور کاہن کے پاس آنے سے۔

والخنزیر [۹۷۰] (۱۹) ولا یجوز بیع دود القز الا ان یشترک مع القز ولا النحل الا مع

مجا (۱) شراب اور سورنخس العین ہیں اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ نخس العین ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان (الف) (آیت ۹۰ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں خمر کو رجس اور ناپاک کہا گیا ہے (۲) حدیث میں شراب بیچنے کی ممانعت ہے۔ عن عائشۃ مما نزلت آیات سورۃ البقرۃ ۲ آیت ۲۱۹ عن آخرها خرج النبی ﷺ فقال حرمت التجارۃ فی الخمر (ب) (بخاری شریف، باب تحریم التجارۃ فی الخمر ص ۲۲ نمبر ۱۵۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب کی تجارت حرام ہے (۳) ابوداؤد شریف میں یہ بھی ہے کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے تو اس کا شمن بھی حرام ہے۔ عن ابن عباس قال رايت رسول الله ﷺ جالسا عند الركن قال فرفع بصره الى السماء فضحك فقال لعن الله اليهود ثلاثا ان الله تعالى حرم عليهم الشحوم فباعوها واكلوا اثماتها وان الله تعالى اذا حرم على قوم اكل شيء حرم عليهم ثمنه (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی شمن الخمر والمیتۃ ص ۱۳۶ نمبر ۳۲۸۸) اس حدیث میں ہے کہ کسی چیز کا کھانا حرام ہو تو اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ اس لئے شراب کی قیمت حرام ہوگی اور اس کا بیچنا حرام ہوگا۔ اور خنزیر کے حرام ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ الا ان یشترک مع دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغير الله به (د) (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں لحم خنزیر کو رجس اور ناپاک کہا گیا ہے اس لئے اس کا بیچنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام (ه) (مسلم شریف، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام ص ۲۳ نمبر ۱۵۸۱) اس حدیث میں شراب، مردار اور سور اور بتوں کے بیچنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے سور کی بیع بھی جائز نہیں ہے (۳) شراب اور سور مسلمانوں کے لئے مال ہی نہیں ہیں اس لئے اس کو بیچیں گے کیسے؟

[۹۷۰] (۱۹) اور نہیں جائز ہے ریشم کے کیڑے کی بیع مگر ریشم کے ساتھ اور نہ شہد کی مکھی کی بیع مگر چھتوں کے ساتھ۔

تشریح ریشم کی بیع جائز ہے مگر تنہا ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں۔ ہاں ریشم کے ساتھ کیڑے ہوں تو ریشم کے ساتھ کیڑوں کی بیع جائز ہو جائے گی۔

مجا ریشم کا کیڑا مال نہیں ہے اس لئے تنہا اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ البتہ ریشم کے تابع کر کے اس کی بیع جائز ہوگی۔ اسی طرح شہد کی مکھی مال نہیں ہے اس لئے تنہا اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ البتہ شہد کے چھتے کے ساتھ تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہوگی۔

حاشیہ : (الف) شراب، جوا، بت پرستی اور تیر سے فال نکالنا ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا شراب کی تجارت حرام کر دی گئی ہے (ج) میں نے حضور کو رکن کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا فرمایا آپ نے اپنی نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور مسکرائے پھر تین مرتبہ فرمایا، اللہ یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کی تھی پھر بھی اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کرتے ہیں (د) مگر یہ کہ مردہ ہو یا بہتا ہو یا خون ہو یا سور کا گوشت ہو۔ پس خنزیر کا گوشت ناپاک ہے یا فسق ہے کہ اللہ کے علاوہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (ه) حضور کو فتح مکہ کے دن فرماتے ہوئے سنا دراں حالیکہ آپ مکہ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کو بیچنا حرام کر دیا ہے۔

الكورات [۹۷۱] (۲۰) واهل الذمة فی البیاعات كالمسلمین الا فی الخمر والخنزیر
خاصة فان عقدہم علی الخمر كعقد المسلم علی العصیر وعقدہم علی الخنزیر كعقد

اصول جو چیز مال نہ ہو اور نجس العین نہ ہو تو دوسروں کے تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ریشم کے کیڑوں کی بیع تنہا بھی جائز ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بیع تنہا بھی جائز ہے۔

وجہ یہ کیڑے منتفع بہ ہیں۔ ان سے ریشم اور شہد نکلتے ہیں اس لئے یہ مال کے درجے میں ہوئے۔ اس لئے تنہا ان کی بیع بھی جائز ہوگی۔

لغت ودوالقر: ریشم کے کیڑے۔ النخل: شہد کی مکھی۔ الکورات: شہد کی مکھیوں کے چھتے۔

[۹۷۱] (۲۰) اہل ذمہ بیوع میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگر شراب میں اور سور میں خاص طور پر۔ اس لئے کہ ان کا عقد شراب پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمان کا عقد شربت پر، اور ان کا عقد سور پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمان کا عقد بکری پر۔

تشریح وہ کافر جو ٹیکس دے کر دارالاسلام میں رہتے ہیں ان کو ذمی کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے حقوق مسلمانوں کی طرح ہیں۔ اس لئے جس طرح مسلمان خرید و فروخت کرتے ہیں اسی طرح ذمی بھی خرید و فروخت کریں گے۔

وجہ حضورؐ نے خود کفار سے خرید و فروخت کیا ہے۔ عن عبد الرحمن بن ابی بکر قال کنا مع النبی ﷺ ثم جاء رجل مشرک مشعان طویل بغنم یسوقها فقال النبی ﷺ ابیعا ام عطیة؟ او قال ام هبة؟ قال لا بل بیع فاشتری منه شاة (الف) (بخاری شریف، باب الشراء والبیع مع المشرکین واہل الحرب ص ۲۹۵ نمبر ۲۲۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے مشرک سے بیع کی ہے۔ اس لئے مشرک کو بیع کرنے کی اجازت ہوگی تو ذمیوں کو بدرجہ اولیٰ بیع و شراء کرنے کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ وہ دارالاسلام کو ٹیکس دیکر تمام حقوق حاصل کر لئے ہیں۔

البتہ ذمیوں کو اپنے طور پر شراب اور سور بیچنے کی اجازت ہوگی کیونکہ ان کے اعتقاد میں وہ مال ہیں۔ اس لئے جس طرح مسلمان شربت کی خرید و فروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں شراب کی خرید و فروخت کریں گے۔ اور ہم جس طرح بکری کی خرید و فروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں سور کی خرید و فروخت کریں گے۔

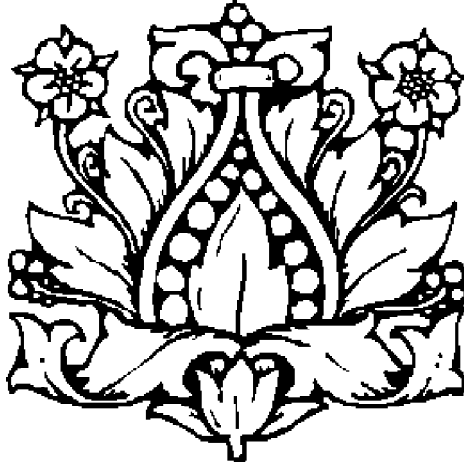
وجہ اثر میں اس کی اجازت موجود ہے۔ سمع ابن عباس یقول دخلت علی عمر... قال سفیان یقول لا تأخذوا فی جزیتہم الخمر والخنزیر ولكن خلوا بینہم و بین بیعہا فاذا باعواھا فخذوا اثمانہا فی جزیتہم (ب) (سنن للبیہقی، باب لایأخذ منہم فی الجزیۃ خمر او لا خنزیر، ج ۹ ص ۳۲۶، نمبر ۱۸۷۳۸) اس اثر میں ہے کہ ذمیوں کو شراب اور سور کی بیع کرنے دو اور اس

حاشیہ: (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ تھے کہ ایک مشرک آدمی آیا جو مضبوط اور لمبا تھا۔ بکری ہانکتے ہوئے تو حضورؐ نے پوچھا، بیچنے کی ہے یا عطیہ دینے کی؟ یا آپؐ نے فرمایا ہبہ کرنے کی؟ مشرک آدمی کہنے لگا نہیں! بلکہ بیچنے کے لئے۔ پس آپؐ نے اس سے ایک بکری خریدی (ب) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا... حضرت سفیان نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ذمیوں کے جزیہ میں شراب اور سور مت لو۔ لیکن ان کو سور اور شراب کی خرید و فروخت کرنے کے لئے چھوڑ دو۔ اور ان کی قیمت میں جزیہ لو۔

المسلم علی الشاة.

کے ثمن میں جزیہ لو۔

نکتہ اهل الذمّة : جو کافر دار الاسلام میں ٹیکس دیکر رہتے ہیں ان کو اهل الذمّة کہتے ہیں۔



﴿ باب الصرف ﴾

[۹۷۲] (۱) الصرف هو البیع اذا کان کل واحد من عوضیه من جنس الاثمان [۹۷۳] (۲)

فان باع فضة بفضة او ذهبا بذهب لم یجز الا مثلا بمثل وان اختلفا فی الجودة والصیغة

﴿ باب الصرف ﴾

ضروری نوٹ صرف کے معنی زیادتی اور پلٹنے کے ہیں۔ چونکہ درہم اور دنانیر کے ادھر ادھر کرنے میں نفع کی زیادتی ہے اس لئے سونا کو سونا کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو چاندی کے بدلے بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔ سونا اور چاندی کو اثمان بھی کہتے ہیں۔ اثمان ہمہ وقت الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں اس لئے ان کی بیع صرف کہتے ہیں۔ بیع صرف کی دلیل اور سونا کو سونے کے بدلے کی زیادتی کر کے نہ بیچے، اسی طرح چاندی کو چاندی کے بدلے کی زیادتی کر کے نہ بیچے اور ہاتھوں ہاتھ لے، ادھار نہ کرے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ الذہب بالذہب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید فمن زاد او استزاد فقد اربى الآخذ والمعطى فیہ سواء (الف) (مسلم شریف، باب الصرف و بیع الذہب بالورق نقد اص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ بخاری شریف، باب بیع الفضة بالفضة ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۷۷، باب بیع الذہب بالورق یداً بید ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲ ابوداؤد شریف، باب فی الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاندی کو چاندی کے بدلے برابر برابر بیچے۔ سونے کو سونے کے بدلے برابر برابر بیچے۔ کمی زیادتی کرنے میں سود ہوگا جو حرم الربو کے تحت حرام ہے۔ اور دونوں ثمنوں پر مجلس میں قبضہ کرے، کیونکہ ادھار میں بھی سود ہے۔ حدیث میں یداً بید کے ہاتھوں ہاتھ لو، ادھار نہیں۔ اس حدیث سے بیع صرف کا بھی ثبوت ہوا۔

[۹۷۲] (۱) صرف وہ بیع ہے جبکہ ہود دونوں عوض ثمنوں کی جنس سے۔

تشریح دونوں طرف سونا ہو، دونوں طرف چاندی ہو، یا ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو تو ان صورتوں کو بیع صرف کہتے ہیں۔
نوٹ خالص چاندی یا سونا ہو، ملاوٹ والے ہوں، چاندی اور سونے کے برتن ہوں، یا سونے اور چاندی کے سکے ہوں سب چاندی کے حکم میں ہیں۔ البتہ ملاوٹ زیادہ ہو اور سونا یا چاندی کم ہوں تو ملاوٹ کو الگ کر کے جو چاندی یا سونا نکل سکتے ہوں ان کا حساب کیا جائے گا۔ اور ان کے بارے میں بیع صرف کا اطلاق ہوگا۔

لغت الاثمان : ثمن کی جمع ہے، سونا اور چاندی کو اثمان کہتے ہیں۔

[۹۷۳] (۲) پس اگر بیچا چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے تو نہیں جائز ہے مگر برابر برابر، اگرچہ عمدگی اور گھڑائی میں مختلف ہوں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر، ہاتھوں ہاتھ لو، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو ربوا کا کام کیا۔ لینے والے اور دینے والے سب برابر ہیں۔

[۹۷۴] (۳) ولا بد من قبض العوضین قبل الافتراق.

تشریح چاندی کو چاندی کے بدلے میں بیچے یا سونے کو سونے کے بدلے بیچے تو برابر برابر ہوں کی بیشی حرام ہے۔ چاہے ایک زیادہ عمدہ ہو اور دوسرا ردی ہو۔ یا ایک میں گھڑائی اچھی ہو اور دوسرے میں گھڑائی خراب ہو جس کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو۔ پھر بھی وزن کے اعتبار سے دونوں کو برابر کر کے بیچنا ہوگا۔ کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ اور کمی بیشی کرنا ہو تو سونے کی قیمت چاندی سے لگائے پھر اس چاندی سے سونا زیادہ خریدے۔ اسی طرح چاندی کی قیمت سونے سے لگائے اور اس سونے سے چاندی زیادہ خریدے۔ یہی صورت اختیار کرے۔ البتہ چاندی کو چاندی کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ نہ بیچے۔

مذہب اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزر چکی ہے مثلاً بمثل (مسلم شریف نمبر ۱۵۸۷) اور ربوا والی چیزوں میں عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے اس کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلاً علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال رسول اللہ اکل تمر خیبر ہکذا؟ قال لا واللہ یا رسول اللہ! انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال رسول اللہ ﷺ لا تفعل، بع الجمع بالدرہم ثم ابتع بالدرہم جنیباً (الف) (بخاری شریف، باب اذا اراد بیع تمر تمر خیر منہ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۱/مسلم شریف، باب بیع الطعام مثلاً بمثل ص ۲۲ نمبر ۱۵۹۳) اس حدیث میں جنیب اور جمع دونوں کھجور ہیں۔ جنیب عمدہ ہے اور جمع ردی کھجور ہے۔ پھر بھی ایک صاع کو دو صاع کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ اور مسلم کی حدیث میں فرمایا کہ برابر برابر بیچو اور کمی بیشی کر کے بیچنا ہی ہو تو کھجور کی قیمت درہم سے لگاؤ۔ اور اس درہم سے پھر اچھا کھجور خرید لو۔ یہی حال سونا اور چاندی میں ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی اموال ربوا میں سے ہیں۔ اس لئے عمدہ ہو یا گھٹیا برابر برابر ہی بیچنا ہوگا۔

اصول اموال ربویہ میں بیع اور شمن ایک جنس ہوں تو عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے۔

نکتہ الجودۃ : عمدہ۔ الصیافۃ : گھڑائی، رنگ و روغن۔

[۹۷۴] (۳) اور ضروری ہے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح چونکہ یہ ائمان ہیں اس لئے جدا ہونے سے پہلے بیع اور شمن پر قبضہ کر لے۔

مذہب ضروری نوٹ والی حدیث میں گزرا کہ یدایید ہو یعنی ہاتھوں ہاتھ ہو (۲) سالت براء بن عازب و زید بن ارقم عن الصرف فکل واحد منهما یقول هذا خیر منی فکلاهما یقول نہی رسول اللہ ﷺ عن الذهب بالورق دینا (ب) (بخاری شریف، باب بیع الورق بالذهب نسبیہ ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۰/مسلم شریف، باب النہی عن بیع الورق بالذهب دینا ص ۲۳ نمبر ۱۵۸۹/۲۷۰۷) اس حدیث

حاشیہ : (الف) آپ نے ایک آدمی کو خیبر پر عامل بنایا تو وہ عمدہ کھجور لے کر آیا۔ پس آپ نے فرمایا کیا خیبر کے تمام کھجور ایسے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! یا رسول اللہ! ہم ان میں سے ایک صاع دو صاع کے بدلے لیتے ہیں یا دو صاع تین صاع کے بدلے میں۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ ردی کھجور درہم کے بدلے میں بیچیں پھر اس درہم سے عمدہ کھجور خریدیں۔ (ب) براء بن عازب اور زید بن ارقم سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا، ہر ایک فرماتے تھے کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ پھر دونوں ہی نے فرمایا حضورؐ نے سونے کو چاندی کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔

[۹۷۵] (۴) واذا باع الذهب بالفضة جاز التفاضل ووجب التقابض [۹۷۶] (۵) وان افترقا في الصرف قبل قبض العوضين او احدهما بطل العقد.

میں فرمایا کہ سونا کو چاندی کے بدلے بیچو تو دو جنس ہو گئے اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچ سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ دونوں وزنی ہیں اس لئے دین اور ادھار جائز نہیں ہے۔ دونوں پر مجلس میں ہی قبضہ کرنا ہوگا (۳) ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے۔ اس لئے بغیر قبضہ کئے ہوئے جدا ہوں گے تو بیع الکالی بالکالی ہو جائے گی (دارقطنی نمبر ۳۰۴۲) جس سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اور ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے پر قبضہ نہ کرے تو ایک کی بلا وجہ ترجیح ہوگی اس لئے دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

اصول اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

نکتہ العوضین : سے مراد بیع اور ثمن ہیں۔

[۹۷۵] (۴) اگر سونے کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی جائز ہے۔ لیکن قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

مذہب (۱) سونا اور چاندی دونوں دو جنس ہیں۔ اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا۔ لیکن چونکہ دونوں وزنی ہیں اس لئے مجلس میں دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی بکرۃ قال نہی النبی ﷺ عن الفضة بالفضة والذهب بالذهب الا سواء بسواء وامرنا ان نبتاع الذهب بالفضة كيف شئنا والفضة في الذهب كيف شئنا (الف) (بخاری شریف، باب بیع الذهب بالورق یا بیدص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲) مسلم شریف، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقد اص ۲۲ نمبر ۱۵۸۷۳۱ (۴۰۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کے ساتھ بیچ سکتا ہے بشرطیکہ نقد ہو۔ مسلم کی اسی حدیث کے آگے اذا کان یدا بیدا کا لفظ موجود ہے۔ **اصول** جنس بدل جائے تو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

نکتہ التفاضل : کمی بیشی۔

[۹۷۶] (۵) اگر بائع اور مشتری بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنے سے پہلے یا دونوں میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہو گئے تو عقد باطل ہو جائے گا۔

تشریح بائع اور مشتری نے بیع صرف کی اور بیع اور ثمن دونوں پر قبضہ نہیں کیا یا ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے پر نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو بیع صرف باطل ہو جائے گی۔

مذہب اوپر کی حدیث کی بنیاد پر دونوں پر قبضہ کرنا ضروری تھا اور اس نے قبضہ نہیں کیا، حدیث کے خلاف کیا اس لئے عقد باطل ہو جائے گا۔

نوٹ اسی عقد کو برقرار رکھتے ہوئے بعد میں بائع نے ثمن پر اور مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ بیع تعاطی کے طور پر دونوں میں بیع جدید ہوئی اور اس کی بنیاد پر بیع اور ثمن پر قبضہ ہوا اور بیع صرف ہوئی۔

(ب) حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے منع فرمایا کہ چاندی چاندی کے بدلے اور سونا سونے کے بدلے بیچے مگر برابر برابر کر کے، اور ہمیں حکم دیا کہ سونے کو چاندی کے بدلے میں بیچیں جیسے چاہیں (یعنی کمی زیادتی کر کے بیچ سکتے ہیں) کیونکہ جنس الگ الگ ہوگئی۔

[۹۷۷] (۶) ولا يجوز التصرف فی ثمن الصرف قبل قبضه [۹۷۸] (۷) ويجوز بيع

الذهب بالفضة مجازفة [۹۷۹] (۸) ومن باع سيفاً محلی بمائة درهم وحلیته خمسون

[۹۷۷] (۶) اور نہیں جائز ہے صرف ثمن میں تصرف کرنا اس پر قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح بیع صرف کے ثمن پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے اور اس میں تصرف کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) بیع صرف میں دونوں جانب ثمن ہیں۔ اس لئے کسی ایک کو ترجیح دیئے بغیر دونوں بیع کے درجے میں ہیں۔ اور قبضہ کرنے سے پہلے بیع کو بیچنا جائز نہیں اس لئے بیع صرف میں جس کو بھی ثمن قرار دیں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله من ابتاع طعاماً فلا يبيعه حتى يقبضه (الف) (مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵/۳۸۳۸ بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان يقبض و بیع ماليس عندك ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵/۲۱۳۵ ابوداؤد شریف، نمبر ۳۲۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہاں دونوں بیع ہیں اس لئے ان پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔

فائدہ امام زفر کی رائے ہے کہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے بیع صرف کے ثمن پر قبضہ نہ ہو سکے گا تو اپنی طرف سے دوسرے درہم یا دانہ دے دیگا اس لئے بیع صرف کے ثمن سے کوئی چیز خریدی تو بیع جائز ہوگی۔

[۹۷۸] (۷) سونے کی بیع چاندی کے بدلے اٹکل سے جائز ہے۔

وجہ سونے کو چاندی کے بدلے اٹکل سے بیچے گا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کمی زیادتی ہوگی۔ اور سونے کو چاندی کے بدلے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ دو جنس ہو گئے اس لئے سونے کو چاندی کے بدلے اٹکل سے بیچنا جائز ہے۔ حدیث اوپر گزر گئی فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد (ب) (مسلم شریف، باب الصرف و بیع الذهب بالورق نقد ص ۲۲ نمبر ۱۵۸۷/۴۰۶۳ بخاری شریف، باب بیع الذهب بالورق يدا بيد ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲) کہ سونا چاندی کے بدلے ہو تو جیسے چاہے بیچو۔ اس لئے اٹکل سے بیچنا جائز ہوگا۔

اصول دو جنس ہوں تو اٹکل سے بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اس میں ربوا نہیں ہے۔

نکتہ مجازفۃ : اٹکل۔

[۹۷۹] (۸) کسی نے زیوردار تلوار بیچی سودرہم کے بدلے اور اس کا زیور پچاس درہم کا ہے۔ پس اس کی قیمت میں سے پچاس درہم دیئے تو بیع جائز ہوگی اور رقم قبضہ کی وہ چاندی کے حصہ میں سے ہوگی اگرچہ اس کی تصریح نہیں کی۔ اور ایسے ہی جائز ہوگی بیع اگر کہا یہ پچاس دونوں کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے غلہ خریدا تو اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرے (ب) جب اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو جبکہ ہاتھ ہوں (یعنی کمی زیادتی کر کے بیع سکتے ہو۔)

درهما فدفع من ثمنه خمسين درهما جاز البيع و كان المقبوض من حصة الفضة وان لم
يبين ذلك وكذلك ان قال خذ هذه الخمسين من ثمنها [۹۸۰] (۹) فان لم يتقابضا

قیمت سے لو۔

تشریح لوہے کی تلوار بیچی اس میں پچاس درہم کا زیور لگا ہوا تھا۔ اور پچاس درہم نقد دیا اور باقی پچاس ادھار کیا تو پوری تلوار اور زیور کی بیع جائز ہوگی۔

موجہ زیور کی قیمت مجلس میں دینا ضروری تھا کیونکہ وہ چاندی ہے اور ثمن ہے اور چاندی کی بیع چاندی سے ہو رہی ہے اس لئے برابر سہرا بر بھی ضروری ہے۔ اب جو پچاس درہم دیئے وہ پچاس درہم کے برابر زیور کے بدلے میں ہوئے اور باقی پچاس لوہے کی تلوار کے بدلے میں ہے جو ادھار رہے۔ اس لئے مجلس میں جو پچاس دیئے وہ زیور کے بدلے میں سمجھا جائے گا تاکہ بیع صحیح ہو، اور اگر پچاس میں سے آدھا تلوار کے بدلے کریں تو زیور کے بدلے پر مجلس میں قبضہ نہیں ہوگا اور پورے کی بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے یہ پچاس جو دیئے وہ زیور کے بدلے قرار دیئے جائے۔

نوٹ یہ بھی ضروری ہے کہ جتنا زیور تلوار میں ہے اس سے زیادہ قیمت میں تلوار کے بدلے میں برابر سہرا بر چاندی ہو جائے اور جو مزید قیمت دی وہ تلوار کے بدلے میں ہو جائے۔ مثال مذکور میں پچاس درہم پچاس درہم کے مطابق زیور کے بدلے ہوئے اور باقی پچاس درہم تلوار کے بدلے ہوئے۔

موجہ (۱) حدیث میں اس کی تشریح ہے۔ سمعت فضالة بن عبيد الانصاري يقول اتى رسول الله وهو بخير بقلادة فيها خرز و ذهب وهى من المغانم تباع فامر رسول الله بالذهب الذى فى القلادة فنزع وحده ثم قال لهم رسول الله ﷺ الذهب بالذهب وزنا بوزن (الف) (مسلم شریف، باب بیع القلادة فیها خرز و ذهب ص ۲۵ نمبر ۱۵۹۱/۱ بوداؤد شریف، باب فی حلیۃ السیف تباع بالدرہم ج ۲ ص ۱۲۰ نمبر ۳۳۵/۱ رتذی شریف، باب ما جاء فی شراء القلادة فیها ذهب و خرز ص ۲۳۸ نمبر ۱۲۵۵) اس حدیث میں ہے کہ ہار میں بارہ دینار سے زیادہ کا سونا تھا۔ اور بارہ دینار میں خریدا تھا تو آپؐ نے فرمایا اس کو جدا کر کے دیکھو اور دونوں کا وزن برابر کر کے بیچو۔ اسی لئے فرمایا وزن بوزن یعنی دونوں کے وزن برابر ہوں۔

اصول سونا یا چاندی دوسری دھات کے ساتھ شامل ہوں تب بھی حقیقی سونا اور چاندی کو برابر کر کے بیچنا ہوگا تاکہ ربوا نہ ہو۔ [۹۸۰] (۹) پس اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے تو زیور میں عقد باطل ہو جائے گا، اور اگر بغیر ضرر کے زیور الگ ہو سکتا ہے تو تلوار میں بیع جائز ہوگی اور زیور میں باطل ہوگی۔

تشریح بائع کو زیور کی قیمت پچاس درہم پر قبضہ کرنا چاہئے تھا لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو اگر زیور تلوار کو نقصان دیئے بغیر الگ ہو سکتا حاشیہ: (الف) حضورؐ عجیب میں تھے، آپؐ کے سامنے ایک ہار لایا گیا جس میں پتھر کے نگ اور سونا تھا۔ وہ مال غنیمت میں سے تھا۔ وہ بیچا جا رہا تھا تو حضورؐ نے سونے کے بارے میں حکم دیا جو ہار میں تھا کہ ان کو الگ نکالا جائے (یعنی اس کی قیمت الگ لگے) پھر آپؐ نے ان سے فرمایا سونا سونے کے بدلے وزن میں برابر ہوں۔

حتى افترقا بطل العقد فى الحلیة وان كان يتخلص بغير ضرر جاز البیع فى السیف وبطل فى الحلیة [۹۸۱] (۱۰) ومن باع اناء فضة ثم افترقا وقد قبض بعض ثمنه بطل العقد فيما لم يقبض وصح فيما قبض و كان الاناء مشترکا بينهما [۹۸۲] (۱۱) وان استحق بعض الاناء كان المشتري بالخيار ان شاء اخذ الباقي بحصته من الثمن وان شاء رده

ہو تو تلوار کی بیع ہو جائے گی۔ کیونکہ تلوار کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور زیور کی بیع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا اور نہ ربوا ہوگا۔ ربوا ہونے کی دلیل اوپر حدیث گزر چکی ہے۔

نوٹ اگر زیور تلوار سے نقصان دیئے بغیر الگ نہ ہو سکتا ہو تو زیور کی بیع نہیں ہوگی اور اس کی وجہ سے تلوار کی بیع بھی نہیں ہوگی۔

الحلیة : زیور، خوبصورتی کی کوئی چیز۔

[۹۸۱] (۱۰) کسی نے چاندی کا برتن بیچا پھر دونوں جدا ہو گئے حالانکہ بعض ثمن پر قبضہ کیا تو عقد باطل ہو جائے گا جس میں قبضہ نہیں کیا تھا اور صحیح ہوگا جتنے پر قبضہ کیا تھا اور برتن دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

تشریح مثلاً سودر ہم کا برتن تھا۔ پچاس درہم مجلس میں دیئے اور پچاس درہم نہیں دیئے۔ تو جتنے دیئے اس کی بیع ہوگی اور جتنے نہیں دیئے اس کی بیع باطل ہوگی۔

وجہ کیونکہ دونوں جانب چاندی ہیں اس لئے دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا۔ اور یہاں آدھے پر مجلس میں قبضہ ہوا اس لئے آدھے کی بیع ہوگی اور آدھے کی بیع نہیں ہوگی۔ اس صورت میں بیع برتن ہے اس لئے آدھا برتن الگ تو نہیں ہو سکتا اس لئے آدھے برتن کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے پورے برتن کی بیع فاسد ہونی چاہئے لیکن فاسد اس لئے نہیں کریں گے کہ پہلے بیع پورے برتن کی ہوئی ہے اور بعد میں فساد آیا ہے اس لئے آدھے کا فساد پورے میں سرایت نہیں کرے گا۔ اس لئے آدھے برتن کی بیع ہوگی اور آدھے برتن کی بیع نہیں ہوگی۔ اور برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فساد شروع سے نہ ہو بلکہ بعد میں طاری ہوا ہو تو باقی بیع میں سرایت نہیں کرے گا۔

[۹۸۲] (۱۱) اگر بعض برتن کا مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو باقی کو اس کے ثمن کے حصے کے ساتھ لے اور اگر چاہے تو رد کر دے۔

تشریح مثلاً چاندی کا کوئی برتن سودر ہم میں بیچا۔ بیع طے ہونے کے بعد کسی دوسرے نے کہا کہ اس برتن میں آدھا میرا حق ہے۔ اور دلائل کے ذریعہ اپنا حق ثابت کر دیا تو گویا کہ آدھا تیسرے آدمی کا ہوگا اور آدھا برتن مشتری کا ہوگا۔ اور برتن میں شرکت عیب ہے اس لئے مشتری کو اختیار ہوگا کہ برتن کا جتنا حصہ اس کے حق میں آتا ہے اتنی قیمت دے کر لے لے اور چاہے تو پورے کی بیع منسوخ کر دے۔

اصول شرکت عیب ہے اس لئے لینے اور منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

[۹۸۳] (۱۲) ومن باع قطعة نقرۃ فاستحق بعضها اخذ ما بقى بحصته ولا خيار له
 [۹۸۴] (۱۳) ومن باع درهمين ودينارا بدينارين ودرهم جاز البيع وجعل كل واحد من
 الجنسین بدلا من جنس الآخر [۹۸۵] (۱۴) ومن باع احد عشر درهما بعشرة دراهم

[۹۸۳] (۱۲) کسی نے چاندی کا ٹکڑا بیچا۔ پس اس کے بعض کا مستحق نکل آیا تو لے گا جو باقی ہے اس کے حصے کے ثمن کے بدلے اور مشتری کو اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح مثلاً سودرہم کی چاندی کی ڈلی تھی اس کو خریدا، بعد میں آدھے کا مستحق کوئی اور آدمی نکل آیا تو آدھی قیمت یعنی پچاس درہم دیکر مشتری آدھا لے لے۔ اور اس صورت میں مشتری کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

وجہ چاندی کی ڈلی ٹکڑا ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس میں شرکت نہیں ہوگی جو عیب ہے۔ اس لئے مشتری کو لینا ہی پڑے گا اور اس کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ البتہ جتنا حصہ مشتری کے حق میں آئے گا اتنی ہی قیمت دینی ہوگی زیادہ نہیں۔ کیونکہ اتنا ہی حق اس کو ملا ہے۔

نکتہ نفرة : چاندی کی ڈلی۔

[۹۸۴] (۱۳) کسی نے دو درہم اور ایک دینار، دو دینار اور ایک درہم کے بدلے میں بیچا تو بیع جائز ہے اور دونوں جنسوں میں سے ہر ایک کو دوسری جنس کے بدلے میں کر دی جائے گی۔

تشریح ایک طرف دو درہم اور ایک دینار ہیں اور دوسری طرف دو دینار اور ایک درہم ہیں۔ اس لئے اگر دو درہم کو ایک درہم کے بدلے اور ایک دینار کو دو دینار کے بدلے کر دیں تو بیع فاسد ہوگی اور سود ہوگا۔ لیکن دو درہم کو ایک دینار کے بدلے کر دیں اور اسی طرح دو دینار کو ایک درہم کے بدلے کر دیں تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی جائز ہوگی اور بیع جائز ہو جائے گی۔ حتی الامکان بیع جائز کرنے کے لئے یہی دوسری صورت اختیار کی جائے گی۔

اصول یہاں اصول یہ ہے کہ چاہے ایک صفقہ ہو لیکن خلاف جنس کر کے ربوا سے بچنے کی کوئی صورت موجود ہو تو اس کو اختیار کیا جائے گا اور انسانی سہولت ملحوظ رکھی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ یہاں مجموعے کا مقابلہ مجموعے کے ساتھ ہے اس لئے دو درہم ایک درہم کے بدلے ہو جائیں گے اور ایک دینار دو دینار کے بدلے ہو جائے گا اور ایک ہی جنس میں کمی زیادتی ہو جائے گی اور ربوا ہوگا اس لئے یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔

[۹۸۵] (۱۴) کسی نے گیارہ درہم دس درہم اور ایک دینار کے بدلے بیچے تو بیع جائز ہے، دس درہم دس درہم کے برابر ہو جائیں گے اور ایک دینار ایک درہم کے بدلے ہو جائے گا۔

تشریح یہاں بھی اوپر کا اصول کارگر ہوگا کہ گیارہ درہم کو دس درہم اور ایک دینار کے بدلے بیچا تو دس درہم کو دس درہم کے بدلے کر دیں گے اور جو ایک درہم بچا اس کو ایک دینار کے بدلے کر دیا جائے گا۔ تو چونکہ خلاف جنس ہے اس لئے کمی زیادتی جائز ہوگی اور بیع جائز ہو جائے گی۔

ودینار جاز البیع و كانت العشرة بمثلها والدينار بدرهم [۹۸۶] (۱۵) ويجوز بيع درهمين صحيحين ودرهم غلة بدرهم صحيح ودرهمين غلة [۹۸۷] (۱۶) وان كان الغالب على الدراهم الفضة فهي في حكم الفضة وان كان الغالب على الدنانير الذهب فهي في حكم الذهب فيعتبر فيهما من تحريم التفاضل ما يعتبر في الجياد [۹۸۸] (۱۷) وان كان الغالب عليهما الغش فليسا في حكم الدراهم والدنانير فهما في حكم العروض.

[۹۸۶] (۱۵) اور جائز ہے بیع دو صحیح درہم اور ایک کھوٹے درہم کی، بدلے میں ایک صحیح درہم اور دو کھوٹے درہم کے۔

تشریح ایک طرف دو صحیح درہم اور ایک کھوٹا درہم ہے۔ دوسری طرف ایک صحیح اور دو کھوٹے درہم ہیں تو بیع جائز ہوگی۔

وجہ چونکہ دونوں طرف تین تین درہم ہیں اس لئے وزن میں دونوں برابر ہونگے۔ البتہ ایک طرف دو کھوٹے ہیں اور دوسری طرف ایک کھوٹا ہے اس لئے قیمت میں کمی بیشی ہوگی۔ لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ اموال ربو امیں وزن میں دونوں برابر ہوں اس کا اعتبار ہے۔ عمدہ اور ردی اور قیمت میں کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے دونوں طرف وزن کے برابر ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہوگی۔

اصول اموال ربو یہ میں وزن اور کیل میں دونوں طرف برابر ہونا ضروری ہے، عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے۔

نکتہ غلۃ : وہ درہم جس میں کھوٹ شامل ہو اور تا جرا اس کو قبول کرتا ہو لیکن بیت المال اس کو قبول نہ کرتا ہو۔

[۹۸۷] (۱۶) اگر درہم پر غالب چاندی ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر دینار پر غالب سونا ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہے۔ تو اعتبار کیا جائے گا ان دونوں میں کمی بیشی کے حرام ہونے کا جو اعتبار کیا جاتا ہے عمدہ میں۔

تشریح خالص سونے کا سکہ نہیں بن سکتا، اسی طرح خالص چاندی کا سکہ نہیں بن سکتا ہے۔ ان میں کچھ نہ کچھ دوسری دھات ملائی پڑتی ہے۔ اس لئے تھوڑی بہت ملاوٹ کا اعتبار نہیں ہے۔ وہ جید اور عمدہ کے حکم میں ہے۔ اس میں کمی زیادتی ایسے ہی حرام ہے جیسے جید اور اچھے میں۔ البتہ آدھے سے زیادہ ملاوٹ ہو تو چونکہ غالب دوسری دھات ہوگئی اس لئے اب یہ خالص سونے چاندی کے حکم میں نہیں رہی۔ بلکہ سامان کے حکم میں ہوگئی۔ یہاں اصول یہ ہے کہ اعتبار غالب اور اکثر کا ہے۔ اکثر چاندی یا سونا ہے تو وہ سونے اور چاندی کے حکم میں ہیں۔ اور اگر اکثر دوسری دھات ہے تو وہ دوسری دھات اور سامان کے حکم میں ہے۔ مشہور قاعدہ ہے للا اکثر حکم الکمل۔

اصول اکثر اور غالب کا اعتبار ہے۔

[۹۸۸] (۱۷) اور اگر دونوں پر غالب کھوٹ ہے تو وہ دونوں درہم اور دنانیر کے حکم میں نہیں ہیں۔ پس وہ دونوں سامان کے حکم میں ہیں

تشریح درہم میں چاندی غالب نہیں ہے بلکہ کھوٹ غالب ہے تو چونکہ اکثر کھوٹ ہے اس لئے اس کا حکم سامان کا حکم ہے۔ اسی طرح دینار میں کھوٹ غالب ہے تو وہ اب سونے کے حکم میں نہیں ہے بلکہ سامان کے حکم میں ہے۔ قاعدہ گزر چکا ہے۔

[۹۸۹] (۱۸) فاذا بیعت بجنسها متفاضلا جاز البیع [۹۹۰] (۱۹) وان اشتری بها سلعة

ثم کسدت فترک الناس المعاملة بها قبل القبض بطل البیع عند ابی حنیفة وقال ابو

[۹۸۹] (۱۸) پس اگر اس کی جنس کے ساتھ بیچی جائے کی پیشی کر کے تو جائز ہے۔

تشریح مثلاً چھ سکے بیچ رہا ہے، جن میں کھوٹ غالب ہے۔ ان چھ سکوں میں عمدہ دو سکوں کے برابر چاندی ہے اور چار سکوں کے برابر کھوٹ ہے۔ پس ان چھ سکوں کو عمدہ تین سکوں کے بدلے بیچے تو جائز ہے۔

وجہ چھ سکوں میں دو سکوں کے برابر چاندی ہے وہ عمدہ دو سکوں کے بدلے ہو گئے اور برابر ہو گئے اور باقی چار کھوٹ والے سکے ایک عمدہ سکے کے بدلے ہو گئے۔ اس طرح خالص چاندی خالص چاندی کے برابر اور مزید چاندی کھوٹ کے بدلے ہو گئی اور بیچ جائز ہو گئی۔ حدیث مثلاً بمثل کی رو سے کوشش کی جائے گی کہ چاندی چاندی کے برابر ہو کی زیادتی نہ ہو۔ اور کھوٹ کے بدلے مزید چاندی ہو جائے تاکہ بیچ جائز ہو جائے۔ اس قسم کے مسئلے مسئلہ نمبر ۸ اور مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزر گئے۔

نوٹ یہ مسئلے ان تین اصولوں سے مستنبط ہیں (۱) سونا سونے کے برابر ہو، چاندی چاندی کے برابر ہو (۲) اثمان ہوں تو مجلس میں قبضہ ہو (۳) اور چاندی اور سونا مشترک ہو تو اس میں کوشش کی جائے کہ خلاف جنس کے بدلے ہو کر بیچ جائز ہو جائے۔

[۹۹۰] (۱۹) اگر کھوٹے درہم کے بدلے سامان خریدا پھر اس کا رواج نہ رہا پس لوگوں نے بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے معاملہ چھوڑ دیا تو بیع باطل ہو جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور فرمایا امام ابو یوسف نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے بیع کے دن کی۔ اور فرمایا امام محمد نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے آخری دن کی جب لوگ اس سکے کا معاملہ کرتے تھے۔

تشریح کھوٹے سکے کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک لوگوں میں اس کا رواج ہو اس وقت تک وہ سکے کے درجے میں ہے، اور جس دن رواج ختم ہوا اس دن سے وہ سامان کے درجے میں ہے۔ اب مثلاً دس کھوٹے سکے کے بدلے کوئی چیز خریدی۔ ابھی بیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ لوگوں میں ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بیع باطل ہو گئی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سکے کھوٹے تھے اس لئے لوگوں کے تعامل سے سکے تھے۔ اور جب لوگوں نے تعامل چھوڑ دیا تو وہ سامان بن گئے۔ اور ان کی ثمنیت ختم ہو گئی۔ اس لئے بیع بغیر ثمن کے باقی رہی۔ اور بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بیع فاسد ہو جائے گی۔ اور چونکہ بیع پر مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے بیع بائع کے پاس ہی رہے گی اور مشتری کو کچھ نہیں دینا ہوگا۔

اصول بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ بیع کرتے وقت سکوں کی ثمنیت تھی یہ تو بعد میں ان کی ثمنیت ختم ہوئی ہے۔ اس لئے ان سکوں کی قیمت دی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ بیع کرتے وقت ان سکوں کی قیمت درہم سے کیا تھی وہ دی جائے گی۔ کیونکہ بائع اور مشتری کے ذہن میں اسی وقت کی قیمت ملحوظ ہے۔ اسی وقت کی قیمت ملحوظ رکھ کر بائع بیع بیچنے پر راضی ہوا ہے۔ اس لئے بیچنے کے وقت ان سکوں کی جو قیمت تھی وہی مشتری پر لازم ہوگی۔

یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ قیمتہا یوم البیع وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ قیمتہا آخر ما یتعامل الناس [۹۹۱] (۲۰) ویجوز البیع بالفلوس النافقة وان لم یعین [۹۹۲] (۲۱) وان كانت کاسدة لم یجز البیع بها حتی یعینہا [۹۹۳] (۲۲) واذا باع بالفلوس النافقة ثم کسدت قبل القبض بطل البیع عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ

اصول بیع کے دن کی قیمت ملحوظ ہوگی۔

امام محمد کے نزدیک بھی بیع صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آخری دن جس میں لوگوں نے ان سکوں کو لینا دینا چھوڑا اس دن ان دس سکوں کی کیا قیمت تھی وہ دلوائی جائے گی۔

مذہب جب تک سکے رائج تھے اس وقت تک سکے دینے ہی کے مجاز تھے۔ البتہ جس دن ان کا لینا دینا چھوڑا اس دن سکے سے ان کی قیمت کی طرف منتقل ہوا اس لئے اس دن ان مثلاً دس سکوں کی جو قیمت ہو مشتری پر وہ قیمت لازم ہوگی۔ اور وہی قیمت ادا کر کے بیع لے لیگا۔

اصول سکے سے قیمت کی طرف جس دن منتقل ہوا اس دن کی قیمت ملحوظ ہوگی۔

نکتہ ما یتعامل الناس : لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہوں، لوگوں میں اس کا رواج ہو۔

[۹۹۱] (۲۰) جائز ہے بیع رائج پیسوں سے اگرچہ متعین نہ کرے۔

تشریح فلوس چاندی اور سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں کے سکے بنتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان کا رواج رہے گا اس وقت تک ان کا حکم درہم اور دنانیر کی طرح ہوگا۔ یعنی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگا۔ اس قیمت کے کوئی بھی فلوس دیدے کافی ہو جائیں گے۔ اور جس دن سے ان کا رواج ختم ہو جائے اس دن سے وہ سامان کی طرح ہیں۔ یعنی وہ متعین کرنے سے متعین ہوں گے۔ اس اصول کی بنیاد پر مروج پیسوں سے کوئی چیز خریدے گا تو جائز ہے۔ چاہے ان پیسوں کو متعین نہ کیا ہو اور اس قیمت کے کوئی پیسہ دیدے کافی ہو جائیں گے۔

نکتہ الفلوس النافقة : مروج پیسے۔ النافقة : جس کا رواج ہو۔

[۹۹۲] (۲۱) اور اگر سکے رائج نہ ہوں تو نہیں جائز ہے بیع یہاں تک کہ ان کو متعین کرے۔

مذہب جو سکے رائج نہیں ہیں ان سے بیع خریدا تو چونکہ وہ سکے سامان کے درجے میں ہیں اس لئے ان کو متعین کئے بغیر بیع جائز نہیں ہوگی۔ جس طرح سامان کو متعین کئے بغیر بیع جائز نہیں ہوتی ہے۔

نکتہ کاسدة : وہ سکے جن کا رواج نہ ہو۔

[۹۹۳] (۲۲) اگر مروج پیسوں سے بیچا پھر رواج ختم ہو گیا بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تو بیع باطل ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح مروج پیسوں سے کوئی بیع خریدی۔ ابھی بیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی۔

[۹۹۴] (۲۳) ومن اشتری شیئا بنصف درهم من فلوس جاز البیع وعلیه ما یباع بنصف درهم من فلوس [۹۹۵] (۲۴) ومن اعطی صیرفیا درهما فقال اعطنی بنصفه فلوسا وبنصفه نصف الا حبة فسد البیع فی الجمیع عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ [۹۹۶] (۲۵) وقال جاز البیع فی الفلوس وبطل البیع فیما بقی۔

مجاہد پہلے گزر چکا ہے کہ پیسوں کا رواج ختم ہونے کے بعد وہ عام سامان ہو گئے اور بیع بغیر ثمن کے باقی رہی اس لئے بیع فاسد ہو جائے گی۔
فائدہ صاحبین کے نزدیک بیع صحیح ہوگی اور فلوس کی قیمت دیکر مشتری بیع لیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کی قیمت اور امام محمد کے نزدیک اس آخری دن کی قیمت جس دن فلوس نافقہ کا رواج بند ہوا ہے۔ تفصیل اور قاعدہ مسئلہ نمبر ۱۹ میں گزر چکے ہیں۔
 [۹۹۴] (۲۳) کسی نے کوئی چیز خریدی آدھے درہم کے پیسے کے بدلے تو بیع جائز ہے اور مشتری پر اتنے پیسے لازم ہوں گے جو آدھے درہم میں بیچے جاتے ہیں۔

تشریح کسی نے یوں کہا کہ مثلاً یہ کپڑا آدھے درہم کے جتنے پیسے آتے ہیں ان کے بدلے خریدتا ہوں تو یہ بیع جائز ہوگی۔ اور آدھے درہم کے جتنے پیسے اس ملک میں ہوتے ہیں اتنے پیسے مشتری پر لازم ہوں گے۔

مجاہد آدھے درہم کے کتنے پیسے ہوتے ہیں یہ تھوڑی سی جہالت ہے لیکن اس ملک میں آدھے درہم کے کتنے پیسے ملتے ہیں تاجروں کے یہاں یہ مشہور و معروف ہوتے ہیں اس لئے یہ جہالت رفع ہو جائے گی۔ اور ثمن مجہول نہیں رہے گا۔ اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔
فائدہ امام زفر کے نزدیک یہ تھوڑی سی جہالت ہے اس لئے ان کے یہاں بیع فاسد ہوگی۔
لغت فلوس : پیسہ، سونے اور چاندی کے علاوہ کاسکہ۔

[۹۹۵] (۲۴) کسی نے صراف کو ایک درہم دیا اور کہا آدھے درہم کے پیسے دو اور آدھے درہم کا درہم دو مگر ایک رتی کم دو تو تمام میں بیع فاسد ہو جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح ایک آدمی نے درہم بھنانے والے کو ایک درہم دیا اور یوں کہا کہ آدھے درہم کے جو پیسے ہوتے ہیں وہ دو اور باقی درہم ہی دو مگر اس میں ایک رتی چاندی کم دو تو پوری بیع فاسد ہوگی۔

مجاہد یہاں آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم سے ہے اور اس میں ایک رتی کم ہے تو رہا ہو گیا اس لئے اس آدھے درہم کی بیع فاسد ہو گئی۔ اور چونکہ فساد قوی ہے اور شروع سے ہے اس لئے یہ سرایت کر کے درہم کے بدلے فلوس کی جو بیع تھی وہ بھی فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ پوری بیع ایک ہی ہے۔ جس کو کہتے ہیں کہ صفقہ ایک ہے۔

[۹۹۶] (۲۵) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ پیسے میں بیع جائز ہے اور باقی میں بیع باطل ہے۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اندرونی طور پر دو بیع ہیں ایک بیع سے آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے اور دوسری بیع

[۹۹۷] (۲۶) ولو قال اعطني نصف درهم فلوسا ونصفا الا حبة جاز البيع [۹۹۸] (۲۷) ولو قال اعطني درهما صغيرا وزنه نصف درهم الا حبة والباقي فلوسا جاز البيع وكان النصف الا حبة بازاء الدرهم الصغير والباقي بازاء الفلوس.

ہے آدھے درہم کا مقابلہ درہم کے ساتھ مگر ایک رتی کم۔ اس لئے جس آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے وہ بیع جائز ہوگی۔ کیونکہ اس میں کوئی ربوہ نہیں ہے۔ اور جس آدھے درہم کا مقابلہ درہم کے ساتھ ہے مگر ایک رتی کم وہ بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ اس میں دونوں طرف چاندی ہیں اور آدھے درہم کے مقابلے میں پورا آدھا درہم نہیں ہے بلکہ ایک رتی کم ہے اس لئے سود ہو گیا اس لئے یہ دوسری بیع فاسد ہوگی۔ اور ایک کافسہ دوسرے میں سرایت نہیں کرے گا اور حتی الامکان بیع جائز ہونے کی صورت نکالی جائے گی۔

نوٹ یہ سب مسئلے اوپر کے اصول پر متفرع ہیں۔

[۹۹۷] (۲۶) اور اگر کہا مجھے آدھے درہم کے فلوس دو اور آدھے مگر ایک رتی کم درہم دو تو سب کے نزدیک بیع جائز ہوگی۔

تشریح یہاں اندرونی طور پر دو بیع نہیں ہیں بلکہ ایک ہی بیع ہے۔ اور صورت یوں ہے کہ ایک طرف ایک درہم ہے اور دوسری طرف پیسے ہیں اور آدھے درہم میں سے ایک رتی کم ہے۔ اس لئے رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھا درہم کے مقابلے میں ہو جائے گا۔ اور باقی ایک رتی زیادہ اور آدھے درہم کے مقابلے میں پیسے ہو جائیں گے۔ اس لئے سود نہیں ہوگا۔ اس لئے پوری بیع جائز ہوگی۔

لغت حبة : دانہ، رتی، چھوٹا پیسہ۔

[۹۹۸] (۲۷) اور اگر کہا مجھ کو چھوٹا درہم دو جس کا وزن آدھے درہم سے ایک رتی کم ہو اور باقی کے پیسے دو تو بیع جائز ہوگی اور آدھے درہم سے رتی کم چھوٹے درہم کے مقابلے پر ہوگا اور باقی پیسے کے مقابلے پر۔

تشریح چھوٹا درہم جس کا وزن رتی کم آدھا درہم ہے، اب کسی نے صرف کو ایک درہم دینے کے بعد یوں کہا کہ اس درہم میں سے رتی کم آدھا درہم دو (یعنی چھوٹا درہم دو) اور باقی رتی زیادہ آدھا درہم جو رہا اس کے بدلے پیسے دو تو بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھا درہم کے مقابلے پر ہو جائے گا۔ اور رتی زیادہ آدھا درہم کے مقابلے پر پیسے ہو جائیں گے۔ اس لئے خلاف جنس ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہوگا۔ اس لئے پوری بیع جائز ہوگی۔

اصول ایک ہی بیع میں دو قسم کی چیزیں ہوں۔ ایک قسم کی چیز اپنے ہم جنس کے ساتھ برابر ہو اور دوسری قسم کی چیز خلاف جنس کے ساتھ کمی زیادتی ہو جائے تو چونکہ سود کا وقوع نہیں ہوا اس لئے بیع جائز ہوگی۔ اور اوپر کے تینوں مسئلے اسی اصول پر متفرع ہیں۔ اور اصول کے لئے حدیث وہی ہے مثلاً بمثل یدا بید۔

لغت بازاء : مقابلے میں، بدلے میں۔

﴿ کتاب الرهن ﴾

[۹۹۹] (۱) الرهن ینعقد بالایجاب والقبول ویتم بالقبض فاذا قبض المرتهن الرهن

﴿ کتاب الرهن ﴾

ضروری نوٹ کوئی آدمی کسی سے کچھ پونڈ قرض لے اور وثیقہ اور اعتماد کے لئے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس رہن رکھے تو اس معاملے کو رہن کہتے ہیں۔ اس میں غریب جس نے اپنا مال رہن پر رکھا اس کو راہن کہتے ہیں، اور جس کے پاس رہن رکھا اس کو مرتهن کہتے ہیں، اور جو چیز رہن رکھی گئی اس کو شیء مرہون کہتے ہیں۔ رہن رکھنے کا ثبات اس آیت سے ہے۔ وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کتابا فرہان مقبوضۃ (الف) (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں رہن رکھنے کا ذکر ہے۔ اور حدیث میں ہے۔ عن عائشۃ ان النبی ﷺ اشتری من یہودی طعاما الی اجل و رهنه درعه (ب) (بخاری شریف، باب من رهن درعه ۳۱ نمبر ۲۵۰۹ مسلم شریف، باب الرهن وجوازہ فی الحضر کالسفر ۳۱ نمبر ۱۶۰۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رہن رکھنا جائز ہے۔ اور حضورؐ نے رہن رکھا ہے۔

[۹۹۹] (۱) رہن منعقد ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے اور پورا ہوتا ہے قبضہ سے۔ پس جبکہ مرتهن نے رہن پر قبضہ کر لیا محوز، مفرغ اور میز ہونے کی حالت میں تو اس میں عقد پورا ہو گیا۔

تشریح رہن ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ اور اس پر مرتهن کے قبضہ کرنے سے پورا ہوتا ہے۔

وجہ رہن معاملہ ہے اور پیچھے گزر چکا ہے کہ معاملہ ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے۔ اس لئے رہن ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ قرض کے بدلے رہن رکھنا ضروری نہیں ہے۔ بہت مرتبہ لوگ قرض دیتے ہیں اور اس کے بدلے رہن نہیں رکھتے ہیں۔ اس لئے رہن رکھنا تبرع ہے۔ اس لئے جب تک مرتهن اس پر قبضہ نہیں کرے گا رہن مکمل نہیں ہوگا۔ ایجاب اور قبول کے بعد بھی راہن رکھنے سے پھرنا چاہے تو پھر سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ قبضہ کرنے سے رہن مکمل ہوگا۔ آیت میں ہے۔ فرہان مقبوضۃ (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس میں مقبوضۃ سے اشارہ ہے کہ قبضہ کرنے سے رہن مکمل ہوگا۔

نوٹ مرتهن کے قبضہ ہونے کے لئے بھی رہن کا تین باتوں سے خالی ہونا ضروری ہے (۱) محوز ہو یعنی رہن کی چیز دوسروں کی شرکت میں نہ ہو۔ دوسروں کی شرکت سے تقسیم ہو کر الگ ہو چکی ہو۔ مثلاً دو آدمیوں کے درمیان میں گھر مشترک تھا تو دونوں شریکوں نے گھر تقسیم کر کے الگ الگ کر چکا ہو۔ اب جو راہن کا حصہ ہے اس پر مرتهن قبضہ کرے (۲) مفرغ ہو یعنی راہن کے مال و سامان سے شیء مرہون فارغ اور خالی ہو۔ مثلاً گھر رہن پر رکھنا ہے تو گھر میں رہن رکھنے والے کا کوئی سامان نہ ہوتا کہ راہن کے آنے جانے کا تعلق نہ رہے۔ ایسے گھر پر مرتهن قبضہ کرے تب قبضہ مکمل ہوگا (۳) اور تیسری شرط یہ ہے کہ شیء مرہون میسر ہو یعنی تخلیقی طور پر راہن کے سامان کے ساتھ متصل نہ ہو۔ جیسے درخت پر لگا ہوا پھل رہن پر رکھے تو اس پر مرتهن کا قبضہ مکمل نہیں ہوگا۔ کیونکہ پھل قدرتی اور تخلیقی طور پر راہن کے درخت سے چپکا ہوا ہے اور اس سے

حاشیہ : (الف) اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضہ کیا ہو راہن لے لو (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لئے کھانا خریدا اور اس کی وجہ سے زرہ رہن پر رکھی۔

محوزاً مفرغاً ممیزاً تم العقد فیہ [۱۰۰۰] (۲) وما لم یقبضہ فالرهن بالخیار ان شاء سلمہ الیہ وان شاء رجع عن الرهن [۱۰۰۱] (۳) فاذا سلمہ الیہ فقبضہ دخل فی

متمیز نہیں ہے۔ اس لئے پھل کو درخت سے جدا کرے اور متمیز کر کے مرہن کو قبضہ دے تب رہن پر مکمل قبضہ شمار ہوگا، مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز کی دلیل یہ اثر ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز انہ لا یجوز من النحل الا ما عزل واخرد واعلم (مصنف عبدالرزاق، باب النحل ج ۹ ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) بہہ میں مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز کی ضرورت ہے تو رہن میں بھی مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز اور مفرغ کی ضرورت ہوگی۔

اصول مکمل قبضہ کرنے کے لئے شیء مرہون رہن کے مال سے بالکل الگ تھلگ ہو۔

[۱۰۰۰] (۲) اور جب تک مرہن مرہون پر قبضہ نہ کرے تو رہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو سپرد کرے اور چاہے تو رہن سے رجوع کر جائے **تشریح** اوپر بتایا کہ رہن رکھنا تبرع ہے اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے رہن مکمل نہیں ہوا۔ اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے رہن رکھنے والا رہن رکھنے سے مکر جائے اور رجوع کر جائے تو رجوع کر سکتا ہے۔

نکتہ رہن : رہن رکھنے والا۔

[۱۰۰۱] (۳) پس جبکہ مرہن کو سپرد کر دیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگی۔

تشریح رہن رکھنے والے نے شیء مرہون کو مرہن کے حوالے کر دیا اور مرہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگی۔ اب اگر ہلاک ہوگی تو اس کے پیسے مرہن کے قرض میں سے کاٹے جائیں گے۔

مجمع حدیث میں ہے کہ اگر شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو مرہن کے مال میں سے جائے گی۔ سمعت عطاء یحدث ان رجلاً رهن فرساً فنفق فی یدہ فقال رسول اللہ ﷺ للمرتهن ذهب حقه (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال الرهن مضمون، ج ۱ ص ۶۸ نمبر ۱۱۲۲۵) اس حدیث مرسل میں ہے کہ اگر شیء مرہون ہلاک ہوئی تو مرہن کا مال گیا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن انس عن النبی ﷺ قال الرهن بما فیہ (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ۳ ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۴ سنن للبیہقی، باب من قال الرهن مضمون، ج ۱ ص ۶۸، ج ۱ ص ۶۸) اس حدیث میں ہے کہ جس چیز کے لئے رہن رکھا گیا ہے اسی چیز کے لئے رہن جائے گا۔ یعنی اگر شیء مرہون ضائع ہوگئی تو قرض میں اس کو کاٹ لیا جائے گا۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ شیء مرہون پر قبضہ کے بعد مرہن کے ضمان میں داخل ہوگئی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک شیء مرہون مرہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ اگر مرہن کی بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو مرہن کے قرض میں سے کچھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ مال رہن کا ہلاک ہوا۔

مجمع ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغلق الرهن له غنمہ وعلیہ غرمہ (ج) (دارقطنی

حاشیہ : (الف) عطاء بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے گھوڑا رہن پر رکھا، پس مرہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو آپؐ نے مرہن کے لئے کہا اس کا حق چلا گیا (ب) آپؐ نے فرمایا شیء مرہون اس کے بدلے میں ہے جس کے لئے رکھی گئی (ج) آپؐ نے فرمایا رہن رکھنے سے رہن کا حق بند نہیں ہوگا۔ رہن کو (باقی اگلے صفحہ پر)

ضمانه [۱۰۰۲] (۴) ولا یصح الرهن الا بدين مضمون [۱۰۰۳] (۵) وهو مضمون بالاقول من قيمته ومن الدين فاذا هلك الرهن في يد المرتهن وقيمته والدين سواء صار المرتهن مستوفيا لدينه حكما.

کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۹، نمبر ۲۸۹۶ سنن للبیہقی، باب الرهن غیر مضمون، ج سادس، ص ۶۶، نمبر ۱۱۲۱۹ اس حدیث میں ہے کہ رہن رکھنے کی وجہ سے راہن کا حق ختم نہیں ہوگا۔ رہن رکھنے والے کو اس کا فائدہ بھی ملے گا۔ اور اگر شیء مرہون میں کوئی نقصان ہوا تو راہن ہی کا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہلاک ہو جائے تو مرہن پر اس کا ضمان نہیں ہے۔

[۱۰۰۲] (۴) نہیں صحیح ہے رہن مگر دین مضمون کی وجہ سے۔

تشریح وہ دین جو انسان پر ادا کرنا واجب ہو اس کی وجہ سے رہن رکھے تو صحیح ہے۔ اور جو دین ادا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ تبرع کے طور پر اپنے اوپر لازم کیا ہے اس دین کے بدلے رہن رکھنا صحیح نہیں۔ مثلاً مکاتب اپنے اوپر مال کتابت واجب کرتا ہے لیکن اس کا ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔ جب عاجزی کا اظہار کرے اور مال کتابت ساقط کر کے دوبارہ غلام بننا چاہے تو بن سکتا ہے۔ اس لئے مال کتابت کی وجہ سے مکاتب کوئی چیز رہن رکھے تو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے مصنف نے فرمایا کہ دین واجب کی وجہ سے رہن رکھنا صحیح ہے۔

مذہب رہن تو وثیقہ اور اعتماد کی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے قرض دینے والے کو یقین ہوتا ہے کہ میرا قرض ضرور واپس ملے گا۔ اور اگر قرض واپس نہیں دیا تو شیء مرہون کو بیچ کر اپنا قرض وصول کروں گا۔ لیکن جب قرض ہی نہیں دیا ہے بلکہ راہن نے تبرع کے طور پر اپنے اوپر قرض لازم کیا ہے تو وثیقہ کیوں دے۔ اور رہن رکھنا کیوں صحیح ہو۔

[۱۰۰۳] (۵) شیء مرہون مضمون ہوگی اس کی قیمت اور دین سے کم میں۔ پس جبکہ ہلاک ہو جائے شیء مرہون مرہن کے ہاتھ میں اور اس کی قیمت اور قرض برابر ہیں تو حکماً مرہن اپنے قرض کو وصول کرنے والا ہو گیا۔

تشریح شیء مرہون کا ضمان مرہن پر لازم ہے لیکن اتنا ہی ضمان لازم ہوگا جتنا اس کا دین ہے اور اس سے زیادہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگی۔ مثلاً ایک سو پونڈ مرہن پر قرض تھا اور ڈیڑھ سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھ دی تو شیء مرہون کے ہلاک ہونے پر ایک سو پونڈ کا ضمان مرہن پر لازم ہوگا اور اس کا اتنا پونڈ ختم ہو جائے گا۔ اور باقی پچاس پونڈ جو قرض سے زیادہ تھے وہ مرہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھے۔ اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو صاحب مال کو واپس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ صاحب مال کا مال ہلاک ہوا۔ اس اصول پر مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً ایک سو پونڈ مرہن کا راہن پر قرض تھا۔ اور راہن نے ایک سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھ دی۔ بعد میں وہ چیز مرہن کے یہاں ہلاک ہوگئی تو مرہن کے سو پونڈ گئے اور گویا کہ مرہن نے اپنے سو پونڈ وصول کر لئے۔

مذہب مرہن اپنے قرض کے مطابق شیء مرہون کا ضامن تھا، اور شیء مرہون ہلاک ہوئی جو اس کے قرض کے برابر تھی تو گویا کہ اس نے اپنا قرض راہن سے وصول کر لیا۔ اب راہن سے کچھ وصول نہیں کر سکے گا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فائدہ بھی ملے گا اور اس پر شیء مرہون کا خرچ بھی لازم ہوگا۔

[۱۰۰۴] (۶) وان كانت قيمة الرهن اكثر من الدين فالفضل امانة [۱۰۰۵] (۷) وان كانت قيمة الرهن اقل من ذلك سقط من الدين بقدرها ورجع المرتهن بالفضل [۱۰۰۶] (۸) ولا يجوز رهن المشاع.

[۱۰۰۴] (۶) اور اگر شیء مرہون کی قیمت قرض سے زیادہ ہے تو زیادہ امانت ہے۔

تشریح مثلاً دین سو پونڈ ہے اور شیء مرہون ڈیڑھ سو پونڈ کی ہے تو مرتہن سو پونڈ کا ذمہ دار ہے۔ اور باقی پچاس پونڈ مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ یعنی اگر شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے سو پونڈ ساقط ہو جائیں گے۔ اور باقی پچاس پونڈ بھی راہن کی طرف دینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ امانت تھی۔ اور امانت بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس کو ادا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

مجموعہ اثر میں اس کا ثبوت ہے ان عمر بن الخطاب قال فی الرجل یرتہن فیضیہ قال ان کان اقل مما فیہ رد علیہ تمام حقہ وان کان اکثر فهو امین (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۰ سنن للبیہقی، باب من قال الرهن مضمون، ج سادس، ص ۷۱، نمبر ۱۱۲۲۸) اس اثر میں ہے کہ اگر شیء مرہون دین سے کم قیمت کی تھی اور ہلاک ہوئی تو جو زیادہ پونڈ ہونے چاہئے وہ مرتہن راہن سے وصول کرے گا۔ اور شیء مرہون دین سے زیادہ قیمت کی تھی تو وہ زیادہ قیمت اور فضل مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔

اصول مرتہن اتنا ہی کا ضامن ہوتا ہے جتنا اس کا دین ہے۔ باقی شیء مرہون اس کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔

[۱۰۰۵] (۷) اور اگر رهن کی قیمت کم ہے دین سے تو ساقط ہو جائے گا دین اس کی مقدار اور وصول کرے گا مرتہن زیادتی۔

تشریح مثلاً سو پونڈ دین تھا اور راہن نے اسی پونڈ کا رهن رکھا اور وہ ہلاک ہو گیا تو گویا کہ مرتہن نے اسی پونڈ وصول کر لئے۔ اب بیس پونڈ جو باقی ہے وہ راہن سے وصول کرے گا۔

مجموعہ اثر اوپر گزر گیا ہے ان عمر بن الخطاب قال فی الرجل یرتہن فیضیہ قال ان کان اقل مما فیہ رد علیہ تمام حقہ (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۰ سنن للبیہقی، باب من قال الرهن مضمون، ج سادس، ص ۷۱، نمبر ۱۱۲۲۸) اس اثر میں ہے کہ اگر رهن کی قیمت کم ہو تو جو زیادہ قرض ہے وہ اس پر لوٹایا جائے گا یعنی راہن سے وصول کرے گا (۲) مرتہن کا حق باقی ہے اس لئے وہ راہن سے وصول کرے گا۔ کیونکہ اس کا اتنا ہی ساقط ہوا جتنا رهن ہلاک ہوا۔ اور باقی قرض اس نے وصول نہیں کیا ہے اس لئے باقی قرض راہن سے وصول کرے گا۔

نکتہ الفضل : جو زیادہ ہو، جو باقی بچے۔

[۱۰۰۶] (۸) نہیں جائز ہے مشترک چیز کو رهن رکھنا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے اس بارے میں فرمایا جو رهن رکھے پھر ضائع ہو جائے۔ اگر اس قرض سے کم ہے تو مرتہن کا پورا حق دیا جائے گا اور اگر قرض سے زیادہ ہے تو وہ زیادہ کے بارے میں امانت دار ہے (ب) حضرت عمر نے اس بارے میں فرمایا جو رهن رکھے پھر ضائع ہو جائے۔ اگر اس قرض سے کم ہے تو مرتہن کا پورا حق دیا جائے گا۔

[۱۰۰۷] (۹) ولا رهن ثمرة على رأس النخل دون النخل ولا زرع فى الارض دون الارض [۱۰۰۸] (۱۰) ولا يجوز رهن النخل والارض دونهما.

تشریح جو چیز راہن اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی ہے اس کو راہن پر رکھنا جائز نہیں ہے۔

وجہ آیت فرہان مقبوضۃ سے پتہ چلا کہ شیء مرہون پر مرہن کا مکمل قبضہ ہو اور یہ اسی وقت ہوگا جب وہ چیز مشترک نہ ہو بلکہ تقسیم ہو کر خالص راہن کی ملکیت ہو چکی ہو۔

لغت المشاع : مشترک، غیر تقسیم شدہ۔

[۱۰۰۷] (۹) نہیں جائز ہے پھل کا راہن رکھنا درخت کے اوپر بغیر درخت کے اور نہ کھیتی کار راہن رکھنا زمین میں بغیر زمین کے۔

تشریح پھل درخت پر لگے ہوئے ہیں ایسی صورت میں پھل راہن رکھ رہا ہے اور درخت راہن پر نہیں رکھ رہا ہے تو یہ جائز نہیں۔

وجہ پھل درخت کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں اس لئے شیء مرہون درخت سے متمیز نہیں ہوئی اور الگ نہیں ہوئی اس لئے مرہن کا پورا قبضہ نہیں ہو سکے گا اور آیت کی رو سے پہلے گزر چکا ہے کہ مرہن کا راہن پر پورا قبضہ ہونا چاہئے۔ اس لئے پھل کو درخت پر رہتے ہوئے راہن رکھے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح کاشت زمین میں لگی ہوئی ہے اور صرف کاشت راہن پر رکھے اور زمین راہن پر نہ رکھے تو جائز نہیں۔

وجہ کاشت زمین کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے اس لئے متمیز نہیں ہوئی جس کی وجہ سے مرہن کا مکمل قبضہ شیء مرہون پر نہیں ہوگا جو آیت کی رو سے ضروری تھا۔

لغت زرع : کھیتی، کاشت۔

[۱۰۰۸] (۱۰) اور نہیں جائز ہے درخت کو اور زمین کو راہن پر رکھنا بغیر پھل اور کھیتی کے۔

تشریح درخت پر پھل لگے ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں درخت راہن پر رکھتا ہے اور پھل راہن پر نہیں رکھتا تو جائز نہیں۔ اسی طرح کاشت زمین میں لگی ہوئی ہے اور زمین راہن پر رکھتا ہے اور کاشت راہن پر نہیں رکھتا تو جائز نہیں۔

وجہ یہاں بھی درخت اور زمین پھل اور کھیتی کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں۔ پھل اور کھیتی سے متمیز نہیں ہے۔ اس لئے ان کو راہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

اصول شیء مرہون دوسروں کی ملکیت سے بالکل الگ تھلگ ہو تب راہن پر رکھنا جائز ہوگا اور مرہن کا مکمل قبضہ شمار ہوگا۔ کیونکہ آیت میں ہے فرہان مقبوضۃ (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ)

فائدہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک مشترک چیز کو راہن پر رکھ سکتے ہیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مشترک اور مشاع چیز کو بیچ سکتے ہیں اسی طرح اس کو راہن پر بھی رکھ سکتے ہیں (۲) ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال فی کتاب معاذ بن جبل من ارتھن ارضا فهو یحسب ثمرھا لصاحب الرهن (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ما تحل

حاشیہ (الف) حضرت معاذ بن جبل کے خط میں ہے کسی نے زمین راہن پر رکھی تو اس کا پھل راہن رکھنے والے کے لئے شمار کیا جائے گا۔

[۱۰۰۹] (۱۱) ولا یصح الرهن بالامانات كالودائع والعواری والمضاربات ومال الشركة [۱۰۱۰] (۱۲) ویصح الرهن برأس مال السلم وضمن الصرف والمسلم فیہ۔

للمرتحن من الرهن، ج ثامن، ص ۲۳۵، نمبر ۱۵۰۷ اس اثر میں ہے کہ کوئی زمین رہن پر رکھے تو اس کا پھل راہن کا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر متمیز زمین بھی رہن پر رکھ سکتا ہے۔

لغت دوہما : سے مراد پھل اور کھیتی ہیں۔

[۱۰۰۹] (۱۱) اور نہیں صحیح ہے رہن پر رکھنا امانتوں کو جیسے امانت کی چیزیں اور مانگی ہوئی چیزیں اور مضاربیت کا مال اور شرکت کا مال۔

تشریح وہ مال جو کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے اس کو رہن پر رکھنا جائز نہیں۔ مثلاً امانت رکھی ہوئی چیز ہے یا کسی سے عاریت پر چیز لایا ہے یا مال مضاربیت ہے تو ان مالوں کو رہن پر نہیں رکھ سکتے۔

وجہ رہن پر ان مالوں کو رکھتے ہیں جو مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کو ان کا ضمان دینا پڑے۔ اور امانت کے اموال ایسے ہیں کہ یہ بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو ان کا ضمان نہیں دینا پڑتا ہے۔ اس لئے امانت اور رہن کے موضوع الگ الگ ہیں اس لئے امانت کے اموال رہن پر نہیں رکھ سکتے (۲) رہن پر وہ مال رکھ سکتے ہیں جو خود راہن کا ہو اور یہ اموال دوسرے کے ہیں جو راہن کے پاس امانت ہیں اس لئے ان کو رہن پر کیسے رکھ سکتے ہیں۔

اصول دوسرے کے اموال بغیر اجازت کے رہن نہیں رکھ سکتے۔

لغت الودائع ودیعت کی جمع ہے مال امانت۔ العواری : عاریت کی جمع ہے مانگی ہوئی چیز۔ المضاربات : وہ مال جو بیع مضاربیت کرنے کے لئے لیا ہو۔ مال الشركة : شرکت کا مال، اس میں آدھا دوسرے کی امانت ہوتی ہے اور آدھا یا چوتھائی اپنا مال ہوتا ہے۔ اس کو بھی رہن پر نہیں رکھ سکتے۔

[۱۰۱۰] (۱۲) صحیح ہے رہن رکھنا مسلم کے رأس المال کے بدلے، صرف کے ثمن کے بدلے اور مسلم فیہ کے بدلے۔

تشریح بیع مسلم کی اور مشتری نے بائع کو ثمن یعنی رأس المال دیا اور رأس المال کے بدلے بائع نے کوئی چیز رہن پر رکھی تو رہن رکھنا جائز ہے **وجہ** مسلم کا رأس المال مضمون ہے اس لئے اس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح بیع صرف میں جو ثمن ہے وہ مال مضمون ہے اس لئے اس کے لئے رہن رکھے تو جائز ہے اگرچہ بیع صرف میں ثمن پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے تاہم اس کے بدلے رہن رکھے تو جائز ہے کیونکہ وہ مال مضمون ہے۔ بیع مسلم میں جو بیع ہے جس کو مسلم فیہ کہتے ہیں اس کے بدلے رہن رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی مال مضمون ہے۔

اصول جو مال مال مضمون ہو اس کے لئے رہن رکھنا جائز ہے۔



[۱۰۱۱] (۱۳) فان هلك في مجلس العقد تم الصرف والسلم وصار المرتهن مستوفيا

لحقه حكما [۱۰۱۲] (۱۴) واذا اتفقا على وضع الرهن على يدى عدل جاز وليس

[۱۰۱۱] (۱۳) پس اگرشیء مرہون ہلاک ہو جائے مجلس عقد میں تو بیع صرف اور بیع سلم پورے ہو گئے اور مرہن حکماً اپنے حق کو وصول کرنے والا ہو گیا۔

تشریح بیع صرف کی اور بائع نے بیع دیدی اور ثمن کے بدلے مشتری نے کوئی چیز بائع کے پاس رہن رکھی۔ مجلس عقد ہی میں رہن کی چیز بائع کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی تو گویا کہ بائع نے ثمن وصول کر لیا۔ اس لئے بیع صرف مکمل ہو جائے گی۔ اسی طرح بیع سلم میں رب السلم (مشتری) نے بائع کو ثمن دیا اور بائع نے اس کے بدلے کوئی چیز رب السلم (مشتری) کے پاس رہن رکھی۔ بعد میں شیء مرہون مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی تو گویا کہ مشتری نے بیع وصول کر لی اور بیع سلم پوری ہو گئی۔ مشتری کا یہ وصول کرنا حقیقتہً تو نہیں حکماً ہے۔

مذہب اوپر گزر گیا کہ مرہن کے ہاتھ میں شیء مرہون کا ہلاک ہونا اپنے قرض کو وصول کرنے کے مترادف ہے۔

نکتہ مستوفیاً لحقه : اپنے حق کو وصول کرنے والا ہوگا۔

[۱۰۱۲] (۱۴) اگر راہن اور مرتهن متفق ہو جائیں رہن کے رکھنے پر کسی عادل کے ہاتھ میں تو جائز ہے۔ اور نہیں جائز ہے مرتهن کے لئے اور نہ راہن کے لئے کہ عادل کے ہاتھ سے لے۔

تشریح راہن اور مرتهن اس بات پر متفق ہو گئے کہ شیء مرہون کسی تیسرے عادل کے ہاتھ میں رکھ دے تو یہ جائز ہے۔

مذہب کیونکہ یہ دونوں کا حق ہے اس لئے دونوں اپنے حقوق میں تصرف کر سکتے ہیں۔ اس لئے کسی عادل کے ہاتھ میں شیء مرہون رکھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں وہ عادل راہن کی جانب سے محافظ ہوگا اس کے عین مال کا۔ اور مرتهن کی جانب سے محافظ ہوگا اس کی مالیت کا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن اشعث قال كان الحكم والشعبي يختلفان في الرهن يوضع على يدى عدل، قال الحكم ليس برهن وقال الشعبي هو رهن (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الرهن اذ اوضح على يدى عدل يكون قبضا وكيف ان هلك ج ثامن ص ۲۴۱ نمبر ۱۵۰۴۹) اس اثر میں ہے کہ شیء مرہون کسی عادل کے ہاتھ میں رکھے تو حضرت شعبی نے فرمایا وہ رہن ہی ہوگا۔ اس سے پتہ چلا کہ تیسرے کے ہاتھ میں شیء مرہون رکھنا جائز ہے۔ عادل کے ہاتھ میں رکھنے کے بعد مرتهن کی اجازت کے بغیر واپس نہیں لے سکتا ہے۔ کیونکہ وہ مرتهن کے حق کی وجہ سے عادل کے ہاتھ میں ہے۔ اور مرتهن اس لئے نہیں لے سکتا ہے کہ راہن کو مرتهن پر اعتماد نہیں ہے۔ اسی لئے تیسرے کے ہاتھ میں رکھی گئی ہے۔ اس لئے مرتهن بھی عادل کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا۔ ہاں راہن اس کی اجازت دے تو مرتهن عادل کے ہاتھ سے لے سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عمرو بن يثربى قال شهدت رسول الله ﷺ فى حجة الوداع بمنى فسمعته يقول لا يحل لامرء من مال اخيه شيء الا ما طابت به نفسه (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ۳ ص ۲۲ نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث

حاشیہ : (الف) حضرت حکم اور شعبی اس رہن کے بارے میں اختلاف فرماتے تھے کسی عادل کے ہاتھ میں رکھا گیا ہو۔ حضرت حکم نے فرمایا وہ رہن نہیں ہے۔ اور حضرت شعبی نے فرماتے تھے وہ رہن ہے (ب) میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ بھائی کے مال میں سے کچھ بھی حلال نہیں ہے مگر اس کی راضی خوشی سے۔

للمرتهن ولا للراهن اخذه من يده [۱۰۱۳] (۱۵) فان هلك في يده هلك من ضمان
المرتهن [۱۰۱۴] (۱۶) ويجوز رهن الدراهم والدنانير والمكيل والموزون
[۱۰۱۵] (۱۷) فان رهنه بجنسها وهلكت هلكت بمثلها من الدين وان اختلفا في
الجودة والصياغة [۱۰۱۶] (۱۸) ومن كان له دين على غيره فاخذ منه مثل دينه فانفقته ثم

میں ہے کہ کسی کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے نہ لیا جائے۔ اس لئے بغیر راہن یا مرتہن کی اجازت کے عادل کے ہاتھ سے شیء مرہون
نہیں لی جائے گی۔

[۱۰۱۳] (۱۵) پس اگر شیء مرہون عادل کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے ضمان سے ہلاک ہوگی۔

مذہب شیء مرہون مرتہن کی وجہ سے عادل کے ہاتھ میں رکھی گئی ہے۔ اور گویا کہ اس کی مالیت مرتہن کے یہاں رہن ہے۔ اس لئے عادل کے
ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو مرتہن پر اس کا ضمان ہوگا۔ اور شیء مرہون کی قیمت قرض میں سے کاٹی جائے گی۔ اثر میں ہے۔ عن الحسن قال اذا
وضعه على يد غيره فهلك فلهك فهو بما فيه (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الرهن اذا وضع على يد غيره عادل يكون قبضا وكيف ان هلك
ج ثامن ص ۲۴۱ نمبر ۱۵۰۴۸) اس اثر میں حضرت حسن نے فرمایا کہ اگر شیء مرہون کسی عادل آدمی کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو جس چیز کے
لئے رکھی گئی ہے یعنی رہن کے لئے اسی میں شمار کی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتہن کے مال میں سے ہلاک ہوگی۔

[۱۰۱۴] (۱۶) جائز ہے رہن پر رکھنا درہم کو، دینار کو اور کیلی چیز اور وزنی چیز کو۔

مذہب ان چیزوں کو رہن پر رکھنے سے مرتہن کو اعتماد ہوگا کہ میرا دین ملے گا۔ اور نہیں تو اس کو بیچ کر یا خود اسی کو رکھ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہوں۔
اس لئے ان چیزوں کو رہن پر رکھنا جائز ہے۔

[۱۰۱۵] (۱۷) پس اگر دین کی جنس کو رہن پر رکھا اور ہلاک ہوگئی تو ہلاک ہو جائے گی دین کی مثل سے اگرچہ مختلف ہو عمدگی اور گھڑائی میں
تشریح مثلاً اچھے قسم کے سودرہم دین تھے اور اس کے بدلے میں گھٹیا قسم کے سودرہم رہن رکھے۔ بعد میں رہن کے سودرہم ہلاک ہو گئے تو
چونکہ دونوں جنس ایک ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ مرتہن نے اپنے دین کے سودرہم وصول کر لئے۔ اگرچہ دین کے سودرہم عمدہ تھے اور
رہن کے سودرہم گھٹیا تھے۔

مذہب ایک جنس ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کی برابری کو دیکھا جائے گا۔ عمدہ اور گھٹیا کو نہیں دیکھا جائے گا۔

اصول جنس ایک ہو تو رہن میں بھی عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت الجودة : عمدہ۔ الصياغة : گھڑائی اور نقش و نگار۔

[۱۰۱۶] (۱۸) کسی کا دین دوسرے پر تھا پس اس سے دین کے مثل لیا اور اس کو خرچ کر دیا پھر جانا کہ وہ کھوٹے تھے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک

حاشیہ : (الف) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ کسی نے رہن دوسرے کے ہاتھ پر رکھا پس وہ ہلاک ہو گیا تو وہ جس رہن میں تھا اس میں شمار کیا جائے گا۔

علم انه كان زيوفاً فلا شيء له عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وقال ابو يوسف و محمد
رحمهما الله تعالى يرد مثل الزيوف ويرجع مثل الجياد [۱۰۱] (۱۹) ومن رهن عبيدين

اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ کھولے کے مثل واپس کرے اور اچھے کے مثل وصول کرے۔

تشریح سودرہم کسی پر قرض تھے، قرض دینے والے نے مقرض سے سودرہم لئے اور ان کو خرچ کر دیا بعد میں علم ہوا کہ میرے درہم عمدہ تھے اور یہ درہم جو میں نے خرچ کئے گھٹیا تھے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک گویا کہ اپنا پورا حق وصول کر لیا۔ اب مقرض سے مزید کچھ نہیں لے سکتا۔
وجہ سودرہم قرض دیئے تھے اور سودرہم مقرض سے لے لئے۔ عدد اور وزن کے اعتبار سے برابر ہو گیا۔ اور جنس ایک ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ قرض دینے والے نے اپنا پورا حق وصول کر لیا۔ اور چونکہ درہم خرچ کر چکا ہے اس لئے اس کو واپس بھی نہیں کر سکتا۔

اصول یہاں بھی اصول وہی ہے کہ ایک جنس ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں۔ اس کے لئے حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ بخاری شریف نمبر ۲۲۰۱ (والله يا رسول الله انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاث فقال رسول الله ﷺ لا تفعل بع الجمع بالدرهم ثم ابتع بالدرهم جنبيها) (بخاری شریف، باب اذا ربيع تمر تمر خير منه ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۱)

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دائن نے جیسا گھٹیا مقرض سے لیا تھا ایسا گھٹیا درہم مقرض کو دے پھر اپنے عمدہ درہم مقرض سے واپس لے۔
وجہ جس مالیت کے درہم دائن نے مقرض کو دیئے تھے اس مالیت کے درہم مقرض سے نہیں ملے تھے بلکہ گھٹیا ملے تھے اس لئے اپنے عمدہ درہم وصول کرنے کے لئے یہی کیا جاسکتا ہے کہ مقرض کے گھٹیا درہم جیسے واپس کرے اور اپنے جیسے عمدہ درہم مقرض سے وصول کرے (۲) صاحبین کے نزدیک قرض وغیرہ میں صرف، وزن اور عدد کے اعتبار سے برابر کر دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ مالیت اور قیمت کے اعتبار سے برابر کرنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ تو دائن کو نقصان ہوگا۔ اور حدیث میں ہے۔ لا ضرر ولا ضرار (دارقطنی نمبر ۳۰۶۰) اس لئے اس کے وصول کرنے کے لئے یہی صورت ہے کہ کہیں سے گھٹیا درہم لا کر مقرض کو دے اور اپنے اچھے درہم وصول کرے۔

اصول وزن میں برابری کے ساتھ مالیت کی برابری بھی قرض میں ضروری ہے۔

نکتہ الزیوف : کھولے درہم۔ الجیاد : اچھے۔

[۱۰۱] (۱۹) کسی نے دو غلام ایک ہزار کے بدلے میں رہن رکھے پھر ان میں سے ایک کا حصہ ادا کیا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو قبضہ کرے یہاں تک کہ باقی دین ادا کرے۔

تشریح دو غلام ایک ہزار پونڈ کے بدلے رہن پر رکھے تھے۔ اور مثلاً پانچ سو پونڈ ادا کئے اور چاہتا ہے کہ ایک غلام رہن سے واپس لے لوں تو وہ اس غلام کو رہن سے واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ پورے ایک ہزار ادا نہ کر دے۔ جب پورے ایک ہزار ادا کرے گا تو دونوں غلام واپس لے گا۔
وجہ یہاں دونوں غلام کا مجموعہ ہزار کے بدلے رہن ہے تاکہ وثیقہ اور اعتماد رہے۔ ایسا نہیں ہے کہ پانچ سو کے بدلے ایک غلام رہن پر ہو اور دوسرے پانچ سو کے بدلے دوسرا غلام رہن پر ہو۔ اس لئے جب پورے ہزار ادا کرے گا تو دونوں غلاموں کو واپس لے گا۔ پانچ سو ادا

بالف فقصی حصۃ احدہما لم یکن لہ ان یقبضہ حتی یؤدی باقی الدین [۱۰۱۸] (۲۰) فاذا وکل الراهن المرتهن او العدل او غیرہما فی بیع الرهن عند حلول الدین فالوكالة جائزۃ [۱۰۱۹] (۲۱) فان شرطت الوكالة فی عقد الرهن فلیس للراهن عزله عنها فان عزله لم ینعزل وان مات الراهن لم ینعزل ایضا [۱۰۲۰] (۲۲) وللمرتهن ان یطالب کر کے ایک غلام واپس نہیں لے سکتا۔

اصول پوری شیء مرہون پورے قرضے کے بدلے میں رہن ہوتی ہے۔ اجزاء اور تقسیم نہیں ہوتی۔

نوٹ مرتهن ایک غلام واپس لینے کی اجازت دے تو راہن واپس لے سکتا ہے بطور قانون نہیں لے سکتا۔

[۱۰۱۸] (۲۰) پس اگر راہن نے مرتهن کو یا عادل کو یا ان دونوں کے علاوہ کو وکیل بنایا شیء مرہونہ کے بیچنے کا دین کی مدت گزرنے پر تو وکالت جائز ہے۔

وجہ راہن کا مال ہے اس لئے راہن مرتهن کو یا عادل کو یا کسی اور کو یہ حق دے سکتا ہے کہ قرض کی مدت پوری ہو جائے اور میں قرض ادا نہ کر سکوں تو شیء مرہون کو بیچ دیا جائے اور اس سے مرتهن کے قرض کو ادا کیا جائے۔ یہ وکیل بنانا درست ہے۔ اور مرتهن کے لئے وثیقہ کی ایک شکل یہ بھی ہے۔

لغت حلول الدین : دین ادا کرنے کا وقت آنا۔

[۱۰۱۹] (۲۱) پس اگر وکالت کی شرط عقد رہن میں لگائی گئی ہو تو راہن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کرے، پس اگر معزول کیا تب بھی معزول نہیں ہوگا۔ اور اگر راہن مر گیا تب بھی وکیل معزول نہیں ہوگا۔

تشریح رہن رکھتے وقت مرتهن نے شرط لگائی کہ قرض کی مدت گزرنے پر شیء مرہون کے بیچنے کا وکیل بناؤ تاکہ وہ وکیل بیچ کر میرا قرض ادا کرے۔ اگر عقد رہن کے وقت شیء مرہون بیچنے کے وکیل بنانے کی شرط لگائی ہے تو راہن اس کو معزول نہیں کر سکتا۔

وجہ کیونکہ شرط لگانے کی وجہ سے مرتهن کا حق متعلق ہو گیا اور مرتهن اس کے معزول کرنے پر راضی نہیں ہے اس لئے راہن وکیل کو معزول نہیں کر سکتا۔ اور معزول کرے بھی تو وکیل معزول نہیں ہوگا۔ اور اگر راہن کا انتقال ہو جائے پھر بھی وکیل معزول نہیں ہوگا۔ بلکہ مدت گزرنے پر شیء مرہون کو بیچ کر مرتهن کا قرض ادا کرے گا تاکہ مرتهن کا حق ضائع نہ ہو جائے۔

اصول وثیقہ کے لئے جو شرط طے ہوئی ہو راہن اس کو ختم نہیں کر سکتا جب تک مرتهن راضی نہ ہو۔

لغت عزل : معزول ہونا۔

[۱۰۲۰] (۲۲) مرتهن کے لئے جائز ہے کہ راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے اور شیء مرہون کو اس کی وجہ سے روک لے۔

تشریح شیء مرہون مرتهن کے پاس تھی۔ ابھی راہن نے قرض ادا نہیں کیا ہے اور شیء مرہون واپس لینا چاہتا ہے تو مرتهن کو حق ہے کہ اپنے دین

الراهن بدينه ويحبسه به [۱۰۲۱] (۲۳) وان كان الرهن في يده فليس عليه ان يمكنه من بيعه حتى يقبض الدين من ثمنه فاذا قضاه الدين قيل له سلم الرهن اليه [۱۰۲۲] (۲۴) واذا باع الراهن الرهن بغير اذن المرتهن فالبيع موقوف فان اجازة المرتهن جاز وان قضاه

کا مطالبہ کرے اور جب تک دین ادا نہ کرے شیء مرہون کو روک رکھے۔

مذہب شیء مرہون وثیقہ کے لئے ہے۔ اس لئے دین کی ادائیگی تک وثیقہ اپنے پاس رکھے گا (۲) شیء مرہون کے ساتھ مرتهن کا حق متعلق ہو گیا ہے کہ اگر دین ادا نہ کرے تو شیء مرہون کو بیچ کر دین وصول کرے گا۔ اس لئے دین کی ادائیگی تک شیء مرہون اپنے پاس روک رکھے گا۔ [۱۰۲۱] (۲۳) اگر شیء مرہون مرتهن کے ہاتھ میں ہو تو مرتهن پر ضروری نہیں ہے کہ راہن کو اس کے بیچنے کی قدرت دے۔ یہاں تک کہ اس کے ثمن سے دین پر قبضہ کرے۔ پس جبکہ مرتهن کو دین ادا کر دے تو مرتهن کو کہا جائے گا کہ شیء مرہون راہن کو سپرد کریں۔

تشریح شیء مرہون مرتهن کے قبضے میں ہے۔ اب راہن چاہتا ہے کہ اس کو بیچ کر دین ادا کریں تو مرتهن پر ضروری نہیں ہے کہ راہن کو شیء مرہون بیچنے کے لئے حوالے کرے۔ ہاں! شیء مرہون کی قیمت میں سے مرتهن کا پورا دین ادا کر دے تب مرتهن سے کہا جائے گا کہ شیء مرہون راہن کو سپرد کریں۔

مذہب شیء مرہون کے ساتھ مرتهن کا حق متعلق ہے اور اس کو اس وقت تک شیء مرہون روک رکھنے کا حق ہے جب تک اس کے ہاتھ میں پورا دین نہ آجائے۔ کیونکہ اگر اس نے شیء مرہون راہن کو دیدی اور راہن نے شیء مرہون نہیں بیچی اور نہ قرض ادا کیا تو مرتهن کیا کرے گا؟ اس کا حق ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے جب تک اس کے ہاتھ میں پورا دین نہ آجائے اس کو شیء مرہون راہن کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔ ہاں! دین ادا کر دے چاہے راہن اپنی جیب سے ادا کرے یا شیء مرہون کی بیع کر کے اس کی قیمت میں سے ادا کرے تب مرتهن کو کہا جائے گا کہ شیء مرہون راہن کو حوالے کریں۔

اصول پورے دین کی وصولیابی تک مرتهن شیء مرہون کو اپنے پاس روک سکتا ہے۔

لغت يمكنه : قدرت دے۔

[۱۰۲۲] (۲۴) اگر راہن نے رہن کو مرتهن کی اجازت کے بغیر بیچ دیا تو بیع موقوف رہے گی۔ پس اگر مرتهن نے بیع کی اجازت دی تو جائز ہو جائے گی۔ اور اگر راہن نے مرتهن کا دین ادا کر دیا تب بھی بیع جائز ہو جائے گی۔

تشریح اگر راہن نے مرتهن کی اجازت کے بغیر شیء مرہون بیچ دی تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر مرتهن نے بیع کی اجازت دی تو بیع جائز ہو جائے گی۔ اور اگر نہیں دی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

مذہب شیء مرہون کے ساتھ مرتهن کا حق متعلق ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر بیع موقوف رہے گی۔ ہاں! راہن مرتهن کا دین ادا کر دے تو چونکہ اب شیء مرہون کے ساتھ مرتهن کا حق متعلق نہیں رہا اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔

الراهن دینه جاز ایضا [۱۰۲۳] (۲۵) وان اعتق الراهن عبدالرهن بغير اذن المرتهن نفذ عتقه [۱۰۲۴] (۲۶) فان كان الدين حالا طوب بآداء الدين وان كان مؤجلا اخذ منه قيمة العبد فجعلت رهنا مكانه حتى يحل الدين [۱۰۲۵] (۲۷) وان كان معسرا استسعى

اصول پورے دین کی ادائیگی تک مرتہن کو شے، مرہون کو روکنے کا حق ہے۔

[۱۰۲۳] (۲۵) اگر راہن نے مرہون غلام بغیر مرتہن کی اجازت کے آزاد کر دیا تو اس کی آزادی نافذ ہو جائے گی۔

مذہب شریعت ہمیشہ چاہتی ہے کہ غلام آزاد ہو جائے اس لئے راہن کے آزاد کرتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور مرتہن کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی۔ بیع کا معاملہ اور ہے۔ اس کے نافذ کرنے کے لئے شریعت کا تقاضا اتنا نہیں ہے جتنا آزادی نافذ کرنے کے لئے ہے (۲) غلام شرکت میں ہو تو ایک شریک کے آزاد کرنے سے دوسرے شریک کا حصہ بھی آزاد ہو جاتا ہے اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو۔ حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من اعتق شركا له في مملوك فعليه عتقه كله ان كان له مال يبلغ ثمنه (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبد ابن اثنين، ص ۴۰۷، نمبر ۲۵۲۳) جب دوسرے کا حصہ آزاد ہو سکتا ہے تو اپنا غلام بدرجہ اولیٰ آزاد ہوگا۔

اصول آزادی انسان کا فطری حق ہے اس لئے اس کا شائبہ بھی آئے گا تو آزادی نافذ کر دی جائے گی۔

[۱۰۲۴] (۲۶) پس اگر دین فوری ہو تو دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر تاخیر والا ہو تو راہن سے غلام کی قیمت لی جائے گی اور دین کی مدت آنے تک قیمت کو غلام کی جگہ پر رہن رکھا جائے گا۔

تشریح غلام آزاد ہو گیا اب اگر دین کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت متعین نہیں تھی بلکہ فوری طور پر اس کو ادا کر دینا چاہئے تھا تو مطالبہ کیا جائے گا کہ فوری طور پر دین ادا کر دیں۔

مذہب جب رہن مرتہن کے ہاتھ میں نہیں رہا تو اس کا اعتماد ختم ہو گیا اس لئے فوری طور پر دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اگر دین ادا کرنے کے لئے مدت متعین تھی تو راہن سے غلام کی قیمت لی جائے گی اور اس قیمت کو غلام کی جگہ مدت ادائیگی آنے تک رہن رکھی جائے گی۔ تاکہ وثیقہ بحال رہے۔

اصول کسی حال میں مرتہن کا نقصان نہ ہو۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ راہن غریب ہو تو اس کی آزادی نافذ نہیں کی جائے گی۔

مذہب کیونکہ غربت کی وجہ سے وہ غلام کی قیمت نہیں دے پائے گا۔ جس کی وجہ سے مرتہن کا نقصان ہوگا۔ اس لئے راہن کا آزاد کرنا نافذ نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح راہن غلام کو مرتہن کی اجازت کے بغیر بیچے تو نافذ نہیں کی جاتی ہے۔

نکتہ حالا : فوری ادائیگی۔ مؤجلا : تاخیر کے ساتھ ادائیگی۔ تحلل الدين : دین ادا کرنے کا وقت آجائے۔

[۱۰۲۵] (۲۷) اور اگر راہن تنگ دست ہو تو غلام سعی کرے گا اپنی قیمت میں اور ادا کرے گا اس سے مرتہن کے دین کو پھر وصول کرے گا غلام

مولیٰ سے۔

العبد فی قیمته فقضى به الدين ثم يرجع العبد علی المولی [۱۰۲۶] (۲۸) وكذلك ان استهلك الراهن الرهن [۱۰۲۷] (۲۹) وان استهلكه اجنبی فالمرتہن هو الخصم فی تضمينه [۱۰۲۸] (۳۰) فیأخذ القيمة فيكون القيمة رهنًا فی یدہ۔

تشریح راہن کے آزاد کرنے کی وجہ سے غلام آزاد ہو گیا۔ لیکن راہن تنگدست ہے، غلام کی قیمت لا کر رہن پر نہیں رکھ سکتا اور نہ دین ادا کر سکتا ہے تو چونکہ غلام رہن پر تھا اس لئے اس کو کہا جائے گا کہ اپنی قیمت کے مطابق کما کر مرتہن کا دین ادا کرے۔ اور بعد میں راہن کے پاس مال ہوگا تو اس سے اپنی کمائی ہوئی قیمت وصول کرے گا۔

وجہ رہن رکھنے کی وجہ سے مرتہن کا حق غلام کی گردن سے متعلق ہو گیا ہے۔ اور غلام آزاد ہو گیا اور راہن سے بھی غربت کی وجہ سے دین ملنے کی امید نہیں ہے اس لئے غلام سے ہی سعی کروا کر دین وصول کیا جائے گا۔

نوٹ چونکہ غلام نے مولیٰ کا پیسہ ادا کیا ہے اس لئے بعد میں اپنی دی ہوئی رقم مولیٰ سے وصول کرے گا۔

لغت استسعی : غلام اپنی قیمت کما کر دے، اس کو سعی کرنا اور استسعی کہتے ہیں۔

[۱۰۲۶] (۲۸) ایسے ہی اگر راہن نے رہن ہلاک کر دیا۔

تشریح اگر راہن نے مرتہن کے پاس سے رہن ہلاک کر دیا تو راہن کو اس کی قیمت مرتہن کے پاس رہن رکھنا ہوگا تا کہ وثیقہ بحال رہے۔ اور اگر فوری والا دین تھا تو مرتہن فوراً دین وصول کرنے کا مطالبہ کرے گا۔

وجہ راہن نے مرتہن کا وثیقہ ضائع کیا تو دو میں سے ایک کام کرنا ہوگا۔ یا فوراً دین ادا کرے یا تاخیری دین ہو تو رہن کی قیمت رہن پر رکھے۔

[۱۰۲۷] (۲۹) اور اگر رہن کو اجنبی نے ہلاک کر دیا تو مرتہن ہی اس کے ضمان لینے میں مدعی ہوگا۔

تشریح مرتہن کے قبضہ میں شیء مرہون تھی۔ اسی حال میں کسی اجنبی نے اس کو ہلاک کر دیا تو مرتہن ہی اس کا ضمان لینے کا مدعی بنے گا۔ اور وہی ضمان لینے کی ساری کارروائی کرے گا۔

وجہ شیء مرہون اسی کی ضمانت میں اور قبضہ میں تھی۔ اس لئے وہی ضمان لینے اور کارروائی کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

اصول جو کسی چیز کا ذمہ دار ہوتا ہے وہی ساری کارروائی کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔

[۱۰۲۸] (۳۰) پس مرتہن قیمت وصول کرے گا اور یہ قیمت اس کے ہاتھ میں رہن رہے گی۔

وجہ پہلے اصل شیء رہن پر تھی اب اس کا نائب اور قیمت رہن پر رہیں گے۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ نائب کا حکم بھی اصل کا ہوتا ہے۔ جب اصول رہن پر تھا تو قیمت اس کا نائب ہے تو وہ بھی رہن پر رہے گی جب تک دین ادا نہ ہو جائے۔

اصول نائب کا حکم اصل کا حکم ہوتا ہے۔

نوٹ یہ سب اصول اور احکام ان احادیث سے مستنبط ہیں جن میں یہ ہے کہ ایسی شرطیں لگانا جائز ہیں جن سے کسی فریق کو نقصان سے بچایا

[۱۰۲۹] (۳۱) وجناية الراهن على الرهن مضمونة [۱۰۳۰] (۳۲) وجناية المرتهن

جائے۔ حدیث میں ان کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس قال كان العباس ابن عبد المطلب اذا دفع مالا مضاربة اشترط على صاحبه ان لا يسلك به بحرا ولا ينزل به واديا ولا يشتري به ذا كبد رطبة فان فعله فهو ضامن فرفع شرطه الى رسول الله ﷺ فاجازه (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۲ نمبر ۳۰۶۲) اس حدیث میں حضرت عباسؓ نے مضارب سے یہ شرط لگائی کہ اس مال کو لیکر سمندر میں سفر نہیں کریں گے نہ وادی میں مقیم ہوں گے اور نہ جاندار چیز کو خریدیں گے۔ اور حضورؐ نے ان کو جائز قرار دیا۔ یہ شرطیں لگانا یا ان کی رعایت کرنا جائز ہیں جن سے کسی فریق کو نقصان سے بچایا جائے۔

مسائل رہن انہیں اصول پر متفرع ہیں۔ اس کے علاوہ ان دو حدیثوں سے بھی مسائل متفرع ہیں۔ عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار من ضرار ضره الله ومن شاق شق الله عليه (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۲ نمبر ۳۰۶۱) کہ کسی کو نقصان نہیں دینا چاہئے۔ اور دوسری حدیث ہے۔ عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله ﷺ فی حجة الوداع بمنی فسمعتہ یقول لا یحل لامرء من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه (ج) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۲ نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث میں ہے کہ بغیر خوشی کے کسی کا مال کھانا حلال نہیں ہے۔ اسی لئے مسائل رہن میں اس کی رعایت رکھی کہ بغیر راہن اور مرتهن کی رضامندی کے شیء مرہون میں تصرف کرنا یا اس کی شرطوں میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

[۱۰۲۹] (۳۱) راہن کی جنایت شیء مرہون پر سبب ضمان ہے۔

تشریح مثلاً سو پونڈ کی شیء مرہون تھی۔ راہن نے اس کو خراب کر دیا اب وہ اسی پونڈ کی رہ گئی تو راہن نے بیس پونڈ کا نقصان کیا یہ بیس پونڈ مرتهن کو دے تاکہ وہ دین ادا ہونے تک اس کو رہن پر رکھے۔

وجہ اگرچہ شیء مرہون راہن کی ہی ہے لیکن ابھی اس کے ساتھ مرتهن کا حق متعلق ہے اس لئے رہن میں سے راہن نے جتنا نقصان کیا ہے وہ رہن کے لئے دینا ہوگا۔

نکتہ مضمونہ : سبب ضمان ہے۔

[۱۰۳۰] (۳۲) اور مرتهن کی جنایت رہن پر ساقط کرتی ہے دین سے اس کی مقدار۔

تشریح مثلاً سو پونڈ مرتهن کا دین تھا اور سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھی ہوئی تھی۔ مرتهن نے اس میں سے بیس پونڈ کا نقصان کیا اور اب شیء مرہون اسی پونڈ کی رہ گئی تو یہ بیس پونڈ دین سے ساقط ہو جائیں گے اور راہن پر مرتهن کا دین اب اسی پونڈ ہی رہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عباسؓ جب کسی کو مضاربہ کا مال دیتے تو مضارب پر شرط لگاتے کہ اس کو لیکر سمندر میں سفر نہیں کرے گا۔ نہ اس کو لیکر کسی وادی میں ٹھہرے گا۔ اور نہ اس مال سے کوئی جانور خریدے گا۔ اور اگر ایسا کیا تو مضارب اس کا ضامن ہوگا۔ ان شرطوں کو حضور کے پاس لے گئے۔ پس آپؐ نے ان کی اجازت دیدی (ب) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان دو اور نہ نقصان اٹھاؤ۔ جو نقصان دیتا ہے اللہ اس کو نقصان دیتا ہے۔ اور جو مشقت میں ڈالتا ہے اللہ اس کو مشقت میں ڈالتا ہے (ج) آپؐ فرمایا کرتے تھے کسی انسان کے لئے اپنے بھائی کے مال میں سے کچھ بھی حلال نہیں ہے مگر اس کی راضی خوشی سے۔

عليه تسقط من الدين بقدرها [۱۰۳۱] (۳۳) وجناية الرهن على الراهن وعلى المرتهن
وعلى مالهما هدر [۱۰۳۲] (۳۴) واجرة البيت الذي يحفظ فيه الرهن على
المرتتهن [۱۰۳۳] (۳۵) واجرة الراعي على الراهن.

وجہ مرتہن نے شیء مرہون پر جنایت کی تو جنایت کے نقصان کی مقدار دین سے ساقط ہو جائے گی، حدیث میں ہے۔ قال سمعت عطاء
یحدث ان رجلا رهن فرسا فنفق فی یدہ فقال رسول اللہ ﷺ للمرتتهن ذهب حقہ (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال
الرهن مضمون، ج سادس، ص ۶۴، نمبر ۱۱۲۲۵) اس حدیث مرسل میں ہے کہ مرتہن سے گھوڑا ہلاک ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کا حق چلا
گیا۔ اس لئے اگر شیء مرہون میں کوئی نقصان کرے گا تو نقصان کی مقدار مرتہن کا حق ختم ہو جائے گا۔

[۱۰۳۱] (۳۳) اور رہن کی جنایت راہن پر یا مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر ساقط الاعتبار ہے۔

تشریح شیء مرہون مثلاً غلام ہے۔ اس نے راہن کا نقصان کر دیا تو یہ نقصان ہدر ہے۔ غلام سے کچھ نہیں لے سکے گا۔

وجہ غلام تو راہن ہی کا ہے اب اس کو بیچ کر نقصان وصول کرے گا تو اپنا ہی مال بیچے گا۔ اس لئے غلام کے اس نقصان کا کوئی اعتبار نہیں
ہے۔ اور اگر مرتہن کا نقصان کیا تو مرتہن کی ذمہ داری تھی کہ غلام کی حفاظت کرتا۔ اس نے حفاظت نہیں کی تو اس کی غلطی ہے۔ اور اگر مرتہن غلام
بیچ کر نقصان وصول کرے تو غلام میں یا اس کی قیمت میں جتنی کمی آتی جائے گی اتنا ہی اس کے دین سے کٹا جائے گا۔ تو غلام بیچ کر نقصان
وصول کرنے کا مرتہن کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے غلام مرتہن کا نقصان کرے تو کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔

نوٹ اگر غلام مرتہن کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا۔

لغت ہدر : ساقط الاعتبار۔

[۱۰۳۲] (۳۴) اس گھر کی اجرت جس میں رہن کی حفاظت کی جا رہی ہو مرتہن پر ہے۔

وجہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شکل جس سے شیء مرہون کو مرتہن کے پاس روکی جا سکے اور اس کے قبضے میں رکھی جا سکے ان تمام شکلوں کی اجرت
مرتہن پر لازم ہوگی۔ کیونکہ شیء مرہون کو اپنے پاس رکھنے کی اور قبضے میں رکھنے کی مرتہن کی ضرورت ہے اس لئے مرتہن پر اس کی اجرت لازم
ہوگی۔ اس قاعدے کی بنیاد پر جس گھر میں شیء مرہون کو حفاظت سے رکھ رہا ہے اس کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ مرتہن کی ضرورت
ہے۔

اصول جہاں مرتہن کی ضرورت ہو اس کو پوری کرنے کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی۔

[۱۰۳۳] (۳۵) اور چرواہے کی اجرت راہن پر ہے۔

وجہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شکل جس سے شیء مرہون بیچے یا اس میں زیادتی ہو تو اس کی اجرت راہن پر ہوگی۔ کیونکہ یہ راہن کا مال ہے۔ اب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے گھوڑا راہن پر رکھا پس اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو حضورؐ نے مرتہن کے لئے کہا اس کا حق چلا گیا۔

[۱۰۳۴] (۳۶) ونفقة الرهن على الراهن [۱۰۳۵] (۳۷) ونماؤه للرهن فيكون
النماؤه رهنًا مع الاصل [۱۰۳۶] (۳۸) فان هلك النماء هلك بغير شيء.

جانور کو کھلانے پلانے چرانے سے جانور بڑھتا ہے اور باقی رہتا ہے تو گویا کہ راہن کا مال بڑھا اور باقی رہا اس لئے راہن پر اس کی اجرت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغلق الرهن لصاحبه غنمه وعلیه غرمه (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۹ نمبر ۲۸۹۸ سنن للبیہقی، باب الرهن غیر مضمون، ج سادس، ص ۶۶، نمبر ۱۱۲۱۹) اس حدیث میں ہے کہ راہن کی وجہ سے اس کا مالک ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس کو راہن کے فائدے بھی ملیں گے اور اس پر راہن کے اخراجات بھی لازم ہوں گے۔ اس لئے شیء مرہون کو چرانے کی اجرت راہن پر لازم ہوگی۔

اصول جن چیزوں سے شیء مرہون باقی رہتی ہو یا بڑھتی ہو ان کی اجرت راہن پر لازم ہوگی۔

نکتہ الراعی : چرانے والا۔

[۱۰۳۴] (۳۶) اور راہن کا نفقہ راہن پر ہوگا۔

تشریح شیء مرہون کو کھلانے پلانے چرانے کا خرچ راہن پر ہوگا۔

وجہ کیونکہ شیء مرہون اس کا مال ہے۔ اور اس کے مال کی بڑھوتری اور بقا کا خرچ راہن پر ہوتا ہے۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

[۱۰۳۵] (۳۷) اور راہن کی بڑھوتری راہن کی ہوگی۔ پس بڑھوتری بھی اصل کے ساتھ رہن ہوگی۔

وجہ بڑھوتری راہن کی اس لئے ہوگی کہ وہ راہن کے مال سے نکلی ہے۔ اور راہن کو بڑھانے کا خرچ راہن پر پڑا ہے اس لئے بڑھوتری بھی راہن کی ہوگی۔ مثلاً اس سے بچہ پیدا ہوا یا دودھ نکلا یہ سب راہن کے ہیں (۲) اوپر حدیث گزری عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغلق الرهن والرهن لمن رهنه له غنمه وعلیه غرمه (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۰ نمبر ۲۹۰۴ سنن للبیہقی، نمبر ۱۱۲۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیء مرہون کی بڑھوتری راہن کی ہوگی اور اس کے اخراجات بھی راہن پر ہونگے۔ اور بڑھوتری اصل کے ساتھ رہن اس لئے ہوگی کہ یہ تابع ہے۔ جب اصل رہن ہے تو بڑھوتری بھی تابع ہو کر رہن ہوگی۔

اصول تابع اصل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے اصل راہن کا ہے تو بڑھوتری راہن کی ہوگی۔ اور اصل رہن میں ہے تو بڑھوتری بھی رہن میں ہوگی۔

نکتہ نماء : بڑھوتری جیسے بچہ، اون، پھل اور دودھ وغیرہ۔

[۱۰۳۶] (۳۸) پس اگر بڑھوتری ہلاک ہوگئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی۔

تشریح مثلاً نوپونڈ قرض تھے۔ جس کے بدلے میں ایک بکری رہن پر رکھی جس کی قیمت دس پونڈ تھی بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت پانچ پونڈ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا راہن رکھنا منع نہیں کرتا راہن کے مالک کے لئے فائدے ہیں۔ اور ان پر اس کے اخراجات بھی ہیں (ب) راہن راہن کے حق کو بند نہیں کرتا۔ شیء مرہون اس کی ہے جس نے راہن رکھی۔ اس کے اس کے فائدے بھی ہیں اور اس پر راہن کے اخراجات بھی ہیں۔

[۱۰۳۷] (۳۹) وان هلك الاصل وبقى النماء افتكه الراهن بحصته ويقسم الدين على قيمة الرهن يوم القبض وعلى قيمة النماء يوم الفكاك فما اصاب الاصل سقط من الدين بقدره وما اصاب النماء افتكه الراهن به.

تھی۔ اب نوپونڈ قرض کے بدلے میں دونوں رہن پر رہے۔ اس کے بعد بچہ ہلاک ہو گیا تو قرض میں سے کچھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مرتہن کا نوپونڈ قرض برقرار رہے گا۔ اور اس کے بدلے میں بکری رہن پر رہے گی۔

مذہب اصل میں رہن تو بکری تھی۔ بچہ تو تابع کے طور پر رہن تھا اور گویا کہ امانت کے طور پر مرتہن کے یہاں تھا اس لئے اس کے ہلاک ہونے سے قرض نہیں کاٹا جائے گا۔

اصول بڑھوتری ہلاک ہو جائے تو قرض نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ وہ امانت کے طور پر ہے۔

[۱۰۳۷] (۳۹) اور اگر اصل ہلاک ہو گئی اور بڑھوتری باقی رہی تو راہن اس کو چھڑائے گا اس کا حصہ دیکر اور دین تقسیم کیا جائے گا رہن کی قیمت پر قبضے کے دن اور بڑھوتری کی قیمت پر چھڑانے کے دن۔ پس اصل کے مقابلے پر ساقط ہو جائے گی دین میں اس کی مقدار اور جو بڑھوتری کے مقابلے پر آئے چھڑائے گا راہن اس کو ادا کرے۔

تشریح اصل مسئلہ میں اصل اور بڑھوتری دونوں کو رہن مانا ہے۔ لیکن اصل ہلاک ہونے پر قرض کٹے گا اور بڑھوتری ہلاک ہونے پر قرض نہیں کٹے گا۔ اس قاعدہ پر اصل کا حصہ قرض میں سے کٹے گا اور بڑھوتری کا حصہ قرض میں نہیں کٹے گا۔ اس لئے اصل کا حصہ راہن کو دینے کی ضرورت نہیں اور قرض میں سے بڑھوتری کا حصہ ادا کر کے بڑھوتری واپس لائے گا۔

نوٹ اصل کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن مرتہن نے اصل پر قبضہ کیا تھا اور بڑھوتری کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن بڑھوتری کی قیمت ادا کر کے مرتہن کے ہاتھ سے چھڑا رہا ہے۔ کیونکہ بڑھوتری تو ہر دن بڑھ رہی ہے اس لئے آخری دن کی قیمت لگے گی۔ اس مثال سے مسئلہ سمجھیں۔ مرتہن کے راہن پر نوپونڈ قرض تھے۔ راہن نے دس پونڈ کی بکری رہن پر رکھ دی۔ بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ پونڈ تھی۔ اب گویا کہ نوپونڈ قرض کے بدلے پندرہ پونڈ رہن ہے۔ پھر بکری ہلاک ہو گئی جو دس پونڈ کی تھی۔ اب پندرہ پونڈ کے مقابلے میں دس پونڈ دو تہائی ہوئی۔ تو گویا کہ قرض کی دو تہائی ہلاک ہو گئی تو گویا کہ چھ پونڈ ہلاک ہوئے اور ایک تہائی مرتہن کے پاس باقی ہے۔ قرض کے کل نوپونڈ تھے اس کی دو تہائی ہلاک ہوئی تو گویا کہ چھ پونڈ ہلاک ہوئے اور قرض میں کاٹے گئے اور ایک تہائی یعنی تین پونڈ باقی رہے۔ یہ تین پونڈ راہن مرتہن کو ادا کرے گا اور بکری کا بچہ واپس لے گا۔ اور قرض کے چھ پونڈ بکری ہلاک ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گئے۔

نوٹ پچھلے قاعدہ کے اعتبار سے دس پونڈ کی بکری ہلاک ہوئی اور نوپونڈ قرض تھے تو نوپونڈ ساقط ہو جانا چاہئے تھا اور ایک پونڈ امانت کا گیا۔ اور بچہ بغیر کچھ دینے واپس لے آنا چاہئے۔

نکتہ افتکہ : پونڈ دے کر چھڑائے گا۔

[۱۰۳۸] (۴۰) ويجوز الزيادة في الرهن [۱۰۳۹] (۴۱) ولا يجوز الزيادة في الدين عند ابي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى ولا يصير الرهن رهنا بهما وقال ابو يوسف هو جائز [۱۰۴۰] (۴۲) واذا رهن عينا واحدة عند رجلين بدين لكل واحد منهما جاز

[۱۰۳۸] (۴۰) رهن میں زیادہ کرنا جائز ہے۔

تشریح مثلاً پہلے نو پونڈ قرض لئے تھے اور دس پونڈ کی ایک بکری رهن رکھ دی تھی۔ پھر راہن نے اسی نو پونڈ کے بدلے پانچ پونڈ کی ایک اور بکری رهن پر رکھ دی تو جائز ہے۔ اور اب یوں سمجھا جائے گا کہ نو پونڈ کے بدلے پندرہ پونڈ کی بکری رهن پر ہے۔ دس پونڈ کی اصل ہے اور پانچ پونڈ کی فرع ہے۔ اور جب ہلاک ہوگی تو دونوں کی قیمت پر دین کو کاٹا جائے گا۔ اب ایک پر دین کو نہیں کاٹا جائے گا۔

[۱۰۳۹] (۴۱) اور نہیں جائز ہے زیادہ کرنا دین میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور نہیں ہوگا رهن دونوں قرضوں کے بدلے میں۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا یہ جائز ہے۔

تشریح مثلاً نو پونڈ قرض لئے تھے اور اس کے بدلے دس پونڈ کی بکری رهن پر رکھی۔ اب اس مرہونہ بکری کے بدلے مزید تین پونڈ قرض لینا چاہتا ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ مگر تین تین پونڈ مزید قرض دیدے وہ ٹھیک ہے لیکن یہ بکری کے بدلے نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تین پونڈ بغیر رهن کے ہوں گے۔

مجہ بکری تو پہلے کے نو پونڈ کے بدلے رهن میں ہے۔ اور آیت کی رو سے مکمل مقبوض ہے۔ اب اس میں دوسرا دین شریک نہیں ہو سکتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بکری ہلاک ہوئی تو صرف پہلے دین نو پونڈ میں سے کٹے گا۔ دوسرے دین تین پونڈ میں سے کچھ نہیں کٹے گا۔ کیونکہ وہ بغیر رهن کے تھا (۲) آیت میں رھان مقبوضہ ہے۔ اس لئے بکری پہلے دین میں مکمل مقبوض ہے۔ اس لئے دوسرا دین اس میں شامل نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دین میں زیادتی کرنا جائز ہے۔ یعنی تین پونڈ دوسرا دین بھی مرہونہ بکری کی تحت آجائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر بکری ہلاک ہوئی تو دونوں دین سے اس کی قیمت کٹے گی۔ پہلے دین سے بھی اور دوسرے دین سے بھی۔

مجہ وہ فرماتے ہیں کہ دین ثمن کی طرح ہے اور رهن بیع کی طرح ہے تو جس طرح ثمن میں بعد میں زیادہ کر سکتے ہیں اور وہ بیع کے تحت شامل ہو جاتا ہے اسی طرح دین میں بعد میں زیادہ کر سکتے ہیں اور وہ رهن کے تحت شامل ہو جائے گا۔

[۱۰۴۰] (۴۲) اگر ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے میں رهن رکھے تو جائز ہے۔ اور پورا رهن رهن ہوگا دونوں دینوں میں سے ہر ایک کے بدلے میں۔

تشریح مثلاً دو آدمیوں سے پانچ پانچ پونڈ لئے اور دونوں کے دین کے بدلے ایک بکری دونوں کے پاس رهن رکھ دی تو جائز ہے۔ لیکن پوری بکری دونوں کے دین کے بدلے رهن ہوگی۔

مجہ پہلے ایک کے دین کے بدلے بکری رهن پر رکھتا پھر دوسرے کے دین کے بدلے یہی بکری رهن پر رکھتا تو جائز نہیں ہوتا۔ کیونکہ پوری

وجميعها رهن عن كل واحد منهما [۱۰۴۱] (۴۳) والمضمون على كل واحد منهما
حصة دينه منها [۱۰۴۲] (۴۴) فان قضى احدهما دينه كان كلها رهنا في يد الآخر حتى
يستوفى دينه [۱۰۴۳] (۴۵) ومن باع عبدا على ان يرهنه المشتري بالثمن شيئا بعينه
فامتنع المشتري من تسليم الرهن لم يجبر عليه وكان البائع بالخيار ان شاء رضى بترك

بکری پہلے کے دین کے بدلے مرہون ہو چکی ہے۔ لیکن یہاں دونوں کے دین کے بدلے بیک وقت ایک بکری رہن پر رکھ رہا ہے۔ اس لئے
صفقہ ایک ہے اس لئے بیک وقت دونوں کے دین کے بدلے میں ایک بکری رہن پر ہو جائے گی۔ اور جب تک دونوں کا مکمل دین ادا نہ ہو
جائے پوری بکری مرہون ہی رہے گی۔ پہلے گزرا کہ آدھا دین ادا کیا تو آدھی بکری نہیں چھوٹے گی بلکہ ایک ایک پیسہ ادا ہونے تک پوری بکری
مرہون رہے گی۔

[۱۰۴۱] (۴۳) اور ضمان ان میں سے ہر ایک پر ان کے دین کے حصے کے مطابق ہے۔

تشریح مثلاً پانچ پانچ پونڈ دو آدمیوں سے قرض لئے اور ایک بکری دونوں کے لئے رہن پر رکھی۔ بکری کی قیمت آٹھ پونڈ تھی۔ وہ ہلاک ہو گئی تو
دونوں آدمیوں کے حصے سے چار چار پونڈ کاٹے جائیں گے۔ اور ایک ایک پونڈ راہن مزید دیگا۔ کیونکہ دونوں قرضوں کے بدلے ایک بکری
رہن پر رکھی گئی تھی۔

[۱۰۴۲] (۴۴) پس اگر دونوں میں سے ایک کے دین کو ادا کیا تو کل کا کل رہن رہے گا دوسرے کے ہاتھ میں۔ یہاں تک کہ اس کے دین کو ادا
کرے۔

تشریح ایک بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن تھی پھر ایک کے دین کو ادا کر دیا تو آدھی بکری چھوٹے گی نہیں بلکہ پوری بکری دوسرے کے
دین کے بدلے رہن رہے گی۔

مذہب پہلے گزر چکا ہے کہ شیء مرہون جتنے کے بدلے رہن رہتی ہے تو جب تک پورا دین ادا نہ کر دیا جائے شیء مرہون رہن رہتی ہے چھوٹی
نہیں ہے۔ یہاں بکری دونوں دین کے بدلے مرہون تھی اس لئے جب تک دونوں دینوں کا ایک ایک پیسہ ادا نہ کر دیا جائے بکری کا کوئی حصہ
نہیں چھوٹے گا۔

لغت يستوفى : پورا پورا وصول کرنا۔

[۱۰۴۳] (۴۵) کسی نے غلام کو اس شرط پر بیچا کہ مشتری اس کو ثمن کے بدلے کوئی متعین چیز رہن رکھے گا۔ پس مشتری رہن کے سپرد کرنے
سے رک گیا تو سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور بائع کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو رہن کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے اور چاہے تو بیع فسخ
کر دے مگر یہ کہ مشتری فوراً ثمن ادا کر دے یا رہن کی قیمت ادا کرے تاکہ رہن ہو جائے۔

تشریح کسی نے اس شرط پر غلام بیچا کہ ثمن کے بدلے مشتری کوئی متعین چیز مثلاً بکری رہن رکھے گا اور ثمن بعد میں دے گا۔ لیکن مشتری نے وہ

الرهن وان شاء فسخ البيع الا ان يدفع المشتري الثمن حالا او يدفع قيمة الرهن فيكون رهنا [۱۰۴۴] (۴۶) وللمرتهن ان يحفظ الرهن بنفسه وزوجته وولده وخادمه الذي في عياله.

چیز رہن پر نہیں رکھی تو اس کو رہن رکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ بائع چونکہ بغیر رہن کے بیع دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کو اعتماد نہیں ہے اس لئے اس کو دوا اختیار ہیں۔ یا بیع فسخ کر دے یا بغیر رہن رکھے ہوئے بیع قائم رکھے۔ اور اگر مشتری بیع فسخ نہیں کروانا چاہتا تو اس پر لازم ہے کہ فوری طور پر بیع کی قیمت ادا کرے۔ یا رہن کی قیمت دے تاکہ رہن کی قیمت ہی رہن پر رکھ دی جائے اور بیع دینے کا حکم دیا جائے۔

مذہب اس مسئلہ میں کئی باتیں ملحوظ ہیں۔ ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط خلاف قیاس ہے۔ کیونکہ بیع کے ساتھ مزید شرط ہے جس میں بائع کا فائدہ ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ حضورؐ نے بیع میں کسی دوسرے معاملہ کو گھسانے سے منع فرمایا ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من باع بیعتین فی بیعة فله او کسهما او الربا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فین باع بیعتین فی بیعة ص ۱۳۴ نمبر ۳۴۶۱) اس حدیث میں بیع میں دوسری بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط سے بیع فاسد ہونی چاہئے۔ لیکن استحساناً جائز قرار دیا۔ کیونکہ یہ شرط بیع کے موافق ہے۔ اور بائع کو اعتماد اور وثیقہ کے لئے رہن کی شرط لگائی گئی ہے۔ اس لئے اس شرط سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔ البتہ رہن رکھنا تبرع ہے اس لئے مشتری رہن نہ رکھے تو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ شرط مرغوب فیہ نہ ہونے کی وجہ سے بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ ہاں! اگر مشتری ادھار چھوڑ کر پوری قیمت ادا کر دے یا رہن کی قیمت ادا کر دے اور اس کو رہن کے بدلے رہن پر رکھ دے تو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

[۱۰۴۴] (۴۶) مرتہن کے لئے جائز ہے کہ رہن کی خود حفاظت کرے، اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد اور اس کے وہ خادم جو اس کی عیال داری میں ہیں وہ حفاظت کریں۔

تشریح جس طرح مرتہن اپنے مال کی حفاظت خود کرتا ہے اور اپنی بیوی، اپنی اولاد اور اپنے خاص خادم سے کرواتا ہے۔ اسی طرح مال رہن کی حفاظت خود کر سکتا ہے۔ اپنی بیوی سے اپنی اولاد سے اور اپنے خاص خادم سے کرواتا ہے۔ اس سے تعدی شمار نہیں کی جائے گی اور اگر اس طرح حفاظت کرتے ہوئے مال رہن ہلاک ہو جائے تو یوں نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حفاظت کرنے میں کوتاہی کی (۲) آدمی مختلف ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر جائیگا اس لئے بیوی بچوں سے حفاظت کروانے کی ضرورت پڑے گی اس لئے اپنے مال کی طرح ان لوگوں سے حفاظت کروا سکتا ہے۔

نوٹ بعض خادم وہ ہوتا ہے جو نوکر کی طرح کام کیا اور چلا گیا۔ وہ خادم خاص نہیں ہے۔ بلکہ مرتہن جس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہو وہ خادم خاص ہے اس سے حفاظت کروا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بیع میں دو بیع کی اس کے لئے اس کا کم درجہ ہے یا سو ہے۔

[۱۰۴۵] (۴۷) وان حفظه بغير من هو في عياله او اودعه ضمن. [۱۰۴۶] (۴۸) واذا تعدى المرتهن في الرهن ضمنه ضمان الغصب بجميع قيمته [۱۰۴۷] (۴۹) واذا اعار المرتهن الرهن للراهن فقبضه خرج من ضمان المرتهن [۱۰۴۸] (۵۰) فان هلك في يد

[۱۰۴۵] (۴۷) اگر رہن کی حفاظت کی اس کے علاوہ سے جو اس کے عیال میں ہو یا اس کے پاس ودیعت رکھی تو ضامن ہوگا۔

تشریح مرتہن نے اپنے عیال کے علاوہ سے شے ءمر ہون کی حفاظت کروائی اور وہ ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا۔

وجہ کیونکہ ان کو عیال سے حفاظت کروانا چاہئے اور عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی کرنا ہے۔ اس لئے مرتہن شے ءمر ہون کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح عیال کے علاوہ کے پاس شے ءمر ہون امانت رکھ دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو مرتہن ضامن ہو جائے گا۔

اصول عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی ہے۔

[۱۰۴۶] (۴۸) اگر مرتہن رہن میں تعدی کر دے تو وہ اس کا ضامن ہوگا غصب کا ضمان اس کی پوری قیمت کا۔

تشریح مرتہن نے شے ءمر ہون پر تعدی اور زیادتی کی جس کی وجہ سے شے ءمر ہون ہلاک ہوگئی تو اس کی جتنی قیمت تھی سب کا ضامن ہوگا۔ جس طرح غصب کرنے کے بعد ہلاک کر دے تو پوری قیمت کا ضامن ہوتا ہے اسی طرح شے ءمر ہون کو جان بوجھ کر تعدی کر کے ہلاک کر دے تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا۔ مثلاً نو پونڈ قرض لیا تھا اور دس پونڈ کی بکری رہن پر رکھی۔ پس اگر تعدی کئے بغیر ہلاک ہوئی تو قرض کے نو پونڈ کٹتے۔ اور ایک پونڈ امانت کا تھا وہ راہن کو واپس دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ امانت بغیر تعدی کے ہلاک ہو تو اس کو واپس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہاں مرتہن نے تعدی کر کے بکری ہلاک کی ہے اس لئے اس کی پوری قیمت دس پونڈ کا ضامن ہوگا۔

[۱۰۴۷] (۴۹) اگر مرتہن نے شے ءمر ہون راہن کو عاریت پر دی اور راہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو شے ءمر ہون مرتہن کے ضمان سے نکل گئی

تشریح مرتہن نے شے ءمر ہون راہن کو عاریت کے طور پر دیدی اور راہن نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو جس کی چیز تھی اس کے پاس واپس آگئی۔ اور مرتہن کے قبضہ سے نکل گئی۔ اس لئے وہ چیز مرتہن کے ضمان میں نہیں رہی۔ اب اگر ہلاک ہوگئی تو راہن کی چیز ہلاک ہوگی۔

وجہ کیونکہ اس کے قبضہ میں شے ءمر ہون آگئی ہے۔

[۱۰۴۸] (۵۰) پس اگر راہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی۔

تشریح شے ءمر ہون راہن کی چیز تھی قبضہ کرنے کی وجہ سے راہن کے پاس آگئی اور اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کو کچھ بھی نہیں دینا پڑے گا۔

وجہ کیونکہ اسی کی چیز تھی اسی کے پاس ہلاک ہوئی ہے۔ اس کی قیمت کس کو دے گا؟ البتہ اب جلدی سے مرتہن کو دین ادا کرے یا شے ءمر ہون کی قیمت مرتہن کو دے تاکہ وہ اس کی قیمت رہن پر رکھے۔ تاہم قیمت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ رہن تبرع ہوتا ہے اور تبرع پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

اصول جس کی چیز ہو اسی کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا۔ نہ تاوان نہ ضمان۔

الراهن هلك بغير شيء [۱۰۴۹] (۵۱) وللمرتهن ان يسترجعه الى يده فاذا اخذه عاد الضمان عليه [۱۰۵۰] (۵۲) واذا مات الراهن باع وصيه الرهن وقضى الدين [۱۰۵۱] (۵۳) فان لم يكن له وصي نصب القاضي له وصي وامره ببيعه.

نوٹ اس صورت میں مرتہن کا کوئی دین ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے یہاں شیء مرہون ہلاک نہیں ہوئی ہے۔

[۱۰۴۹] (۵۱) مرتہن کے لئے جائز ہے کہ شیء مرہون کو اپنے ہاتھ کی طرف واپس لے۔ پس جب لے لیا تو اس پر ضمان لوٹ آیا۔

وجہ کیونکہ راہن کے عاریت پر لینے سے رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوا، وہ چیز ابھی بھی رہن پر ہے۔ اس لئے مرتہن کو راہن سے واپس مانگنے کا حق ہے۔ اگر راہن واپس دیدے تو وہ چیز پہلے کی طرح رہن پر ہو جائے گی۔ اور ہلاک ہونے پر مرتہن پہلے کی طرح ضامن ہوگا۔

اصول یہاں یہ اصول ہے کہ راہن کے عاریت پر لینے سے رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوتا وہ بحال رہتا ہے۔

[۱۰۵۰] (۵۲) اگر راہن مر جائے تو راہن کا وصی شیء مرہون بیچے گا اور دین ادا کرے گا۔

تشریح راہن مر گیا تو راہن کے وصی کو حق ہے کہ شیء مرہون کو بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کرے۔

وجہ وصی کو راہن کی زندگی میں شیء مرہون کو بیچ کر دین ادا کرنے کا حق تھا تو اس کے مرنے کے بعد بدرجہ اولیٰ شیء مرہون کو بیچ کر دین ادا کرنے کا حق ہوگا۔

[۱۰۵۱] (۵۳) پس اگر راہن کا وصی نہ ہو تو قاضی اس کے لئے وصی متعین کرے گا اور اس کو حکم دے گا کہ وصی مرہون کے بیچے گا۔

تشریح راہن کا انتقال ہو گیا اور دین ادا نہیں کر پایا تھا اور شیء مرہون کے بیچنے کا وصی بھی نہیں متعین کیا تھا کہ وہ بیچ کر مرتہن کا دین ادا کرے۔ ایسی صورت میں قاضی شیء مرہون کو بیچنے کے لئے اور مرتہن کا دین ادا کرنے کے لئے وصی متعین کرے۔ وہ بیچ کر مرتہن کا دین ادا کریں گے۔

وجہ قاضی اس لئے ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ یہاں مرتہن کا حق ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس لئے قاضی اس کے لئے وصی متعین کرے گا تاکہ مرتہن کا حق وصول ہو جائے۔

اصول حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو قاضی اس کی نگرانی کریں گے۔ یہ اصول لازماً ضرر ولا ضرار حدیث کے تحت ہے۔



﴿ کتاب الحجر ﴾

[۱۰۵۲] (۱) الاسباب الموجبة للحجر ثلاثة الصغر والرق والجنون.

﴿ کتاب الحجر ﴾

ضروری نوٹ حجر کے معنی روکنے کے ہیں۔ یہاں حجر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو بیع و شراء اور معاملات کرنے سے روک دے تاکہ دوسرے کو نقصان نہ ہو مثلاً بچے کو خرید و فروخت کرنے سے روک دے تاکہ اس کی بے وقوفی سے ولی کو نقصان نہ ہو۔ حجر کا ثبوت اس آیت میں ہے وابتسوا الیتیمی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم (الف) (آیت ۶ سورة النساء ۴) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ نابالغ یتیم کو آزما لو۔ اگر اس میں عقل اور سمجھ کو محسوس کرو تو اس کو مال دو اور محسوس نہ کرو تو اس کا مال حوالے مت کرو۔ اسی مال حوالے نہ کرنے کا نام حجر ہے۔ اس سے اوپر کی آیت میں یوں ہے ولا تؤتوا السفهاء اموالکم (ب) (آیت ۵ سورة النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ جو لوگ بے وقوف ہیں ان کو مال مت دو (۳) اور حدیث میں ہے۔ عن کعب بن مالک ان رسول اللہ ﷺ حجر علی معاذ ماله و باعه فی دین کان علیہ (دارقطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص ۱۳۸، نمبر ۲۵۰۵ سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس و بیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۰) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کو دین کی وجہ سے ان پر حجر کیا تھا۔

[۱۰۵۲] (۱) حجر واجب کرنے والے اسباب تین ہیں بچپنا، غلام ہونا اور جنون ہونا۔

تشریح یہ تین اسباب ایسے ہیں جن سے حجر ہوتا ہے اور آدمی کو خرید و فروخت کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بچپن میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس کو پتہ نہیں ہوتا ہے کہ اچھی چیز خرید رہا ہوں یا بری اس لئے اس کو خرید و فروخت کرنے سے روکا جائے گا۔ البتہ مستقبل میں امید کی جاتی ہے کہ بالغ ہونے کے بعد عقل آجائے اور معاملہ درست کر لے۔ اس لئے ولی کی اجازت سے خرید و فروخت درست ہو سکتا ہے۔ غلام میں عقل ہوتی ہے لیکن اس کے خرید و فروخت کرنے سے مولیٰ کو نقصان ہونے کا خطرہ ہے اس لئے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔ اور مجنون میں بھی عقل نہیں ہے اس لئے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔ روکنے کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔ وابتسوا الیتیمی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم (ج) (آیت ۶ سورة النساء ۴) آیت میں ہے کہ اگر معاملہ کرنے کی صلاحیت دیکھو تو یتیموں کو مال سپرد کرو ورنہ نہیں۔ اس لئے آیت سے ان لوگوں کو روکنے کا ثبوت ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال مر علی علی ابن ابی طالب بمعنی عثمان قال او ما تذکر ان رسول اللہ ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب علی عقله حتی یفیک وعن النائم حتی یتیقظ وعن الصبی حتی یحتلم قال صدقت (د) (ابو

حاشیہ : (الف) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب بالغ ہو جائے اور نکاح کے قابل ہو جائے۔ پس اگر اس میں صلاحیت دیکھو تو ان کو مال دیدو (ب) بے وقوفوں کو ان کا مال مت دو (ج) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب بالغ ہو جائے اور نکاح کے قابل ہو جائے۔ پس اگر اس میں صلاحیت دیکھو تو ان کو مال دیدو (د) کیا آپ کو یاد نہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قلم تین آدمیوں سے اٹھالیا گیا ہے (یعنی اس کی بات کا اعتبار نہیں) مجنون سے جس کی عقل مغلوب (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۰۵۳] (۲) ولا يجوز تصرف الصغير الا باذن وليه [۱۰۵۴] (۳) ولا يجوز تصرف العبد الا باذن سيده [۱۰۵۵] (۴) ولا يجوز تصرف المجنون المغلوب على عقله بحال.

داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حد اس ۲۵۶ نمبر ۴۴۰ بخاری شریف، باب لا یرحم المجنون والمجنونۃ ص ۱۰۶ نمبر ۶۸۱۵) اس حدیث میں ہے کہ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون کو افاقہ نہ ہو جائے اس سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی اس کے کام پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اور بیع و شراء میں الزام اور ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بیع و شراء کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ باقی رہا غلام تو اس میں عقل ہے لیکن مولیٰ کے نقصان کی وجہ سے اس کو خرید و فروخت نہیں کرنے دیا جائے گا۔ ہاں! مولیٰ اجازت دے تو خرید و فروخت کر سکتا ہے۔ غلام کے حجر کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عن عمر بن شعيب ان النبي ﷺ قال لا طلاق الا فيما تملك ولا عتق الا فيما تملك ولا بيع الا فيما تملك (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الطلاق قبل النکاح ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۹) اس حدیث میں ہے کہ اس کی بیع نہیں کر سکتا جس کا مالک نہیں اور غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہے جو مال ہے وہ مولیٰ کا ہے اس لئے اس کی خرید و فروخت مجور ہیں۔

نکتہ الصغر : بچپنا۔ الرق : غلامیت۔

[۱۰۵۳] (۲) اور نہیں جائز ہے بچے کا تصرف مگر اس کے ولی کی اجازت سے۔

وجہ بچے میں عقل کی کمی ہے۔ لیکن بالغ ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ سمجھداری آ جاتی ہے اور بعض مرتبہ اچھا معاملہ کر لیتا ہے اس لئے ولی مناسب سمجھے تو بیع نافذ کر دے۔ اس کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

[۱۰۵۴] (۳) اور نہیں جائز ہے غلام کا تصرف مگر اس کے مولیٰ کی اجازت سے۔

وجہ بالغ غلام میں عقل تو ہے لیکن زیادہ تجارت کرے گا تو ممکن ہے کہ اس کی گردن پر تجارت کا قرض آ جائے اور مولیٰ کو قرض بھرنا پڑے اس لئے اس کو نقصان ہوگا۔ اس لئے مولیٰ کی اجازت سے غلام تجارت کر سکتا ہے۔

[۱۰۵۵] (۴) اور ایسا مجنون جس کی عقل مغلوب ہو اس کا تصرف کسی حال میں جائز نہیں۔

تشریح مجنون دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ مجنون جس کو کبھی افاقہ ہوتا ہے۔ ایسے مجنون کا معاملہ افاقہ کے وقت درست ہے۔ ایک دوسرا وہ مجنون جس کی عقل مغلوب ہے اور کبھی افاقہ نہیں ہوتا ایسے مجنون کی کبھی عقل نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسے مجنون کا معاملہ اور خرید و فروخت کسی حال میں درست نہیں ہے۔

اصول معاملہ کرنے کا دار و مدار عقل ہے۔ اس لئے جن کو عقل نہیں ہے ان کو معاملہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یا اس کا معاملہ موقوف رہیگا۔

[۱۰۵۶] (۵) ان لوگوں میں سے کسی نے کوئی چیز بیچی یا اس کو خریدی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتے ہوں اور اس کا ارادہ کرتے ہوں تو ولی کو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) مغلوب ہو جب تک کہ افاقہ نہ ہو جائے۔ اور سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے۔ حضرت علی نے فرمایا آپ نے بیع کہا (الف) آپ نے فرمایا نہیں طلاق واقع ہوگی مگر جس چیز کا مالک ہو، یعنی نکاح ہو۔ اور نہیں آزادگی ہے مگر جس چیز کا مالک ہو اور نہیں بیع ہے مگر جس چیز کا مالک ہو (یعنی جس کا مالک ہو اسی کی بیع کر سکتا ہے۔

[۱۰۵۶] (۵) ومن باع من هؤلاء شيئا او اشتراه وهو يعقل البيع ويقصده فالولي بالخيار ان شاء اجازة اذا كان فيه مصلحة وان شاء فسخه [۱۰۵۷] (۶) فهذه المعاني الثلاثة توجب الحجر في الاقوال دون الافعال [۱۰۵۸] (۷) واما الصبي والمجنون لا تصح

اختياره اگر چاہے تو اس کی اجازت دیدے اگر اس میں مصلحت دیکھے اور چاہے تو اس کو فسخ کر دے۔

تشریح بچہ، غلام اور مجنون میں سے کسی نے خرید و فروخت کی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہے اور اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے، مذاق اور کھیل میں نہیں تو اگر اس کی اجازت دینے میں مصلحت ہے تو ولی اس کی اجازت دے اور خرید و فروخت کو نافذ کر دے۔ اور اگر مصلحت نہیں ہے تو اس خرید و فروخت کو فسخ کر دے۔ سمجھدار بچے کو وکیل بنانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ جن میں عمر بن ابی سلمہ جو چھوٹے تھے اس کو ماں نے حضور سے اپنی شادی کا وکیل بنایا۔ عن ام سلمة لما انقضت عدتها... فقالت لابنها يا عمر قم فزوج رسول الله فزوجہ (مختصر نسائی شریف، باب النکاح الابن امہ ص ۴۵۰ نمبر ۳۲۵۶)

نوٹ عبارت میں ویقصدہ فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مجنون اور بچہ کبھی مذاق کے طور پر بھی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ بیع کا ارادہ کرتا ہو تب ہی بیع ہوگی تاکہ ایجاب اور قبول حقیقت میں پائے جائیں۔ [۱۰۵۷] (۶) یہ تین وجہیں واجب کرتی ہیں حجر کو اقوال میں نہ کہ افعال میں۔

تشریح جنون، بچپن اور غلامیت کی وجہ سے حجر واجب ہوتا ہے۔ لیکن صرف قول میں حجر ہوگا کہ اس کے قول کا اعتبار کریں کہ نہ کریں۔ لیکن اگر اس نے کوئی کام کیا مثلاً کسی کو قتل کر دیا تو اس کا اثر تو ہوگا کہ اس کی دیت لازم ہوگی۔ یا چوری کی تو اس کا تاوان لازم ہوگا یا کسی کو مارا تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔ اس لئے کہ افعال کیا۔ اور خارج میں کسی کا نقصان ہوا تو نقصان ادا کرنا ہوگا۔ البتہ ایسے افعال جن سے حدود و قصاص لازم ہوتے ہیں وہ مجنون اور بچے پر لازم نہیں ہونگے۔ کیونکہ یہ شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہو کہ مجنون اور بچے ان کو شبہ کی وجہ سے کر گزرے ہوں۔ اور ان کے پختہ ارادے کا دخل نہ ہو۔ اس لئے ان کے افعال سے حدود و قصاص لازم نہیں ہونگے۔ باقی افعال سے نقصان ہوا ہو تو وہ ولی کو ادا کرنا ہوگا۔

اقوال بھی تین قسم کے ہیں۔ ایسے قول جس میں بچے اور مجنون کا فائدہ ہی فائدہ ہے جیسے ہبہ اور ہدیہ قبول کرنا۔ یہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں ان کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دوسرے وہ قول جن میں ان کو نقصان ہی نقصان ہے۔ جیسے طلاق دینا اور غلام آزاد کرنا، یہ بالکل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان میں ان کا نقصان ہے۔ تیسرے وہ اقوال جن بھی فائدے بھی ہو سکتے ہیں اور نقصان بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کو موقوف رکھا جائے گا، ولی مصلحت دیکھے گا تو نافذ کرے گا اور مناسب سمجھے گا تو رد کر دے گا، جیسے خرید و فروخت کرنا۔

[۱۰۵۸] (۷) بہر حال بچہ اور مجنون تو نہیں صحیح ہے ان کا عقد اور نہ ان کا اقرار کرنا، اور نہیں واقع ہوگی ان کی طلاق اور نہ آزاد کرنا۔

تشریح بچہ اور مجنون کو عقل نہیں ہے اس لئے ان کے اقوال کا اعتبار نہیں۔ اور عقد کرنا، اقرار کرنا، طلاق دینا اور آزاد کرنا سب اقوال ہیں اس

عقودہما ولا اقرارہما ولا يقع طلاقہما ولا اعتاقہما [۱۰۵۹] (۸) فان اتلفا شیئا لزمہما ضمانہ [۱۰۶۰] (۹) واما العبد فاقوالہ نافذۃ فی حق نفسه غیر نافذۃ فی حق مولاہ۔

لئے ان کا اعتبار نہیں۔ البتہ عقد کرنا مثلاً خرید و فروخت کرنے میں فائدہ اور نقصان دونوں ہو سکتے ہیں اس لئے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اقرار کرنے میں سراسر نقصان ہے اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ اور وہ طلاق دے یا آزاد کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔

مجا ان میں بھی نقصان ہے۔ طلاق میں بیوی جائے گی اور آزاد کرنے میں غلام جائے گا اس لئے ان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ المغلوب علی عقلہ (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی طلاق المعتوہ، ص ۲۲۳ نمبر ۱۱۹۱/بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکمرہ ص ۹۳ نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث میں ہے کہ معتوہ جن کی عقل مغلوب ہو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور بچہ بھی مغلوب العقل ہے اس لئے اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ عن علی لا یجوز علی الغلام طلاق حتی یحتلم (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب طلاق الصبی، ج ۱ ص ۸۵، نمبر ۱۲۳۱۶) (۲) اس کے علاوہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ بچے، مجنون اور سونے والے سے۔ اس لئے ان لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۱۰۵۹] (۸) پس اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز ضائع کی تو ضمان لازم ہوگا۔

تشریح مجنون اور بچے نے اپنی حرکتوں سے کسی کی کوئی چیز ضائع کر دی تو اس کا ضمان ان دونوں پر لازم ہوگا۔ اور ان کے ولی ان کا ضمان ادا کریں گے۔

مجا ان لوگوں کے قول و قرار کا اعتبار نہیں ہے لیکن افعال کا اعتبار تو ہے (۲) دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ضمان ادا کیا جائے گا۔ ورنہ دوسروں کے حقوق ضائع ہو گئے۔

اصول دوسروں کا نقصان کوئی بھی کرے ضمان ادا کرنا ہوگا۔

[۱۰۶۰] (۹) بہر حال غلام تو اس کے اقوال نافذ ہیں اس کی ذات کے حق میں اور نہیں نافذ ہیں اس کے مولیٰ کے حق میں۔

تشریح بالغ غلام عقلمند ہے لیکن مولیٰ کے نقصان اور اس کے حق کی وجہ سے اس کے اقوال نافذ نہیں نہ اس کا خرید و فروخت نافذ ہیں۔ لیکن اس کی ذات کے حق میں اس کا اقرار وغیرہ نافذ ہے۔ مثلاً وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو یہ اس کا ذاتی نقصان ہے اس لئے طلاق دے سکتا ہے

مجا حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ غلام کا قول اس کی ذات کے حق میں نافذ ہے۔ عن ابن عباس قال اتی النبی رجل فقال یا رسول اللہ ان سیدی زوجنی امتہ وهو یرید ان یفرق بینی و بینہا قال فصعد رسول اللہ ﷺ المنبر فقال یا ایہا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ہر طلاق جائز ہے مگر معتوہ مغلوب العقل کی طلاق (ب) حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ فرمایا نہیں جائز ہے لڑکے کی طلاق جب تک کہ احتلام نہ ہو جائے۔

[۱۰۶۱] (۱۰) فان اقر بمال لزمه بعد الحرية ولم يلزمه في الحال [۱۰۶۲] (۱۱) وان اقر بحد او قصاص لزمه في الحال.

الناس ما بال احدكم يزوج عبده امته ثم يريد ان يفرق بينهما انما الطلاق لمن اخذ بالساق (الف) (ابن ماجه شريف، باب طلاق العبد ص ۲۹۹ نمبر ۲۰۸۱، دار قسطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۲۵ نمبر ۳۹۲۸) اس حدیث میں مولیٰ نے غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہا لیکن آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ طلاق دینے کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی نکاح کیا۔ اور نکاح غلام کرتا ہے اس لئے اس کو طلاق دینے کا حق ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ انہ استفتیٰ ابن عباس فی مملوک کانت تحتہ مملوكة فطلقها تطليقتين ثم عتقا بعد ذلك هل يصلح له ان يخطبها؟ قال نعم قضی بذلك رسول الله ﷺ (ب) (سنن ابوداؤد، باب فی سنۃ طلاق العبد ص ۳۰۴ نمبر ۲۱۸۷) اس حدیث میں ہے کہ غلام نے اپنی باندی بیوی کو طلاق دی۔ جس سے معلوم ہوا کہ غلام اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔

[۱۰۶۱] (۱۰) پس اگر کسی مال کا اقرار کیا تو اس کو آزادی کے بعد لازم ہوگا اور وہ فی الحال لازم نہیں ہوگا۔

تشریح کسی غلام نے اقرار کیا کہ فلاں کا مجھ پر مثلاً سو پونڈ ہیں تو یہ سو پونڈ اس وقت اس پر لازم نہیں ہونگے نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ مولیٰ کے مال میں سے دینا ہوگا اور مولیٰ کا نقصان ہوگا۔ اس لئے اس وقت لازم نہیں ہوں گے۔ البتہ چونکہ عاقل بالغ ہے اس لئے آزاد ہونے کے بعد اس کا اعتبار ہوگا اور آزاد ہونے کے بعد سو پونڈ ادا کرنے لازم ہوں گے۔ تاکہ مولیٰ کا بھی نقصان نہ ہو اور اس کے عاقل بالغ ہونے کا بھی اعتبار ہے۔

نوٹ یہ اس وقت ہے کہ مولیٰ نے غلام کو تجارت کی اجازت نہ دی ہو۔ اگر اجازت دی ہو تو تجارت کے سلسلے میں غلام کا اقرار کرنا جائز ہے۔ [۱۰۶۲] (۱۱) اگر غلام اقرار کرے حد کا یا قصاص کا تو اس کو لازم ہوگا فی الحال۔

تشریح غلام ایسے جرم کا اقرار کرتا ہے جس کی وجہ سے اس پر حد لازم ہو یا قصاص لازم ہو۔ مثل شراب پینے کا اقرار کرتا ہے یا کسی کو قتل عمد کرنے کا اقرار کرتا ہے جس کی وجہ سے اس پر قصاص لازم ہو تو یہ سزائیں فی الحال دی جائیں گی۔ اس کی آزادی کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے مولیٰ کا نقصان ہو۔

وجہ ان جرموں میں غلام کی جان خطرے میں ہے اور اس کی جان کا نقصان ہے۔ اور اس کی ذات کے سلسلے میں وہ خود مختار ہوتا ہے اس لئے وہ ایسی چیزوں کا اقرار کر سکتا ہے۔ اور یہ حدود و قصاص فی الحال جاری ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میرے مولیٰ نے اپنی باندی سے میری شادی کرائی۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ میرے اور اس کے درمیان تفریق کرادے تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! تمہیں کیا ہوا کہ اپنے غلام کی باندی سے شادی کراتا ہے پھر دونوں کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے۔ طلاق کا حق صرف اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی شادی کی (ب) حضرت ابن عباس سے فتویٰ پوچھا ایک غلام کے بارے میں جس کے تحت میں باندی ہو۔ اس نے دو طلاق دی۔ اس کے بعد دونوں آزاد ہوئے۔ کیا اس کو حق ہے کہ بیوی کو پیغام نکاح دے؟ کہا ہاں! حضورؐ نے اسی کا فیصلہ کیا۔

[۱۰۶۳] (۱۲) وینفذ طلاقه [۱۰۶۴] (۱۳) ولا يقع طلاق مولاه علی امرأته

[۱۰۶۵] (۱۴) وقال ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ لا یحجر علی السفیہ اذا کان عاقلاً بالغاً

[۱۰۶۳] (۱۲) غلام کی طلاق نافذ ہوگی۔

مجا اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ غلام اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے (۲) یہ اس کا ذاتی نقصان ہے اس لئے اس کو اس کے اٹھانے کا اختیار ہوگا۔

[۱۰۶۴] (۱۳) اور غلام کے مولیٰ کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی۔

تشریح مولیٰ غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو نہیں دے سکتا۔ اس کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی۔ بلکہ غلام کی طلاق واقع ہوگی۔

مجا (۱) طلاق شوہر کی واقع ہوتی ہے اور مولیٰ شوہر نہیں ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں مولیٰ کو طلاق دینے سے منع

فرمایا ہے۔ عن ابن عباس قال اتی النبی ﷺ رجل قال یا رسول اللہ ان سیدی زوجنی امتہ وھو یرید ان یفرق بینی و

بینھا قال فصعد رسول اللہ ﷺ المنبر فقال یا ایھا الناس ما بال احدکم یزوج عبده امتہ ثم یرید ان یفرق بینھما

انما الطلاق لمن اخذ الساق (الف) (ابن ماجہ شریف، باب طلاق العبد ص ۲۹۹ نمبر ۲۰۸۱، کتاب الطلاق ج ۱ ص ۲۵ نمبر

۳۹۴۸) اس حدیث میں مولیٰ غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہا تو آپؐ نے اس کو منع فرمایا اور فرمایا کہ طلاق وہی دے سکتا ہے جس نے پنڈلی

پکڑی یعنی شادی کی۔ اس لئے مولیٰ غلام کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا۔

[۱۰۶۵] (۱۴) کہا امام ابو حنیفہ نے نہیں حجر کیا جائے گا بے وقوف پر جب کہ وہ عاقل ہو، بالغ ہو اور آزاد ہو۔

تشریح آدمی عاقل ہو، بالغ ہو اور آزاد ہو لیکن بیوقوف ہو اور زیادہ خرچ کرتا ہو تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے اگر وہ خرید و فروخت کرے

تو خرید و فروخت نافذ ہوگی۔

مجا (۱) معاملات کرنے کا مدار عقل، بلوغ اور آزادی پر ہے اور وہ اس میں موجود ہیں اس لئے اس پر حجر نہ کیا جائے۔ ہاں! عقل ہی نہ ہو تو

جنونیت کی وجہ سے حجر ہوگا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس بن مالک ان رجلاً علی عہد رسول اللہ کان یتناع و فی

عقده ضعف فاتی اہلہ نبی اللہ فقالوا یا نبی اللہ احجر علی فلان فانہ یتناع و فی عقدہ ضعف فدعاه النبی ﷺ

فنهہ عن البیع فقال یا رسول اللہ انی لا اصبر عن البیع فقال رسول اللہ ان کنت غیر تارک للبیع فقل ہاء و ہاء ولا

خلابة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یقول عند البیع لا خلابة، ص ۱۳۸، نمبر ۳۵۰۱) اس حدیث میں آپؐ نے فضول خرچی کے

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میرے مولیٰ نے اپنی باندی سے میری شادی کرائی۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ میرے اور اس کے درمیان

تفریق کرادے تو آپؐ نے منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! تمہیں کیا ہوا کہ اپنے غلام کی باندی سے شادی کراتا ہے پھر دونوں کے درمیان تفریق کرانا چاہتا

ہے۔ طلاق کا حق صرف اس کو ہے جو پنڈلی پکڑے یعنی شادی کرے (ب) ایک آدمی حضوری کے زمانے میں خرید و فروخت کرتا تھا اور اس کے عقد میں کمزوری

تھی۔ پس اس کے اہل حضور کے پاس آئے، پس لوگوں نے کہا اے اللہ کے نبی! اس پر حجر کر دیجئے وہ خرید و فروخت کرتا ہے۔ اور اس کے عقد (باقی اگلے صفحہ پر)

حرا [۱۰۶۶] (۱۵) وتصرفه فی ماله جائز وان كان مبذرا مفسدا يتلف ماله فی ما لا
 غرض له فيه ولا مصلحة مثل ان يتلفه فی البحر او بحرقه فی النار [۱۰۶۷] (۱۶) الا انه
 قال اذا بلغ الغلام غير رشيد لم يسلم اليه ماله حتى يبلغ خمسا وعشرين سنة وان تصرف
 فيه قبل ذلك نفذ تصرفه فاذا بلغ خمسا وعشرين سنة سلم اليه ماله وان لم يؤنس منه
 الرشيد [۱۰۶۸] (۱۷) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله يحجر على السفیه و يمنع

باوجود صحابی پر حجر نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ سفیہ پر حجر جائز نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال لا يحجر على حر (مصنف
 ابن ابی شیبہ ۱۲۸ من کرہ الحجر علی الحر ومن رخص فیہ، ج رابع، ص ۳۶۷، نمبر ۲۱۰۶۲)

[۱۰۶۶] (۱۵) بے وقوف کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچ اور مفسد ہو۔ اپنے مال کو ضائع کرتا ہو ایسی چیز میں جس میں
 کوئی غرض نہیں اور نہ کوئی مصلحت ہو۔ مثلاً اس کو سمندر میں ضائع کرتا ہو یا اس کو آگ میں جلاتا ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بے وقوف چاہے فضول خرچ ہو، مفسد ہو اور ایسی جگہ مال صبح کرتا ہو جہاں نہ کوئی غرض ہو اور نہ مصلحت ہو
 مثلاً سمندر میں مال پھینک دیتا ہے یا آگ میں جلا دیتا ہے پھر بھی اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔ اس کی خرید و فروخت نافذ ہوگی۔

مذ کیونکہ وہ عاقل و بالغ اور آزاد ہے۔

[۱۰۶۷] (۱۶) مگر یہ فرمایا کہ کوئی لڑکا بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہو تو اس کا مال اس کو سپرد نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ پچیس سال کا ہو
 جائے۔ اور اگر اس سے پہلے اس نے تصرف کیا تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا۔ پس جب پچیس سال پورے ہو جائیں تو اس کو اس کا مال سپرد
 کر دیا جائے گا اگرچہ اس میں سمجھداری محسوس نہ ہو۔

تشریح امام صاحب فرماتے ہیں کہ پچیس سال میں آدمی دادا بن جاتا ہے کیونکہ بارہ سال میں بالغ ہوگا اور فرض کرو کہ بچہ ہو اور وہ بچہ بارہ سال
 میں بالغ ہو کر شادی کی اور اس کو بچہ ہو تو آدمی پچیس سال میں دادا بن جائے گا۔ اس لئے اگر کوئی بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہو تو اس پر حجر
 تو نہ کیا جائے لیکن اس کو پچیس سال تک مال سپرد نہ کیا جائے۔ تاکہ وہ مال کو غلط خرچ نہ کرے۔ اور پچیس سال کے بعد چاہے سمجھداری کے آثار
 نہ نظر آتے ہوں پھر بھی مال اس کو حوالے کر دیا جائے۔

لغت لم یؤنس : محسوس نہیں کیا گیا ہو۔

[۱۰۶۸] (۱۷) اور فرمایا امام ابو یوسف اور امام محمد نے حجر کیا جائے گا بے وقوف پر اور روکا جائے گا اس کے مال میں تصرف سے۔ پس اگر بیچا تو
 اس کی بیع اس کے مال میں نافذ ہوگی اور اس میں مصلحت ہو تو حاکم اس کی اجازت دے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) میں کمزوری ہے۔ پس حضورؐ نے اس کو بلایا اور اس کو بیع سے روکا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں صبر نہیں کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا
 اگر بیع کو چھوڑ نہیں سکتے تو ہواء لا غلابہ کہہ لیا کرو۔

من التصرف فی ماله فان باع لم ینفذ بیعه فی ماله وان کان فیہ مصلحة اجازہ
الحاکم [۱۰۶۹] (۱۸) وان اعتق عبدا نفذ عتقه وکان علی العبد ان یسعی فی قیمته

تشریح صاحبین کے نزدیک بے وقوف پر حجر کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے مال بیچا تو اس کی بیع نافذ نہیں ہوگی۔ ہاں اگر اس بیع میں مصلحت ہو تو حاکم اس بیع کے نافذ ہونے کی اجازت دے تو نافذ ہو جائے گی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آیت میں بے وقوف کو مال حوالے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آیت ہے ولا تؤتوا السفهاء اموالکم الی جعل اللہ لکم قیاما و ارزقوہم فیہا واکسوہم و قولوا لہم قولا معروفا (الف) (آیت ۵ سورۃ النساء) اس آیت میں بے وقوف کو مال دینے سے منع فرمایا ہے اور کہا کہ اس کو کھانا کپڑا دیتے رہو۔ اور پھسلاتے رہو لیکن مال مت دو۔ تاکہ ضائع نہ کر دے۔ اس لئے بے وقوف پر حجر کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ پر زیادہ خرچ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے حجر کیا تھا۔ عن کعب بن مالک ان رسول اللہ ﷺ حجر معاذ ماله وباعه فی دین کان علیہ (ب) (دارقطنی، کتاب فی الاقضية والا حکام ج رابع ص ۴۸ نمبر ۴۵۰ سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس و بیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۰) اس حدیث میں زیادہ مال خرچ کرنے کی وجہ سے حضرت معاذ کو حضورؐ نے حجر کیا ہے (۳) اثر میں ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علیؑ عبد اللہ بن جعفر کو حجر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت زبیر بن العوام کی شرکت کی وجہ سے حجر نہیں فرمایا۔ ان عبد اللہ بن جعفر اتی زبیر بن العوام فقال اشتریت کذا کذا وان علیا یرید ان یأتی امیر المؤمنین عثمان، یعنی فیسأله ان یحجر علیؑ فیہ، فقال الزبیر انا شریکک فی البیع واتی علی عثمان ف ذکر ذلک لہ فقال عثمان کیف احجر علی رجل فی بیع شریکہ فیہ الزبیر (ج) (سنن للبیہقی، باب الحجر علی البالغین بالفہ، ج سادس، ص ۱۰۲، نمبر ۱۱۳۳۶ رد دارقطنی، کتاب فی الاقضية والا حکام ج رابع ص ۴۸ نمبر ۴۵۰) اس اثر میں حضرت عثمان اور حضرت علیؑ حضرت عبد اللہ بن جعفر پر ان کی سفہ کی وجہ سے حجر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت زبیر کی بیع میں شرکت کی وجہ سے رک گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ لیکن فضول خرچی کرتا ہو تو اس پر قاضی حجر کر سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ بیع کرے تو نافذ نہیں ہوگی۔ ہاں قاضی مصلحت دیکھے تو سفیہ کو بیع کی اجازت دے دے۔

نوٹ اس دور میں صحیح قاضی نہیں ہے اس لئے سفیہ کو اس کا مال نہ دے کر کسی اور کو دے دیا گیا تو وہ مال کھائے گا اور سفیہ کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے بے وقوف کو اس کا مال دینا بہتر ہے۔

[۱۰۶۹] (۱۸) اور اگر بے وقوف غلام آزاد کیا تو اس کی آزادی نافذ ہوگی اور غلام پر یہ ہوگا کہ اپنی قیمت کی سعی کرے۔

حاشیہ : (الف) بے وقوفوں کو تم اپنا مال مت دو جس پر اللہ نے تم کو نگران بنایا۔ اور ان کو اس مال میں سے روزی دو اور اس کو پہناؤ اور ان کو اچھی بات کہو (ب) آپؐ نے معاذ بن جبل پر حجر فرمایا اور اس کے مال کو اس پر جو دین تھا اس کے بدلے میں بیچا (ج) عبد اللہ بن جعفر زبیر بن عوام کے پاس آئے اور کہا میں نے ایسا ایسا خریدا ہے اور حضرت علیؑ چاہتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین عثمان کے پاس جائے اور ان سے کہے کہ اس بارے میں مجھ پر حجر کر دے۔ تو حضرت زبیر نے فرمایا میں بیع میں تمہارا شریک ہوں۔ پھر وہ حضرت علیؑ اور حضرت عثمان کے پاس آئے اور اس کا تذکرہ کیا تو حضرت عثمان نے فرمایا کیسے حجر کروں ایسے آدمی پر جس کی بیع کا شریک زبیر ہو۔

[۱۰۷۰] (۱۹) وان تزوج امرأة جاز نكاحه فان سمى لها مهرًا جاز منه مقدار مهر مثلها

وبطل الفضل [۱۰۷۱] (۲۰) وقالوا رحمهما الله فيمن بلغ غير رشيد لا يدفع اليه ماله ابدًا

تشریح بے وقوف پر حجر کیا اس کے باوجود اس نے اپنا غلام آزاد کیا تو صاحبین کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو حجر ہی صحیح نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔ لیکن غلام پر لازم ہوگا کہ اس کی جتنی قیمت ہو سکتی ہے اس کو کما کر بے وقوف مولیٰ کو دے۔

مجہ غلام آزاد تو اس لئے ہوگا کہ اس کا ذاتی حق تھا جو ملا۔ پہلے نذر چکا ہے کہ آزادگی کا شائبہ بھی آئے تو شریعت اس کو نافذ کرتی ہے۔ اس لئے بے وقوف کے آزاد کرتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔ لیکن اس سے چونکہ بے وقوف کو نقصان ہوگا اس لئے اس کا مدد اس طرح کیا جائے گا کہ غلام اپنی قیمت کما کر مولیٰ کو ادا کرے گا تا کہ بے وقوف نقصان سے بچ جائے۔

[۱۰۷۰] (۱۹) اگر بے وقوف نے عورت سے شادی کی تو نکاح جائز ہے۔ پس اگر اس کے لئے مہر متعین کیا تو مہر مثل کی مقدار جائز ہے اور اس سے زیادہ باطل ہوگا۔

تشریح بے وقوف نے حجر کے بعد کسی عورت سے شادی کی تو شادی جائز ہوگی اور اس کے لئے مہر متعین کیا تو مہر مثل کی مقدار تک جائز ہے۔ لیکن عورت کے مہر مثل سے زیادہ متعین کیا تو یہ باطل ہوگا۔

مجہ شادی کرنا حاجت اصلیہ میں داخل ہے اس لئے وہ کر سکتا ہے۔ اور جب شادی کر سکتا ہے تو اس کے لئے مہر مثل سے زیادہ متعین کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن مہر مثل سے زیادہ کی ضرورت نہیں اس لئے مہر مثل سے زیادہ فضول خرچی میں داخل ہوگا اور وہ جائز نہیں ہوگا۔

اصول بے وقوف حاجت اصلیہ کا کام حجر کے بعد بھی کر سکتا ہے۔

[۱۰۷۱] (۲۰) صاحبین فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جو بے وقوف ہی کی حالت میں بالغ ہوا کہ اس کو مال سپرد نہیں کیا جائے گا کبھی بھی، یہاں تک کہ اس سے عقلمندی کے آثار نہ محسوس کرے، اور اس کا اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ جو آدمی بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہوا ہو اس کو اس وقت تک مال حوالہ نہ کیا جائے جب تک اس میں عقلمندی کے آثار نہ محسوس کرنے لگے۔ چاہے وہ پچیس سال کے ہو جائے، چاہے کتنی ہی عمر کیوں نہ ہو جائے۔

مجہ بے وقوفی کی وجہ سے حجر کیا ہے تو ابھی بھی بے وقوفی موجود ہے اس لئے حجر بحال رہے گا (۲) آیت میں مطلقاً فرمایا ہے کہ بے وقوف کو مال حوالے نہ کرو۔ اس میں یہ قید نہیں ہے کہ پچیس سال تک نہ کرو اور بعد میں کر دو۔ اس لئے پچیس سال کے بعد بھی بے وقوفی رہے تو مال حوالے نہیں کیا جائے گا، آیت ہے۔ ولا تؤتوا السفهاء أموالکم (آیت ۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں مطلقاً ہے کہ بے وقوفوں کو مال مت دو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بے وقوفی کی علت رہے گی اس کو مال حوالے نہیں کیا جائے گا۔ دوسری آیت میں ہے کہ عقلمندی محسوس کرو تو یتیموں کو مال دو۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بے وقوفوں میں عقلمندی کا احساس ہو تو اس کو مال حوالہ کرو۔ اور اگر عقلمندی کے آثار ظاہر نہ ہوں تو چاہے پچیس سال کی عمر ہو جائے پھر بھی اس کو مال حوالہ مت کرو، آیت ہے۔ وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم

حتى يؤنس منه الرشد ولا يجوز تصرفه فيه [۱۰۷۲] (۲۱) وتخرج الزكاة من مال السفیه [۱۰۷۳] (۲۲) وينفق على اولاده و زوجته ومن يجب نفقته عليه من ذوی الارحام [۱۰۷۴] (۲۳) فان اراد حجة الاسلام لم يمنع منها ولا يسلم القاضي النفقة اليه ولكن يسلمها الى ثقة من الحاج ينفقها عليه في طريق الحج [۱۰۷۵] (۲۴) فان مرض

رشد ا فادفعوا اليهم اموالهم (الف) (آیت ۶ سورة النساء) اس لئے بے وقوفوں میں عقلمندی کے آثار نہ ہوں تو کبھی بھی ان کو مال حوالے نہیں کیا جائیگا اور نہ اس کا تصرف جائز ہوگا۔

[۱۰۷۲] (۲۱) زکوٰۃ نکالی جائے گی بے وقوف کے مال سے۔

مذہب بے وقوف بالغ ہے، آزاد ہے اور کچھ نہ کچھ عقل بھی ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ وہ مجنون کے درجے میں ہے۔ اس لئے اس کے مال سے زکوٰۃ نکال کر ادا کی جائے گی۔ البتہ چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نیت ضروری ہے اس لئے بے وقوف کو ہی دی جائے گی تاکہ وہ خود مصرف میں خرچ کرے۔

[۱۰۷۳] (۲۲) اور خرچ کیا جائے گا بے وقوف کی اولاد پر اور اس کی بیوی پر اور ان لوگوں پر جن کا نفقہ واجب ہے رشتہ داروں میں سے۔ **تشریح** بے وقوف کے مال کو اس کی بیوی بچوں اور جن لوگوں کا نفقہ اس پر واجب ہے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔

مذہب بے وقوف کی حاجت اصلیه میں مال خرچ کیا جائے گا اور ان لوگوں پر خرچ کرنا حاجت اصلیه میں داخل ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ بے وقوف کا مال اس کے امین کو دے اور وہ ان لوگوں پر خرچ کرے تاکہ بے وقوف فضول خرچی نہ کرے۔ [۱۰۷۴] (۲۳) پس اگر حج فرض ادا کرنا چاہے تو اس سے روکا نہیں جائے گا۔ لیکن قاضی حج کا خرچ اس کو سپرد نہیں کرے گا۔ لیکن سپرد کرے گا حاجیوں میں سے کسی ثقہ آدمی کو جو اس پر حج کے راستے میں خرچ کرے گا۔

تشریح حج فرض بھی حاجت اصلیه میں ہے اس لئے بے وقوف حج فرض کرنا چاہے تو قاضی اس کو منع نہیں کرے گا۔ البتہ حج میں جانے والے کسی قابل اعتماد آدمی کو حج کا خرچ دے گا۔ تاکہ وہ بے وقوف پر راستے میں خرچ کرے۔ اور بے وقوف کو حج کا خرچ نہ دے تاکہ وہ فضول خرچی نہ کرے۔

لغت ثقة : قابل اعتماد آدمی۔

[۱۰۷۵] (۲۴) پس اگر بیمار ہو جائے اور امور خیر کے بارے میں کچھ وصیتیں کرے تو یہ جائز ہیں اس کے تہائی مال سے۔

تشریح انتقال کا وقت قریب ہے اور بے وقوف خیر کے کاموں کے لئے کچھ مالوں کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کی وصیت کرنا جائز ہے۔ لیکن وہ وصیتیں اس کے تہائی مال سے پوری کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہو جائیں پس اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کو ان کا مال دیدو۔

فاوصی بوصایا فی القرب و ابواب الخیر جاز ذلک من ثلث ماله [۱۰۷۶] (۲۵) وبلوغ الغلام بالاحتلام والانزال والاحبال اذا وطئ فان لم يوجد ذلک فحتى يتم له ثمانی عشرة سنة عند ابی حنیفة رحمه الله [۱۰۷۷] (۲۶) وبلوغ الجارية بالحیض والاحتلام

مذہب موت کے وقت آدمی کو کچھ خیر کے کام کرنے کی تمنا ہوتی ہے۔ اس لئے آخرت کے لئے یہ حاجت اصلہ میں ہوگئی۔ اس لئے وصیت کرنا جائز ہے۔ البتہ اور آدمیوں کی طرح ان کی وصیت بھی تہائی مال میں سے جاری کی جائے گی اور باقی دو تہائی مال ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ [۱۰۷۶] (۲۵) لڑکے کا بالغ ہونا احتلام کے ذریعہ اور انزال کے ذریعہ اور حاملہ کر دینے سے ہے اگر وہ وطئ کرے۔ پس اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں پس یہاں تک کہ اٹھارہ سال پورے ہو جائیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح لڑکے کے بالغ ہونے کی تین علامتیں ہیں احتلام ہونا، انزال ہونا اور وطئ کرے تو عورت کو حاملہ کر دینا۔ اور یہ نہ پائی جائیں تو لڑکا اٹھارہ سال ہو جائے تو اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔

مذہب احتلام سے لڑکا بالغ ہوتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ قال علی بن طالب حفظت عن رسول الله ﷺ لا یتیم بعد الاحتلام ولا صمات یوم الی اللیل (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء متی منقطع الیتیم ج ثانی ص ۴۱ نمبر ۲۸۷۳) اس حدیث میں ہے کہ احتلام ہونے کے بعد یتیم نہیں ہوتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ احتلام ہونے کے بعد آدمی بالغ ہو جاتا ہے۔ انزال اور حاملہ کرنا بھی اسی معنی میں ہے۔ کیونکہ حاملہ اسی وقت ہوتی ہے جب انزال ہوتا ہو۔ اور وہ نہ ہو تو لڑکا اٹھارہ سال ہو جائے تب بالغ سمجھا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً رفع القلم عن ثلاثة عن الغلام حتی یحتلم فان لم یحتلم حتی یكون ابن ثمان عشرة (ب) (سنن للبیہقی، باب البلوغ بالسن، ج سادس، ص ۹۴، نمبر ۱۱۳۰) اس اثر میں ہے کہ احتلام نہ ہو تو آدمی اٹھارہ سال کے ہوں تو بالغ سمجھا جائے گا۔

[۱۰۷۷] (۲۶) اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض کی وجہ سے اور احتلام کی وجہ سے اور حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو یہاں تک کہ سترہ سال پورے ہو جائے۔

تشریح احتلام کی وجہ سے لڑکی بالغ سمجھی جائے گی اس کی دلیل اوپر کی حدیث گزری۔ اور حیض کی وجہ سے لڑکی بالغ سمجھی جائے گی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة عن النبی ﷺ انه قال لا یقبل الله صلوۃ حائض الا بخمار (ج) (ابوداؤد، باب المرأة تصلی بغیر خمار، ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۱) اس حدیث میں حائض بول کر آپؐ نے بالغ مراد لیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حیض ہونے سے لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔ اور جس کو حیض آئے گا وہی حاملہ ہوگی۔ اس لئے حاملہ ہونا حیض کی علامت ہے۔ اور یہ علامتیں نہ ہوں تو سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے

حاشیہ : (الف) حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے یاد کیا ہے کہ یتیمی نہیں ہے احتلام کے بعد اور نہ دن رات تک چپ رہتا ہے (ب) حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ لڑکے سے یہاں تک کہ احتلام ہو جائے۔ پس اگر احتلام نہ ہو تو یہاں تک کہ اٹھارہ سال کے ہو جائے (ج) حضورؐ نے فرمایا اللہ نہیں قبول کرتا کسی حیض والی (بالغ) عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے۔

والحبل فان لم يوجد ذلك فحتى يتم لها سبعة عشر سنة [۱۰۷۸] (۲۷) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله اذا اتم للغلام والجارية خمسة عشر سنة فقد بلغا [۱۰۷۹] (۲۸) اذا راهق الغلام والجارية فاشكل امرهما في البلوغ فقالا قد بلغنا فالقول قولهما واحكامهما احكام البالغين.

گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت جلدی بالغ ہوتی ہے اس لئے جب مرد کے لئے اٹھارہ سال متعین کیا تو عورت کے لئے ایک سال کم کر دیا اس لئے سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے گی۔

[۱۰۷۸] (۲۷) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جب پورے ہو جائیں لڑکے کے لئے اور لڑکی کے لئے پندرہ سال تو سمجھو دونوں بالغ ہو گئے۔

مجا اس حدیث میں ہے کہ پندرہ سال کے لڑکے کو بالغ اور بڑا سمجھا گیا۔ حدیثی ابن عمر ان رسول اللہ عرضہ یوم احد وهو ابن اربع عشرة سنة فلم یجزنی ثم عرضنی یوم الخندق وانا ابن خمس عشرة فاجازنی قال نافع فقد تمت علی عمر بن عبد العزیز وهو خلیفہ فحدثته هذا الحدیث فقال ان هذا لحد بین الصغیر والكبیر وکتب الی عماله ان یفرضوا لمن بلغ خمس عشرة (الف) (بخاری شریف، باب بلوغ الصبیان وشہادتہم ص ۳۶۶ نمبر ۲۶۶۲ مسلم شریف، باب بیان سن البلوغ ص ۱۳۱ نمبر ۱۸۶۸ ابوداؤد شریف نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی پندرہ سال کی عمر تک پہنچ جائے تو اس کو بڑا اور بالغ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے عورت کی بھی کوئی علامت بلوغ نہ پائی جائیں تو پندرہ سال میں اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔

[۱۰۷۹] (۲۸) [۱۰۷۹] (۲۸) اگر لڑکا اور لڑکی قریب البلوغ ہوں اور بالغ ہونے کے بارے میں ان دونوں کا معاملہ مشکل ہو، پس وہ دونوں کہے کہ ہم بالغ ہو گئے ہیں تو دونوں کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور دونوں کے احکام بالغین کے احکام ہوں گے۔

تشریح لڑکا یا لڑکی قریب البلوغ ہوں اور یہ نہ معلوم ہوتا ہو کہ بالغ ہو چکے ہیں یا نابالغ ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بالغ ہو چکے ہیں تو ان کا باتوں کا اعتبار کر کے بالغ شمار ہوں گے۔ اور ان پر بالغ کے احکام جاری ہوں گے۔

مجا جہاں تکندیب کی علامت نہ ہو تو اس کی ذات کے بارے میں آدمی کی شہادت قابل قبول ہے۔ جیسے عدت گزرنے اور حیض ختم ہونے کے بارے میں عورت کی بات کا اعتبار ہے اور اسی پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ان کی بات مان کر بالغ شمار کئے جائیں گے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ان کو حضور کے سامنے جنگ احد کے دن پیش کیا گیا۔ وہ اس وقت چودہ سا کے تھے، فرماتے ہیں کہ مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں ملی۔ پھر مجھے جنگ خندق کے دن پیش کیا گیا اور میں پندرہ سال کا تھا تو مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پاس وہ اس وقت خلیفہ تھے میں یہ حدیث بیان کی فرمایا یہ عمر چھوٹے اور بڑے کے درمیان حد ہے۔ اور اپنے عمال کو لکھا کہ جو پندرہ سال کے ہو جائیں ان کے لئے عطیہ متعین کر دے۔

[۱۰۸۰] (۲۹) وقال ابو حنیفہ رحمہ اللہ لا احجر فی الدین علی المفلس [۱۰۸۱]

(۳۰) واذا وجبت الديون علی رجل مفلس وطلب غرمائه حبسه والحجر علیہ لم احجر

علیہ [۱۰۸۲] (۳۱) وان كان له مال لم يتصرف فيه الحاكم ولكن يحبسه ابدا حتی یبیعه

[۱۰۸۰] (۲۹) امام ابوحنیفہ نے فرمایا دین کے سلسلے میں مفلس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

تشریح کسی آدمی پر کافی دین ہو اور قرض دینے والے اس پر حجر کا مطالبہ کرے تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں اس پر حجر نہیں کروں گا۔ حجر کرنے پر وہ کسی قسم کی بیع و شراء نہیں کر سکے گا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا بیع کی طرح ہو جائے گا۔ عقل ہوتے ہوئے کسی قسم کی بیع و شراء نہ کرے یہ اس پر ظلم ہوگا اور انسانی اہلیت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اس پر حجر نہیں کروں گا (۲) اور حدیث گزری جس میں صحابی کو حجر کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن آپؐ نے حجر نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا۔ ان کنت غیر تارک للبیع فقل هاء و هاء ولا خلافة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یقول عند البیع لا خلاصۃ ص ۱۳۸ نمبر ۳۵۰) اس حدیث میں صحابی کے خاندان والوں نے حجر کرنے کا مطالبہ کیا پھر بھی آپؐ نے حجر نہیں فرمایا بلکہ بیع کرنے کے بعد اختیار شرط لینے کے لئے کہا۔ اس لئے افلاس کی وجہ سے بھی عاقل بالغ آدمی پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

[۱۰۸۱] (۳۰) اگر دین واجب ہو مفلس مرد پر اور اس کے قرضخواہ اس کو قید کرنے کا مطالبہ کرے اور اس پر حجر کرنے کا مطالبہ کرے تو میں اس پر حجر نہیں کروں گا۔

تشریح مفلس آدمی پر کافی دین ہو چکے ہوں اور قرض دینے والے مطالبہ کرتے ہوں کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر حجر کیا جائے تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو حجر نہیں کروں گا۔

مجاہد حدیث اور دلیل عقلی پہلے گزر چکی ہے۔

[۱۰۸۲] (۳۱) اگر مفلس کے پاس کچھ مال ہو تو حاکم اس میں تصرف نہیں کرے گا لیکن اس کو ہمیشہ کے لئے قید کرے گا یہاں تک کہ اس کو دین کے لئے بیچ دے۔

تشریح مفلس کے پاس مال ہو تو حاکم اس کو نہیں بیچے گا بلکہ خود مفلس اس کو بیچے گا۔ ہاں مفلس کو اس وقت تک قید رکھے گا جب تک کہ وہ مال بیچ کر دین ادا نہ کر دے۔

مجاہد (۱) حاکم اس لئے نہیں بیچے گا کہ مفلس پر ایک قسم کا حجر نہ ہو جائے۔ چونکہ حاکم کے بیچنے سے مفلس پر ایک قسم کا حجر ہوگا اس لئے حاکم نہیں بیچے گا بلکہ مفلس خود بیچے گا (۲) بیع ہوتی ہے دونوں کی رضا مندی سے اور حاکم تو بیچے گا تو مفلس کی رضا مندی نہیں ہوگی حالانکہ مفلس کا مال ہے حاکم کا مال نہیں ہے اس لئے حاکم نہیں بیچے گا۔ لیکن قرض دینے والے کا قرض بھی ادا ہو جائے اس لئے انتظام کیا جائے گا کہ مفلس کو قید کیا جائے گا تا کہ وہ مجبور ہو کر مال بیچے اور قرض ادا کرے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عمر بن شریذ عن ابیہ قال قال رسول اللہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے یوں فرمایا اگر آپؐ بیع چھوڑنے والے نہیں ہیں تو یوں کہوں لو دھوکہ نہ ہو۔

فی دینہ [۱۰۸۳] (۳۲) وان کان له دراهم و دینہ دراهم قضاء القاضی بغير امره
[۱۰۸۴] (۳۳) وان کان دینہ دراهم وله دنانیر او علی ضد ذلک باعها القاضی فی دینہ

صلی اللہ علیہ وسلم لی الواحد یحل عرضه و عقوبته قال سفیان یعنی عرضه ان یقول ظلمنی فی حقی و عقوبته یشجن (الف)
(سنن للبیہقی، باب جس من علیہ الدین اذا لم یتطهر ماله و ما علی الغنی فی المثل، ج سادس، ص ۸۵، نمبر ۹۱۱۲/بخاری شریف، باب اصحاب الحق
مقال ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۱ کتاب الاستقراض) اس حدیث میں ہے کہ کوئی ٹال مٹول کرے تو اس کی سزا یہ ہے اس کی عزت حلال ہے۔ یعنی کہہ
سکتا ہے کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا اور وہ سزا کا مستحق ہے۔ یعنی اس کو قید میں ڈالا جاسکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ٹال مٹول کرنے والے کو قید
میں ڈالا جاسکتا ہے۔

[۱۰۸۳] (۳۲) اگر مفلس کے پاس دراهم ہوں اور اس کا دین بھی دراهم ہوں تو مفلس کے بغیر حکم کے اس کو ادا کرے گا۔

تشریح مفلس پر کسی کا قرض دراهم ہوں اور اس کے پاس بھی دراهم ہوں تو قاضی مفلس سے اجازت لئے بغیر قرض والے کا قرض ادا کریگا۔
مجا دائن کا جو حق ہے وہی مفلس کے پاس موجود ہے اس لئے دائن مفلس کی رضا مندی کے بغیر بھی لے سکتا ہے تو قاضی کو تو زیادہ اختیار ہوتا
ہے اس لئے وہ بدرجہ اولیٰ اس کے حکم کے بغیر قرض کو ادا کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ انہ سمع ابا ہریرۃ یقول
قال رسول اللہ او قال سمعت رسول اللہ من ادرك ماله بعینه عند رجل او انسان قد افلس فهو احق به من غیره
(ب) (بخاری شریف، باب اذا وجد ماله عند مفلس فی المبیع والقرض والودیعة فهو احق به ص ۳۲۳، نمبر ۲۴۰۲، کتاب الاستقراض) اس حدیث
میں ہے کہ مفلس کے پاس اپنا مال پائے تو مال والا زیادہ حقدار ہے اور درہم قرض دینے والے کا درہم موجود ہے اس لئے وہ لے لیگا۔ کیونکہ
دراہم اور دنانیر متعین نہیں ہوتے۔ اس لئے قاضی بھی بغیر مفلس کی رضا مندی کے دائن کو دے دیگا۔

[۱۰۸۴] (۳۳) اور اگر اس کا دین دراهم ہوں اور مفلس کے پاس دینار ہوں یا اس کے خلاف تو قاضی اس کے دین میں بیچے گا۔

تشریح مفلس کے پاس دینار ہیں اور اس کے اوپر دین دراهم ہیں یا اس کا لٹا ہے یعنی مفلس کے پاس دراهم ہیں اور اس کے اوپر دین دینار
ہیں تو قاضی اس کو بیچے گا اور اس کا دین ادا کرے گا۔

مجا دینار ہوں یا دراهم دونوں شمن ہیں تو گویا کہ دونوں ایک ہی جنس ہیں اس لئے دائن کا جس جنس میں حق ہے گویا کہ وہی جنس مقروض کے
پاس پائی اس لئے وہ لے سکتا ہے۔ اور قاضی کو اختیار زیادہ ہوتا ہے اس لئے بدرجہ اولیٰ دینار کو درہم کے قرض میں یا درہم کو دینار کے قرض میں
بیچ سکتا ہے۔ مدیون کے مال بیچنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن کعب بن مالک ... فدعاه النبی ﷺ فلم یبرح من ان باع ماله
وقسمه بین غرمائه قال فقام معاذ ولا مال له (ج) (سنن للبیہقی، باب الحجرج علی المفلس و بیع مالہ فی دیونہ، ج سادس،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مال پانے والے کے ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے حلال ہے اس کی عزت اور اس کو سزا دینا۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ عزت حلال
ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کہے مجھ پر میرے حق کے بارے میں ظلم کیا اور سزا کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے کسی آدمی کے پاس
بعینہ مال پایا اور مفلس ہو گیا ہے تو وہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہے (ج) آپؐ نے نہیں چھوڑا یہاں تک کہ حضرت معاذ کے مال کو بیچا اور اس کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۰۸۵] (۳۴) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله اذا طلب غرماء المفلس الحجر عليه حجر القاضى عليه ومنعه من البيع والتصرف والاقرار حتى لا يضر بالغرماء [۱۰۸۶] (۳۵) وباع ماله ان امتنع المفلس من بيعه وقسمه بين غرماء ه

ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۲) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت معاذؓ کا مال بیچا اور قرضو اہوں کے درمیان تقسیم کیا۔

[۱۰۸۵] (۳۴) اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر مفلس کے قرض خواہ اس پر حجر کرنے کا مطالبہ کریں تو قاضی اس پر حجر کریں گے۔ اور اس کو بیع کرنے، تصرف کرنے اور اقرار کرنے سے روک دیں گے تاکہ قرضو اہوں کو نقصان نہ ہو۔

تشریح مفلس پر قرض ہو اور اس کو قرض دینے والے قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس کو حجر کر دیں تو قاضی اس کو حجر کر دے گا۔ اور بیع کرنے، تصرف کرنے اور اقرار کرنے سے روک دیگا۔ تاکہ قرضو اہوں کا نقصان نہ ہو۔

مذہب حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے قرضو اہوں کی وجہ سے حضرت معاذ بن جبلؓ پر حجر فرمایا تھا۔ عن كعب بن مالك ان رسول الله ﷺ حجر علي معاذ ماله وباعه في دين كان عليه (الف) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والا حکام ج رابع ص ۱۴۸ نمبر ۴۵۰ سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس و بیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۰) اس حدیث میں لوگوں کے دین اور اس کے مطالبے کی وجہ سے حضرت معاذ بن جبلؓ کو آپؐ نے حجر کیا ہے۔ اس لئے صاحبین کی رائے ہے کہ دائن مطالبہ کرے تو مدیون پر حجر کیا جائے گا۔ تاکہ دائن کا نقصان نہ ہو۔

[۱۰۸۶] (۳۵) اور اس کے مال کو بیچے گا اگر مفلس بیچنے سے رک جائے اور قرضو اہوں کے درمیان حصے کے مطابق تقسیم کرے گا۔

تشریح اگر مفلس بیچ کر قرضو اہوں کے قرضوں کو ادا نہیں کرتا تو قاضی اس کے مال کو بیچ کر قرضو اہوں کے قرضوں کو ادا کرے گا۔ اور تمام کو اس کے حصے کے مطابق دے گا۔ مثلاً کل قرض دو ہزار تھے۔ زید کا ایک ہزار، عمر کا پانچ سو اور بکر کا ڈھائی سو اور خالد کا ڈھائی سو۔ اور مفلس کے پاس ایک ہزار پونڈ نکلے تو تو ہر ایک کو اس کے قرض کے آدھے ملیں گے۔ مثلاً زید کا ایک ہزار قرض تھا تو اس کو پانچ سو ملیں گے۔ عمر کا پانچ سو تھا تو اس کو ڈھائی سو ملیں گے، بکر کا ڈھائی سو قرض تھا تو اس کو سو سو ملیں گے۔ اور خالد کا ڈھائی سو تھا تو اس کو بھی سو سو پونڈ قرض واپس ملیں گے۔ یہ ہر ایک کو حصے کے اعتبار سے ملیں گے تاکہ ہر ایک کو مناسب حق مل جائے اور کسی کو شکوہ نہ رہے۔ قاضی مدیون کے مال کو بیچے گا اس کی دلیل اوپر گزری۔ فدعاه النبی ﷺ فلم یبرح من ان باع ماله وقسمه بین غرمائه قال فقام معاذ ولا مال له (ب) (سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس و بیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۲) بخاری میں بھی دین کی وجہ سے مدبر غلام بیچ کر دین ادا کرنے کا تذکرہ ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال اعتق رجل غلاما له عن دبر فقال النبی ﷺ من يشتريه منی فاشتره نعيم بن عبد الله

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) قرضو اہوں کے درمیان تقسیم کر دیا تو حضرت معاذؓ بغیر مال کے باقی رہ گئے (الف) حضورؐ نے حضرت معاذؓ پر ان کے مال کے بارے میں حجر کیا اور اس کو اس کے دین کے بدلے بیچا (ب) حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو بلا یا پس کچھ دیر کے بعد ہی ان کے مال کو بیچا اور ان کے قرضو اہوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ بغیر مال کے رہ گئے

بالحصص [۱۰۸۷] (۳۶) فان اقر فی حال الحجر باقرار مال لزمه ذلک بعد قضاء الديون [۱۰۸۸] (۳۷) وينفق علی المفلس من ماله وعلی زوجته واولاده الصغار وذوی الارحام [۱۰۸۹] (۳۸) وان لم يعرف للمفلس مال وطلب غرماء ه حبسه وهو يقول لا

فاخذ ثمنه فدفعه اليه (الف) بخاری شریف، باب من باع مال المفلس او المعدم فقسمة بین الغرماء واعطاه حتی ینفق علی نفسه ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۳ اس حدیث میں بھی دائن کی وجہ سے مدیون کے مدبر غلام کو بیچ کر مدیون کے قرض ادا کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے اس کے مال کو بیچ کر دائن کا قرض ادا کیا جائے گا۔

[۱۰۸۷] (۳۶) پس اگر مفلس نے حجر کی حالت میں کسی کے مال کا اقرار کیا تو اس کو یہ لازم ہوگا دین کی ادائیگی کے بعد۔
تشریح مفلس پر قاضی نے حجر کیا تھا اس دوران کسی کے لئے اپنے اوپر قرض کا اقرار کیا تو یہ اقرار مانا جائے گا۔ لیکن اس کی ادائیگی پہلے تمام دیون کی ادائیگی کے بعد کی جائے گی۔

وجہ پہلے والوں کا حق مقدم ہے اور ثابت ہے اس لئے پہلے والوں کو پہلے ادا کیا جائے گا۔ رقم بچے گی تو بعد میں بعد والوں کو ادا کریں گے۔
 [۱۰۸۸] (۳۷) اور خرچ کیا جائے گا مفلس پر اس کے مال سے اور اس کی بیوی پر اور اس کی چھوٹی اولاد پر اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ داروں پر۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ مفلس کی حاجت اصلیه کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور مفلس کی ذات پر خرچ کرنا حاجت اصلیه ہے۔ اسی طرح اس کی بیوی، چھوٹی اولاد اور وہ ذی رحم محرم رشتہ دار جن کا نفقہ مفلس پر واجب ہے ان سب پر مفلس کے مال سے خرچ کیا جائے گا۔ اور اس سے بچے گا تب اس کا دین ادا کیا جائے گا۔

اصول مفلس کی حاجت اصلیه مقدم رکھی جائے گی۔
 [۱۰۸۹] (۳۸) اور اگر نہ پتہ چلتا ہو مفلس کے پاس مال کا اور مطالبہ کرے اس کے قرضخواہ اس کو قید کرنے کا اور مفلس کہتا ہو میرے پاس مال نہیں ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا ہر اس دین میں جس کو لازم کیا ہو مال کے بدلے میں جو حاصل ہوا ہو اس کے ہاتھ میں جیسے بیع کا ثمن اور قرض کا بدلہ۔

تشریح انسان پر کوئی قرض آتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس قرض کے بدلے میں کوئی مال ہاتھ آیا ہو جیسے ثمن کا قرض سر پر آیا ہو تو اس کے بدلے بیع ہاتھ میں آتی ہے جو مال ہے۔ یا مہر کا قرض سر پر آیا ہو تو اس کے بدلے میں بیع ہاتھ میں آتا ہے جو ثمن وجہ مال شمار کیا جاتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرض سر پر آیا ہو لیکن ہاتھ میں کوئی مال نہیں آیا جیسے جنایت کا بدلہ کہ کسی کا نقصان کر دیا اور اس کے بدلے میں مال دینا پڑا اور قرض سر پر آیا تو اس قرض کے بدلے میں ہاتھ میں کوئی مال نہیں آتا ہے۔ نقصان کرنے کی وجہ سے قرض لازم آتا ہے۔

حاشیہ: (الف) فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تو حضورؐ نے فرمایا مجھ سے اس غلام کو کون خریدے گا تو اس کو نعیم بن عبداللہ نے خریدا۔ پس اس کی قیمت لی اور اس کو دے دیا۔

مال لی حبسہ الحاکم فی کل دین لزمہ بدلا عن مال حصل فی یدہ کثمن المبیع وبدل القرض [۱۰۹۰] (۳۹) وفی کل دین التزمہ بعقد کالمهر والكفالة [۱۰۹۱] (۴۰) ولم یحبسہ الحاکم فیما سوی ذلک کعوض المغصوب وارش الجنایات الا ان تقوم البینه

جس قرض لازم ہونے میں مال ہاتھ آتا ہو جیسے بیع کا ثمن اس صورت میں مفلس کہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے اور دائن اس کو قید کروانا چاہتا ہو تو حاکم قید کرے گا۔

مج مفلس کے ہاتھ میں بیع آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔ کوئی اور مال نہیں ہے تو کم از کم بیع تو ہے اسی کو بیچ کر دین ادا کرے یا قید میں جائے۔ اسی طرح شادی پر اقدام کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے ورنہ مہر کا اقرار کیسے کیا، اس لئے قید کیا جائے گا۔

اصول بیع وغیرہ ہاتھ میں آنا دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے اس لئے قید کیا جائے گا۔ قید کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی مجلز ان غلامین من جھینۃ کان بینہما غلام فاعتق احدهما نصیبہ فحبسہ رسول اللہ ﷺ حتی باع فیہ غنیمۃ لہ (الف) (سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس و بیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۱، نمبر ۱۱۲۶۳) اس حدیث میں ہے کہ غلام آزاد کرنے پر آپ نے اس لڑکے کو قید کیا یہاں تک کہ اس کی بکریاں بیچی گئی۔

اور جن قرض میں مال ہاتھ نہ آتا ہو جیسے جنایت کا تاوان، اور مفلس کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے اور مال کا پتہ بھی نہیں لگ رہا ہے تو اس میں مفلس قید نہیں کیا جائے گا۔

مج قرض کے بدلے میں کوئی چیز ہاتھ میں نہیں آتی ہے اس لئے مفلس کے پاس مال ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے اس کو حاکم قید نہیں کرے گا۔

[۱۰۹۰] (۳۹) اور ہر وہ دین جس کو عقد کے ذریعہ لازم کیا ہو جیسے مہر اور کفالت۔

تشریح شادی کے مہر کا قرض اس کے سر پر آیا تو ایک عقد کی وجہ سے سر پر آیا۔ اسی طرح کسی آدمی کا کفیل بنا کہ وہ رقم ادا نہیں کرے گا تو میں ادا کروں گا تو اس عقد کفالت کی وجہ سے سر پر قرض آیا اور مفلس کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے پھر بھی حاکم اس کو قید کرے گا۔

مج کیونکہ ایسے عقد پر اقدام کرنا جس کی وجہ سے سر پر قرض آتا ہو اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔

[۱۰۹۱] (۴۰) اس کے علاوہ میں نہیں قید کرے گا حاکم جیسے غصب کا بدلہ اور جنایت کا تاوان مگر یہ کہ بینہ قائم کرے کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح جن قرضوں کے بدلے ہاتھ میں مال نہ آتا ہو اور عقد کے ذریعہ قرض لازم ہوا تو اس میں مفلس یہ کہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے تو حاکم اس کو قید نہیں کرے گا۔ ہاں قرض خواہ شہادت پیش کر دے کہ اس کے پاس مال ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا۔

حاشیہ : (الف) قبیلہ جہینہ کے دو لڑکے ان کے درمیان ایک غلام تھا۔ پس ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو حضورؐ نے اس کو جس کیا یہاں تک کہ اس میں اس کے مال غنیمت کو بیچا۔

بان له مالا [۱۰۹۲] ۱ (۴۱) ويحبسه الحاكم شهرين او ثلاثة اشهر سأل عن حاله فان لم ينكشف له مال خلى سبيله [۱۰۹۳] ۱ (۴۲) وكذلك اذا قام البينة على انه لا مال له.

مجا کیونکہ عقد کے ذریعہ یا قرض کے بدلے اس کے ہاتھ میں کوئی مال نہیں آیا اس لئے اس کے ہاتھ میں مال ہونے کی کوئی ظاہری دلیل نہیں ہے۔ اس لئے حاکم اس کو قید نہیں کرے گا۔ جب تک کہ بینہ نہ پیش ہو جائے کہ اس کے پاس مال ہے۔

لغت ارش : تاوان۔

[۱۰۹۲] ۱ (۴۱) حاکم اس کو قید کرے گا دو مہینے یا تین مہینے تک اور اس کے حالات کے بارے میں پوچھے گا۔ پس اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کو رہا کر دے گا۔

تشریح حاکم مفلس کو دو ماہ یا تین ماہ تک قید کرے گا۔ اور اس درمیان اس کے حالات معلوم کرتے رہیں گے۔ پس اگر پتہ چل جائے کہ اس کے پاس واقعی مال نہیں ہے تو اس کو قید سے رہا کر دیں گے۔

مجا قید کرنا اس لئے تھا کہ اس کے مال کی تحقیق کی جائے سزا دینے کے لئے نہیں تھا۔ اب تحقیق ہوگئی کہ مال نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دے تاکہ اس کے کھانے پینے کا بوجھ امت پر نہ پڑے (۲) حدیث میں ہے کہ مال نہ ہونے پر مدیون کو رہا کر دیا۔ عن ابی سعید الخدری قال اصیب رجل فی عهد رسول اللہ ﷺ فی ثمار ابتاعها فکثر دینه فقال رسول اللہ تصدقوا علیہ فتصدق الناس علیہ فلم یبلغ ذلک وفاء دینه فقال رسول اللہ لغرمائه خذوا ما وجدتم و لیس لکم الا ذلک (الف) (مسلم شریف، باب استحباب الوضع من الدین ص ۱۶ نمبر ۱۵۵۶ کتاب المساقات والمز ارعة) اس حدیث میں ہے کہ دین ادا کرنے کے بعد مال ختم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کو رہا کر دو۔

نوٹ دو ماہ اور تین ماہ کی قید تحقیق حال کے لئے ہے۔ اگر اس سے کم میں بھی تحقیق ہوگئی کہ اس کے پاس واقعی مال نہیں ہے تو رہا کر دیا جائے گا۔

لغت خلی سبیلہ : اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا، رہا کر دیا جائے گا۔

[۱۰۹۳] ۱ (۴۲) ایسے ہی اگر قائم کر دیا بینہ اس بات پر کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔

تشریح دو ماہ سے پہلے ہی مفلس نے شہادت قائم کر دی کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو اس کو رہا کر دیا جائے گا۔

مجا قید کرنے کا مقصد مال کی تحقیق تھی اور بینہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ اس کے پاس مال نہیں ہے اس لئے اس کو دو ماہ سے پہلے بھی رہا کر دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی کو حضورؐ کے زمانے میں پھل میں بیماری لگ گئی جس کو اس نے خریدا تھا۔ پس اس پر دین بہت ہو گیا تو آپؐ نے قرضخواہوں سے فرمایا جو تم لوگوں نے پایا وہ لے لو اس کے علاوہ تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔

[۱۰۹۴] (۴۳) ولا يحول بينه وبين غرماءه بعد خروجه من الحبس بل يلا زمونه
 [۱۰۹۵] (۴۴) ولا يمنعون من التصرف والسفر [۱۰۹۶] (۴۵) ويأخذون فضل كسبه
 فيقسم بينهم بالحصص [۱۰۹۷] (۴۶) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله اذا فلسه

[۱۰۹۴] (۴۳) اور نہ حائل ہو مفلس اور اس کے قرضخواہوں کے درمیان قید سے نکلنے کے بعد بلکہ وہ اس کے پیچھے لگے رہیں گے۔

تشریح مفلس کے پاس مال کا پتہ نہیں لگا اس لئے قاضی نے اس کو قید سے رہا کر دیا اب حاکم مفلس اور قرضخواہوں کے درمیان حائل نہ ہوں بلکہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ مفلس کے پیچھے لگے رہیں۔ اور جب مفلس کے ہاتھ میں رقم آئے اس سے اپنا قرض وصول کر لے۔

مذہب قید کرنا مال کی تحقیق کے لئے تھا سزا کے طور پر نہیں تھا اس لئے قرضخواہ کا قرض مفلس پر باقی ہے۔ اس لئے بعد میں بھی مفلس کے پیچھے لگا رہے گا تا کہ اپنا قرض وصول کر سکے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال مطل الغنی ظلم واذا ابتع احدکم علی ملی فلیبتع (الف) (مسلم شریف، باب تحریم مطل الغنی وصحة الحوالۃ ص ۱۸ نمبر ۱۵۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹال مٹول کرنے والے کے پیچھے لگے تو لگ سکتا ہے (۳) حضرت معاویہؓ پر بہت دین ہو گیا تھا تو قرض دینے والے ان کے پیچھے لگے تھے۔ عن جابر بن عند اللہ قال کان معاذ بن جبل من احسن الناس وجها واحسنهم خلقا اسمعہم کففا دان دینا کثیرا فلزمہ غرماءہ حتی تغیب عنہم ایاما فی بیتہ (ب) (سنن للبیہقی، باب لایواجر المحرفی دین علیہ ولا یلازم اذالم یوجد لہ شیء، ج ۱ ص ۸۳، نمبر ۱۱۲۷) اس اثر میں ہے کہ دین کی وجہ سے قرض خواہ حضرت معاذ کے پیچھے لگے اور وہ کئی دن تک چھپے رہے۔ اس لئے دین وصول کرنے کے لئے قرض خواہ پیچھے لگ سکتا ہے۔

[۱۰۹۵] (۴۴) مفلس کو تصرف کرنے سے اور سفر کرنے سے نہیں روکیں گے۔

مذہب بیع و شراء نہیں کرے گا اور سفر نہیں کرے گا تو قرض خواہ کا دین کیسے ادا کرے گا۔ اس لئے مفلس کو بیع و شراء کرنے اور سفر کرنے سے نہیں روکیں گے۔

[۱۰۹۶] (۴۵) اور لیکن اس کی کمائی کی بچت اور آپس میں تقسیم کریں گے حصے کے مطابق۔

تشریح مفلس کی حاجت اصلیه مقدم رہے گی۔ اس میں خرچ کرنے کے بعد جو بچے گا اس کو قرضخواہ لوگ آپس میں اپنے حصے کے مطابق تقسیم کریں گے۔ تقسیم کرنے کا طریقہ پہلے گزر چکا ہے۔

[۱۰۹۷] (۴۶) امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر حاکم نے اس کو مفلس قرار دیدیا تو حاکم اس کے درمیان اور قرضخواہوں کے درمیان حائل ہوگا مگر یہ کہ بینہ قائم کرے کہ اس کو مال حاصل ہو گیا ہے۔

حاشیہ : (ب) آپؐ نے فرمایا مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم مالدار آدمی طرف حوالے کئے گئے تو اس کے پیچھے لگنا چاہئے (ب) حضرت معاذؓ اچھے تھے چہرے کے اعتبار سے اور اچھے تھے اخلاق کے اعتبار سے اور نخی تھے ہاتھ کے اعتبار سے۔ اس لئے ان پر بہت سارا قرض ہو گیا۔ پس ان کے پیچھے قرض خواہ پڑے جس کی وجہ سے اپنے گھر میں کئی دنوں تک چھپے رہے۔

الحاکم حال بینہ و بین غرماء ۵ الا ان یقیموا البینة انه قد حصل له مال [۱۰۹۸] (۴۷)
ولا یحجر علی الفاسق اذا کان مصلحا لماله و الفسق الاصلی و الطاری سواء [۱۰۹۹]
(۴۸) و من افلس و عنده متاع لرجل بعینه ابتاعه منه فصاحب المتاع اسوة للغرماء فیہ.

مجاہد اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی کو مفلس قرار دے تو وہ ہمیشہ مفلس نہیں رہتا کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے۔ آج کسی کے پاس مال نہیں ہے تو کل ہو جائے گا اس لئے کسی کو حاکم مفلس قرار دے تو ہمیشہ مفلس باقی نہیں رہتا۔ اس لئے قرضخواہ کو اس کے پیچھے لگنے کی اجازت ہوگی۔ اور صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ کسی کو مفلس قرار دے تو وہ ہمیشہ مفلس شمار ہوتا ہے۔ اور جب وہ مفلس ہے اور اس کے پاس مال نہیں ہے تو قرض خواہوں کو تنگ کرنے کے لئے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لئے حاکم مفلس اور قرض خواہ کے درمیان حائل ہوگا۔ البتہ اگر شہادت کے ذریعہ ثابت کر دے کہ اس کے پاس مال ہے تو پھر قرض خواہ کو لینے کی اجازت ہوگی۔

[۱۰۹۸] (۴۷) اور فاسق پر حجر نہیں کیا جائے گا اگر وہ مال کی اصلاح کرنے والا ہو اور فاسق اصلی اور فاسق طاری برابر ہیں۔

تشریح فاسق دینی امور میں فسق کرتا ہے لیکن مال کو صحیح ڈھنگ سے خرچ کرتا ہے اور صحیح ڈھنگ سے کماتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔
مجاہد کیونکہ حجر کیا جاتا ہے مال کی اصلاح کے لئے اور مال کی اصلاح کر رہا ہے اس لئے حجر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے (۲) حجاج بن یوسف فاسق تھا لیکن فسق کی وجہ سے اس پر حجر نہیں کیا گیا۔ اس لئے فاسق پر فسق کی وجہ سے حجر نہیں کیا جائے گا اگر مال صحیح ڈھنگ پر خرچ کرتا ہو۔

نکتہ الطاری : بعد میں طاری ہو۔

[۱۰۹۹] (۴۸) کسی کو مفلس قرار دیا اور اس کے پاس کسی آدمی کا بعینہ سامان موجود ہو جس کو اس نے اس سے خریدا تھا تو سامان والا اس میں دوسرے قرضخواہوں کے برابر ہے۔

تشریح ایک آدمی کو مفلس قرار دیا۔ اس نے اس سے پہلے کسی آدمی سے مثلاً بکری خریدی تھی۔ اور بکری والے کو قیمت نہیں دی تھی اور وہ بکری مفلس کے پاس بعینہ موجود ہے۔ تو جس طرح اور قرض خواہوں کو اس کے حصے کے مطابق مال ہونے پر قرض ملے گا اسی طرح بکری والے کو مال ہونے پر حصے کے مطابق بکری کی قیمت ملے گی۔ بکری والا اپنی پوری بکری لیجا نہیں سکتا۔ بلکہ بکری بیچ کر سب کو قرض ادا کیا جائے گا۔

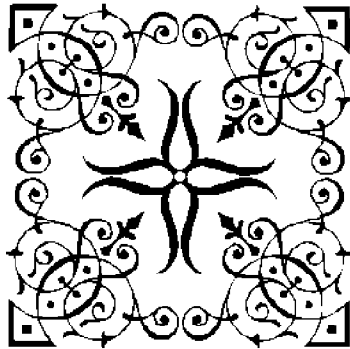
مجاہد بکری کی بیچ ہونے کے بعد یہ بکری مفلس کی ہوگئی۔ بکری والے کی نہیں رہی۔ البتہ مفلس پر اس کی قیمت واجب ہے جو مفلس پر قرض ہوگی۔ اس لئے جس طرح اور قرض خواہ مال آنے پر اپنے حصے کے مطابق لیں گے اسی طرح یہ بکری والا بھی اپنا حصہ لے گا۔ مثلاً بکری کی قیمت ڈھائی سو پونڈ تھی اور مفلس پر دو ہزار قرض تھا۔ زید کا ایک ہزار، عمر کا پانچ سو اور خالد کا ڈھائی سو قرض تھا اور بکری کی قیمت ڈھائی سو پونڈ تھی۔ اور مفلس کے پاس ایک ہزار پونڈ آئے تو ہر ایک قرض خواہ کو آدھا آدھا قرض ملے گا۔ یعنی زید کو پانچ سو، عمر کو ڈھائی سو، خالد کو سو سو اور بکری والے کو بھی ڈھائی سو کا آدھا یعنی سو سو پونڈ ملیں گے۔ اور قرض خواہوں میں شریک ہونگے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ ... فی روايته وایما امرأ هلك و عنده متاع امرأ بعینه اقتضى منه شینا او لم یقتض فھو

اسوۃ الغرماء (الف) سنن للبیہقی، باب المشتري يموت مفلسا بالثمن، ج سادس، ص ۹۷ نمبر ۱۱۲۵۶ اس روایت میں ہے کہ بائع اور قرض خواہوں کے ساتھ قرض میں شریک ہوگا۔

اصول مفلس کے قبضے کے بعد چیز مفلس کی ہوگئی۔ مال والے کی نہیں رہی، وہ قرض خواہوں کی طرح قیمت کا حقدار ہوگا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بکری والے کی بکری بعینہ موجود ہے اس لئے وہ بکری کا زیادہ حقدار ہے اس لئے وہ اپنی پوری بکری مفلس کے پاس لے جائے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمع ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ او قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من ادرك ماله بعينه عند رجل او انسان قد افلس فهو احق به من غيره (ب) (بخاری شریف، باب اذا وجد ماله عند مفلس في البيع والقرض والوديعة فهو احق به ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۲ / مسلم شریف، باب من ادرك ماله عند المشتري وقد افلس فله الرجوع في ص ۱۷۹ نمبر ۱۵۵۹) اس حدیث میں ہے کہ اگر مفلس کے پاس اپنا مال بیعہ پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اس لئے وہ لیگا۔

لغت اسوۃ : برابر کا حصہ دار۔ الغرماء : جمع ہے غریم کی قرض دینے والے، قرض خواہ۔



حاشیہ : (الف) انہیں کی ایک روایت میں ہے کوئی آدمی ہلاک ہو جائے اور اس کے پاس کسی آدمی کا بعینہ سامان موجود ہے اس سے کچھ قیمت وصول کی ہو یا نہ کی ہو تو وہ قرض خواہوں کے برابر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے کسی آدمی کے پاس بعینہ اپنا مال پایا جو مفلس ہو چکا ہو تو وہ اس کے علاوہ سے زیادہ حقدار ہے۔

﴿ کتاب الاقرار ﴾

[۱۱۰۰] (۱) اذا اقر الحر البالغ العاقل بحق لزمه اقراره مجهولا كان ما اقر به او معلوما

﴿ کتاب الاقرار ﴾

ضروری نوٹ اپنے اوپر کسی حد، قصاص یا مال کے اقرار کرنے کو اقرار کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال اتی رجل رسول الله وهو في المسجد فناداه فقال يا رسول الله اني زنيت فاعرض عنه حتى ردد عليه اربع مرات فلما شهد على نفسه اربع شهادات دعاه النبي ﷺ فقال ابك جنون؟ قال لا قال فهل احصنت؟ قال نعم فقال النبي ﷺ اذهبوا به فارجموه (الف) (بخاری شریف، باب لا ير حسم المجنون والمجنونة ص ۲۰۶ نمبر ۶۸۱۵) مسلم شریف، باب من اعترف على نفسه بالزنى ج ثانی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۵) اس حدیث میں حضرت ماعز نے اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا پھر ان پر حد زنا جاری کی گئی۔ اس سے اقرار کا ثبوت ہوا (۲) اس آیت میں اقرار کا ثبوت ہے۔ قال اقرتم واخذتم على ذلكم اصري قالوا اقرنا (آیت ۸۱ سورہ آل عمران)

[۱۱۰۰] (۱) اگر آزاد بالغ اور عاقل آدمی کسی حق کا اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔ چاہے جس چیز کا اقرار کیا وہ مجہول ہو یا معلوم۔ کوئی عاقل، بالغ اور آزاد آدمی اپنے اوپر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے تو وہ حق لازم ہو جائے گا۔ اقرار معلوم ہو مثلاً یوں کہے کہ مجھ پر فلاں کے بیس پونڈ ہیں یا اقرار مجہول ہو مثلاً یوں کہے کہ مجھ پر فلاں کے کچھ پونڈ ہیں۔ دونوں صورتوں میں اقرار لازم ہو جائے گا اور اقرار صحیح ہوگا۔

م آزاد کی قید اس لئے لگائی کہ غلام مال کا اقرار کرے تو وہ مال مولیٰ پر لازم ہوگا اور مولیٰ کا نقصان ہوگا۔ اس لئے اگر تجارت کی اجازت نہ دی ہو تو غلام اپنے اوپر مال کا اقرار نہیں کر سکتا۔ ہاں! اپنے اوپر حد اور قصاص کا اقرار کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی جان کا نقصان ہے۔ اور اس کا یہ ذاتی حق ہے۔ بالغ اور عاقل کی قید اس لئے لگائی کہ بچے اور مجنون کی باتوں کا اور اس کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔ عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن المبتلى حتى يبرأ وعن الصبي حتى يكبر (ب) (ابوداؤد شریف، باب في المجنون يسرق او يصب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۳۹۸) کہ سونے والے اور مجنون اور بچے سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں حضورؐ نے حضرت ماعز سے پوچھا ہے ابک جنون؟ کیا آپ کو جنونیت تو نہیں ہے؟ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر جنونیت کی حالت میں اقرار کر رہے ہیں تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اس سے حد لازم نہیں ہوگی۔ مجہول اقرار کا اعتبار اس لئے ہے کہ

حاشیہ : (الف) فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور کے پاس آیا اس حال میں کہ آپ مسجد میں تھے تو آواز دے کر فرمایا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ پس آپ نے اس سے اعراض کر لیا یہاں تک کہ چار مرتبہ لوٹا یا۔ پس جب اپنی ذات پر چار مرتبہ گواہی دی تو آپ نے اس کو بلایا اور پوچھا کیا تم کو جنون ہے؟ کہا نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تم محسن ہو؟ کہا ہاں! آپ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم کرو (ب) آپ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے، سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔ مجنون سے یہاں تک کہ تندرست ہو جائے اور بچے سے یہاں تک کہ بڑا ہو جائے۔

[۱۱۰۱] (۲) ويقال له بين المجهول فان لم يبين اجبره الحاكم على البيان [۱۱۰۲] (۳)

فان قال لفلان على شيء لزمه ان يبين ماله قيمة [۱۱۰۳] (۴) والقول فيه قوله مع يمينه

کبھی دوسرے کا نقصان کر دیتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کتنا نقصان ہوا لیکن اقرار کرتا ہے کہ جو نقصان ہوا میں ادا کروں گا۔ اس لئے مجہول نقصان کا اقرار کرنا جائز ہے۔

[۱۱۰۱] (۲) اور کہا جائے گا اقرار کرنے والے کو کہ مجہول چیز کو بیان کریں۔ پس اگر نہیں بیان کرے تو حاکم اس کو بیان کرنے پر مجبور کرے گا۔
وجہ جب اقرار کیا تو دوسرے کا حق اس پر لازم ہو گیا اس لئے حاکم اس کو مجبور کر کے بیان کروائے گا اور حق والے کا حق دلوائے گا (۲) حدیث میں حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ نے ڈھکی چھپی بات کہی اور زنا کا اقرار کیا تو آپؐ نے وضاحت طلب کی اور بیان کرنے کے لئے سوال کیا۔ قال جاء ماعز بن مالک الى النبي ﷺ فقال يا رسول الله طهرني ... حتى اذا كانت الرابعة فقال له رسول الله ﷺ فيم اطهرك فقال من الزنى . اسی حدیث کے اگلے ٹکڑے میں ہے۔ قال ثم جائته امرأة من غامد من الازد فقالت يا رسول الله طهرني ... قال وما ذاك؟ قالت انها جلی من الزنا فقال انت؟ قال نعم (الف) (مسلم شریف، باب من اعترف على نفسه بالزنى نمبر ۱۶۹۵) اس حدیث میں حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ نے فرمایا مجھے پاک کیجئے یا رسول اللہ لیکن کس چیز سے پاک کیجئے یہ نہیں بتلایا یہ مجہول تھا تو آپؐ نے استفسار فرمایا کہ کس چیز سے پاک کروں۔ جس سے ظاہر ہوا کہ اقرار میں جہالت ہو تو حاکم بیان طلب کرے گا۔ اور کسی کا بندے کا حق اس سے متعلق ہو تو بیان کرنے پر مجبور بھی کرے گا۔

[۱۱۰۲] (۳) اگر کہا فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو اس کو لازم ہے کہ ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت ہو۔

تشریح کسی نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو لفظ کچھ مجہول ہے اس لئے اس کو بیان کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن کچھ کا مطلب ہوتا ہے کوئی قیمتی چیز، اس لئے ایسی چیز کا اقرار کرنا ہوگا جس کی کچھ قیمت ہو۔ اور اگر ایسی چیز بیان کی جس کی کوئی قیمت نہیں تو یہ اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے۔ اور اقرار کے بعد رجوع کرنا چاہے تو رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اثر میں ہے۔ عن ابراهيم السخعي ان رجلا اقر عند شريح ثم ذهب ينكر فقال له شريح شهد عليك ابن اخت خالتك (سنن للبیہقی، باب من یجوز اقراره، ج سادس، ص ۱۳۹، نمبر ۱۱۴۵۲) اس اثر میں اقرار کرنے والا آدمی انکار کرنے لگا تو قاضی شریح نے غصے کا اظہار فرمایا اور اس کو رجوع کرنے نہیں دیا۔ اس لئے اقرار کے بعد رجوع کرنے نہیں دیا جائے گا تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

[۱۱۰۳] (۴) قول اس میں اقرار کرنے والے کے قول کا اعتبار ہے اس کی قسم کے ساتھ اگر مقرر اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے۔

تشریح مدعی کے پاس بیئہ نہیں ہے اور اقرار کرنے والا مثلاً دس پونڈ کا اقرار کرتا ہے اور مدعی یعنی مقرر کہتا ہے کہ پندرہ پونڈ ہیں تو مقرر کی بات قسم

حاشیہ: (الف) فرمایا حضرت ماعز حضور کے پاس آئے اور فرمایا مجھے پاک کیجئے یا رسول اللہ... یہاں تک کہ جب چوتھی مرتبہ ہوا تو حضورؐ نے اس سے پوچھا کس چیز سے پاک کروں تو فرمایا زنا سے۔ اگلے ٹکڑے کا ترجمہ: حضور کے پاس قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت آئی اور فرمایا اے اللہ کے رسول مجھے پاک کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہنے لگی میں زنا سے حاملہ ہوں۔ آپؐ نے پوچھا تم؟ کہا ہاں!۔

ان ادعی المقر له اکثر منه [۱۰۴] (۵) واذا قال له علی مال فالمرجع فی بیانه الیه ویقبل قوله فی القلیل والکثیر [۱۱۰۵] (۶) فان قال له علی مال عظیم لم یصدق فی اقل من مائتی درهم [۱۱۰۶] (۷) وان قال له علی دراهم کثیرة لم یصدق فی اقل من عشرة کے ساتھ مانی جائے گی۔

مجا مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ اور منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔ اور مقرر یہاں منکر ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی اور دس پونڈ کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیہ (الف) (مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۱۷۱ کتاب الاقضية/بخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ص ۳۶۶ نمبر ۲۶۶۸ کتاب الشهادة) (۳) اور دارقطنی میں ہے۔ عن ابی ہریرة ان رسول اللہ ﷺ قال البينة علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامة (ب) (دارقطنی، کتاب الاقضية والاحكام ج رابع ص ۱۳۹ نمبر ۴۴۶۱) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مدعی پر بیہ ہے اور مدعی علیہ اور منکر پر قسم ہے اور قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔ [۱۱۰۴] (۵) اگر کہا اس کا میرے اوپر مال ہے تو رجوع کیا جائے گا اس کے بیان میں اس کی طرف اور قبول کیا جائے گا اس کے قول کو تھوڑے اور زیادہ میں۔

تشریح مقرر کہتا ہے فلاں کا میرے اوپر مال ہے تو کتنا مال ہے اس بارے میں مقرر سے ہی استفسار کیا جائے گا اور کم زیادہ جتنا کہے اسی کی بات مان لی جائے گی۔ البتہ ایک درہم سے کم میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ ایک درہم سے کم کو مال نہیں کہتے ہیں۔

مجا چونکہ مقرر جسکے لئے اقرار کیا ہے اس کے پاس اس کے خلاف کوئی بیہ نہیں ہے اس لئے مقرر کی قسم کے ساتھ جتنا کہتا ہے اسی کی بات مانی پڑے گی۔

[۱۱۰۵] (۶) پس اگر کہا میرے اوپر فلاں کا مال عظیم ہے تو دوسو درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

مجا شریعت میں دوسو درہم یا بیس دینار کو مال عظیم کہتے ہیں۔ اسی لئے دوسو درہم یا بیس دینار پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس لئے مال کے ساتھ عظیم کی صفت بڑھائی ہے تو دوسو درہم سے کم میں اقرار مقبول نہیں ہے۔ اتنا یا اس سے زیادہ اقرار کرنا ہوگا۔

نوٹ آگے کے مسائل الفاظ اور اس کے محاورات پر متفرع ہیں۔ حدیث کے دلائل ضروری نہیں ہیں۔

[۱۱۰۶] (۷) اور اگر کہا فلاں کا میرے اوپر بہت سارے درہم ہیں تو دس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

مجا ایک تو درہم جمع کا صیغہ بولا ہے۔ پھر درہم کے ساتھ کثیرۃ کی صفت ہے تو عربی کثرت میں درہم جمع کا صیغہ دس تک بولا جاتا ہے۔ کہتے ہیں عشرة دراهم، اور اس کے بعد گیارہ سے واحد کا صیغہ آ جاتا ہے۔ کہتے ہیں احد عشر درهما، تو احد عشر میں درہم واحد کا صیغہ

حاشیہ: (الف) آپ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ فرمایا (ب) آپ نے فرمایا گواہ اس پر ہے جس نے دعویٰ کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسامت میں۔

دراہم [۱۱۰۷] (۸) فان قال له علی دراهم فهي ثلاثة الا ان يبين اكثر منها [۱۱۰۸] (۹)
وان قال له علی کذا درهما لم يصدق في اقل من احد عشر درهما [۱۱۰۹] (۱۰)
وان قال کذا و کذا درهما لم يصدق في اقل من احد وعشرين درهما [۱۱۰] (۱۱) وان

آگیا۔ اس لئے دراہم جمع کا صیغہ آخری دس تک ہے اس لئے دراہم کثیرۃ بولا تو دس درہم کا اقرار کرنا ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دراہم کثیرۃ سے کثرت اموال مراد ہے اور وہ شریعت کی نگاہ میں مال نصاب ہے اس لئے دوسو درہم کا اقرار ضروری ہے۔

[۱۱۰۷] (۸) پس اگر کہنا فلاں کے مجھ پر دراہم ہیں تو وہ تین درہم ہوں گے۔ مگر یہ کہ اس سے زیادہ بیان کر دے۔

تشریح کوئی یوں اقرار کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں کے دراہم ہیں۔ جمع کا صیغہ بولتا ہے لیکن اس کے بعد کثیرۃ کا اضافہ نہیں کرتا ہے تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے **مجب** دراہم جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہے اس لئے تین کا اقرار کرنا ہوگا۔ اور اگر اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو اس کی مرضی ہے۔ کیونکہ جمع کا صیغہ زیادہ پر بھی شامل ہے۔

[۱۱۰۸] (۹) اگر کہنا فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی گیارہ سے کم میں۔

مجب اتنے اتنے دو مرتبہ بولا ہے تو عدد میں دو مرتبہ کی عدد گیارہ میں آتی ہے۔ اور درمیان میں حرف عطف واو بھی نہیں ہے تو یہ شکل گیارہ میں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں احد عشر درہما۔ اس میں دو عدد ہیں ایک احد اور عشر اور درمیان میں واو بھی نہیں ہے۔ اس لئے گیارہ سے کم درہموں میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

[۱۱۰۹] (۱۰) اور اگر کہنا اتنے اور اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی اکیس درہم سے کم میں۔

مجب عربی عدد بولنے میں اکیس کے عدد میں دو عدد آتی ہیں اور دونوں کے بیچ میں حرف واو آتا ہے۔ کہتے ہیں احد و عشرون درہما، اس لئے جب کذا و کذا کہنا تو اکیس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ہاں اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو جائز ہے۔ کیونکہ وہ بھی کذا و کذا میں شامل ہے۔

[۱۱۱۰] (۱۱) اور اگر کہنا فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

مجب عربی میں علی کا لفظ اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس لئے اگر یوں کہا کہ میرے اوپر ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس پر فلاں کا قرض ہے۔ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ عن سرق قال کان لرجل مال علیّ او قال علی دین (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۱ نمبر ۳۰۰) اس اثر میں مال علیّ سے اپنے اوپر دین لازم کرنے کا اقرار ہے اس لئے کسی نے علیّ کہا تو دین کا اقرار سمجھا جائے گا۔ اور قبلی میری طرف سے بھی دین کا اقرار ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت سرق نے فرمایا کہ میرے اوپر ایک آدمی کا قرض تھا یا یوں فرمایا کہ مجھ پر دین تھا۔

قال له علي او قبلي فقد اقر بدین [۱۱۱] (۱۲) وان قال له عندي او معي فهو اقرار بما
نته في يده [۱۱۲] (۱۳) وان قال له رجل لي عليك الف درهم فقال اتزنها او انتقدها
او اجلني بها او قد قضيتكها فهو اقرار [۱۱۳] (۱۴) ومن اقر بدین مؤجل فصدقه المقر

نوٹ قبلی امانت کے طور پر مال رکھنے کے لئے بھی آتا ہے مگر وہ معنی دوسرے درجے میں ہے اس لئے پہلے معنی یعنی دین کا اقرار لیا جائے گا۔

[۱۱۱] (۱۲) اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے پاس ہے یا میرے ساتھ ہے تو یہ اس کے ہاتھ میں امانت کا اقرار ہے۔
وجہ لفظ مَعِي اور عِنْدِي الزام کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ امانت ہونے کی خبر دیتے ہیں اس لئے اگر کسی نے کہا میرے پاس ہے یا میرے ساتھ ہے تو امانت پر رکھنے کا اقرار ہوگا، قرض کا اقرار نہیں ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چیز بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مقر پر اس کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

[۱۱۲] (۱۳) اگر کسی آدمی نے اس سے کہا کہ میرے تم پر ہزار درہم ہیں۔ پس اس نے کہا اس کو وزن کر لو یا اس کو پرکھ لو یا مجھ کو مہلت دے دو یا میں نے اس کو ادا کر دیا ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

تشریح مثلاً زید نے عمر سے کہا کہ میرے تم پر ہزار درہم ہیں۔ عمر اس کا انکار نہیں کرتا بلکہ جواب میں ایسے جملے استعمال کرتا ہے جن سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ کا دین مجھ پر ہے۔ البتہ کچھ معذرت چاہتا ہے تو اس سے سمجھا جائے گا کہ عمر دین کا اقرار کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے عمر پر ایک ہزار درہم لازم ہو جائیں گے۔ مثلاً زید نے عمر سے کہا کہ میرے آپ پر ایک ہزار ہیں۔ عمر نے جواب میں کہا اس کو وزن کر لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہزار دین ہیں۔ البتہ اس دین کو وزن کر لیں تو ایک ہزار دین کا اقرار ہوا۔ اور اگر اقرار نہ کرنا ہوتا تو صراحتہ جواب دے دیتا کہ مجھ پر اس کے کوئی درہم نہیں ہے۔ یا جواب میں کہا اس ہزار کو پرکھ لو۔ یہ لفظ بھی دلیل ہے کہ ہاں مجھ پر ہزار درہم دین ہیں، وہ لیں اور پرکھ لیں کہ کھرے ہیں یا کھوٹے؟ تو اس لفظ سے بھی ہزار کے دین ہونے کا اقرار ہوا۔ یا کہا کہ مجھ کو اس ہزار کے بارے میں مہلت دیں تو اس کا مطلب بھی یہی ہوا کہ ہزار مجھ پر دین ہیں۔ البتہ ان کو ادا کرنے کے لئے مہلت چاہئے۔ یا یوں کہا کہ میں نے ہزار ادا کر دیئے ہیں تو اس میں اس کا پتہ چلا کہ ہزار درہم دین تو تھے البتہ ان کو ادا کر دیا ہے۔ اس لئے دین کا اقرار ہوا اور ادا کرنے پر کوئی مینہ نہیں ہے اس لئے ادا کرنا نہیں مانا جائے گا۔ دین کا اقرار مانا جائے گا۔

وجہ ان چاروں جوابوں میں ہا کا لفظ استعمال کیا جس کا مرجع وہی ہزار ہے۔ اس لئے ہزار کا اقرار ہوگا۔

اصول کوئی کسی پر دین کا الزام رکھے اور مقر جواب میں ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے دین کے اقرار کا اشارہ ملتا ہو تو دین لازم ہو جائیگا۔

[۱۱۳] (۱۴) کسی نے اقرار کیا دین مؤجل کا پس مقر لہ نے اس کی تصدیق کی دین میں اور اس کی تکذیب کی تاخیر میں تو مقر کو دین فی الحال

له فی الدین و کذبہ فی التاجیل لزمه الدین حالا ویستحلف المقر له فی الاجل [۱۱۴]

(۱۵) ومن اقر بدين و استثنى شيئا متصلا باقراره صح الاستثناء ولزمه الباقي وسواء استثنى

لازم ہوگا اور مقر لہ سے قسم لی جائے گی تاخیر کے بارے میں۔

تشریح مثلاً زید نے عمر کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم قرض ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ایک مہینے کی تاخیر کے ساتھ ہے۔ عمر نے تصدیق کی کہ ایک ہزار درہم قرض ہیں لیکن تاخیر کی تکذیب کی اور کہا کہ وہ دین تو فوری ادا کرنے کی شرط کے ساتھ ہے تاخیر کے ساتھ نہیں ہے۔ تو زید پر فوری قرض ادا کرنا لازم ہوگا۔ تاخیر قابل قبول نہیں ہوگی۔ البتہ عمر مقر لہ تاخیر کا انکار کرتا ہے اس لئے اس پر اس انکار کے سلسلے میں قسم لازم ہوگی۔

مجاہد زید دو باتوں کا اقرار کر رہا ہے۔ ایک دین کا اور دوسرا تاخیر کا۔ عمر نے دین کی تصدیق کی اس لئے وہ لازم ہو گیا اور تاخیر کا انکار کیا اس لئے وہ منکر ہو گیا اور مدعی زید کے پاس تاخیر کے ثبوت کے لئے بینہ نہیں ہے اس لئے منکر عمر پر عدم تاخیر کے لئے قسم لازم ہوگی۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ منکر پر قسم ہے۔

نکتہ التاجیل : تاخیر، تاخیر کے ساتھ مدت دیں۔ يستحلف : قسم لی جائے گی۔

﴿ احکام استثناء ﴾

[۱۱۴] (۱۵) کسی نے دین کا اقرار کیا اور کسی چیز کا استثناء کیا اپنے اقرار کے ساتھ ہی تو استثناء صحیح ہے۔ اور لازم ہوگا اس کو باقی، چاہے کم کا استثناء کرے یا زائد کا۔

تشریح کسی نے کسی کے لئے مثلاً سو پونڈ دین کا اقرار کیا لیکن اقرار کے متصل ہی دس پونڈ کا استثناء کیا مثلاً یوں کہا کہ عمر کے میرے اوپر سو پونڈ ہیں مگر دس پونڈ تو استثناء کے بعد جو نوے پونڈ باقی بچے وہ لازم ہوں گے۔

مجاہد محاورات میں استثناء کر کے بولنے کا رواج ہے۔ اس لئے استثناء کر کے بولنا صحیح ہے۔ اور استثناء کے بعد جو باقی بچتے ہیں اسی کا اعتبار ہوتا ہے۔ مثال مذکور میں سو پونڈ میں دس پونڈ استثناء کر کے باقی نوے پونڈ بچے تھے اس لئے نوے پونڈ کا اقرار مانا گیا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اقرار کے ساتھ ہی استثناء کرے تب اس کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر جملہ پورے ہونے کے بعد استثناء کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ پورے کا اقرار کر کے اب مثلاً دس پونڈ سے رجوع کر رہا ہے۔ اس لئے منفصل استثناء کا اعتبار نہیں ہے۔ حدیث میں استثناء کیا گیا ہے اور متصل کیا گیا ہے۔ عن ابی ہریرۃ روایۃ قال للہ تسعة وتسعون اسما مائة الا واحدا من حفظها دخل الجنة وهو وتر يحب الوتر (الف) (بخاری شریف، باب للہ مائۃ اسم غیر واحدۃ، ص ۹۴۹، نمبر ۶۴۱۰، کتاب الدعوات / مسلم شریف، باب فی اسماء اللہ تعالیٰ و فضل من احصاها ص ۳۴۲ نمبر ۶۸۱۰۶۲۶۷۷ کتاب الذکر والدعاء) اس حدیث میں آپؐ نے سو سے ایک کو متصل استثناء کیا ہے اور اللہ کے ننانوے نام گنائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ متصل استثناء صحیح ہے۔ اور استثناء کے بعد باقی عدد کا اعتبار ہوگا۔

حاشیہ : (الف) ابو ہریرۃ کی روایت ہے، اللہ کے ننانوے نام ہیں سو گرا یک کم جس نے ان کو یاد کیا جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔

الاقل والاكثر [۱۱۵] (۱۶) فان استثنى الجميع لزمه الاقرار وبطل الاستثناء [۱۱۶]

(۱۷) وان قال له على مائة درهم الا دينار او الا قفيز حنطة لزمه مائة درهم الا قيمة

الدينار او القفيز [۱۱۷] (۱۸) وان قال له على مائة و درهم فالمائة كلها

[۱۱۵] (۱۶) اور اگر تمام کا استثناء کیا تو اس کو پورا اقرار لازم ہوگا اور استثناء باطل ہوگا۔

تشریح مثلاً اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر سو پونڈ ہیں مگر سو پونڈ۔ تو پورے سو پونڈ لازم ہوں گے اور استثناء کیا ہوا باطل ہوگا۔

مذہب استثناء کا مطلب ہے کہ پوری تعداد میں سے کچھ کم کر کے باقی لازم ہو اور یہاں پورا کا پورا استثناء کر دیا تو استثناء کے بعد کچھ نہیں بچا تو گویا

کہ اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے اس لئے رجوع کرنے نہیں دیا جائے گا۔ اور استثناء سے پہلے کی تعداد لازم ہوگی۔

اصول پورا کا پورا استثناء کرنے سے پورا ہی لازم ہوگا۔

[۱۱۶] (۱۷) اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا مگر ایک قفيز گیہوں تو اس کو لازم ہوں گے سو درہم مگر دینار کی قیمت یا قفيز کی

قیمت کم۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ خلاف جنس سے استثناء کرے تو کس کس جنس سے خلاف جنس کا استثناء صحیح ہے۔ تو اس میں قاعدہ یہ ہے

کہ قریب قریب جنس کا ہوتا تو اس سے استثناء صحیح ہے۔ جیسے دینار اور درہم کے جنس قریب ہیں۔ کیونکہ دونوں ثمن ہیں۔ اسی طرح ایک

قفیز گیہوں درہم کی جنس کے قریب ہے کیونکہ کیلی اور وزنی اور متقارب عددی چیزیں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کسی بیج میں گیہوں،

چاول، آٹا کو ثمن بنائے تو بن سکتے ہیں۔ اس لئے کچھ نہ کچھ درہم کی جنس سے ہوئے۔ اور جب قریب قریب جنس کی ہوئی تو درہم سے اس کا

استثناء درست ہوگا اور سو درہم سے اس کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔ اور کپڑے میں گز صفت ہے اس لئے وہ ثمن بننے کی صلاحیت نہیں

رکھتے۔ اس لئے سو درہم سے کپڑے کا استثناء کرے تو استثناء صحیح نہیں ہے۔ اس لئے پورے سو درہم ہی لازم ہوں گے۔ اس قاعدہ کے اعتبار

سے اگر یوں کہا کہ فلاں کے میرے اوپر سو درہم ہیں مگر ایک دینار تو سو درہم میں سے ایک دینار کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔ اسی طرح

مقرر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کے سو درہم ہیں مگر ایک قفيز گیہوں تو سو درہم سے ایک قفيز گیہوں کا استثناء صحیح ہے۔ کیونکہ ثمنیت کے اعتبار سے دونوں

ایک جنس ہیں۔ اس لئے سو درہم میں سے ایک قفيز گیہوں کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔

اصول مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ قریب قریب جنس کے ہوں تو استثناء صحیح ہے ورنہ نہیں۔

[۱۱۷] (۱۸) اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو سو پورے کے پورے درہم ہی ہوں گے۔

تشریح کسی نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو پورے سو درہم ہی لازم ہوں گے۔ اور کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

مذہب اصل میں حرف عطف کے ساتھ جو درہم ہے وہ سو کی تفسیر ہے کہ پہلے جو سو بولا ہے وہ درہم ہیں کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس لئے اس تفسیر کی

وجہ سے پورے سو درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ درہم سو کی تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یوں بھی عموماً گنتی بول کر رقم مراد لیتے ہیں۔ چونکہ عام

استعمال میں ایسا ہوتا ہے کہ سو بول کر درہم مراد لیتے ہیں اس لئے درہم سو کی تفسیر بن گیا اور سو درہم ہی لازم ہوں گے۔

دراهم [۱۱۸] (۱۹) وان قال له على مائة وثوب لزمه ثوب واحد والمرجع في تفسير المائة اليه [۱۱۹] (۲۰) ومن اقر بحق فقال ان شاء الله تعالى متصلا باقراره لم يلزمه الاقرار [۱۲۰] (۲۱) ومن اقر و شرط الخيار لنفسه لزمه الاقرار وبطل الخيار.

[۱۱۸] (۱۹) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑا ہے تو اس کو ایک کپڑا لازم ہوگا اور رجوع کیا جائے گا سو کی تفسیر میں مقرر کی طرف۔

مجا اس صورت میں بھی کپڑے کا عطف سو پر ہے اور معطوف معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے اس لئے کپڑا سو سے الگ ہونا چاہئے۔ اور عام استعمال میں سو بولکر درہم اور دینار تو مراد لیتے ہیں کپڑا مراد نہیں لیتے اس لئے کپڑا سو کی تفسیر نہیں بن سکے گا۔ اس لئے ایک کپڑا لازم ہوگا۔ اور سو کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ مقرر کی مراد کیا ہے وہ جو کہے گا وہی لازم ہوگا۔

نوٹ جہاں پہلے سے کپڑے کا قرینہ موجود ہو وہاں سو سے کپڑا مراد لے لیا جائے گا۔

[۱۱۹] (۲۰) کسی نے اقرار کیا کسی حق کا پس ان شاء اللہ اپنے اقرار کے ساتھ متصل کہا تو اس کو اقرار لازم نہیں ہوگا۔

تشریح کسی نے کسی کے حق کا اقرار کیا اور اقرار کے ساتھ ہی متصلا ان شاء اللہ کہا تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ مقرر پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔
مجا (۱) اپنے اقرار کو اللہ کے چاہنے پر متعلق کیا اور اللہ کا چاہنا معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ کیا چاہتے ہیں۔ اس لئے اقرار باطل ہو جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ ان شاء اللہ کے ساتھ کسی نذر، طلاق، قسم وغیرہ کو معلق کرے تو وہ واقع نہیں ہوں گے اور نہ قسم واقع ہوگی۔ حدیث میں ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من حلف على يمين فقال ان شاء الله فلا حنث عليه (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین ص ۲۸۰ نمبر ۱۵۳۱) اس حدیث میں ہے کہ قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دے تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم منعقد نہیں ہوگی۔ اسی طرح اقرار کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دے تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ اور اقرار کا صرف وعدہ ہوگا۔ جس کا اعتبار نہیں ہے۔ لیکن شرط ہے کہ اقرار کے ساتھ متصلا کہے۔ اگر منفصل کر کے کہا تو اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا اور اقرار واجب ہو جائے گا۔

[۱۲۰] (۲۱) کسی نے اقرار کیا اور اپنے لئے شرط اختیار لیا تو اس کو اقرار لازم ہوگا اور اختیار باطل ہوگا۔

تشریح مثلاً کسی نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر سو پونڈ ہیں لیکن مجھے تین دن تک سوچنے کا موقع دیں کہ میں اقرار کروں یا نہ کروں۔ تو اقرار کے مطابق عمر کو سو پونڈ دینا ہوگا۔ اور اقرار کرے یا نہ کرے اس کے لئے تین دن تک سوچنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

مجا اقرار کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ واقعی عمر کا اس پر دین ہے۔ جس کا ادا کرنا واجب ہے۔ اور سوچنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دین نہیں ہے صرف احسان کرتے ہوئے میں سوچ کر اس کا اقرار کروں گا۔ تو پہلے اقرار کی نفی ہوگئی۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار کے بعد ادا کرنا واجب ہوتا ہے اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ اس لئے اختیار شرط لینا باطل ہوگا۔ اور اقرار کے مطابق دین ادا کرنا واجب ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی یمین پر قسم کھائی، پس ان شاء اللہ کہا تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم منعقد نہیں ہوگی۔

[۱۱۲۱] (۲۲) ومن اقر بدار واستثنى بنائها لنفسه فللمقر له الدار والبناء جميعا
 [۱۱۲۲] (۲۳) وان قال بناء هذه الدار لى والعروة لفلان فهو كما قال [۱۱۲۳] (۲۴)
 ومن اقر بتمر فى قوصرة لزمه التمر والقوصرة [۱۱۲۴] (۲۵) ومن اقر بدابة فى اصطبل

[۱۱۲۱] (۲۲) کسی نے گھر کا اقرار کیا اور اس کی عمارت کا اپنے لئے استثناء کیا تو مقرلہ کے لئے گھر اور عمارت سب ہوں گے۔

تشریح یوں اقرار کرتا ہے کہ گھر عمر کے لئے ہے اور اس کی عمارت میرے لئے ہے تو گھر اور عمارت سب مقرلہ یعنی جس کے لئے اقرار کیا ہے اس کے لئے ہوگا۔

مجاہد عمارت ہی کا نام گھر ہے۔ عمارت نہ ہو تو گھر کیسے بنے گا۔ اس لئے عمارت کا اپنے لئے استثناء کرنا گویا کہ گھر کا انکار کرنا ہے۔ اس لئے استثناء باطل ہوگا۔ اور گھر اور عمارت مقرلہ کے لئے ہوگا۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اقرار میں جو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ان کا استثناء صحیح نہیں ہے۔ ورنہ اقرار سے رجوع شمار ہوگا۔ جیسے انگوٹھی کا کسی کے لئے اقرار کرے اور نگینہ کا استثناء کرے تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نگینہ انگوٹھی کا بنیادی جزو ہے۔ اس لئے اس کا استثناء اقرار سے رجوع ہوگا جو جائز نہیں۔

اصول کسی چیز کے اقرار میں اس کی بنیادی شے کا استثناء صحیح نہیں ہے ورنہ رجوع عن الاقرار شمار ہوگا۔

[۱۱۲۲] (۲۳) اگر کہا اس گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے تو یہ اس کے قول کے مطابق ہوگا۔

تشریح یوں کہا کہ گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے ہے تو گھر کی عمارت مقر کے لئے اور صحن مقرلہ کے لئے ہوگا۔

مجاہد گھر کی عمارت الگ چیز ہے اور صحن الگ چیز ہے۔ صحن عمارت کی بنیادی چیز نہیں ہے بلکہ مزید فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔ اس لئے عمارت اپنے لئے کرنے سے صحن کا انکار لازم نہیں آتا۔ اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ مقر نے صحن کے اقرار سے رجوع کیا۔ اس لئے صحن کا اقرار درست ہے۔ اس لئے عمارت مقر کے لئے اور صحن مقرلہ کے لئے ہوگا۔

اصول بنیادی چیز کے علاوہ کا استثناء کرے تو استثناء جائز ہے۔

[۱۱۲۳] (۲۴) کسی نے اقرار کیا کھجور کا ٹوکری میں تو اس کو لازم ہوگا کھجور اور ٹوکری۔

تشریح کسی نے یوں اقرار کیا کہ میں نے کھجور کو غصب کیا ہے ٹوکری میں تو اس پر کھجور اور ٹوکری دونوں واپس کرنا لازم ہوگا۔

مجاہد یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یہاں طرف یعنی ٹوکری اور مظروف یعنی کھجور ایک ساتھ ہیں۔ جب ٹوکری میں کھجور غصب کیا تو ٹوکری بھی غصب کی ہوگی، کیونکہ طرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں اور منتقل ہو سکتے ہوں تو دونوں لازم ہوں گے۔

لغت قوصرة : ٹوکری۔

[۱۱۲۴] (۲۵) کسی نے اقرار کیا گھوڑے کا اصطبل میں تو اس کو لازم ہوگا صرف گھوڑا۔

تشریح اقرار کیا کہ مثلاً گھوڑا غصب کیا ہے اصطبل میں تو صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا۔

لزمه الدابة خاصة [۱۱۲۵] (۲۶) وان قال غصبت ثوبا في منديل لزمه جميعا [۱۱۲۶] (۲۷) وان قال له على ثوب في ثوب لزمه جميعا [۱۱۲۷] (۲۸) وان قال له على ثوب في عشرة اثواب لم يلزمه عند ابي يوسف رحمه الله تعالى الا ثوب واحد وقال محمد رحمه الله تعالى يلزمه احد عشر ثوبا.

مذ گھوڑے کے ساتھ اصطبیل منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف گھوڑا منتقل ہوتا ہے۔ اس لئے جب کہا کہ گھوڑے کو اصطبیل میں غصب کیا تو مطلب یہ ہوا کہ صرف گھوڑا غصب کیا اور اپنے گھر لایا اور اصطبیل اپنی جگہ وہیں رہا۔ اس کو غصب نہیں کیا۔ اس لئے صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا **اصول** یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ نہ ہوں تو صرف مظروف لازم ہوگا ظرف نہیں۔ **لغت** اصطبیل : گھوڑا رکھنے کا طویلہ۔

[۱۱۲۵] (۲۶) اگر کہا میں نے کپڑا غصب کیا رومال میں تو دونوں لازم ہوں گے۔

مذ یہاں ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہیں۔ کپڑا رومال میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ کپڑا رومال میں لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو غصب کیا اس لئے دونوں دینا لازم ہوگا۔ **اصول** یہاں بھی وہی اصول ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو اقرار میں دونوں لازم ہوں گے۔ **لغت** منديل : رومال۔

[۱۱۲۶] (۲۷) اگر کہا فلاں کا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو دونوں کپڑے لازم ہوں گے۔

مذ جب کہا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو ایک کپڑا ظرف ہوا اور دوسرا کپڑا مظروف ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ ایک کپڑا دوسرے کپڑے پر لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو لیا ہے اس لئے دونوں کپڑے لازم ہوں گے۔ **اصول** یہاں بھی وہی اصول ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو دونوں لازم ہوں گے۔ [۱۱۲۷] (۲۸) اگر کہا فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں لازم ہے مگر ایک کپڑا۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا لازم ہوں گے اس کو گیارہ کپڑے۔

مذ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عموماً ایک کپڑا دس کپڑوں میں لپیٹ کر نہیں رکھتے اس لئے دس کپڑے ایک کپڑے کا ظرف نہیں بنیں گے۔ اس لئے ایک کپڑا الگ ہو گیا اور دس کپڑے الگ ہو گئے اس لئے ایک کپڑا لازم ہوگا۔ **فائدہ** امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فی ظرفیت کے لئے آتا ہے، اور ریشم کا قیمتی کپڑا ہو تو دس کپڑوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں اس لئے ایک کپڑے کے لئے دس کپڑے ظرف بن سکتے ہیں۔ اس لئے یہاں بھی ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہو گئے۔ اور قاعدہ گزر گیا ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو اقرار میں دونوں لازم ہوتے ہیں۔ اس لئے گیارہ کپڑے لازم ہوں گے۔

[۱۱۲۸] (۲۹) ومن اقر بغصب ثوب و جاء بثوب معيب فالقول قوله فيه مع
 يمينه [۱۱۲۹] (۳۰) وكذلك لو اقر بدرهم وقال هي زيوف [۱۱۳۰] (۳۱) وان قال
 له على خمسة في خمسة يريد بي الضرب والحساب لزمه خمسة واحدة [۱۱۳۱]
 (۳۲) وان قال اردت خمسة مع خمسة لزمه عشرة.

[۱۱۲۸] (۲۹) کسی نے کپڑا غصب کرنے کا اقرار کیا پھر ایک عیب دار کپڑا لیکر آیا تو اس میں مقرر کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔
تشریح ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں نے کپڑا غصب کیا ہے۔ بعد میں ایک عیب دار کپڑا لیکر آیا کہ یہ کپڑا غصب کیا ہے اور مقررہ کے پاس
 اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مقرر کی بات مان لی جائے گی اور وہی عیب دار کپڑا قبول کر لیا جائے گا۔
مذہب لفظ کپڑا عام ہے، عیب دار اور صحیح دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے عیب دار کے اقرار سے انکار نہیں ہوا اور مقررہ کے پاس اس کے خلاف کوئی
 بینہ نہیں ہے اس لئے اس کی بات مان لی جائے گی۔ البتہ چونکہ منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ بات مانی جائے گی۔ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے
 کہ منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔
 [۱۱۲۹] (۳۰) ایسے ہی اقرار کیا درہم کا اور کہا کہ وہ کھوٹے ہیں۔

تشریح اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر بیس درہم ہیں اور بعد میں کہا کہ وہ کھوٹے ہیں تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔
مذہب درہم دونوں قسم کے ہوتے ہیں، کھرے بھی اور کھوٹے بھی، اس لئے کھوٹے درہموں کا لانا پہلے اقرار سے رجوع نہیں ہے۔ اس لئے قسم
 کے ساتھ بات مان لی جائے گی۔
لغت زیوف : کھوٹے۔

[۱۱۳۰] (۳۱) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر پانچ ہیں پانچ میں اور اس سے ضرب اور حساب کا ارادہ کیا تو صرف پانچ لازم ہوں گے۔
تشریح پانچ پانچ میں ہیں کے تین مطلب ہیں اور تین حکم ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دیا جائے اور یہی مراد لی جائے
 تو پچیس لازم ہوں گے۔ کیونکہ پانچ کو پانچ سے ضرب دینے سے پچیس ہوتے ہیں۔ حسن بن زیاد کا یہی قول ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ
 پانچ کے ساتھ اور فی کو مع کے معنی میں لیا جائے تو دس لازم ہوں گے۔ کیونکہ پانچ پانچ کے ساتھ ہو جائے تو دس بنتے ہیں۔ اور تیسرا مطلب یہ
 ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دے کر اس کے اجزاء اور ٹکڑے بڑھائے جائیں۔ اس صورت میں عدد تو پانچ ہی رہیں گے البتہ ان کے اجزاء
 پچیس ہو جائیں گے۔ یہ مطلب لیا جائے تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے۔ کیونکہ ضرب دینے سے اجزاء اگرچہ بڑھ گئے لیکن عدد پانچ ہی
 رہے۔ مصنف نے یہی مطلب لیا ہے اور پانچ ہی لازم کئے ہیں۔
 [۱۱۳۱] (۳۲) اور اگر کہا پانچ پانچ کے ساتھ کا ارادہ کیا ہے تو مقرر کو دس لازم ہوں گے۔

تشریح مقرر نے کہا مجھ پر فلاں کا پانچ پانچ میں ہے اور اس سے نیت کی جمع کی اور فی کو مع کے معنی میں لیا اور ترجمہ کیا پانچ پانچ کے ساتھ تو مل

[۱۱۳۲] (۳۳) واذا قال له على من درهم الى عشرة لزمه تسعة عند ابى حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ یلزمہ الا بتداء وما بعده ویسقط الغایة وقالوا رحمہما اللہ تعالیٰ یلزمہ العشرة کلہا [۱۱۳۳] (۳۴) وان قال له على الف درهم من ثمن عبد اشتریتہ منه ولم اقبضہ فان ذکر عبدا بعینہ قیل للمقر له ان شئت فسلم العبد وخذ الالف والا فلا شیء لک علیہ کردس لازم ہوں گے۔

[۱۱۳۲] (۳۳) اور اگر کہا فلاں کا مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقر پر نو لازم ہوں گے۔ اس کو لازم ہوں گے ابتدا کی اور جو اس کے بعد ہیں اور غایت ساقط ہوگی۔ اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوں گے اس کو دس۔

تشریح اگر کسی نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک سے دس تک درہم ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نو درہم لازم ہوں گے دس لازم نہیں ہوں گے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تعداد میں ابتدا شامل ہوتی ہے۔ درمیان والے عدد شامل ہوتے ہیں لیکن آخری جو غایت ہو وہ شامل نہیں ہوتی اس لئے موجودہ عبارت میں دس آخری غایت ہے اس لئے وہ شامل نہیں ہوگی۔ اس لئے نو ہی باقی رہے۔ لہذا نو لازم ہوں گے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ میری عمر پچاس سے ساٹھ تک ہے تو ساٹھ شامل نہیں ہوتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اس کی عمر انسٹھ مانی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں غایت دس شامل نہیں ہوگا اور نو لازم ہوں گے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہاں ابتدا اور غایت دونوں شامل ہوں گے۔ اس لئے پورے دس لازم ہوں گے۔

اصول صاحبین کے نزدیک عدد میں ابتدا اور غایت دونوں شامل ہوتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غایت شامل نہیں ہوتی۔

[۱۱۳۳] (۳۴) اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں غلام کے ثمن کے بدلے جس کو میں نے اس سے خریدا ہے اور اس کو قبضہ نہیں کیا ہے۔ پس اگر متعین غلام کا ذکر کیا تو مقر لہ سے کہا جائے گا اگر چاہو تو غلام سپرد کرو اور ہزار لو ورنہ تو تمہارا اس پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح مثلاً زید کہتا ہے کہ عمر کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن وہ متعین غلام کی وجہ سے ہے جس کو میں نے عمر سے خریدا تھا اور ابھی تک میں نے غلام پر قبضہ نہیں کیا ہے۔ اس صورت میں عمر مقر لہ سے کہا جائے گا کہ غلام زید کو دو ہزار درہم ملیں گے اور اگر غلام نہیں دو گے تو ہزار درہم نہیں ملیں گے۔

وجہ ہزار درہم کا اقرار ہے لیکن غلام کی قیمت کی وجہ سے ہے اور غلام پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اس لئے غلام دے گا تو ہزار ملیں گے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اقرار کسی شرط کے ساتھ ہے تو شرط پوری کرنے پر اقرار کا اجراء ہوگا۔ یہاں غلام کے بدلے میں ہزار ہے اس لئے غلام دے گا تو ہزار لینے کا حقدار ہوگا ورنہ نہیں۔

نوٹ غلام متعین ہے اس لئے متعین غلام کی بیع ہوئی۔ اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ پہلے اقرار کر کے اس سے رجوع کر رہا ہے۔

اصول کسی شرط کے ساتھ اقرار ہو تو شرط پوری کرنے پر اقرار کا اجراء ہوگا۔

[۱۱۳۴] (۳۵) وان قال له علی الف من ثمن عبد ولم یعینه لزمه الالف فی قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ [۱۱۳۵] (۳۶) ولو قال له علی الف درهم من ثمن خمر او خنزیر لزمه الالف ولم یقبل تفسیرہ [۱۱۳۶] (۳۷) وان قال له علی الف من ثمن متاع وھی زیوف فقال المقر له جیاد لزمه الجیاد فی قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو

[۱۱۳۴] (۳۵) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار ہے غلام کی قیمت اور اس کو متعین نہیں کیا تو لازم ہوں گے اس کو ہزار امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک **تشریح** زید نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اور وہ غلام کی قیمت ہے۔ لیکن کوئی متعین غلام نہیں ہے تو غلام کو سپرد کئے بغیر زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔

مجہ چونکہ غلام متعین نہیں ہے اس لئے بیع نہیں ہوئی۔ اس لئے غلام سپرد کرنا لازم نہیں ہے۔ اور زید اقرار کر چکا ہے کہ مجھ پر ہزار درہم ہیں اس لئے بغیر غلام سپرد کئے ہوئے بھی زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔ اور غلام کے بدلے کی قید ہزار درہم کے اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا۔ **فائدہ** امام صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی غلام کی سپردگی کی شرط پر زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔ [۱۱۳۵] (۳۶) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں شراب کی قیمت یا سوری کی قیمت تو اس کو ہزار لازم ہوں گے اور مقرر کی تفسیر قبول نہیں کی جائے گی۔

مجہ ایک مسلمان شراب یا سوری بیچتا اور نہ خریدتا ہے۔ اس لئے شراب اور سوری بیع ہی نہیں ہوتی اس لئے یہ کہنا کہ شراب اور سوری کی قیمت اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اس لئے مقرر پر ہزار لازم ہوں گے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ جہاں بیع نہیں ہو سکتی وہاں کہنا کہ بیع کی قیمت ہے اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ اس لئے اول اقرار لازم ہوگا۔

[۱۱۳۶] (۳۷) اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں سامان کی قیمت اور وہ کھوٹے ہیں۔ پس مقرر لہ کہادہ کھرے ہیں۔ پس مقرر کو کھرے لازم ہوں گے امام ابوحنیفہؒ کے قول میں۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر یہ متصل کہادہ تصدیق کی جائے گی اور منفصل کہادہ تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح مثلاً زید نے کہا کہ عمر کا مجھ پر ہزار درہم ہیں سامان کی قیمت لیکن وہ ہزار درہم کھوٹے ہیں کھرے نہیں ہیں۔ اور عمر مقرر لہ کہتا ہے کہ وہ کھرے ہیں۔ اور عمر کے پاس اس پر کوئی بینہ نہیں ہے۔ پس امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہزار درہم کھرے ہی لازم ہوں گے۔

مجہ عموماً بیع میں سامان کی قیمت کھرے ہی لازم ہوتے ہیں۔ اس لئے زید کا یہ کہنا کہ وہ کھوٹے تھے اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ اس لئے عمر کے پاس بینہ نہ ہونے کے باوجود کھرے ہی لازم ہوں گے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ سامان کی قیمت دونوں طرح ہوتی ہیں، کھرے درہم بھی اور کھوٹے درہم بھی۔ اس لئے اول اقرار عام ہے اور

یوسف و محمد قال ذلک موصولا صدق وان قاله مفصولا لا یصدق [۱۳۷] (۳۸)

ومن اقر لغيره بخاتم فله الحلقة والفص [۱۳۸] (۳۹) وان اقر له بسيف فله النصل

کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے مقرر ایک رخ کھوٹے کو متعین کرتا ہے تو اپنے اقرار سے رجوع نہیں ہے۔ اس لئے مقرر کی بات مانی جائے گی۔ اور کھوٹے درہم لازم ہوں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کلام کے ساتھ متصل کر کے کھوٹے کا لفظ بولا ہو۔ کیونکہ منفصل کر کے بولے تو پہلے اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا۔ اور کھوٹے لازم نہیں ہوں گے بلکہ کھرے ہی لازم ہوں گے۔

نوٹ یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ لفظ درہم کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے یا نہیں۔ صاحبین کے نزدیک دونوں کو شامل ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کھرے متعین ہیں۔

[۱۳۷] (۳۸) کسی نے دوسرے کے لئے انگوٹھی کا اقرار کیا تو اس کے لئے حلقہ اور نگینہ دونوں ہوں گے۔

مذہب حلقہ اور نگینہ دونوں کے مجموعے کا نام انگوٹھی ہے۔ اور دونوں انگوٹھی کی بنیادی چیز ہے۔ اس لئے انگوٹھی کے اقرار میں دونوں چیز خود بخود شامل ہو جائیں گے۔ اور دونوں مقررہ کے لئے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی چیز کے بنیادی اجزاء جتنے ہیں اس چیز کے اقرار میں وہ تمام اجزاء خود بخود شامل ہوں گے۔ چاہے ان کا نام الگ الگ نہ لیا ہو۔

نکتہ الفص : نگینہ۔

[۱۳۸] (۳۹) اگر کسی کے لئے اقرار کیا تلوار کا تو اس کے لئے پھل، میان اور پرتلہ تینوں ہوں گے۔

مذہب تلوار کے لئے اس کا پھل لوہے والا آگے کا حصہ بنیادی جز ہے۔ میان جس میں تلوار رکھی جاتی ہے یہ تلوار کا بنیادی جز نہیں ہے۔ لیکن تلوار بغیر میان کے نہیں رکھی جاسکتی اس لئے تلوار رکھنے کے لئے میان ضروری ہے۔ اس لئے میان بھی تلوار کے لئے بنیادی جز کی طرح ہو گیا۔ اور پرتلہ چمڑے کی وہ پٹی جس میں تلوار لٹکائی جاتی ہے۔ اس کے بغیر تلوار لٹکانا مشکل ہے اس لئے وہ بھی تلوار کے جز کی طرح ہو گیا۔ اس لئے جب کسی کے لئے تلوار کا اقرار کیا تو پھل، میان اور پرتلہ تینوں خود بخود شامل ہوں گے۔ اور تینوں مقررہ لے لئے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کوئی چیز بنیادی جز تو نہ ہو لیکن جز کی طرح ہو تو وہ بھی اقرار میں شامل ہوگا۔ کیونکہ اس کے بغیر چھٹکارا نہیں ہے۔ حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ بنیادی جز یا بنیادی جز کی طرح جو چیز ہو اس کا حکم اصلی چیز کا حکم ہوتا ہے۔ اور اصل میں شامل ہوتی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ ان علیا خبرہ ان النبی ﷺ امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا ولا یعطی فی جزا تھما شیئا (الف) (بخاری شریف، باب یتصدق بجلود الھدی ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱) اس حدیث میں بدنہ اور اونٹ کے بنیادی اجزاء گوشت اور کھال ہیں اس لئے ان کو قصائی کو دینے سے منع فرمایا کیونکہ پورے اونٹ کو ہی گوشت کاٹنے کے بدلے

حاشیہ : (الف) آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ اونٹ کی نگرانی کرے اور یہ کہ پورے اونٹ کو تقسیم کر دے۔ اس کے گوشت کو اس کی کھال کو اور اس کے جل کو، اور اونٹ کی کٹائی میں ان میں سے کوئی چیز نہ دے۔

والجفن والحمائل [۱۱۳۹] (۴۰) وان اقر له بحجلة فله العیدان والكسوة [۱۱۴۰]
 (۴۱) وان قال لحمل فلانة على الف درهم فان قال اوصی له فلان او مات ابوه فورثه
 فالأقرار صحيح.

میں نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اور جل بدنہ کا بنیادی جز تو نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہمہ وقت ہوتا ہے اس لئے وہ بھی بدنہ کے حکم میں ہوا۔ اور اس کو بھی گوشت کاٹنے کے بدلے میں دینے سے منع فرمایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنیادی اجزاء اور بنیادی اجزاء کی طرح جو چیزیں ہوں وہ اصل کے حکم میں ہوتی ہیں۔

لغت الأصل : پھل۔ الجفن : میان۔ الحمائل : پرتلہ، چڑے کی وہ پٹی جس میں تلوار لٹکتے ہیں۔

[۱۱۳۹] (۴۰) اگر اقرار کیا ڈولے کا تو اس کے لئے لکڑی اور کپڑا دونوں ہوں گے۔

وجہ دلہن کو لے جانے کا جو ڈولہ ہوتا ہے وہ لکڑی اور کپڑے دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ صرف لکڑی سے بھی ڈولہ نہیں بنے گا اور صرف کپڑے سے بھی ڈولہ نہیں بنے گا۔ اس لئے لکڑی اور کپڑا ڈولے کے بنیادی اجزاء ہوئے۔ اس لئے اقرار میں دونوں شامل ہوں گے۔

اصول بنیادی اجزاء اقرار میں خود بخود شامل ہوں گے۔

لغت تجلة : ڈولہ۔ عیدان : تثنیہ ہے عید کی لکڑی۔

[۱۱۴۰] (۴۱) اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں۔ پس اگر کہا کہ اس کے لئے فلاں نے وصیت کی ہے یا اس کے والد کا انتقال ہوا اور حمل اس کا وارث ہوا ہے تو اقرار صحیح ہے۔

تشریح مثلاً زید کہتا ہے کہ خالد کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں تو اس کے چار مطلب ہوئے۔ (پہلا) مطلب یہ ہے کہ حمل نے مجھ سے تجارت کی ہے اس لئے اس کے ایک ہزار درہم ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہو سکتا کیونکہ حمل کا بچہ پیٹ میں رہتے ہوئے تجارت کیسے کرے گا۔ اس لئے یہ مطلب لیا جائے تو اقرار باطل ہے اور حمل کا مقرر پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ (دوسرا) مطلب یہ ہے کہ حمل نے قرض دیا ہے یہ بھی ناممکن ہے۔ (تیسرا) مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی نے اس حمل کے لئے وصیت کی ہے اور اس وصیت کے ہزار درہم میرے اوپر ہیں تو یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اقرار کرنے والا اس کی وضاحت کر دے کہ فلاں نے حمل کے لئے وصیت کی ہے وہ ہزار میرے پاس ہیں تو اقرار درست ہوگا۔ اور اگر یہ وضاحت نہ کرے تو ظاہری طور پر پہلا مطلب لیا جائے گا کہ تجارت کی وجہ سے حمل کے ہزار میرے ذمے ہیں۔ جسکی بنا پر اقرار باطل ہوگا۔ (چوتھا) مطلب یہ ہے کہ حمل کے والد یا اس کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہوا ہے اور اس کی وراثت میں حمل کو جو رقم ملی تھی وہ رقم ایک ہزار میرے پاس ہے۔ یہ مطلب بھی درست ہے اور اقرار درست ہے۔ لیکن اس کی بھی وضاحت کرے گا تب اقرار درست ہوگا۔ ورنہ پہلا متبادر مطلب لینے کی وجہ سے اقرار باطل ہوگا۔ ابہام کے وقت وضاحت کرنی چاہئے اس کی دلیل اس حدیث سے مترشح ہے۔ ان صفیۃ زوج النبی ﷺ اخبرته انها جاءت الى رسول الله ﷺ تزوره في اعتكافه في المسجد في العشر الاواخر من رمضان

[۱۱۴۱] (۴۲) وان ابهم الاقرار لم یصح عند ابی یوسف وقال محمد رحمہما اللہ
تعالیٰ یصح [۱۱۴۲] (۴۳) وان اقر بحمل جاریۃ او حمل شاة لرجل صح الاقرار ولزمہ.

فتحدثت عنده ساعة ثم قامت تنقلب فقام النبي ﷺ معها يقلبها حتى اذا بلغت باب المسجد عند باب ام سلمة مر
رجلان من الانصار فسلموا على رسول الله فقال لهما النبي ﷺ على رسلكما انما هي صفيية بنت حي (الف)
(بخاری شریف، باب هل یخرج المعتف لخواجہ الی باب المسجد ص ۲۷۲ نمبر ۲۰۳۵) اس حدیث میں گزرنے والے صحابی کے سامنے ابہام تھا
کہ حضور کی بیوی ہے یا کوئی اور تو آپؐ نے فوراً اس کی وضاحت فرمائی کہ یہ میری بیوی صفیہ ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اقرار کرنے والے نے ایسا اقرار کیا جس کے کئی رخ ہو سکتے ہیں۔ بعض کے اعتبار سے اقرار صحیح ہے
اور بعض کے اعتبار سے اقرار صحیح نہیں ہوتا۔ پس اگر صحیح رخ کی وضاحت کر دے تو اقرار درست ہوگا اور اگر صحیح رخ کی وضاحت نہ کرے تو غلط
رخ جو متبادر ہے اور جلدی ذہن میں آتا ہے وہ مراد لے کر اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

اصول مبہم اقرار میں متبادر معنی لیا جائے گا۔

[۱۱۴۱] (۴۲) اور اگر اقرار کو مبہم رکھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں ہے اور کہا محمدؐ نے صحیح ہے۔

تشریح مثلاً زید نے اقرار کیا کہ خالدہ کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن اس ابہام کی تفصیل نہیں کی کہ کس طرح حمل کے ہزار درہم اس
کے ذمے آئے؟ حمل تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔ زید کے ذمے اس کے ہزار درہم آئے کیسے؟ پس اگر اس کی صحیح وضاحت کر دے کہ وراثت
کی وجہ سے یا وصیت کی وجہ سے میرے ذمے اس کے ہزار آئے ہیں۔ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اقرار درست ہے اور اگر وضاحت نہ
کرے تو حمل کے ہزار درہم کسی کے ذمے ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے اقرار باطل ہوگا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عاقل بالغ آدمی نے اقرار کیا
ہے اس لئے اس جملے کا صحیح رخ نکالا جائے گا۔ اور چاہے اس نے اس کی وضاحت نہیں کی ہے پھر بھی یہ سمجھا جائے گا کہ کسی نے وصیت کی ہے یا
کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر اس کو وراثت میں یہ رقم ملی ہے اور مقرر کے پاس موجود ہے اور اقرار درست قرار دیا جائے گا۔

اصول اقرار مبہم ہو تو اس کے صحیح کرنے کا حتی الامکان کوئی راستہ نکالا جائے گا۔ اور اقرار درست کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۱۱۴۲] (۴۳) اگر اقرار کیا کسی باندی کے حمل کا یا کسی بکری کے حمل کا کسی آدمی کے لئے تو اقرار صحیح ہے اور مقرر کو لازم ہوگا۔

تشریح مثلاً زید اقرار کرتا ہے کہ فلاں باندی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے ہے یا فلاں بکری کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے
ہے تو یہ اقرار جائز ہے۔ اور جب پیدا ہوگا تو باندی کا بچہ اور بکری کا بچہ عمر کو دیئے جائیں گے۔

مجب کیونکہ ہو سکتا ہے کہ باندی کا اصل مالک مر رہا ہو اور مرتے وقت یہ وصیت کی ہو کہ باندی تو ورثہ کے لئے ہے لیکن اس کا بچہ عمر کے لئے

حاشیہ : (الف) حضرت صفیہ حضورؐ کے پاس رمضان کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کے وقت زیارت کے لئے آئی، تھوڑی دیر آپؐ کے پاس باتیں کرتی رہی پھر چلنے
لگی تو ان کو چھوڑنے کے لئے گئے۔ باب ام سلمہ کے مسجد کے دروازے کے پاس گئے تو انصار کے دو آدمی وہاں سے گزرے اور حضور کو سلام کیا آپؐ نے ان سے فرمایا
ٹھہر جاؤ، یہ صفیہ بنت جحش میری بیوی ہے۔

[۱۱۴۳] (۴۴) واذا اقر الرجل فی مرض موته بديون وعليه ديون في صحته و ديون

وصیت کرتا ہوں۔ اور زید بھی ورثہ میں تھا اس لئے زید نے مورث کے مرنے کے بعد اقرار کیا کہ اس باندی یا بکری کے بچے عمر کے لئے ہیں۔ اس لئے یہ اقرار صحیح ہے باطل نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اگر حمل عقد حمل کے وقت ہوا اور عقد کا اجراء بھی حمل ہی کے وقت ہو تو نہ عقد جائز نہ اجراء جائز۔ جیسے حمل کی بیع حمل کے وقت کرے تو اس کے احکام کا اجراء بھی حمل کے وقت ہی ہو رہا ہے اس لئے حمل کی بیع جائز نہیں۔ کیوں کہ حمل بکری کا اور باندی کا جز ہے۔ اور کل کے بغیر جز کی بیع درست نہیں۔ نیز حمل پیٹ میں چھپا ہوا ہے۔ اس لئے بیع مجہول ہوگی اس لئے بھی بیع جائز نہیں۔ لیکن وصیت اور وراثت میں عقد تو حمل کے وقت ہوتا ہے لیکن اس کے احکام کا اجراء پیٹ سے باہر نکلنے کے بعد ہوتا ہے۔ مثلاً وراثت حمل کے لئے حمل کے وقت رکھی جاتی ہے لیکن ملتی اس وقت ہے جب حمل پیٹ سے باہر آ جائے۔ اور نہ اس وقت جہالت ہوگی اور نہ حمل ماں کا جز ہوگا۔ حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا استهل المولود وراثت (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المولود يستهل ثم يموت ص ۲۹۰ نمبر ۱۷۲۰ ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الصلوة علی الطفل ص ۲۱۵ نمبر ۱۵۰۸) اس حدیث میں ہے کہ حمل زندہ باہر آئے تو وراثت ہوگا۔ معلوم ہوا کہ حمل پیٹ سے باہر آنے کے بعد وراثت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ اسی طرح وصیت منعقد ہوتی ہے حمل کی حالت میں۔ لیکن اس کے احکام جاری ہوں گے پیٹ سے باہر ہونے کے بعد۔ اور اس وقت حمل نہ ماں کا جز رہے گا اور نہ اس میں کوئی جہالت رہے گی۔ اس لئے حمل کو کسی اور کے لئے اقرار کرنا جائز ہوگا۔

اصول حمل کے وہ احکام جو حمل کے پیٹ سے باہر ہونے کے بعد جاری ہوتے ہوں ان کا حمل کے وقت منعقد کرنا جائز ہے۔ اور وہ احکام جو حمل ہی کے وقت جاری ہوتے ہوں ان کا حمل کے وقت منعقد کرنا جائز نہیں۔

[۱۱۴۳] (۴۴) اگر کسی آدمی نے اپنے مرض موت میں دیون کا اقرار کیا حالانکہ اس پر دین ہیں صحت کے زمانے کا اور کچھ دیون اس کو لازم ہیں اس کے مرض الموت میں اسباب معلومہ کے تحت تو صحت کے دین اور وہ دین جن کے اسباب معلوم ہیں مقدم ہوں گے۔ پس جبکہ ادا کر دیئے جائیں اور باقی رہے مال میں سے کچھ تو صرف کیا جائے اس دین میں جن کا اقرار کیا مرض میں۔ اور اگر نہیں ہے اس پر ایسے دین جو لازم ہوں اس کی صحت کے زمانے میں تو جائز ہے اس کا اقرار۔

تشریح ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے۔ اسی مرض میں اس کی موت ہوئی۔ صحت کے زمانے میں کچھ دین لئے وہ اس کے ذمے تھے۔ پھر مرض الموت کے زمانے میں ایسے اسباب کے ذریعہ دین آئے جو لوگوں کو معلوم ہیں۔ مثلاً خرید و فروخت کی جس کی وجہ سے اس پر دین آیا یا مہر مثل میں شادی کی اس کی وجہ سے اس پر دین آیا۔ اور دین کے یہ اسباب سب کو معلوم ہیں۔ ان دونوں دینوں کی موجودگی میں مثلاً عمر کے لئے اپنے اوپر دین کا اقرار کرتا ہے جس کا سبب معلوم نہیں تو اقرار درست ہوگا۔ لیکن اس دین کی ادائیگی مال بچنے کے بعد کی جائے گی۔ پہلے وہ دین ادا کئے جائیں گے جو صحت کے زمانے میں لئے گئے ہیں۔ یا مرض الموت کے زمانے میں لئے گئے ہیں اور ان کے اسباب سب کو معلوم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر بچہ روئے تو وارث ہوگا۔

لزمته فی مرضه باسباب معلومة فدين الصحة والدين المعروف بالاسباب مقدم فاذا قضيت وفضل شيء منها كان فيما اقر به في حال المرض وان لم يكن عليه ديون لزمته في صحته جاز اقراره [۱۱۴۴] (۴۵) وكان المقر له اولى من الورثة.

ہیں۔ اس سے بچنے کے بعد اقرار کے دین ادا کئے جائیں گے۔

مجا (۱) مرض الموت کے زمانے میں اسباب بتائے بغیر کسی کے لئے دین کا اقرار کرتا ہے تو اس بات کا قوی خطرہ ہے کہ دوسرے دائن کو نقصان دینا چاہتا ہے تاکہ مقر لہ کو زیادہ مل جائے۔ اور صحت کے زمانے کے دائن اور مرض الموت میں اسباب معروفہ کے دائن کو کم ملے۔ اس لئے مقر لہ کو بعد میں دین ملے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث من بعد وصية يوصي بها او دين غير مضار وصية من الله والله عليم حكيم (آیت ۱۲ سورة النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ وصیت کرنے وغیرہ میں کسی کو نقصان نہ دیا جائے (۳) حدیث میں بھی ہے۔ ان ابا هريرة حدثه ان رسول الله ﷺ قال ان الرجل ليعمل او المرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضرهما الموت فيضاران في الوصية فتجب لهما النار (الف) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء في كراهية الاضرار في الوصية، ج ثانی، ص ۳۲ نمبر ۲۸۶) اس حدیث میں ہے کہ وصیت میں کسی کو نقصان نہیں دینا چاہئے ورنہ عذاب ہے۔ اس لئے اسی طرح اقرار کر کے بھی مقدم قرض خواہوں کو نقصان نہ دینا چاہئے (۴) صحت کے زمانے کے قرض خواہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کسی کو نقصان دینے کے لئے قرض کا اقرار کیا ہے۔ اسی طرح اسباب معروفہ والے قرض خواہوں کے بارے میں بھی یہ شبہ نہیں ہے اس لئے ان کا حق اہم اور مضبوط ہے۔ اس لئے ان کو پہلے قرض ملے گا۔ اور اگر صحت کے زمانے کا دین اس آدمی پر نہ ہو تو چونکہ کسی کو نقصان دینے کا شبہ نہیں ہے اس لئے مرض الموت میں کسی کے لئے دین کا اقرار کر سکتا ہے۔ کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اصول اقرار کر کے کسی کو نقصان دینے کا شبہ ہو تو اقرار باطل ہوگا۔

[۱۱۴۴] (۴۵) اور مقر لہ زیادہ بہتر ہے ورثہ سے۔

تشریح جس کے لئے مرض الموت میں اقرار کیا ہے اس کو پہلے ملے گا۔ اس سے بچے گا تب وارثین کو ملے گا۔

مجا جس کے لئے اقرار کیا وہ دین ہے اور دین کو وراثت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے (۲) آیت میں ہے فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث من بعد وصية يوصي بها او دين (آیت ۱۲ سورة النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کو ادا کرنے کے بعد وارثین کے درمیان وراثت تقسیم ہوگی (۳) اور حدیث میں ہے کہ پہلے دین ادا کیا جائے گا پھر تہائی مال سے وصیت ادا کی جائے گی اس کے بعد جو بچے گا وہ وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا۔ حدیث میں ہے عن علي ان النبي ﷺ قضى بالدين قبل الوصية وانتم تقرءون

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا مرد عمل کرتا ہے یا عورت عمل کرتی ہے اللہ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک۔ پھر اس کی موت قریب آتی ہے۔ پھر وہ دونوں وصیت کے بارے میں نقصان دیتے ہیں تو ان دونوں کے لئے آگ واجب ہو جاتی ہے۔

[۱۱۴۵] (۴۶) و اقرار المريض لوارثه باطل الا ان يصدق فيه بقية الورثة [۱۱۴۶]

(۴۷) ومن اقر لاجنبي في مرض موته ثم قال هو ابني ثبت نسبه وبطل اقراره.

ون الوصية قبل الدين (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ببدا بالدين قبل الوصية ص ۳۳ نمبر ۲۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دین کو وصیت سے پہلے ادا کیا ہے۔

[۱۱۴۵] (۴۶) مریض کا اقرار اپنے وارث کے لئے باطل ہے مگر یہ کہ باقی ورثہ اس کی تصدیق کرے۔

تشریح مرنے والا اپنے مرض الموت میں کسی ایک وارث کے لئے اقرار کرے تو یہ باطل ہے۔ البتہ باقی وارثین اس کی تصدیق کرے تو ٹھیک ہے۔

مذ (۱) وارث کے لئے اقرار کا باطل ہونا باقی ورثہ کو نقصان کی وجہ سے ہے۔ لیکن باقی ورثہ نقصان برداشت کرے اور تصدیق کرے کہ مورث کا اقرار ٹھیک ہے تو اقرار درست ہوگا اور مقررہ کو مال دیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا يجوز لوارث وصية الا ان يشاء الورثة (ب) (دارقطنی، کتاب الوصایا، ج رابع، ص ۸۷ نمبر ۴۴۵۳ ترمذی شریف، باب ماجاء لا وصية لوارث، ص ۳۲ نمبر ۲۱۲۰ ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الوصية للوارث، ص ۴۰ نمبر ۲۸۷۰) اس حدیث میں ہے کہ ورثہ کے لئے وصیت نہیں کر سکتا۔ ہاں! اگر باقی ورثہ تصدیق کرے تو وصیت کر سکتا ہے۔ اور دین کا اقرار نہیں کر سکتا اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جعفر بن محمد عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ لا وصية لوارث ولا اقرار بدين (ج) (دارقطنی، کتاب الوصایا ج رابع ص ۸۷ نمبر ۴۲۵۴) اس حدیث میں ہے کہ وارث کے لئے وصیت بھی نہ کرے اور اس کے لئے دین کا اقرار بھی نہ کرے، کیونکہ اس سے باقی ورثہ کو نقصان ہوگا۔

نوٹ اسباب معروفہ کے ذریعہ لوگوں کو وراثت کا قرض ہونا معلوم ہو تو وہ دین دلویا جائے گا۔ مثلاً بیل خریدا تھا جس کی قیمت مورث پر باقی تھی تو وہ مورث کے مال میں وراثت کو دلوائی جائے گی۔

اصول اقرار سے کسی کو نقصان ہو تو اقرار باطل ہوگا۔

[۱۱۴۶] (۴۷) کسی نے اجنبی کے لئے اقرار کیا اپنے مرض الموت میں پھر کہا وہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس کا اقرار باطل ہوگا۔

مذ شریعت میں نسب ثابت کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ آدمی بغیر نسب کے نہ رہ جائے۔ پس جب نسب ثابت ہوا تو وہ بچنے سے وارث ہو گیا۔ اور اوپر گزرا کہ وارث کے لئے اقرار نہیں کر سکتا۔ اس لئے جو اقرار اجنبی کے لئے کیا تھا وہ بیٹا بننے کی وجہ سے باطل ہو گیا۔ اب اس کو بیٹا ہونے کی وجہ سے مقرر کی وراثت ملے گی۔

نوٹ نسب ثابت ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اجنبی ثابت النسب نہ ہو اور دوسری یہ کہ اس جیسا آدمی کا مقرر کا بیٹا بننا ممکن ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے دین ادا کرنے کا فیصلہ کیا وصیت سے پہلے اور تم لوگ قرآن میں پڑھتے ہو وصیت کا تذکرہ دین سے پہلے (ب) آپؐ نے فرمایا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ورثہ چاہیں۔ (ج) آپؐ نے فرمایا وارث کے لئے نہ وصیت ہے اور نہ دین کا اقرار جائز ہے۔

[۱۱۴۷] (۴۸) ولو اقر لاجنبیۃ ثم تزوجها لم یبطل اقراره لها [۱۱۴۸] (۴۹) ومن طلق امرأته فی مرض موته ثلثا ثم اقر لها بدین ومات فلها الاقل من الدین ومن میراثها منه [۱۱۴۹] (۵۰) ومن اقر بغلام یولد مثله لمثله ولیس له نسب معروف انه ابنه وصدقه

[۱۱۴۷] (۴۸) اور اگر اجنبی عورت کے لئے اقرار کیا پھر اس سے شادی کی تو عورت کے لئے اقرار باطل نہیں ہوگا۔

تشریح پہلے عورت اجنبیہ تھی اس حالت میں اس کے لئے مثلاً سودرہم کا اقرار کیا پھر بعد میں اس عورت سے شادی کی اور وہ بیوی بن کر وارث بن گئی پھر بھی اس عورت کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔

مذہب جس وقت عورت کے لئے اقرار کیا تھا اس وقت وہ اجنبیہ تھی وہ بیوی بن کر وارث نہیں بنی تھی اس لئے اس کے لئے اقرار کرنا درست تھا۔ وارث تو شادی کے بعد بنی ہے۔ اس لئے اس کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔ اور اوپر کے مسئلہ میں لڑکے کے لئے اقرار اس لئے باطل ہوا تھا کہ وہ بچپن ہی سے وارث شمار کیا گیا چاہے بیٹا ہونے کا اقرار بعد میں کیا ہو۔ اس لئے دین کا اقرار بیٹا ہونے کی حالت میں ہوا اس لئے اقرار باطل ہوا۔

اصول جہاں دوسرے کو نقصان دینے کا شبہ نہ ہو وہاں اقرار درست ہے۔

[۱۱۴۸] (۴۹) کسی نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں تین طلاقیں دیں، ابھی وہ عدت میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا پھر انتقال کر گیا تو عورت کے لئے دین اور شوہر سے میراث میں سے جو کم ہے وہ ملے گا۔

تشریح مثلاً زید نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا کہ اس کے مجھ پر پانچ سودرہم قرض ہیں۔ پھر زید کا انتقال ہو گیا تو دیکھا جائے گا کہ عورت کو شوہر کی وراثت میں کم ملتا ہے یا اقرار میں کم ملتا ہے۔ جس میں کم ملے گا وہی عورت کو ملے گا۔ مثلاً وراثت میں چار سودرہم ملتے تھے تو وراثت ملے گی کیونکہ اقرار میں پانچ سودرہم ملنے والے تھے جو زیادہ ہیں۔

مذہب اس میں یہ شبہ ہے کہ شوہر بیوی کے لئے بھاری رقم دین کا اقرار کرنا چاہتا تھا لیکن وارث ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکا رہا تھا۔ اس لئے بیوی کو طلاق دے کر پہلے اجنبیہ بنایا پھر اس کے لئے بھاری رقم کا اقرار کیا۔ اس شبہ کی وجہ سے وراثت اور اقرار میں سے جو کم ہو وہ رقم بیوی کو ملے گی۔ حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الاضرار فی الوصیۃ من الکبائر (الف) (دارقطنی، کتاب الوصایا ج رابع ص ۸۶ نمبر ۴۲۴۹) اس حدیث میں ہے وصیت کر کے کسی کو نقصان دینا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے کم دیکر باقی ورثہ کو نقصان سے بچایا جائے گا۔

[۱۱۴۹] (۵۰) کسی نے ایک لڑکے کے بارے میں کہ اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی سے پیدا ہو سکتا ہوا اور لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوگا اگرچہ آدمی بیمار ہو۔ اور میراث میں ورثہ کے شریک ہوگا۔

حاشیہ : (الف) وصیت کر کے نقصان دینا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔

الغلام ثبت نسبہ منه وان كان مریضا ویشارك الورثة فی المیراث [۱۱۵۰] (۵۱) و

تشریح ایک ایسا لڑکا ہے جس کا نسب معلوم نہیں اور ایک بڑے آدمی نے جس سے اس قسم کا لڑکا پیدا ہو سکتا ہے یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اور لڑکا بول سکتا تھا اس لئے اس نے بھی تصدیق کی میں اس کا لڑکا ہوں تو اس لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہو جائے گا۔ چاہے یہ آدمی مرض الموت میں مبتلا کیوں نہ ہو۔ اور باپ کے مرنے پر جس طرح اور وارثوں کو وراثت ملے گی اس بیٹے کو بھی وراثت ملے گی۔ ہر ایک جملے کی تشریح: لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو اس لئے کہا کہ اگر لڑکے کا نسب معلوم ہو تو اس آدمی سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایک بیٹا دو آدمیوں کا نہیں ہو سکتا۔ اور لڑکا اس عمر کا ہو کہ اس آدمی کا بیٹا بن سکتا ہو اس لئے کہا کہ مثلاً لڑکے کی عمر پندرہ سال ہے اور باپ کی عمر تیس سال ہے تو کیسے یہ لڑکا اس کا بیٹا بنے گا؟ یہ تو صریح جھوٹ ہوگا۔ اس لئے بیٹا بننے کی عمر ہونا ضروری ہے۔ اور لڑکے کی تصدیق کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ لڑکا بول سکتا ہے تو کسی سے نسب ثابت کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔ اس لئے اس کی تصدیق کی بھی ضرورت پڑے گی۔ پس اگر لڑکا بیٹا ہونے کی تصدیق نہ کرے تو مرد سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

مجموعہ اپنے بیٹے کا نسب اپنے سے منسوب کرنا حاجت اصلیه میں سے ہے جس طرح شادی کرنا حاجت اصلیه میں سے ہے۔ اس لئے مرض الموت کی حالت میں بھی نسب کا اقرار کر سکتا ہے۔ اب اس اقرار کی وجہ سے دوسرے ورثہ کو وراثت لینے میں نقصان ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور جب بیٹا بن گیا تو وراثت میں شریک بھی ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ دعویٰ کرنے کی وجہ سے نسب ثابت کر دیا گیا۔ قال اتی علی بثلاثة وهو باليمن وقعوا علی امرأۃ فی طهور واحد فسأل اثنين اتقرا لہذا بالولد؟ قال لا حتی سألہم جمیعاً فجعل کلما سأل اثنين قال لا فافزع بینہم فالحق الولد بالذی صارت علیہ القرعة وجعل علیہ ثلثی الدیۃ قال فذکر ذلک للنبی ﷺ فضحک حتی بدت نواجذہ (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قال بالقرعة اذا تنازعوا فی الولد ص ۳۱۶ نمبر ۲۲۷ نسائی شریف، باب القرعة فی الولد اذا تنازعوا فیہ ج ۲ ص ۹۴ نمبر ۳۵۱۸) اس اثر میں تین آدمیوں نے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا تو حضرت علی نے قرعہ سے اس کا فیصلہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نسب کے اقرار کرنے سے نسب ثابت ہو سکتا ہے۔

اصول مرض الموت میں حاجت اصلیه کا اقرار کر سکتا ہے۔

[۱۱۵۰] (۵۱) جائز ہے آدمی کا اقرار کرنا والدین کا، بیوی کا، بیٹے کا اور مولیٰ کا۔

تشریح مثلاً زید اقرار کرتا ہے کہ عمر اور اس کی بیوی میرے والدین ہیں یا خالدہ میری بیوی ہے۔ یا خالدہ میرا لڑکا ہے یا مولیٰ ہے۔ اور یہ لوگ بھی تصدیق کرتے ہوں کہ ایسا ہی ہے جیسا زید کہہ رہا ہے تو ان نسبوں کا اقرار کرنا جائز ہے۔

حاشیہ: (الف) حضرت علی کے پاس تین آدمی یمن میں آئے۔ وہ سب ایک ہی طہر میں ایک عورت سے ملے تھے۔ پس حضرت علی نے دو سے پوچھا کیا تم دونوں اس بچے کا اقرار کرتے ہو؟ دونوں نے کہا نہیں۔ یہاں تک کہ تینوں سے پوچھا۔ پس جب جب بھی دو کو پوچھے دونوں انکار کرتے تھے۔ پس ان تینوں کے درمیان قرعہ ڈالا اور لڑکے کو اس کے ساتھ منسوب کر دیا جس کے نام قرعہ نکلا۔ اور اس پر دیت کی دو تہائی لازم کی۔ فرماتے ہیں کہ حضور کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ہنسے یہاں تک کہ داڑھ مبارک ظاہر ہو گئی۔

يجوز اقرار الرجل بالوالدين والزوجة والولد والمولى [۱۱۵۱] (۵۲) ويقبل اقرار المرأة بالوالدين والزوج والمولى [۱۱۵۲] (۵۳) ولا يقبل اقرارها بالولد الا ان يصدقها

مذہب ان نسبوں کے اقرار کی وجہ سے دوسروں پر نسب کا الزام رکھنا نہیں ہے اور نہ دوسروں کا نسب ثابت کرنا ہے بلکہ صرف اپنے نسب کی نسبت کسی کی طرف کرنا ہے۔ اس لئے چونکہ دوسروں کا نقصان نہیں ہے اپنا اختیاری فعل ہے اس لئے جائز ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی کا نقصان نہ ہو تو ایسا اقرار نسب کر سکتا ہے۔ اور اس کی بنیاد پر کسی وارث کا نقصان ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[۱۱۵۱] (۵۲) قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار والدین کا اور شوہر کا اور مولى کا۔

تشریح عورت کسی کے بارے میں اقرار کرے کہ یہ باپ ہے یا ماں ہے یا میرا شوہر ہے یا میرا مولى ہے تو جائز ہے۔ اور وہ لوگ بھی تصدیق کر دے کہ ایسا ہی ہے تو یہ سب ثابت ہو جائیں گے۔

مذہب اس میں کسی دوسرے پر نسب ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ نسب اپنے اوپر لینا ہے۔ اس لئے جائز ہے اور اس اقرار میں کسی کو نقصان دینے کا شبہ بھی نہیں ہے اس لئے بھی جائز ہے۔

[۱۱۵۲] (۵۳) اور نہیں قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار بیٹے کے بارے میں مگر یہ کہ اس کی تصدیق کرے شوہر اس بارے میں یا اس کی ولادت کی دایہ گواہی دے۔

تشریح عورت اقرار کرتی ہے کہ مثلاً زید میرا بیٹا ہے تو عورت کا یہ اقرار اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک اس کا شوہر نہ تصدیق کرے کہ ہاں یہ اس کا بیٹا ہے۔ یا دایہ گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ پیدا ہوا ہے۔

مذہب بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے اس لئے عورت اگر یہ کہتی ہے کہ زید میرا بیٹا ہے تو اس بیٹے کا نسب اپنے شوہر سے ثابت کرنا چاہتی ہے۔ اپنے اوپر نسب لگانے کے ساتھ ساتھ دوسرے پر بھی نسب لگانا ہوا۔ صرف اپنے ساتھ نسب ثابت کرتی تو کوئی بات نہیں تھی یہاں تو شوہر پر بھی نسب لگا رہی ہے۔ اس لئے شوہر کی تصدیق ضروری ہے۔ وہ بیٹے ہونے کی تصدیق کرے گا تو ٹھیک ہے ورنہ عورت کا اقرار نسب باطل ہوگا۔

اصول غیر پر نسب لگانا اس کی تصدیق کی بغیر جائز نہیں ہے۔ حدیث میں دوسروں پر نسب کے الزام ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ عن ابی

هريرة انه سمع رسول الله ﷺ يقول حين نزلت آية المتلاعنين ايما امرأة ادخلت على قوم من ليس منهم فليست من الله في شيء ولن يدخلها الله جنته وايما رجل جحد ولده وهو ينظر اليه احتجب الله تعالى منه وفضحه على رؤس الاولين والآخرين (الف) (ابوداؤد شريف، باب التغليظ في الانتفا، ص ۳۱۵، نمبر ۲۲۶۳ نسائی شريف، باب التغليظ في الانتفا)

حاشیہ : (الف) جس وقت لعان کی آیت نازل ہوئی تو حضورؐ سے سنا کہ کوئی عورت کسی قوم میں ایسے آدمی کو داخل کرے جو اس قوم میں سے نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اللہ اس کو ہرگز جنت میں داخل نہیں کریں گے۔ اور کوئی آدمی اپنی اولاد کا انکار کرے حالانکہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے تو اللہ (باقی اگلے صفحہ پر)

الزوج فی ذلک او تشهد بولادتها قابلة [۱۱۵۳] (۵۴) ومن اقر بنسب من غیر
الوالدین والولد مثل الاخ والعم لم یقبل اقراره بالنسب [۱۱۵۴] (۵۵) فان کان له وارث

الولد، رج ثانی، ص ۹۴، نمبر ۳۵۱۱) اس حدیث میں دوسروں پر بلا وجہ نسب ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے شوہر تصدیق نہ کرے اس وقت تک لڑکے کے بارے میں عورت کا اقرار قبول نہیں ہے۔ البتہ دایہ گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ ہوا ہے۔ اور اسی بچے کے بارے میں اقرار کرتی ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو شوہر اس کی تصدیق نہ بھی کرے تب بھی بیٹے کا نسب عورت سے ثابت ہوگا۔ اور پھر چونکہ عورت شوہر کا فراش ہے اس لئے شوہر سے بھی اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

مج کیونکہ جہاں مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے وہاں دایہ کی گواہی قابل قبول ہے۔ اور اسی گواہی سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ حدیث میں ہے عن حذیفة ان النبی ﷺ اجاز شهادة القابلة (الف) (دارقطنی، کتاب فی الاقضية والاحکام، ج رابع، ص ۱۳۹، نمبر ۴۵۱۰ سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد من ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۲، کتاب الشہادات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دایہ کی گواہی بچے کی پیدائش کے بارے میں قابل قبول ہے۔

[۱۱۵۳] (۵۴) کسی نے اقرار کیا نسب کا والدین اور اولاد کے علاوہ کا مثلاً بھائی کا یا چچا کا تو اس کے نسب کا اقرار قبول نہیں کیا جائے۔

تشریح مثلاً زید نے اقرار کیا کہ عمر میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو یہ اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔

مج بھائی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے تو مقرر نے اپنے باپ سے نسب ثابت کر دیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ دوسرے پر نسب کا الزام نہیں رکھ سکتا اور دوسرے سے نسب ثابت نہیں کر سکتا۔ اپنے پر کرے تو ٹھیک ہے۔ اس لئے بھائی کا اقرار کرنا باطل ہے۔ اسی طرح یہ کہے کہ یہ میرا چچا ہے تو اس مطلب یہ ہوا کہ میرے دادا کا بیٹا ہے تو دادا سے نسب ثابت کیا تو دوسرے سے نسب ثابت کیا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے چچا ہونے کا بھی اقرار نہیں کر سکتا۔

اصول نسب کا ایسا اقرار نہیں کر سکتا جس سے دوسرے سے نسب ثابت ہونا لازم ہو۔ جس کو تحمیل النسب علی الغیر کہتے ہیں۔

[۱۱۵۴] (۵۵) پس اگر مقرر کے لئے معلوم وارث ہو قریبی یا دور کے تو وہ میراث کے زیادہ حقدار ہیں مقرر لہ سے۔ پس اگر نہ ہو اس کا وارث تو مقرر لہ مقرر کی میراث کا مستحق ہوگا۔

تشریح مثلاً زید نے عمر کے لئے اقرار کیا کہ وہ میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے اس کا نسب زید سے ثابت نہ ہوگا۔ اب اگر مقرر زید کا کوئی وارث ہے چاہے وہ قریبی وارث ہو یا دور کا وارث ہو تو وہ زید کی میراث کا حقدار ہوگا۔

مج کیونکہ وہ ثابت شدہ وارث ہیں۔ اور بھائی اور چچا جن کا اقرار کیا تھا ان کا نسب ہی زید سے ثابت نہیں ہوا اس لئے وہ زید کے وارث نہیں ہوں گے۔ ہاں! کوئی وارث نہ ہوں نہ قریب کے نہ دور کے تو اب جن کے لئے بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کیا ہے وہ وارث ہوں گے۔ کیونکہ زید

شیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) تعالیٰ اس سے پردہ کر لیں گے۔ اور اس کو اولین اور آخرین کے سامنے شرمندہ کریں گے (الف) حضورؐ نے دایہ کی گواہی کی اجازت دی۔ یعنی دایہ کی گواہی ولادت کے بارے میں قابل قبول ہے۔

معروف قریب او بعید فهو اولی بالمیراث من المقر له فان لم یکن له وارث استحق المقر له میراثہ [۱۱۵۵] (۵۶) ومن مات ابوہ فاقرب باخ لم یثبت نسب اخیه منه ویشار کہ فی المیراث.

کا اپنا مال ہے کوئی وارث نہ ہونے کے وقت جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ اس لئے اب بیت المال میں وراثت جانے کی بجائے مقر لہ کو دی جائے گی۔

نوٹ اس صورت میں بھائی یا چچا کو نسب ثابت کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اقرار کرنے کی وجہ سے وراثت دے دی گئی۔ کیونکہ اب بیت المال کے علاوہ کوئی وراثت لینے والا نہیں ہے (۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ کوئی وارث نہ ہو تو مقر لہ کو وراثت دی جاسکتی ہے۔ ع— عائشة ان رجلا وقع من نخلة فمات وترك شيئا ولم يدع ولدا ولا حميما فقال رسول الله ﷺ اعطوا ميراثه رجلا من اهل قريته (الف) (سنن للبيهقي، باب من جعل ميراث من لم يدع وارثا ولا مولی فی بیت المال، ج سادس، ص ۳۹۸، نمبر ۱۲۴۰۰) ترمذی شریف، باب ماجاء فی الذی یموت ولیس له وارث ص ۲۳ نمبر ۲۱۰۵) اس حدیث میں کوئی وارث نہیں تھا تو گاؤں والے کو اس کی وراثت دیدی گئی۔ اس لئے کوئی وارث نہ ہو تو مقر لہ کو وراثت دے دی جائے گی۔

اصول کوئی وارث نہ ہو تو مقر لہ کو اس کی وراثت دی جائے گی۔

[۱۱۵۵] (۵۶) کسی کے والد کا انتقال ہو گیا پس بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس کے بھائی کا نسب مقر سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔ لیکن میراث میں اس کے شریک ہوگا۔

تشریح کسی کے والد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد مثلاً زید نے عمر کے بھائی ہونے کا اقرار کیا کہ یہ میرا بھائی ہے تو چونکہ تحمیل النسب علی الغیر ہے۔ یعنی دوسرے پر نسب ڈالنا ہے اس لئے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن بھائی اقرار کرنے والے کو والد کی میراث سے جتنا حصہ ملے گا اس میں سے آدھا مقر لہ عمر کو بھی دینا پڑے گا۔

وجہ بھائی اقرار کرنے کے دو مقاصد ہیں۔ ایک تو باپ سے نسب ثابت کرنا۔ یہ تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کو باپ کی وراثت میں شریک کر لیا جائے یہ ہوگا۔ لیکن دوسرے بھائیوں کے حصے میں سے نہیں دیا جائے گا صرف اقرار کرنے والے کی میراث میں سے آدھا حصہ دیا جائے گا۔ تاکہ کسی کا نقصان بھی نہ ہو اور اقرار کرنے کا دوسرا مقصد بھی پورا ہو جائے (۲) یہ اس کا مال ہے اقرار کر کے دوسرے کو دے سکتا ہے۔

اصول اقرار کر کے دوسرے کا نقصان کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ ذاتی حق میں اس کا اجراء کیا جائے گا۔

حاشیہ: (الف) ایک آدمی کھجور کے درخت سے گرا اور مر گیا اور کچھ مال چھوڑا اور نہ اولاد چھوڑی نہ دوست چھوڑا تو آپؐ نے فرمایا اس کی میراث اس کے گاؤں والے کسی آدمی کو دیدو۔

کتاب الاجارۃ

[۱۱۵۶] (۱) الاجارۃ عقد علی المنافع بعوض [۱۱۵۷] (۲) ولا تصح حتی تكون

کتاب الاجارۃ

ضروری نوٹ ایک جانب سے منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین چیز ہو مثلاً پونڈ، درہم یا کیلی، وزنی چیز ہو تو اس کو اجارہ کہتے ہیں۔ اجارہ میں منفعت معدوم ہوتی ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اور احادیث کی وجہ سے کچھ شرائط کے ساتھ اس کو موجود قرار دی گئی اور اجارہ جائز قرار دیا گیا۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ قال انسی ارید ان انکحک احدی ابنتی ہاتین علی ان تأجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک (الف) (آیت ۲۷ سورۃ القصص ۲۸) اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی آٹھ سال تک بکری چرانے کی اجرت پر کی گئی ہے (۲) اور حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال قال اللہ ثلاثۃ انا خصمہم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ ورجل استأجر اجیرا فاستوفی منه ولم یعطہ اجرہ (ب) (بخاری شریف، باب اثم من منع اجر الا جیر ص ۳۰۲ نمبر ۲۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ اجیر سے کام کروالیا اور اس کی اجرت نہیں دی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت میں اس کا خصم ہوں گا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اجارہ جائز ہے۔

[۱۱۵۶] (۱) اجارہ عقد ہے منافع پر عوض کے بدلے۔

تشریح اجارہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانب منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین شیء ہو مثلاً درہم، دینار، گیلہاں یا کوئی کیلی یا وزنی چیز ہو۔ اس کو عقد اجارہ کہتے ہیں۔

مذہب اس کے جواز کی وجہ اوپر کی آیت اور حدیث ہے۔

[۱۱۵۷] (۲) نہیں صحیح ہے اجارہ یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت معلوم ہو۔

تشریح منافع کتنے ہوں گے، اس کی مقدار کیا ہوگی وہ بھی معلوم ہو اور اس کے بدلے اجرت کتنی ہوگی وہ بھی معلوم ہو تب اجارہ صحیح ہوگا۔

مذہب اگر منافع معلوم نہ ہوں اور اجرت معلوم نہ ہو تو بھگڑا ہوگا اس لئے دونوں معلوم ہونا ضروری ہے (۲) اوپر آیت میں ثمانی حجج ہے۔ جس سے منافع معلوم ہوئے اور اٹکک ہے۔ جس سے عوض بھی معلوم ہوا۔ اس سے اشارہ ہوا کہ دونوں معلوم ہوں (۳) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ ... ومن استأجر اجیرا فلیعلمہ اجرہ (ج) (سنن للبیہقی، باب لا تجوز الاجارۃ حتی تكون معلومۃ وتكون الاجرۃ معلومۃ، ج ۱ ص ۱۹۸، نمبر ۱۱۶۵) مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یقول لبع هذا بكذا فما زاد فلك وكيف ان باعه بدین ج ثامن

حاشیہ : (الف) حضرت شعیبؓ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا آپ سے نکاح کر دوں اس بدلے میں کہ آٹھ سال تک اجرت کا کام کریں۔ پس اگر دس پورے کریں تو آپ کے پاس سے ہوگا (ب) حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین آدمیوں کا میں مدعی ہوں گا۔ ایک آدمی جس نے میری وجہ سے عہد کیا پھر دھوکہ دیا۔ دوسرا آدمی جس نے آزاد کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اور اس سے پورا کام لیا پھر اس کو اجرت نہیں دی (ج) آپ سے روایت ہے کہ... کسی نے اجیر کو اجرت پر لیا تو اس کی اجرت کتنی ہے اس کی اطلاع دینی چاہئے۔

المنافع معلومة والاجرة معلومة [۱۱۵۸] (۳) وما جاز ان يكون ثمنًا في البيع جاز ان يكون اجرة في الاجارة [۱۱۵۹] (۴) والمنافع تارة تصير معلومة بالمدة كاستيجار الدور

ص ۲۳۵ نمبر ۱۵۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو اجرت پر رکھو اس کو اجرت معلوم ہونی چاہئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اجرت معلوم ہو۔ اور عمل اور منافع معلوم ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس بن مالک قال دعا النبی ﷺ غلاما حجاما فحجمه وامر له بصاع او صاعين او مد او مدين وكلم فيه فخفف من ضريته (الف) (بخاری شریف، باب من کلم موالی العبدان تکففوا عنه من خراج ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۸۱) اس حدیث میں حجام ابو طیبہ کا عمل اور منافع معلوم ہے کہ ان کو حضور کی حجامت کرنی ہے اور اس کے بدلے میں ایک صاع یا دو صاع گیہوں دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ منفعت بھی معلوم ہو تب اجارہ صحیح ہوگا۔

اصول اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہ ہو بعد میں دی جائے یا آہستہ آہستہ وجود میں آئے گی اس کا کیل، وزن اور صفت معلوم ہو تب عقد ہوگا۔ اجارہ میں منافع بعد میں آہستہ آہستہ وجود میں آئے گا اس لئے وہ معلوم ہوں تب اجارہ درست ہوگا، ثبوت اس حدیث میں ہے عن ابن عباس... فقال من اسلف في شيء فففي كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم (ب) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ / مسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث میں بیع سلم کے سلسلے میں ہے مگر اجرت کے معلوم ہونے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

[۱۱۵۸] (۳) جو چیز جائز ہے کہ بیع میں ٹمن ہو، جائز ہے کہ وہ اجارہ میں اجرت ہو۔

تشریح جو چیزیں بیع میں ٹمن اور قیمت بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجارہ میں اجرت بن سکتی ہیں۔

موجہ (۱) اجارہ میں اجرت بیع میں ٹمن کی طرح ہے۔ اس لئے جو چیزیں ٹمن بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجرت بن سکتی ہیں۔ مثلاً عددی غیر متقارب جو سامنے موجود نہ ہو وہ ٹمن نہیں بن سکتی تو وہ اجرت بھی نہیں بن سکتی۔ اور درہم اور دنانیر یا کیلی وزنی چیزیں ٹمن بن سکتی ہیں تو وہ اجرت بھی بن سکتی ہیں **اصول** یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور عددی غیر متقارب جو قریب قریب نہ ہوں اور سامنے نہ ہوں تو وہ معلوم نہیں ہے۔ مقدار مجہول ہے اس لئے وہ اجرت نہیں بن سکتی۔

[۱۱۵۹] (۴) منفعت کبھی معلوم ہوتے ہیں مدت کے ذریعہ جیسے گھروں کو رہنے کے لئے اجرت پر لینا اور زمین کو کاشتکاری کے لئے لینا، پس صحیح ہوگا عقد مدت معلوم پر کوئی بھی مدت ہو۔

تشریح منفعت معلوم ہونے کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مدت معلوم ہو کہ کتنی مدت کے لئے یہ چیز لے رہا ہے۔ اس مدت سے منفعت کا پتہ چلے گا، چاہے جو مدت متعین کرے۔ مثلاً گھر رہنے کے لئے لے رہا ہے تو کتنے مہینے کے لئے لے رہا ہے اس سے اس کی منفعت کا پتہ چلے گا۔ یا زمین کاشتکاری کے لئے لے رہا ہے تو کتنے مہینے کے لئے لے رہا ہے اس سے اس کی منفعت کا پتہ چلے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے بچھنا لگانے والے غلام کو بلایا۔ پس اس نے بچھنا لگایا۔ اور آپؐ نے اس کو ایک صاع یا دو صاع دینے کا حکم دیا۔ یا ایک مد یا دو مد دینے کا حکم فرمایا۔ اور اس کے ٹکس میں تخفیف کرنے کی بات کی (ب) آپؐ نے فرمایا جو بیع کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

للسكنى والارضين للزراعة فيصح العقد على مدة معلومة اى مدة كانت [۱۱۶۰]
(۵) وتارة تصير معلومة بالعمل والتسمية كمن استأجر رجلا على صبح ثوب او خياطة
ثوب او استأجر دابة ليحمل عليها مقدارا معلوما الى موضع معلوم او يركبها مسافة

مجا زمین کاشتکاری کے لئے دے جس سے منافع کا پتہ چلے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ انہ سأل رافع بن خدیج عن كراء الارض فقال نهى رسول الله ﷺ عن كراء الارض قال فقلت أبا لذهب والورق؟ فقال اما بالذهب والورق فلا بأس به (الف) (مسلم شریف، باب كراء الارض بالذهب والورق ص ۱۱۷ نمبر ۱۵۴۷) عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ عامل اهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر او زرع (مسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع، ص ۱۲، نمبر ۱۵۴۸ بخاری شریف، باب اذا لم يشترط السنين في المزارعة ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۹) اس حدیث میں ہے کہ اہل خیبر کو زمین کاشتکاری کے لئے دی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقت معلوم ہو تو اس سے کرایہ کا پتہ چلتا ہے۔

[۱۱۶۰] (۵) منافع کبھی معلوم ہوتے ہیں عمل کے ذریعہ اور متعین کرنے کے ذریعہ جیسے کسی آدمی کو اجرت پر لیا کپڑا رنگنے کے لئے یا کپڑا سینے کے لئے یا چوپایہ اجرت پر لیا تاکہ اس پر مقدار معلوم لاد جائے مقام معلوم تک یا اس پر سوار ہو مسافت معلوم تک۔

تشریح منافع معلوم ہونے کے مختلف طریقے ہیں۔ مصنف کچھ طریقے یہاں بیان کر رہے ہیں۔ مثلاً ایک طریقہ یہ ہے کہ کام متعین کر کے منفعت کی تعیین کی جائے۔ مثلاً کپڑا رنگنے کے لئے آدمی کو اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اور اس کے بدلے اتنے کپڑے رنگنے میں یا اتنے کپڑے سینے میں۔ یا چوپایہ اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اور اس پر دو سو کیلو گے ہوں لاد کر پانچ میل لے جاؤں گا، یا پانچ میل تک سوار ہو کر سفر کروں گا تو ان تعیین کے ذریعہ سے منفعت کا پتہ چلا اور منفعت کی تعیین ہوئی۔

مجا منفعت کی تعیین اور اجرت کی تعیین کی مثال حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال اصاب نبي الله خصاصة فبلغ ذلك عليا فخرج يلتمس عملا يصيب فيه شيئا ليقبض به رسول الله ﷺ فأتى بستانا لرجل من اليهود فاستقى له سبعة عشر دلوًا كل دلو بتمرة فخيره اليهودي من تمره سبع عشرة عجرة فجاء بها الى النبي ﷺ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الرجل يستقي كل دلو تمرًا ويشترط جلدًا ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۶) اس حدیث میں عمل بھی معلوم ہے اور اجرت بھی معلوم ہے کہ ہر ڈول نکالنے کے بدلے میں ایک کھجور طے کیا اور سترہ ڈول نکالا اور سترہ کھجور لئے۔

نکتہ خیاطہ : سینا۔

حاشیہ : (الف) رافع بن خدیج سے زمین کو کرایہ پر دینے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا حضورؐ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے روکا۔ میں نے پوچھا سونے اور چاندی کے بدلے میں؟ فرمایا بہر حال سونے اور چاندی کے بدلے میں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) حضور کو فاقہ کشی ہوئی تو یہ بات حضرت علی کو معلوم ہوئی تو کام کرنے کے لئے نکلتا کہ کچھ کمائے جس سے حضور کو بچائے۔ پس حضرت علی یہودی کے ایک باغ میں آئے اور اس کے لئے سترہ ڈول نکالے۔ ہر ڈول ایک کھجور کے بدلے۔ پس یہودی نے سترہ کھجور دیئے پھر اس کو حضور کے پاس لیکر آئے۔

معلومة [۱۱۶۱] (۶) وتارة تصير معلومة بالتعيين والاشارة كمن استأجر رجلا لينقل هذا الطعام الى موضع معلوم [۱۱۶۲] (۷) ويجوز استيجار الدور والحوانیت للسكنی وان لم یبین ما یعمل فیها وله ان یعمل کل شیء الا الحداد والقصار والطحان [۱۱۶۳] (۸) ویجوز استيجار الاراضی للزراعة وللمستأجر الشرب والطریق وان لم یشرط.

[۱۱۶۱] (۶) اور کبھی منافع معلوم ہوتے ہیں تعین کے ذریعہ اور اشارہ کرنے کے ذریعہ جیسے کہ اجرت پر لیا کسی آدمی کو تاکہ منتقل کرے یہ کھانا مقام معلوم تک۔

تشریح کبھی منافع اس طرح بھی معلوم کرتے ہیں کہ کام کی تعین کر دے اور اس کی طرف اشارہ کر دے۔ مثلاً کسی کو اجرت پر لیا کہ اس کھانے کو فلاں جگہ تک لا کر لے جانا ہے اور اتنی اجرت ملے گی۔ اس طرح اشارہ اور تعین سے منافع متعین کرتے ہیں۔

مجموعہ اس کا ثبوت ایک اثر میں ہے۔ اکثری الحسن من عبد الله بن مرداس حمارة فقال بكم؟ قال بدانقین فر کبه (الف) (بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی ما یعارفون ینھم فی البیوع والا اجارة ص ۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اس اثر میں گدھے پر سوار ہونے کے لئے دو دانق دیئے۔

[۱۱۶۲] (۷) اور جائز ہے گھروں کو اجرت پر لینا اور دکانوں کو اجرت پر لینا رہائش کے لئے اگرچہ نہ بیان کرے کہ اس میں کیا کرے گا۔ اور اجیر کے لئے جائز ہے کہ اس میں ہر کام کرے سوائے لوہاری، دھوبی اور پسائی کے۔

تشریح گھروں اور دکانوں کو اجرت پر لینا جائز ہے اور ان میں تمام کام کر سکتے ہیں لیکن لوہا کوٹنے کا کام، کپڑا دھونے کا کام اور آٹا پسائی کا کام نہیں کر سکتے۔

مجموعہ اگر پہلے سے طے نہیں ہو کہ کیا کام کرنا ہے تو وہ تمام کام کر سکتا ہے جس میں گھر کی دیوار کو نقصان نہ ہو۔ یا گھر کے فرش کا نقصان نہ ہو۔ لیکن جن کاموں میں گھر کی دیوار یا فرش کو نقصان پہنچ سکتا ہو وہ کام ان میں نہیں کر سکتے۔ مثلاً لوہاری کے کام سے دیوار کمزور ہوتی ہے۔ کپڑا دھونے کے کام سے فرش خراب ہوتا ہے۔ اور آٹا پسائی کے کام سے فرش گندہ ہوتا ہے اور دیوار بھی کمزور ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کام بغیر گھر والے کی اجازت کے نہیں کر سکتا۔

اصول بغیر اجازت کے ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے دیوار یا فرش کو نقصان پہنچتا ہو۔ دلیل حدیث لا ضرر ولا ضرار ہے۔

نکتہ الحداد : لوہاری کا کام۔ القصار : کپڑے دھونے کا پیشہ۔ الطحان : آٹا پیسنے۔

[۱۱۶۳] (۸) اور جائز ہے زمینوں کو اجرت پر لینا کھیتی کے لئے۔ اور مستاجر کے لئے پانی پلانے کی باری اور راستہ ہوگا اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی ہو۔

حاشیہ : (ب) حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا تو پوچھا کتنے میں؟ تو مرداس نے کہا دو دانق کے بدلے۔ پس اس پر سوار ہوئے۔

[۱۱۶۴] (۹) ولا یصح العقد حتی یسمی ما یزرع فیہا او یقول علی ان یزرع فیہا ما شاء [۱۱۶۵] (۱۰) ویجوز ان یتأجر الساحة لبینی فیہا او یغرس فیہا نخلا او شجرا۔

تشریح زمین کو کھیتی کرنے کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے۔ اور پانی پلانے کی جو باری ہوتی ہے یا کھیت تک آنے کا جو راستہ ہوتا ہے وہ بھی خود بخود مل جائیں گے چاہے کھیت اجرت پر لیتے وقت ان کی شرط نہ لگائی ہو۔

مذہب کھیت کو اجرت پر لینے کے بارے میں وہی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے۔ لیکن خود راوی نے بیان کر دیا ہے کہ وہ استتباب کے طور پر تھا تا کہ کھیت والا زائد کھیت کو اپنے بھائیوں کو مفت کھیتی کرنے دیدے۔ لیکن اگر کرایہ پر دینا چاہے تو دے سکتا ہے جائز ہے (۲) حدیث میں ہے۔ اخبرنی یعنی ابن عباس ان النبی ﷺ لم ینہ عنه ولكن قال ان یمنح احدکم اخاه خیر له من ان یأخذ علیہ خر جا معلوما (الف) (بخاری شریف، باب ۳۱۳ نمبر ۲۳۳۰ مسلم شریف، باب الارض تمسح ج ثانی ص ۱۴ نمبر ۱۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھیت مفت دے تو زیادہ بہتر ہے لیکن کرایہ پر دے تو بھی جائز ہے (۳) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال عامل النبی ﷺ خیر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع (ب) (بخاری شریف، باب اذا لم یشرط السنن فی المزراعہ ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۹ مسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزراعہ ص ۱۴ نمبر ۱۵۵) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے اہل خیر کو زمین کاشت کرنے کے لئے دی اور جو غلہ نکلے اس میں سے کچھ اجیر کو دیا جائے، جس سے معلوم ہوا کہ کھیت اجرت پر دینا جائز ہے۔ کھیتی کرنے کے لئے کھیت پر جانے کے راستے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح پانی پلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیزیں بنیادی ہیں اس لئے بغیر شرط لگائے بھی یہ چیزیں اجارہ میں داخل ہوں گی۔

اصول کھیتی کی بنیادی چیزیں اجرت میں داخل ہوں گی۔

نکتہ الشرط : پانی پلانا، پانی پلانے کی باری۔

[۱۱۶۴] (۹) اور نہیں صحیح ہے عقد یہاں تک کہ متعین کرے کہ کیا اس میں بوئے گا یا کہے کہ جو چاہو اس میں بوؤ۔

تشریح زمین کرایہ پر لیتے وقت یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ کیا چیز اس میں بوئے گا تا کہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔ یا کھیت والا یہ کہہ دے جو چیزیں چاہیں آپ اس میں بوئیں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

مذہب بعض غلے کے بونے سے زمین خراب ہوتی ہے اور بعض غلے کے بونے سے زمین اچھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اجرت پر لیتے وقت یہ طے کرنا ہوگا کہ کون سا غلہ اس میں بوئے گا۔ یا پھر کھیت والا یہ کہہ دے کہ جو غلہ چاہو ہو بوؤ۔ پھر عقد اجارہ درست ہوگا۔

[۱۱۶۵] (۱۰) جائز ہے خالی زمین کو اجرت پر لینا تا کہ اس کے اندر عمارت بنائے یا اس میں کھجور کا درخت یا کوئی درخت بوئے۔

مذہب جب کاشتکاری کے لئے تین چار ماہ کے لئے زمین اجرت پر لے سکتا ہے تو کئی سالوں کے لئے بھی لے سکتا ہے تا کہ اس میں عمارت تعمیر

حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کہ حضورؐ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے روکا نہیں ہے۔ لیکن فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو زمین عطیہ دیدے تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس سے معلوم کرایہ لے (ب) حضورؐ نے کام کرنے کے لئے دیا اہل خیر کو آدھے حصے پر جو نکلے زمین میں سے پھل اور کھیتی۔

[۱۱۶۶] (۱۱) فاذا انقضت مدة الاجارة لزمه ان يقلع البناء والغرس ويسلمها فارغة.

کی جائے یا سالوں کے لئے پھل دار درخت لگائے جائیں (۲) سالوں کے لئے زمین کرایہ پر لینے کا ثبوت حدیث اور اثر میں ہے۔ وقال ابن عباس ان امثل ما انتم صانعون ان تستأجروا الارض البيضاء من السنة الى السنة (الف) (بخاری شریف، باب کراء الارض بالذهب والفضة ص ۳۱۵ نمبر ۲۳۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی سال کے لئے بھی خالی زمین کرایہ پر لے سکتا ہے (۳) یہود کو کئی سال کے لئے خیر کی زمین دی گئی تھی۔ بعد میں حضرت عمر کے زمانے میں ان کو بے دخل کیا گیا۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اجلسي اليهود والنصارى من الارض الحجاز ... واراد اخراج اليهود منها فسألت اليهود رسول الله ﷺ ليقرهم بها ان يكفوا عملها ولهم نصف الثمر فقال لهم رسول الله ﷺ نفر كم بها على ذلك ما شئنا فقرروا بها حتى اجلاهم عمر الى تيماء واريحاء (ب) (بخاری شریف، باب اذا قاتل رب الارض اترك ما ترك الله ولم يذكر اجلا معلوما فها على تراخيها ص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۸) مسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱/۳۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیر کے یہود کو کھیتی اور کھجور کے باغ کئی سال کے لئے آدھی کھیتی کے بدلے کرایہ پر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالی زمین بھی عمارت بنانے اور درخت لگانے کے لئے کئی سالوں کے لئے دی جاسکتی ہے۔

لغت الساحة: خالی زمین۔ یغرس: درخت لگانا۔

[۱۱۶۶] (۱۱) پس جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو اس کو لازم ہوگا کہ عمارت اور درخت اکھاڑ لے اور زمین والے کو خالی زمین سپرد کرے۔

تشریح مثلاً بیس سال کے لئے خالی زمین اجرت پر لی تھی اور اس میں عمارت بنائی تھی یا درخت لگائے تھے تو بیس سال پورے ہونے کے بعد عمارت ختم کر دے اور درخت کاٹ لے اور جیسی خالی زمین کرایہ کے وقت لی تھی ویسی ہی بالکل خالی کر کے زمین والے کو حوالے کرے۔

مجموعہ (۱) اگر زمین پر عمارت یا درخت لگے رہنے کی شرط لگا دے تو اس میں اجیر کا نقصان ہوگا کہ بغیر کسی قیمت کے اس کو عمارت اور درخت چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ اس لئے یہ بھی درست نہیں۔ اور ایسا بھی ہوگا کہ اس عمارت اور درخت کی ضرورت نہ ہو تو اس کو اکھاڑنے اور ڈھانے میں کھیت والے کی رقم خرچ ہوگی جس سے کھیت والے کو نقصان ہوگا۔ اس لئے قانون یہی ہوگا کہ جیسی خالی زمین کرایہ کے وقت لی تھی ویسی ہی خالی کر کے زمین واپس کرے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال المسلمون علی شروطهم والصلح جائز بین المسلمین (ج) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ۳ نمبر ۲۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

حاشیہ: (الف) ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے مثل جو تم کرتے ہو یہ کہ خالی زمین کو اجرت پر لے ایک سال سے دوسرے سال تک (ب) عمر بن خطاب نے یہود کو اور نصاریٰ کو ارض حجاز سے جلا وطن کیا... حضورؐ نے یہود کو خیر سے نکالنے کا ارادہ کیا تو یہود نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ان کو خیر میں ٹھہرنے دیں۔ تاکہ ان کی کاشتکاری کریں۔ اور اہل مدینہ کے لئے آدھا پھل ہو تو حضورؐ نے ان سے کہا ہم تم کو رکھتے ہیں اس پر جتنا چاہیں۔ تو وہ لوگ وہاں ٹھہرے رہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ان کو جلا وطن کیا مقام تیماء اور اریحاء تک (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمان اپنی شرط کے مطابق ہوتے ہیں یعنی شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے۔

[۱۱۶۷] (۱۲) الا ان یختار صاحب الارض ان یغرم له قيمة ذلك مقلوعا و یملکه
[۱۱۶۸] (۱۳) او یرضی بترکه علی حاله فیکون البناء لهذا و الارض لهذا.

جس شرط پر زمین کرایہ پردی گئی تھی اسی شرط پر واپس کرے (۳) دوسری حدیث میں ہے کہ بغیر دلی خوشی کے کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال لا یحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفسہ (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۲ نمبر ۲۸۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر رضامندی کے کسی کا مال لینا جائز نہیں۔ اس لئے بغیر اجیر کی رضامندی کے اس کو گھریا درخت زمین پر چھوڑ دینے کے لئے کہنا جائز نہیں ہے۔

[۱۱۶۷] (۱۲) مگر یہ کہ زمین والا پسند کرے کہ اکھڑے ہوئے کی قیمت دے اور گھریا درخت کا مالک ہو جائے۔

تشریح زمین والا اس بات پر راضی ہو جائے کہ ٹوٹے ہوئے گھر اور اکھڑے ہوئے درخت کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ اجیر کو دیدے اور گھر اور درخت کا مالک ہو جائے تو ایسا کر سکتا ہے۔

مجموعہ کرایہ پر زمین لینے والے پر گھر توڑ کر زمین خالی کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح درخت کاٹ کر زمین خالی کرنا ضروری تھا اس لئے یوں سمجھو کہ گھر ٹوٹ چکا اور درخت کٹ چکے۔ اس لئے ٹوٹے ہوئے گھر کی قیمت اور کٹے ہوئے درخت کی قیمت جو ہو سکتی ہے وہ قیمت زمین والا دے گا اور سالم گھر اور سالم درخت کا مالک بن جائے گا۔ یہ الگ سے بیع اور شراء ہے جس میں کھیت والا اور کرایہ پر لینے والے دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ اس قسم کے صلح کی گنجائش حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ المسلمون علی شروطہم والصلح جائز بین المسلمین (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۳ نمبر ۲۸۶۷) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان کے درمیان صلح کرنا جائز ہے اس لئے ٹوٹے ہوئے گھر اور کٹے ہوئے درخت پر آپس میں صلح کی قیمت ہو جائے تو جائز ہے۔

نوٹ یہ پہلے کرایہ کے اندر بیع نہیں ہے کہ بیع کے اندر بیع ہو کر ناجائز ہو جائے۔ کیونکہ کرایہ کی بات تو کئی سال پہلے ہو چکی تھی اور ٹوٹے ہوئے گھر کی بیع ابھی ہو رہی ہے اس لئے بیع و شرط نہیں ہوئی کہ ناجائز ہو جائے۔

لغت یغرم : تاوان دے۔ مقلوعا : قلع سے مشتق ہے اکھیڑنا۔

[۱۱۶۸] (۱۳) یا راضی ہو جائے چھوڑنے پر اپنی حالت پر۔ پس عمارت کرایہ دار کے لئے اور زمین زمین والے کے لئے ہوگی۔

تشریح کرایہ پر لینے کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ اس لئے کرایہ دار کو گھر توڑنا چاہئے اور درخت کاٹنا چاہئے لیکن دونوں راضی ہو جائے کہ مزید زمانے کے لئے گھر اور درخت زمین پر چھوڑ دو تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں زمین زمین والے کی رہے گی اور مکان یا درخت مکان یا درخت والے کے ہوں گے۔

مجموعہ زمین والے کی چیز ہے وہ راضی خوشی سے ایسا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ بلکہ حدیث کی رو سے ایک قسم کا تعاون ہوگا اور بھائی کی مدد کرنے کا

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کی خوش دلی سے (ب) آپ نے فرمایا مسلمان اپنی شرط کے مطابق ہوتے ہیں یعنی شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے۔

[۱۱۶۹] (۱۴) و یجوز استیجار الدواب للركوب والحمل فان اطلق الركوب جازله ان یركبها من شاء وكذلك ان استأجر ثوبا للبس واطلق [۱۱۷۰] (۱۵) فان قال له علی ان

ثواب ملے گا۔ عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال لان یمنح الرجل اخاه ارضه خیر له من ان يأخذ علیها خرجا معلوما (الف) (مسلم شریف، باب الارض ینخ ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۰ بخاری شریف، باب ما کان من اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم فی الزرعة والشر ص ۳۱۵ نمبر ۲۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ بغیر کرایہ کے زمین کسی بھائی کو دے تو بہت بہتر ہے۔ اس لئے اپنی زمین بغیر کرایہ کے گھر والے یا مکان والے کو دے سکتا ہے، ثواب ملے گا۔

[۱۱۶۹] (۱۴) جائز ہے چوپایوں کو اجرت پر لینا سوار ہونے کے لئے اور بوجھ لادنے کے لئے، پس اگر مطلق رکھا سوار ہونے کو تو جائز ہے کہ اس پر سوار ہو جو چاہے۔ اور ایسے ہی اگر اجرت پر لیا کپڑے کو پہننے کے لئے اور مطلق رکھا۔

تشریح چوپائے کو سوار ہونے کے لئے اور بوجھ لادنے کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے۔ اگر کسی سواری کو متعین نہیں کیا تو کوئی بھی آدمی اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بوجھ لادنے کے لئے اجرت پر لیا اور کیا چیز لادے گا اس کا تعین نہیں کیا تو کوئی چیز بھی چوپائے پر لاد سکتا ہے۔ البتہ ایسی چیز نہیں لاد سکتا جس سے چوپائے کی ہلاکت یا اس کے نقصان ہونے کا ظن غالب ہو۔

منہج چوپایہ سواری کے لئے کرایہ پر لے اس کے ثبوت کے لئے یہ اثر ہے۔ واكتسرى الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بكم؟ قال بدانقین فرکبه ثم جاء مرة اخرى فقال الحمار الحمار فرکبه ولم يشارطه فبعث اليه بنصف درهم (ب) (بخاری شریف، باب من اجری امر المصار علی ما یبعارفون ینهم فی البیوع والاجارة الخ ص ۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اس اثر میں گدھے کو سواری کے لئے دو دانق میں کرایہ پر لیا گیا ہے۔ اور کوئی آدمی اس لئے سوار ہو سکتا ہے کہ کسی خاص آدمی کا تعین نہیں کیا۔

اسی طرح کپڑا پہننے کے لئے اجرت پر لیا تو لے سکتا ہے۔ اور پہننے والے کا تعین نہیں کیا تو کوئی بھی آدمی اس کپڑے کو پہن سکتا ہے۔

اصول مستعمل کے اختلاف سے فرق نہ پڑتا ہو اور کسی خاص آدمی کی شرط نہ لگائی ہو تو کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے۔

نکتہ اطلاق : مطلق چھوڑا ہو، کسی کو متعین نہ کیا ہو۔

[۱۱۷۰] (۱۵) پس اگر کہا چوپائے والے کو یہ کہ اس پر سوار ہو گا فلاں یا کپڑا پہنے گا فلاں۔ پس سوار کیا اس کے علاوہ کو یا پہنایا اس کے علاوہ کو تو ضامن ہوگا اگر ہلاک ہوا چوپایہ یا برباد ہوا کپڑا۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا اور اس پر خاص آدمی کے سوار ہونے کو کرایہ پر لیتے وقت متعین کیا۔ بعد میں اس کے خلاف کیا اور دوسرے آدمی کو سوار کیا۔ پس اگر جانور ہلاک ہو گیا یا کپڑا برباد ہو گیا تو اجیر جانور اور کپڑے کا ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی اپنے بھائی کو زمین عطا کرے یہ بہتر ہے اس کے لئے اس سے کہ اس پر کوئی معلوم اجرت لے (ب) حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا تو پوچھا کتنے میں ہے؟ عبد اللہ نے کہا دو دانق میں۔ پس اس پر سوار ہوئے پھر دوسری مرتبہ آئے اور کہا گدھا چاہئے۔ پس اس پر سوار ہوئے اور کرایہ کی شرط نہیں کی۔ پھر اس کو آدھا درہم بھیجا۔

یرکبھا فلان او یلبس فلان فار کبھا غیرہ او البسہ غیرہ کان ضامنا ان عطبت الدابة او تلف الثوب [۱۱۷۱] (۱۶) وكذلك کل ما یختلف باختلاف المستعمل [۱۱۷۲] (۱۷) فاما العقار وما لا یختلف باختلاف المستعمل فلا یعتبر تقييده فان شرط سکنی واحد بعینه فله ان یسکن غیرہ [۱۱۷۳] (۱۸) وان سمي نوعا وقدر ا یحمله علی

مذہب قاعدہ ہے کہ استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے استعمال کرنے میں فرق پڑتا ہے جیسے کہ سوار سوار میں فرق ہوتا ہے۔ کوئی بھاری سوار ہوتا ہے کوئی ہلکا سوار ہوتا ہے۔ گدھا بھاری سوار کو مشکل سے لے جائے گا جبکہ ہلکے سوار کو آسانی سے منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔ اسی طرح ماہر سوار جانور کو آرام سے لے جاتا ہے جبکہ جڑ سوار جانور کو تنگ کر دیتا ہے۔ یہی حال کپڑے پہننے والے کا ہے۔ اس لئے جب ایک خاص آدمی سواری کے لئے متعین ہوا اور بعد میں اس کے خلاف کیا تو چونکہ شرط کے خلاف کیا اس لئے وہ چیز اس کے ہاتھ میں امانت کی نہیں رہی بلکہ ضمانت کی ہوگئی۔ اس لئے ہلاک ہونے پر جانور کا تاوان دینا ہوگا۔ یا جو نقصان ہوا ہے وہ بھرنا ہوگا۔

اصول شرط کے خلاف کرنے سے ہلاکت پر تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

لغت عطب : ہلاک ہوا، تھک گیا۔ تلف : برباد ہوا، ضائع ہو گیا۔

[۱۱۷۱] (۱۶) ایسا ہی حال ہے ہر اس چیز کا جو مختلف ہوتی ہے استعمال کرنے والے کے اختلاف سے۔

تشریح جو چیز استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے مستعمل چیز پر فرق پڑتا ہو ہر ایک کا معاملہ یہی ہے کہ اگر ایک آدمی کو متعین کیا اور اس کے خلاف دوسرے کو استعمال کرنے دیا اور اس سے چیز ہلاک ہوگئی تو تاوان دینا ہوگا۔ اصول اور دلائل اوپر گزر گئے۔

[۱۱۷۲] (۱۷) بہر حال زمین اور ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتی۔ پس اگر شرط لگائی کسی خاص آدمی کی رہائش کی، تب بھی اس کے لئے جائز ہے کہ دوسرے کو بٹھرائے۔

تشریح زمین ہے یا مکان ہے جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا یا استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوتا۔ جیسے زمین میں کوئی آدمی بھی کاشتکاری کرے زمین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس لئے زمین کو کاشتکاری کے لئے کرایہ پر لے اور خاص آدمی کو متعین کرے پھر دوسرے آدمی اس کو کاشتکاری کرنے لگ جائے اور نقصان ہو جائے تو کرایہ دار پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ زمین کو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے۔

اصول استعمال کرنے والے کے بدلنے سے فرق نہ پڑتا ہو تو استعمال کرنے والے کے بدل جانے پر نقصان ہونے سے تاوان لازم نہیں ہوگا (۲) اس صورت میں کوئی بھی آدمی استعمال کر سکتا ہے۔

لغت العقار : زمین۔

[۱۱۷۳] (۱۸) اگر متعین کیا ایک نوع یا مقدار جو لادے گا چوپائے پر مثلاً یہ کہے کہ پانچ قفیر گےہوں تو اس کے لئے جائز ہے کہ لادے جو گےہوں

الدابة مثل ان يقول خمسة افقرة حنطة فله ان يحمل ما هو مثل الحنطة في الضرر او اقل كالشعير والسسم وليس له ان يحمل ما هو اضر من الحنطة كالملح والحديد والرصاص [۱۱۷۴] (۱۹) فان استأجرها ليحمل عليها قطنا سماه فليس له ان يحمل مثل وزنه حديدا.

کے مثل ہو ضرر میں یا کم ہو، جیسے جوار تل۔ اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ لادے جو زیادہ نقصان دہ ہو گئے ہوں سے، جیسے نمک، لوہا اور سیسہ **تشریح** چوپایہ کرایہ پر لیا اور خاص قسم کی چیز لادنے کی شرط کی تو قاعدہ یہ ہے کہ اس جیسی چیز یا اس سے کم نقصان دہ چیز اس پر لاد سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نقصان دہ چیز نہیں لاد سکتا۔ اگر لادے تو خلاف شرط ہوگا اور ہلاک ہونے پر تاوان ادا کرنا ہوگا۔ مثلاً شرط کی پانچ قفیز گے ہوں لادوں گا تو پانچ قفیز جوار تل لاد سکتا ہے۔ کیونکہ یہ نقصان دہ میں گے ہوں کے برابر ہیں۔ لیکن پانچ قفیز نمک، لوہا اور سیسہ نہیں لاد سکتا۔ کیونکہ نمک اور لوہا جانور کو زیادہ نقصان دیتے ہیں۔

اصول جس قسم کی چیز طے ہوئی اس کی مثل یا اس سے کم نقصان دہ چیز لاد سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ضرر رساں چیز نہیں لاد سکتا۔ دلیل یہ اثر ہے عبد الرزاق قال قال معمر اذا دفعها الى رجل فحمل عليها مثل شرطه قال لا شيء عليه ولا ضمان (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الکری، یعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۴۹۳۰)

نکتہ افقرة : قفیز کی جمع، ایک خاص وزن۔ السسم : تل۔ ارضاص : سیسہ۔

[۱۱۷۴] (۱۹) پس اگر چوپائے کو اجرت پر لیا تاکہ اس پر معین مقدار روئی لادے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس کی وزن کے مقدار لوہا لادے۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا تاکہ اس پر مثلاً سو کیلو روئی لادے گا تو اس پر سو کیلو لوہا نہیں لاد سکتا۔

مذہب روئی نرم ہوتی ہے اس سے جانور کی پیٹھ زخمی نہیں ہوگی اور ہلکی محسوس ہوگی۔ اس لئے روئی کے بدلے اسی کے وزن کے مثل لوہا نہیں لاد سکتا۔ اگر لاد اور جانور ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن شریح انه قال ليس على مستكري ضمان فان تعدى فجاوز عليها الوقت فعطبت قال شريح يجتمع عليه الكراء والضمان (ب) (سنن للبيهقي، باب لاضمان على المکترى فيما اکترى الا ان يعدى ج سادس ص ۲۰۳ مصنف عبد الرزاق، باب الکری، یعدی بہ، ج ثامن ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۹۲۵) حضرت شریح کے اس فیصلے میں ہے کہ شرط سے تجاوز کرے اور جانور ہلاک ہو جائے تو اجیر پر ضمان اور کرایہ دونوں لازم ہوں گے۔

حاشیہ (الف) حضرت معمر نے فرمایا جب کرایہ کا جانور دے کسی آدمی کو اور اس پر سوار ہو اس کی شرط کے مثل تو فرمایا اس پر نہ کوئی الزام ہے اور نہ ضمان ہے (ب) حضرت شریح نے فرمایا کرایہ دار پر کوئی ضمان نہیں ہے۔ پس اگر تعدی کرے اور شرط سے تجاوز کرے اور جانور ہلاک ہو جائے تو حضرت شریح نے فرمایا اس پر جمع ہوگا کرایہ بھی اور ضمان بھی۔

[۱۱۷۵] (۲۰) وان استأجرها ليركبها فاردف معه رجلا آخر فعطبت ضمن نصف قيمتها ان كانت الدابة يطيقهما ولا يعتبر بالثقل [۱۱۷۶] (۲۱) وان استأجرها ليحمل

اصول شرط سے تجاوز کرنے سے ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا۔

[۱۱۷۵] (۲۰) اگر چوپائے کو اجرت پر لیا تاکہ اس پر سوار ہو۔ پس اپنے پیچھے دوسرے کو بھی سوار کر لیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو اس کی آدھی قیمت کا ضمان ہوگا اگر چوپایہ دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اور بوجھ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

تشریح چوپایہ اجرت پر لیا تاکہ اس پر ایک آدمی سوار ہو۔ اب اپنے پیچھے ایک آدمی کو سوار کر لیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہو گیا۔ پس اگر جانور ایسا تھا کہ دونوں آدمیوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا تھا تاہم وہ ہلاک ہو گیا تو اجیر جانور کی آدھی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور اگر جانور ایسا تھا جو دو آدمیوں کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا۔

مذہب (۱) عام عرف کے اعتبار سے ایک آدمی سوار ہونا چاہئے لیکن دو آدمی سوار ہو گئے جس کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے۔ اس لئے ایک آدمی کی اجازت تھی دوسرے آدمی کی اجازت نہیں تھی اس لئے آدھی قیمت کا ضامن ہوگا (۲) عن ابن سیرین استأجر اجیرا لیحمل علی ظہرہ شیئا الی مکان معلوم فزاد علیہ فغرمہ شریح بقدر ما زاد علیہ بحساب ذلک (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الکرۃ یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۳۹۲) اس اثر میں ہے کہ جتنا طے ہوا تھا اتنا لادنے سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔ لیکن جو زیادہ لاد اس کا فیصد نکال کر حساب کر کے ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ اگر جانور ایسا تھا کہ دو آدمیوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا پھر بھی دو آدمی سوار ہو گئے تو پورے جانور کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

مذہب اس لئے کہ اس نے معروف کے خلاف کیا اور ایسا سمجھا جائے گا کہ جانور کو جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی نیت سے دو آدمی سوار ہوئے اس لئے پوری قیمت ادا کرے۔ اثر میں ہے عن حماد قال من اکثری فتعدی فہلک فله الکرۃ الاول والضمین علیہ (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الکرۃ یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۱ نمبر ۱۳۹۲ سنن للبیہقی، باب لاضمان علی المکتر فیما اکثری الا ان یتعدی، ج سادس ص ۲۰۳، نمبر ۱۱۶۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تعدی کا ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ آدمی سوار ہونے میں آدمی کی تعداد کا اعتبار ہے خود آدمی کے وزن کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

اصول تعدی کا ضمان لازم ہوگا۔

نکتہ عطب : تھک گیا، ہلاک ہو گیا۔

[۱۱۷۶] (۲۱) اگر اجرت پر لیا چوپائے کو تاکہ اس پر لادے گے ہوں کی ایک مقدار، پس لاد اس سے زیادہ، پس چوپایہ ہلاک ہو گیا تو ضامن ہوگا

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے ایک آدمی کو اجرت پر لیا تاکہ مقام معلوم تک اس کی پیٹھ پر کچھ لاداجائے۔ پس اس پر زیادہ لاد تو حضرت شریح اس کو تادوان دلواتے تھے اس کی مقدار جو زیادہ ہو اس کے حساب سے (ب) حضرت حماد سے منقول ہے کہ جس نے کرایہ پر لیا پس زیادتی کی جس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا تو اس کے لئے کرایہ اول ہے اور اس پر ضمان ہے۔

عليها مقداراً من الحنطة فحمل عليها اكثر منه فعطبت ضمن مازاد من الثقل [۱۱۷۷]
(۲۲) وان كبج الدابة بلجامها او ضربها فعطبت ضمن عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى و

جتنا بوجھ زیادہ ہو۔

تشریح مثلاً سو کیلو گیہوں لادنے کے لئے چوپایہ کرایہ پر لیا پھر اس نے اس شرط کی مخالفت کرتے ہوئے ایک سو پچیس کیلو گیہوں لاد دیا تو پچیس کیلو گیہوں جو زیادہ لاد اس کو حساب کر کے قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔ مثلاً چوپائے کی قیمت ایک سو پچیس پونڈ تھی تو کرایہ پر لینے والا پچیس پونڈ کا ذمہ دار ہوگا باقی سو پونڈ جانور والے کے گئے۔

وجہ کیونکہ سو کیلو گیہوں لادنے کی توجہ تھی اس لئے اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا جو زیادہ لاد ہے صرف اس کا ذمہ دار ہوگا۔

محلہ مسئلہ نمبر ۲۰ میں قاضی شریح کا فتویٰ گزر گیا ہے اور اصول بھی۔

[۱۱۷۷] (۲۲) اگر چوپائے کو لگام سے کھینچا یا اس کو مارا، پس چوپایہ ہلاک ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضام ہوگا اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا اور اس کو لگام سے کھینچ کر کھڑا کرنا چاہا جس سے چوپایہ ہلاک ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضامن ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنے کا حق ہے لیکن بشرط سلامت حق ہے۔ اس طرح لگام کھینچنے کا حق نہیں ہے کہ چوپایہ ہلاک ہو جائے۔ اس کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ لیکن احتیاط سے کام نہیں لیا اس لئے ضامن ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے وقال مطرف عن الشعبي يضمن ما اعنت بيده (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان الاجير الذي يئمل بيده نمبر ۱۴۹۴۶) اس اثر میں ہے کہ ہاتھ سے جو نقصان ہو وہ اجیر کو ادا کرنا ہوگا۔ یہاں ہاتھ سے لگام کھینچا ہے اور جانور ہلاک ہوا ہے اس لئے تاوان ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنا اس کا ذاتی حق ہے اس کے بغیر تو جانور کو کھڑا ہی نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے اس کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے تو یہ تعدی نہیں ہے اس لئے کرایہ دار پر تاوان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے عن ابن سيرين قال جعل شريح على رجل تعدى بقدر ما تعدى (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الكرى يتعدى به ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۴۹۲۷) اس اثر میں ہے کہ تعدی اور زیادتی کے مطابق کرایہ دار پر ضمان ہوگا اور کرایہ دار نے لگام کھینچ کر کوئی تعدی نہیں کی اس لئے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس قاعدہ پر متفرع ہے کہ معروف طریقے پر جو حقوق ہیں ان کو استعمال کرنے کے لئے سلامت کی شرط ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے جانور کو کھینچنے اور چلانے کا جو حق حاصل ہے وہ اس شرط پر ہے کہ جانور سالم رہے ہلاک نہ ہو۔ اگر جانور ہلاک ہوا تو حق استعمال کرنے کے باوجود ضامن ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ معروف طریقے سے حقوق استعمال کئے تو چاہے جانور ہلاک ہو جائے اس

حاشیہ : (الف) حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں ضامن ہوگا جو کچھ اپنے ہاتھ سے کام کیا۔ یعنی ہاتھ سے کام کرنے کی وجہ سے اگر ہلاک ہوا ہو تو اس پر ضمان ہوگا۔ جیسے رگزیں اور دھوبی (ب) حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شریحؒ وہ آدمی جس نے زیادتی کی ہو تو زیادتی کی مقدار ضمان لازم کرتے تھے۔

قال ابو يوسف و محمد رحمهما الله لا يضمن [۱۱۷۸] (۲۳) والاجرء على ضربين
اجير مشترك واجير خاص فالمشترك من لا يستحق الاجرة حتى يعمل كالصباغ و
القصار [۱۱۷۹] (۲۴) والمتاع امانة في يده ان هلك لم يضمن شيئا عند ابي حنيفة

پر ضمان نہیں ہے۔ کیونکہ معروف طریقے سے چلانے اور ٹھہرانے کا حق حاصل تھا۔

نکتہ کج : چوپائے کو لگام سے کھینچ کر ٹھہرانا۔

[۱۱۷۸] (۲۳) اجیروں کی دو قسمیں ہیں اجیر مشترک اور اجیر خاص، پس اجیر مشترک وہ ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا یہاں تک کہ کام کر دے۔ جیسے رنگریز اور دھوبی۔

تشریح اجیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کا کام بھی لیا ہے اور دوسروں کا کام بھی اسی وقت لیا ہے۔ اور اصل اجرت وقت گزرنے پر نہیں ہوتی بلکہ کام کر دینے پر ہوتی ہے جس کو ٹھیکا کا کام کہتے ہیں۔ جیسے دس آدمیوں کے کپڑے لئے کہ ان کو رنگ دوں گا اب کپڑا رنگنے پر اجرت ملے گی چاہے وقت کتنا ہی لگے۔ چونکہ یہ بیک وقت کئی آدمیوں سے رنگنے کے لئے کپڑا لیا ہے اس لئے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔ اور اجیر خاص اس کو کہتے ہیں کہ صبح سے شام تک آپ کا ہی کام کرے گا کسی اور کا نہیں کرے گا۔ اور شام ہونے کے بعد اجرت کا مستحق ہو جائے گا چاہے کتنا ہی کم کام کرے۔ چونکہ یہ مخصوص وقت میں صرف آپ کا ہی اجیر ہے کسی اور کا نہیں اس لئے اس کو اجیر خاص کہتے ہیں۔

[۱۱۷۹] (۲۴) سامان امانت ہے اس کے ہاتھ میں اگر ہلاک ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کچھ ضامن نہیں ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز امانت ہوتی ہے۔ جیسے کپڑا رنگریز کے ہاتھ میں دیا تو وہ کپڑا اس کے ہاتھ میں امانت رہے گا۔ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے کہ حضرت علی اجیر مشترک کو ضامن نہیں بناتے تھے۔ عن صالح بن دينار ان عليا كان لا يضمن الاجير المشترك (الف) مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟، ج ۱، ص ۳۱۶، نمبر ۲۰۴۸۹) محمد بن سیرین کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ اجیر مشترک کو ہلاکت کی وجہ سے ضامن نہ بنایا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں رکھا ہے وہ امانت کے طور پر رکھا ہے۔ کیونکہ مال والے نے خوشی سے اس کے ہاتھ میں دیا ہے۔ اس لئے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ مثلاً کپڑا دھونے کی وجہ سے پھٹ جائے تو کپڑے کا ضمان اس پر لازم نہیں ہوگا۔

اصول اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز بطور امانت ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی اجیر مشترک پر ضمان لازم نہیں کرتے تھے نوٹ : دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی ضمان لازم کرتے تھے۔

وقالا رحمهما الله تعالى يضمه [۱۸۰] (۲۵) وما تلف بعمله كتخريق الثوب من دقه وزلق الحمال وانقطاع الحبل الذي يشد به المكارى الحمل وغرق السفينة من مدھا مضمون.

مجا اس کے ہاتھ میں جو کام کرنے کے لئے دیا ہے وہ بشرط سلامت دیا ہے اور اس نے اس کو بر باد کر دیا اس لئے اس کا ضامن ہوگا (۲) اثر میں ہے کہ کئی صحابی اور تابعی اجیر مشترک کو ضامن بناتے تھے۔ عن علی انه كان يضمن الصباغ والصائع وقال لا يصلح للناس الا ذاك (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تضمین الاجراء، ج سادس، ص ۲۰۲، نمبر ۱۱۶۶۶ مصنف عبدالرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل ببیدہ، ج ثامن، ص ۲۱۷ نمبر ۱۴۹۴۸ مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا، ج رابع، ص ۳۱۵، نمبر ۲۰۴۷۸) اس اثر سے ثابت ہوا کہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز ہلاک ہو جائے یو ضامن ہوگا۔

اصول اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز بطور ضمانت ہے۔

لغت الصباغ : رنگریز، کپڑا رنگنے والا۔ القصار : کپڑا دھونے والا، دھوبی۔

[۱۸۰] (۲۵) اور جو تلف ہوا اجیر کے عمل سے جیسے کوٹنے کی وجہ سے کپڑے کا پھٹ جانا اور مزدور کا پھسل جانا اور اس رسی کا ٹوٹ جانا جس سے کرایہ پردینے والا وجہ باندھتا ہے اور رسی کے کھینچنے کی وجہ سے کشتی کا ڈوب جانا یہ سب مضمون ہیں۔

تشریح جو کام ہاتھ سے کئے جاتے ہوں اس میں نقصان ہو جائے تو اجیر پر اس کا ضمان لازم ہے۔ مثلاً کپڑا دھونے کے لئے دیا۔ دھوبی نے اس کو ایسا کوٹا کہ پھٹ گیا تو دھوبی پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ یا مزدور پھسل گیا جس کی وجہ سے سر پر کا بوجھ نیچے گر گیا اور سامان ٹوٹ گیا تو مزدور پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ یا جس رسی سے بوجھ باندھتے ہیں وہ ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے سامان نیچے گر گیا اور ٹوٹ گیا تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔ یا کشتی کو اچانک کھینچا جس کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی اور سامان خراب ہوا تو کشتی والے پر سامان کا ضمان لازم ہوگا۔

مجا اجیر کو یہ سب کرنے کا حق تو تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سامان سلامت رہے۔ لیکن اس نے اس انداز سے کام کیا کہ سامان کو نقصان پہنچا اس لئے اس کو ضمان دینا ہوگا۔ یہ مسئلہ امام صاحبین کے مسلک پر ہے (۲) اثر اور پر گزر گیا ہے کہ حضرت علی اجیر مشترک پر ضمان لازم کرتے تھے (۳) ان عمر بن الخطاب ضمن الصباغ الذی یعمل ببیدہ (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل ببیدہ ج ثامن ص ۲۱۷ نمبر ۱۴۹۴۹) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رنگریز جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں ان پر نقصان کی وجہ سے ضمان لازم کرتے تھے۔ اس لئے ان لوگوں پر ضمان لازم ہوگا۔

اصول اجیر مشترک پر نقصان کی وجہ سے ضمان لازم ہوگا۔

لغت تخریق : کپڑے کا پھٹنا۔ دق : کوٹنا۔ زلق : پھسلنا۔ الحمال : بوجھ اٹھانے والا۔ المکاری : کرایہ دار۔ مد : کھینچنا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی ضمان لازم کرتے تھے رنگریز پر اور لوہار پر اور فرماتے تھے کہ لوگوں کے لئے اچھا نہیں ہے مگر یہ (ب) حضرت عمر ضامن بناتے تھے رنگریز کو جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔

[۱۱۸۱] (۲۶) الا انه لا یضمن به بنی آدم فممن غرق فی السفینة او سقط من الدابة لم

یضمنه [۱۱۸۲] (۲۷) واذا فصد الفصاد او بزغ البزاع ولم يتجاوز الموضع المعتاد فلا

[۱۱۸۱] (۲۶) مگر یہ نہیں ضامن ہوگا بنی آدم کا پس جو غرق ہو گیا کشتی ڈوبنے کی وجہ سے یا گر گیا چوپائے سے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح البتہ اجرت کے موقع پر انسان ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان اجیر پر نہیں ہے۔ چنانچہ کشتی کھینچنے کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی اور اس کی وجہ سے آدمی مر گیا تو آدمی کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا۔ اسی طرح لگام کھینچنے کی وجہ سے آدمی چوپائے سے گر گیا اور مر گیا تو اجیر پر آدمی کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) اجیر کی غلطی کی وجہ سے آدمی کی جان گئی تو یہ قتل خطا ہے اور قتل خطا کا تاوان اجیر کے خاندان کے لوگ دیں گے جو اجیر کے عاقلہ ہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اجیر کے عاقلہ جنایت کی وجہ سے جو قتل خطا ہوا ہو اس کا تاوان دیں گے۔ اور یہ قتل خطا جنایت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ عقد اجرت کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے اجیر کے عاقلہ یعنی خاندان والے اس کا تاوان ادا نہیں کریں گے۔ اس لئے خود اجیر پر بھی انسانی ہلاکتوں کا ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) انسان کا ضمان تو بہت ہوتا ہے۔ اگر اس کا ضمان لازم کریں تو اجیر تباہ ہو جائے گا اس لئے انسان کا ضمان لازم نہیں ہوگا (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ سئل عامر عن صاحب بعیر حمل قوما فغرقوا قال لیس علیہ شیء (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ، ج ثامن، ص ۲۲۱، نمبر ۱۴۹۶) اس اثر میں ہے کہ اونٹ والے نے کچھ لوگوں کو سوار کیا پھر وہ سب غرق ہو گئے تو اس پر کچھ لازم نہیں کیا (۳) عن ابن سیرین عن شریح انه کان لا یضمن الملاح غرقا ولا حرقا (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟ ج رابع، ص ۳۱۵، نمبر ۲۰۴۸۸) اس اثر میں حضرت شریح نے ملاح پر ڈوبنے اور جلنے کی وجہ سے کچھ لازم نہیں کیا۔

اصول اجرت کی وجہ سے انسانی ہلاکت پر ضمان لازم نہیں ہے۔

نکتہ غرق : ڈوب گیا۔ الدابة : چوپایہ۔

[۱۱۸۲] (۲۷) اگر فصد کھولنے والے نے فصد کھولی یا داغ لگانے والے نے داغ لگایا اور معتاد جگہ سے آگے نہیں بڑھا تو ان دونوں پر ضمان نہیں ہے اس کا جو ان سے ہلاک ہوا۔ اور اگر اس سے بڑگ گیا تو ضمان ہوگا۔

تشریح فصد لگانے والے کو جسم جیرنا پڑتا ہے۔ پس اگر اتنا ہی جیراجتنا جیرنا چاہئے پھر بھی آدمی ہلاک ہو گیا تو فصد کھولنے والے پر کچھ ضمان نہیں ہوگا۔ اسی طرح داغ لگانے والے نے جسم پر اتنا ہی داغ لگایا جتنا لگانا چاہئے پھر بھی ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان نہیں ہوگا۔ اور زیادہ لگا دیا جس کی وجہ سے ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا۔

وجہ مناسب مقام تک فصد لگانے اور اس کو جیرنے کی اس کو اجازت ہے اس لئے اتنا جیرنے یا داغ لگانے سے ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں

حاشیہ : (الف) حضرت عامر سے پوچھا گیا کہ اونٹ والے نے کچھ لوگوں کو اٹھایا۔ پس وہ لوگ ڈوب گئے۔ فرمایا اونٹ والے پر کچھ لازم نہیں ہے (ب) حضرت شریح سے منقول ہے کہ ملاح ڈوبنے اور جلنے کا ضامن نہیں ہے۔

ضمان علیہما فیما عطب من ذلك وان تجاوزہ ضمن [۱۱۸۳] (۲۸) والاجیر الخاص هو الذی يستحق الاجرة بتسليم نفسه فی المدة وان لم يعمل کمن استأجر رجلاً شهراً للخدمة او لرعى الغنم [۱۱۸۴] (۲۹) ولا ضمان علی الاجیر الخاص فیما تلف فی یدہ

ہوگا۔ کیونکہ اس نے وہی کیا جس کا اس کو حق ہے۔ ہاں! زیادہ چیرنے سے ضامن ہوگا، کیونکہ اس کا حق نہیں تھا (۲) اثر میں ہے عن شریح انہ قال لیس علی مستکری ضمان فان تعدی فجاوز علیہا الوقت فعطبت قال شریح یجتمع علیہ الکراء والضمان (الف) (سنن للبیہقی، باب الاضمان علی المکتری فیما اکثری الا ان یتعدی، ج ساد، ص ۲۰۳، نمبر ۱۱۶۷/مصنف عبدالرزاق، باب الکری یتعدی بہ، ج ثامن، ص ۲۱۲، نمبر ۱۳۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مقام مناسب سے تجاوز کرے گا تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔

اصول جسم چیرنے میں حدود سے تجاوز کرے گا اور نقصان ہوگا تو اجیر پر ضمان ہوگا۔ اور حدود میں رہ کر چیرا تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔

نکتہ فصد: فصد کھولنا، جسم چیر کر خون نکالنا۔ بزغ: نشتر لگانا، جسم چیرنا۔ الموضع المعتاد: جہاں جہاں تک جسم چیرنا مناسب ہو۔

[۱۱۸۳] (۲۸) اور اجیر خاص وہ ہے جو اجر کا مستحق ہوتا ہے اپنے آپ کو سپرد کر دینے سے مدت میں، اگرچہ کام نہ کیا ہو جیسے کسی آدمی کو اجرت پر لیا ایک ماہ خدمت کے لئے، یا بکری چرانے کے لئے۔

تشریح اجیر خاص اس کو کہتے ہیں کہ خاص مدت میں اسی کا مزدور ہو کسی اور کا نہ ہو۔ اور اس مدت میں اسی کا کام کر سکتا ہو کسی اور کا نہ کر سکتا ہو۔ جیسے صبح سے لیکر شام تک مزدور کو اجرت پر لیتے ہیں کہ اس کا کام کرے گا کسی اور کا نہیں یا مثلاً ایک ماہ تک مالک کی خدمت کرے گا یا ایک ماہ تک مالک کی بکری چرائے گا۔ تو یہ اجیر مشترک نہیں اجیر خاص ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ کام کرے یا زیادہ کرے یا نہ کرے، صرف صبح سے شام تک مدت متعینہ میں مستأجر کو سپرد کر دے اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

[۱۱۸۴] (۲۹) اور نہیں ضمان ہے اجیر خاص پر اس کا جو ضائع ہو جائے اس کے ہاتھ میں اور نہ جو ضائع ہو جائے اس کے عمل سے مگر یہ کہ زیادتی کرے۔

تشریح اجیر خاص کے ہاتھ میں جا کر کوئی چیز ضائع ہو جائے یا جو منافع وجود میں آئے تھے ان میں سے کچھ نفع ضائع ہو گیا تو ان دونوں کے ضائع ہونے پر اجیر خاص پر ضمان نہیں ہے۔ مثلاً بکری چرانے کے لئے اجیر خاص کو دی اور بکری اس کے پاس سے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہو گئی تو اجیر پر بکری کا تاوان نہیں ہے۔ یا بکری کو بچہ ہوا اور اجیر کے پاس مر گیا تو اس بچے کا تاوان اجیر پر نہیں ہے۔

مذہب اجیر خاص کے ہاتھ میں جو کچھ ہے چاہے عین شئی ہو یا اس کے منافع ہوں وہ مالک کی اجازت سے ہیں اور اس وقت کسی اور کا مال اجیر کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ مال امانت کے طور پر اس کے ہاتھ میں ہے اور بغیر تعدی کے امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا

حاشیہ: (الف) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ کرایہ دار پر ضمان نہیں ہے۔ پس اگر تعدی کی اور شرط سے تجاوز کیا اور ہلاک ہوا تو حضرت شریح نے فرمایا اس پر کرایہ دار ضمان دونوں لازم ہوں گے۔

ولا فی ما تلف من عمله الا ان يتعدى فیضمن [۱۸۵] (۳۰) والاجارۃ تفسدها الشروط
كما تفسد البیع [۱۸۶] (۳۱) ومن استأجر عبدا للخدمة فلیس له ان یسافر به الا ان

اس لئے اجیر خاص پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال لیس علی اجیر المشاہرة ضمان (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴ فی الجیر یضمن ام لا؟ ج رابع، ص ۳۱۵، نمبر ۲۰۴۸، مصنف عبدالرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ، ج ثامن، ص ۲۱۷، نمبر ۱۴۹۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اجیر خاص پر تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں ہے۔

اصول اجیر خاص کے ہاتھ میں مالک کا مال امانت ہوتا ہے۔

[۱۸۵] (۳۰) اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں شرطیں جیسے وہ فاسد کر دیتی ہیں بیع کو۔

تشریح جو شرطیں بیع کو فاسد کرتی ہیں وہ شرطیں اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہیں۔ مثلاً ایسی شرطیں جن میں اجیر کا فائدہ ہو یا مستاجر کا فائدہ ہو تو ان شرطوں سے اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

مذہب کیونکہ اجارہ بھی بیع کی طرح عقد ہے۔ فرق یہ ہے کہ بیع میں عین شی کی بیع ہوتی ہے اور اجارہ میں منافع کی بیع ہوتی ہے۔ تو چونکہ دونوں عقد ہیں اس لئے دونوں میں شرط فاسد سے عقد فاسد ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابی مسعود الانصاری ان رسول اللہ ﷺ نہی عن ثمن الکلب ومهر البغی وحلوان الکاهن (ب) بخاری شریف، باب کسب البغی والاماء، ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۸۲ مسلم شریف، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاهن ومهر البغی ص ۱۹ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث میں زنا کی اجرت اور کاہن کے پاس جا کر اجرت دینے سے منع فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا اجارہ فاسد ہوگا (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال نہی النبی عن عسب الفحل (ج) (بخاری شریف، باب عسب الفحل ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۴ مسلم شریف، باب تحریم بیع فضل الماء... وتحریم بیع ضراب الفحل ص ۱۸ نمبر ۱۵۶۵/۴۰۰۵) اس حدیث میں سانڈ کی جفتی کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔ [۱۸۶] (۳۱) کسی نے غلام کو خدمت کے لئے اجرت پر لیا۔ پس اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو ساتھ لیکر سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس پر شرط لگائے عقد میں۔

تشریح کسی نے غلام کو حضر میں خدمت کے لئے لیا تو اس کو بغیر اس کی مرضی کے سفر میں نہیں لے جاسکتا۔ جب تک کہ عقد کرتے وقت شرط نہ لگائے کہ میں اس کو خدمت کے لئے سفر میں لے جاؤں گا۔ ہاں! عقد اجارہ کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ غلام کو سفر میں بھی لے جاؤں گا تو لے جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

مذہب سفر میں مشقت ہوتی ہے اس میں خدمت کرنا مشکل کام ہے اس لئے حضر میں اجارہ ہوا ہے تو غلام کی مرضی کے بغیر اس کو سفر میں نہیں لے جاسکتا (۲) حدیث میں ہے۔ وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (د) (بخاری شریف، باب اجرا لسمسر ص ۳۰۳ نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ ماہانہ اجیر پر ضمان لازم نہیں ہے (ب) حضورؐ نے منع فرمایا کہتے کی قیمت سے، زنا کی اجرت سے اور کاہن کے پاس آنے سے (ج) حضورؐ نے روکا سانڈ کی جفتی کی اجرت سے (د) آپؐ نے فرمایا مسلمان شرطوں کا پاس بان ہے۔

یشترط علیہ ذلک فی العقد [۱۱۸۷] (۳۲) ومن استأجر جملاً لیحمل علیہ محملاً وراکبین الی مکة جاز ولہ المحمل المعتاد [۱۱۸۸] (۳۳) وان شاهد الجمال المحمل فهو اجود [۱۱۸۹] (۳۴) فان استأجر بعبراً لیحمل علیہ مقداراً من الزاد فاکل منه فی

(۲۷۷) اس حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کو شرط کی رعایت کرنی چاہئے۔ اور چونکہ بظاہر حضر کی شرط ہے اس لئے سفر میں نہیں لے سکتا۔

اصول حضر میں خدمت اور ہے اور سفر میں خدمت اور ہے دونوں ہم مثل نہیں ہیں۔

[۱۱۸۷] (۳۲) کسی نے اونٹ اجرت پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار کرے کہ تک تو جائز ہے۔ اور اس کے لئے جائز ہے متعاذ کجاوہ

تشریح کسی نے اونٹ اجرت پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار ہوا اور مکہ تک سفر کرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اور اجیر پر لازم ہے کہ عام طور پر جو کجاوہ اونٹ پر رکھا جاتا ہے وہ کجاوہ اونٹ پر رکھے۔ نہ زیادہ بڑا ہوا اور نہ چھوٹا۔

وجہ جب کوئی خاص کجاوہ طے نہ ہو تو ایسی صورت میں معروف کی طرف پھیرا جاتا ہے۔ اور معاشرے میں معروف و مشہور جو ہو وہی لازم ہوتا

ہے۔ اس لئے یہاں بھی متعاذ معروف کجاوہ ہی رکھ سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن عائشة قالت هند ام معاویة

لرسول الله ﷺ ان ابا سفيان رجلاً شحيح فهل على جناح ان آخذ من ماله سرا؟ قال خذی انت و بنوک ما

یکفیک بالمعروف (الف) (بخاری شریف، باب من اجری امر الا مصار علی ما یبعارفون یتنهم فی البیوع والاجارۃ، ص ۲۹۴، نمبر ۲۲۱۱)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان کے مال میں سے جو معروف ہو وہ آپ لے سکتی ہیں۔ آیت میں بھی ہے۔ ومن کان فقیراً فلیأکل

بالمعروف (آیت ۶ سورۃ النساء) اس آیت میں بھی ہے کہ غریب آدمی یتیم کے مال کی تجارت کرے تو معاشرے میں جتنی معروف اجرت

ہو وہ لے سکتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی کجاوہ طے نہیں ہوا ہو تو معروف کجاوہ رکھ سکتا ہے۔

اصول کوئی چیز طے نہ ہو تو معاشرے کی معتاد چیز کا فیصلہ ہوگا۔

نکتہ محمل : اٹھانے کی چیز، حمل سے مشتق ہے مراد ہے کجاوہ۔ المعتاد : عادت سے مشتق ہے جو عام عادت ہو۔

[۱۱۸۸] (۳۳) اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔

وجہ اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو سفر سے پہلے رضا مندی ہو جائے گی اور بات طے ہو جائے گی اس لئے دیکھ لینا بہتر ہوگا۔

[۱۱۸۹] (۳۴) اگر اجرت پر لیا اونٹ کوتا کہ اس پر توشے کی ایک مقدار لادے۔ پس اس سے راستہ میں کھا لیا تو جائز ہے اس کے لئے کہ اتنا

اور لوٹائے اس کے بدلے میں جو کھایا۔

تشریح مثلاً کسی نے اونٹ اجرت پر لیا کہ اس پر سو کیلو توشہ لادے گا۔ پھر راستہ میں دس کیلو کھا لیا تو اس کو حق ہے کہ الگ سے دس کیلو اونٹ پر

لادے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ام معاویہ ہندہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔ کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے اگر چپکے سے اس کے مال میں سے کچھ لے لوں؟

آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارے بیٹوں کو کوکانی ہو معروف کے ساتھ وہ لے لو۔

الطریق جاز له ان یرد عوض ما اکل [۱۱۹۰] (۳۵) والاجرة لا تجب بالعقد وتستحق باحد ثلثة معان اما بشرط التعجیل او بالتعجیل من غیر شرط او باستيفاء المعقود

مجموعہ بات یہ ہوئی تھی کہ سو کیلوا دکر منزل تک لے جاؤں گا اور راستے میں دس کیلو کم ہو گیا اس لئے اس کے بدلے میں مزید دس کیلوا د لینے کا حق ہوگا (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (الف) (بخاری شریف، باب اجرة السمسرة، نمبر ۲۲۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور چونکہ منزل تک سو کیلو کی شرط تھی اس لئے سو کیلو پورا کر سکتا ہے۔ [۱۱۹۰] (۳۵) اجرت نہیں واجب ہوتی ہے عقد سے اور مستحق ہوتا ہے تین باتوں میں سے کسی ایک سے یا جلدی کی شرط لگانے سے یا بغیر شرط کے جلدی دے دینے سے یا معقود علیہ حاصل کر لینے سے۔

تشریح صرف عقد اجارہ کرنے سے اجرت دینا واجب نہیں ہوگا بلکہ تین باتوں میں سے ایک ہو تو اجرت دینا واجب ہوگا۔ ایک تو یہ کہ عقد کرتے وقت ہی شرط کر لے کہ اجرت پہلے لوں گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے دینے کی شرط تو نہیں لگائی لیکن خود بخود مستاجر نے اجرت پہلے دیدی۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اجیر نے منافع ادا کر دیئے تو مستاجر پر اجرت دینا واجب ہو جائے گا۔

مجموعہ اجرت عین شی ہوتی ہے جو خارج میں موجود ہوتی ہے۔ اور منفع تھوڑے تھوڑے کر کے وجود میں آتے رہتے ہیں۔ وہ ابھی خارج میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے جب وہ وجود میں آجائے تب اجرت واجب ہوگی تاکہ دونوں برابر ہو جائیں۔ اس لئے منافع وصول ہونے کے بعد اور وجود میں آنے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔ ہاں! اگر پہلے دینے کی شرط لگا دی تو گویا کہ منافع موجود ہو گئے۔ اور مستاجر اس پر راضی بھی ہو گیا اس لئے اب اجرت پہلے دینا واجب ہوگا (۲) حدیث کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ منافع وصول ہونے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب اجرا الاجیر ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۳) اس حدیث میں ہے کہ کام کرنے کے بعد پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت دو۔ جس سے معلوم ہوا کہ کام کرنے کے بعد اجرت دینا واجب ہوگا (۳) عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اللہ تعالیٰ ثلاثۃ انا خصمہم یوم القیامۃ... ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منه ولم یعطہ اجرہ (ج) (بخاری شریف، باب اثم من باع حرا ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۷) ابن ماجہ شریف، باب اجرا الاجیر ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۳) اس حدیث میں ہے کہ منافع پورا وصول کر لیا اور اجرت نہیں دی۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ منافع وصول کرنے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔ ہاں! خود پہلے اجرت دیدے تو مستاجر کی مرضی ہے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عقد ہوتے ہی اجرت واجب ہوگی۔

مجموعہ کیونکہ عقد ہو گیا تو اجیر اجرت لینے کا مستحق ہو گیا۔

حاشیہ : (ب) آپ نے فرمایا مسلمانوں کو شرطوں کی پاسداری کرنا چاہئے (ب) اجیر کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو (ج) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں سے میں قیامت کے دن بھگڑوں گا... ایک تیسرا آدمی جس نے اجیر کو اجرت پر لیا اور اس سے پورا نفع وصول کیا اور اس کو اجرت نہیں دی۔

عليه [۱۱۹۱] (۳۶) ومن استجار دارا فللمو جر ان يطالبه باجرة كل يوم الا ان يبين وقت الاستحقاق بالعقد [۱۱۹۲] (۳۷) ومن استأجر بغيرا الى مكة فللجمال ان يطالبه باجرة

لغت المعتقد عليه : جس پر عقد ہوا ہو۔ معان : جمع ہے معنی کی۔

[۱۱۹۱] (۳۶) کسی نے گھر اجرت پر لیا تو اجرت پر دینے والے کو حق ہے کہ اس سے ہر دن کی اجرت طلب کرے مگر یہ کہ عقد میں استحقاق کا وقت بیان کر دے۔

تشریح کسی نے کسی سے گھر اجرت پر لیا اور ماہانہ اور سالانہ اجرت طے نہیں کی تو گھر والے کو حق ہے کہ ہر دن کی اجرت طلب کرے۔ البتہ اگر ماہانہ اجرت طے ہو جائے تو مہینے میں طلب کرے گا۔ اور سالانہ اجرت طے ہو جائے تو ہر سال میں اجرت طلب کرے گا۔

وجہ ہر گھنٹے میں تو طلب نہیں کر سکتا ورنہ پریشانی ہوگی۔ البتہ ایک دن رات ایک معتد بہ وقت ہے اور اس کا نفع قابل شمار ہے جبکہ نفع اجیر نے اٹھایا ہے۔ اس لئے اگر کوئی وقت ماہانہ یا سالانہ عقد میں طے نہیں ہوا ہو تو ہر دن الگ الگ اجرت طلب کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابن عباس قال اصاب نبي الله خصاصة... فاتي بستانا لرجل من اليهود فاستقى له سبعة عشر دلو كل دلو بتمرة فخيره اليهودي من تمره سبعة عشر عجة فجاء بها الى نبي الله ﷺ (الف) (ابن ماجہ شریف، باب الرجل يستقي كل دلو تمره ويشتري بجلده ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۶) اس حدیث میں ہر ایک ڈول ایک کھجور کے بدلے میں ہے۔ اس لئے ہر دن کی اجرت الگ الگ ہو سکتی ہے (۳) یوں بھی یومیہ مزدور ہر دن کی اجرت الگ الگ لیتا ہے اس لئے گھر کے کرایہ میں ہر دن کا کرایہ الگ الگ لے سکتا ہے۔

اصول ہر دن رات معتد بہ وقت ہے۔

[۱۱۹۲] (۳۷) کسی نے اونٹ مکہ تک لے جانے کے لئے اجرت پر لیا تو اونٹ والے کے لئے جائز ہے کہ طلب کرے ہر منزل کی اجرت۔

تشریح کسی نے مکہ تک لے جانے کے لئے اونٹ اجرت پر لیا اور طے نہیں کیا کہ سفر ختم ہونے کے بعد اجرت لے گا یا ہر منزل پر اجرت طلب کرے گا تو اونٹ والے کو حق ہے کہ ہر منزل پر الگ الگ اجرت طلب کرے۔

وجہ ہر منزل معتد بہ فاصلہ ہے اور اس کی اجرت الگ الگ ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہر منزل پر الگ الگ اجرت مانگ سکتا ہے۔

نوٹ اگر عرف یہ ہے کہ سفر مکمل طے ہونے کے بعد اجرت دیتے ہیں یا سفر مکمل طے ہونے کے بعد اجرت دینا طے پایا ہے تو سفر مکمل طے ہونے کے بعد ہی اجرت مانگ سکتا ہے۔

اصول ہر منزل معتد بہ فاصلہ ہے۔

لغت الجمال : اونٹ والا۔ مرحلة : منزل۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور کو فاقہ کشی کی نوبت آئی... تو حضرت علی ایک یہودی کے باغ آئے اور اس کے لئے سترہ ڈول پانی کھینچا، ہر ڈول ایک کھجور کے بدلے تو یہودی نے ان کو سترہ عجوہ کھجور دیا۔ اور حضرت علی ان کو حضور کے پاس لیکر آئے۔

کل مرحلة [۱۱۹۳] (۳۸) وليس للقصار والخياط ان يطالب بالاجرة حتى يفرغ من العمل الا ان يشترط التعجيل [۱۱۹۴] (۳۹) ومن استأجر خبازا ليخبز له في بيته قفيز دقيق بدرهم لم يستحق الاجرة حتى يخرج الخبز من التنور [۱۱۹۵] (۴۰) ومن استأجر

[۱۱۹۳] (۳۸) دھوبی کے لئے اور درزی کے لئے حق نہیں ہے کہ طلب کرے اجرت یہاں تک کہ فارغ ہو جائے کام سے مگر یہ کہ پیشگی شرط لگا لے۔

تشریح دھوبی اور درزی جب تک مکمل کام نہ کر دے تب تک اجرت مانگنے کا حقدار نہیں ہیں۔ ہاں! پہلے سے پیشگی اجرت لینے کی شرط لگا لے تو پیشگی اجرت لے سکتے ہیں۔

مذہب دھوبی کا کام ایسا ہے کہ جب تک کپڑا مکمل دھل نہ جائے کام مکمل نہیں ہوتا۔ درمیان میں کپڑا اور گندہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کام مکمل کرنے کے بعد ہی اجرت کا مستحق ہوگا۔ البتہ پہلے سے پیشگی اجرت لینے کی شرط لگا لے تو مستاجر کی رضامندی سے ایسا کر سکتے ہیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کام معتد بہ ہونے سے پہلے اجرت لینا چاہے تو اجرت کا مستحق نہیں ہے۔ [۱۱۹۴] (۳۹) کسی نے اجرت پر لیا روٹی پکانے والے کو تاکہ اس کے لئے اس کے گھر میں روٹی پکائے ایک قفیز آٹے کی ایک درہم میں تو اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ روٹی تنور سے نکال دے۔

تشریح روٹی پکانے والے کو گھر میں روٹی پکانے کے لئے اجرت پر لیا اور اجرت یہ طے ہوئی کہ ایک قفیز آٹے کی روٹی ایک درہم میں پکا کر دے گا۔ تو روٹی تنور سے نکال کر دے گا تب اجرت کا مستحق ہوگا۔

مذہب تنور سے نکالنے سے پہلے وہ گوندھا ہوا آٹا ہے روٹی نہیں ہے۔ پکا کر تنور سے نکالنے کے بعد روٹی بنے گی اس لئے تنور سے نکالنے سے پہلے اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

اصول روٹی میں تنور سے نکالنے سے پہلے معتد بہ نفع نہیں ہے اس لئے اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

نکتہ خبز : روٹی۔ دقیق : آٹا۔ تنور : چولہا۔

[۱۱۹۵] (۴۰) کسی نے باورچی اجرت پر لیا تاکہ اس کے لئے ولیمہ کا کھانا پکائے تو پیالے میں ڈالنا بھی اسی پر ہے۔

تشریح باورچی کو ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے اجرت پر لیا تو کھانا پکانے کے بعد کھانا تھالی میں ڈالنا بھی باورچی کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے تھالی میں ڈالنا بھی باورچی کا کام ہوگا۔ تھالی میں ڈالنا مصنف کے معاشرے میں تھا اور وہاں کا عرف تھا اس لئے مصنف نے اپنے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا۔

نوٹ جہاں کوئی عرف نہ ہو وہاں کھانا پکا دینے سے باورچی کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کام تمام ہونے میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔

طباخا لیطبخ له طعاما للولیمۃ فالغرف علیہ [۱۱۹۶] (۴۱) ومن استأجر رجلا لیضرب له
لبنا استحق الاجرة اذا اقامه عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ
لا یتحققہا حتی یشرحہ [۱۱۹۷] (۴۲) واذا قال للخياط ان خطت هذا الثوب فارسیا
فبدرهم وان خطته رومیا فبدرهمین جاز وای العملین عمل استحق الاجرة [۱۱۹۸]
(۴۳) وان قال ان خطته اليوم فبدرهم وان خطته غدا فبنصف درهم فان خاطه اليوم فله

لغت الغرف : چچی ڈاکر کھانا نکالنا۔

[۱۱۹۶] (۴۱) کسی نے آدمی اجرت پر لیا تاکہ اس کے لئے اینٹ بنائے تو اجرت کا مستحق ہوگا جب ان کو کھڑی کردے امام ابو حنیفہ کے
نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں مستحق ہوگا اجرت کا یہاں تک کہ اس کا چٹا لگا دے۔

تشریح اینٹ بنانے کے لئے آدمی کو اجرت پر لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ اینٹ سکھا لینے کے بعد جب اینٹ کھڑی کردے تو اس کا
کام پورا ہو گیا اب وہ اجرت کا مستحق ہے۔

مجا اس لئے کہ اینٹ کھڑی کردی تو اب وہ قابل انتفاع ہو گئی اس لئے اب وہ اجرت کا مستحق ہو گیا۔ اس سے زیادہ کام مثلاً اینٹ کو تہہ لگانا
اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا یہ زیادہ کام ہے اینٹ بنانے والے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ عام عرف میں اینٹ کو تہہ
لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا بھی شامل ہے۔ اس کے بغیر اینٹ بنانے والے کی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے تہہ لگانے کے بعد
اجرت کا مستحق ہوگا۔

لغت یشرح : اینٹ کو تہہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا۔ لبن : بچکی اینٹ۔

[۱۱۹۷] (۴۲) اگر درزی سے کہا اگر اس کپڑے کو فارسی طرز پر سینے تو ایک درہم اور اگر اس کو رومی طرز پر سینے تو دو درہم تو جائز ہے اور جو نساجی
عمل کرے گا اس اجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اجرت کے لئے دو الگ الگ انداز اختیار کئے اور دونوں انداز کے لئے الگ الگ اجرت متعین کی تو جس
انداز سے عمل کرے گا اس انداز کی اجرت ملے گی اور ایسا کرنا جائز ہے۔ مثلاً کہا کہ اس کپڑے کو فارسی طرز کا جبہ سینے گا تو ایک درہم اس کی
اجرت ہوگی اور رومی طرز کا جبہ سینے گا تو دو درہم اجرت ہوگی۔ تو اس طرح اجرت اور عمل طے کرنا جائز ہے۔ اس لئے فارسی طرز کا سینے گا تو ایک
درہم اور رومی طرز کا سینے گا تو دو درہم اجرت ملے گی۔

مجا چونکہ دونوں کام الگ الگ ہیں اور دونوں کے لئے الگ الگ اجرت متعین ہیں اور کوئی جہالت نہیں ہے اس لئے اجارہ درست ہے (۲)
حدیث گزر چکی ہے المسلمون عند شروطہم۔

[۱۱۹۸] (۴۳) اور اگر کہا کہ اگر اس کو سینے گا آج تو ایک درہم ہے اور اگر سینے گا کل تو آدھا درہم ہے۔ پس اگر سیا آج تو اس کے لئے ایک

درہم وان خا طه غدا فله اجرۃ مثله عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ولا يتجاوز به نصف درہم
وقال ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ الشرطان جائزان وایہما عمل استحق الاجرۃ
[۱۱۹۹] (۴۴) وان قال ان سكنت فی هذا الدكان عطارا فبدرہم فی الشهر وان سکنته
حدادا فبدرہمین جاز وای الامرین فعل استحق المسمى فیہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ

درہم اور اگر سیکل تو اس کے لئے اجرت مثل ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور نہیں تجاوز کرے گی آدھے درہم سے۔ اور کہا صاحبین نے کہ
دونوں شرطیں جائز ہیں اور جانا عمل کرے گا اس اجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح کسی نے اجرت سے کہا کہ آج کپڑا سیو گے تو ایک درہم اجرت ہوگی اور کل سیو گے تو آدھا درہم اجرت ہوگی۔ تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں
کہ آج سینے کا تو ایک درہم ہوگی اور کل سینے کا تو آدھا درہم نہیں ہوگی بلکہ بازار میں اس کپڑے کو سینے کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ اجرت ملے
گی۔ البتہ وہ بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

مجموعہ وہ فرماتے ہیں کہ آج سیو گے تو ایک درہم یہ جلدی کرنے کے لئے ہے اس لئے اجارہ درست ہو گیا اور آج سینے کا تو ایک درہم ملے
گا۔ لیکن اگر کہا کہ کل سینے کا تو آدھا درہم اجرت ہوگی یہ تعلیق کے لئے ہے اور اجارہ معلق ہو جائے تو بات طے نہیں ہوتی اس لئے اجارہ فاسد ہو
گیا۔ اور جب اجارہ فاسد ہو جائے تو قاعدہ یہ ہے کہ بازار میں جو اجرت ہو سکتی ہے وہ ملتی ہے اس لئے بازار کہ اجرت ملے گی۔ لیکن کل سینے پر
دونوں کے درمیان آدھا درہم ملے ہے اس لئے بازار کی اجرت بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ آج کی شرط لگائے یا کل کی دونوں شرطیں درست ہیں اس لئے دونوں اجارے درست ہیں۔ اس لئے جو عمل کرے گا
شرط کے مطابق وہ اجرت ملے گی۔ یعنی اگر آج سینے کا تو ایک درہم ملے گا اور کل سینے کا تو آدھا درہم ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آج یا کل دونوں میں سے جس شرط پر بھی بات طے ہو جائے وہ شرط جائز ہے اور اجارہ درست ہے۔ اور اس
کے مطابق عمل کرنے سے اس کو اجرت ملے گی۔

[۱۱۹۹] (۴۴) اگر کہا کہ اگر اس دکان میں عطر بیچنے والے کو ٹھہرائیں گے تو مہینے میں ایک درہم ہوگا اور اگر اس میں لوہا ہار ٹھہرائیں گے تو
دو درہم تو جائز ہے۔ اور دونوں معاملوں میں سے جو بھی کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا یہ
اجارہ فاسد ہے۔

تشریح مثلاً زید نے عمر کو دکان اجرت پردی اور یوں کہا اگر اس دکان میں عطر فروشی کا کام کروائیں گے تو مہینے کا ایک درہم اجرت ہوگی۔ اور
اگر اس دکان میں لوہا ہاری کا کام کروائیں گے جو گندہ کام ہے تو مہینے کے دو درہم اجرت ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اجارے
درست ہیں۔ اس لئے اگر عطر کا کام کروایا تو مہینے میں ایک درہم اور لوہا ہاری کا کام کروایا تو مہینے میں دو درہم اجرت ملے گی۔

مجموعہ اس صورت میں اجارہ کو معلق کرنا نہیں ہے بلکہ دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دینا ہے۔ اور چونکہ دونوں کی الگ الگ اجرتیں واضح ہیں

وقالا رحمهما الله الاجارة فاسدة [۱۲۰۰] (۴۵) ومن استأجر دارا كل شهر بدرهم فالعقد صحيح في شهر واحد وفاسد في بقية الشهور الا ان يسمى جملة الشهور معلومة

اس لئے اجارہ درست ہوگا۔ اور جو کام کرے گا اس قسم کی اجرت ملے گی۔ باقی کیا کام کرے گا اس کا تعین کام شروع کرتے وقت ہو جائے گا۔
اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو کام الگ الگ ہوں اور ہر ایک کی اجرت معلوم ہو تو اجارہ درست ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ اجارہ کرتے وقت یہ پتہ نہیں ہے کہ کون سا کام اجیر کرے گا اس لئے کون سی اجرت لازم ہوگی، ایک درہم یا دو درہم یہ عقد اجارہ کے وقت طے نہیں ہے اس لئے اجارہ کی اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو گیا۔ اس لئے اجارہ درست نہیں ہوا چاہے کام شروع کرتے وقت اس کا علم ہو جائے کہ کون سی اجرت ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عقد اجارہ طے کرتے وقت اجرت کا علم نہ ہو تو اجارہ فاسد ہوگا۔

نکتہ عطار : عطر بیچنے والا۔ حداد : لوہاری کا کام کرنے والا۔

[۱۲۰۰] (۴۵) کسی نے گھر کرایہ پر لیا ہر ماہ ایک درہم کے بدلے تو عقد صحیح ہے ایک مہینے میں اور فاسد ہوگا باقی مہینوں میں مگر یہ کہ تمام معلوم مہینے متعین کر دیئے جائیں۔

تشریح کسی نے گھر کرایہ پر لیا اور یوں کہا کہ ہر ماہ ایک درہم کے بدلے اجرت دوں گا۔ تو ایک ہی مہینے کا اجارہ ہوا اگلے مہینے کا اجارہ نہیں ہوا۔ گھر والا اگلے مہینے اجرت پر دینے سے انکار کر دے تو کر سکتا ہے۔ اسی طرح کرایہ دار اگلے مہینے اجرت پر لینے سے انکار کر دے تو کر سکتا ہے۔ البتہ اگلے مہینہ بھی رہنا شروع کر دے اور گھر والا کچھ نہ کہے تو یہ از سر نو اجارہ ہوا جو معروف طریقے پر گویا کہ اشارے اشارے میں بیع تعاظمی کے طور پر ہو گیا۔ اور اسی طرح جتنے مہینے بغیر انکار کے رہتے رہیں گے ہر ماہ نیا اجارہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور جس دن گھر والا کرایہ دار اجرت دینے یا لینے سے انکار کر دے اسی دن اگلا اجارہ ختم ہو جائے گا۔ ہاں! تمام مہینے متعین کر دے تو جتنے مہینے متعین کرے گا اتنے مہینے کی اجرت ہوگی۔ مثلاً دو سال طے کیا تو دو سال کا اجارہ ہوگا۔

وجہ تمام مہینوں کو طے نہیں کیا تو کتنے مہینے کا اجارہ ہوگا یہ مجہول ہے۔ لیکن چونکہ ہر مہینہ ایک درہم کا بول چکا ہے اس لئے اقل درجہ ایک مہینہ کا اجارہ ہو جائے گا (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ عن الثوری فی رجل یکتیری من رجل الی مکة ویضمن له الکری نفقته الی ان یبلغ قال لا الا ان یوقت ایاما معلومة وکیلا معلوما من الطعام یعطیه ایاہ کل یوم (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یکتیری علی اشیء المجہول وھل یجوز الکرء او یأخذ مثله منہ؟ ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۲۹۳۸) اس اثر میں ہے کہ تمام دن متعین کر لئے جائیں اور ان کے تمام کرائے متعین نہ کر لئے جائیں تب تک اجارہ صحیح نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی مکمل مقدار معلوم نہ ہو تو اس کے بیچنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح تمام مہینے معلوم نہ ہوں تو ان کا اجارہ درست نہیں ہوگا حدیث میں ہے۔ سمعت جابر بن عبد الله نہی

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی سے کہہ کر کرایہ کے لئے لے اور مکہ تک پہنچنے تک اجیر کے نفقہ کا ضامن ہو تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ دن متعین کرے اور کھانے کا کیل معلوم ہو جو ہر دن دیگا۔

[۱۲۰۱] (۴۶) فان سکن ساعة من الشهر الثاني صح العقد فيه فلزمه ولم يكن للمؤجر ان يخرجہ الى ان ينقضی الشهر المستأجر [۱۲۰۲] (۴۷) وكذلك حکم کل شهر یسکن فی اوله یوما او ساعة.

رسول اللہ ﷺ عن بیع الصبرة من التمر لا یعلم مکیلہا بالکیل المسمى من التمر (الف) (مسلم شریف، باب تحریم بیع صبرة التمر الجہولۃ القدر، ترمذی ص ۶ نمبر ۱۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی تمام مقدار معلوم نہ ہو تو بیچنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی قیمت بھی مجہول ہوگی۔ اسی طرح تمام مہینے معلوم نہیں ہوں تو ان کا اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔

[۱۲۰۱] (۴۶) پس اگر اگلے مہینے میں ایک گھڑی ٹھہر گیا تو اس میں عقد صحیح ہو جائے گا اور اس کو اجرت لازم ہوگی۔ اور اجرت پر دینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اجیر کو نکالے یہاں تک کہ اجرت پر لیا ہوا مہینہ ختم ہو جائے۔

تشریح ایک ماہ پورا ہونے کے بعد دوسرے مہینے میں ایک گھڑی اس گھر میں ٹھہر گیا اور گھر والا کچھ نہیں بولا تو یوں سمجھا جائے گا کہ بیع تعاطی کی طرح اشاروں اشاروں میں ہی اگلے ماہ کا اجارہ ہو گیا۔ گویا کہ دینے والا بھی اس اجرت پر راضی ہے اور لینے والا بھی اس اجرت پر راضی ہے تب ہی تو لینے والا اگلے ماہ میں بھی اس گھر میں ٹھہرا رہا۔ اس لئے اجارہ درست ہوا۔ اور اس پورے مہینے میں گھر والا کرایہ دار کو نہیں نکال سکتا۔

وجہ اثر میں ہے۔ واکتوی الحسن من عبد اللہ بن مرداس حماراً فقال بکم؟ قال بدانقین فربکہ ثم جاء مرة اخرى فقال الحمار الحمار فربکہ ولم یشارطہ فبعث الیہ بنصف درہم (ب) (بخاری شریف، باب من اجری امر المصار علی ما یبعارفون ینتہم فی البیوع والا جارة ص ۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اس اثر میں پہلی مرتبہ تو دو دوانق گدھے کی اجرت طے کی لیکن دوسری مرتبہ آدھا درہم اجرت طے نہیں کی بلکہ حضرت حسن نے اجرت دیدی اور عبد اللہ بن مرداس نے لے لی اور گویا کہ اشارے اشارے میں اجرت طے ہو گئی۔ اس طرح جب دوسرے مہینے میں کرایہ دار رہ گیا اور گھر والے نے کچھ نہیں کہا تو اشارے اشارے میں اجرت طے ہو گئی۔ اس لئے اس پورے مہینے میں کرایہ دار کو گھر سے نہیں نکال سکتا۔

اصول بیع تعاطی کی طرح اشارے اشارے میں اجرت بھی طے ہوتی ہے۔

نکتہ المویجر: اجرت پر دینے والا۔ المستأجر: اجرت پر دیا ہوا گھر۔

[۱۲۰۲] (۴۷) اور ایسے ہی حکم ہے ہر مہینے کا کہ ٹھہر جائے اس کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی۔

تشریح اگلے ہر ماہ میں جب مہینے کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی ٹھہر جائے تو گھر والے کی رضا مندی سمجھی جائے گی اور اشارے اشارے میں اگلے مہینے کی اجرت طے ہو جائے گی۔ حدیث اور وجہ گزر گئے۔

حاشیہ: (الف) آپ نے کھجور کے اس ڈھیر سے بیچنے سے منع فرمایا جس کا متعین کیل معلوم نہ ہو۔ (ب) حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا اور پوچھا کتنا کرایہ ہے؟ کہا دو دوانق پس اس پر سوار ہوئے پھر دوسری مرتبہ آئے اور کہا گدھا چاہئے۔ پس اس پر سوار ہوئے اور کرائے کی شرط نہیں کی پھر اس کو آدھا درہم بیچ دیا۔

[۱۲۰۳] (۴۸) واذا استأجر دارا شهرا بدرهم فسكن شهرين فعليه اجرة الشهر الاول ولا شيء عليه من الشهر الثاني [۱۲۰۴] (۴۹) واذا استأجر دراة سنة بعشرة دراهم جازو ان لم يسم قسط كل شهر من الاجرة.

[۱۲۰۳] (۴۸) اگر ایک گھر کو ایک مہینے کے لئے اجرت پر لیا ایک درہم کے بدلے، پھر اس میں دو مہینے ٹھہرا تو اجرت پر پہلے مہینے کی اجرت ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں ہے دوسرے مہینے کی۔

تشریح ایک گھر صرف ایک ماہ کے لئے ایک درہم کے بدلے اجرت پر لیا اور دو مہینے رہ گیا تو ایک ہی مہینے کی اجرت لازم ہوگی، دوسرے مہینے کی اجرت لازم نہیں ہوگی۔

وجہ جب صرف ایک مہینے کی اجرت طے ہوئی تو ایک مہینے کے بعد اجارہ ختم ہو گیا۔ اب جو کرایہ دار رہا وہ اجرت کے طور پر نہیں بلکہ عاریت کے طور پر رہا ہے اور مالک کی جانب سے اجازت کی وجہ سے مفت رہا اس لئے دوسرے مہینے کی اجرت اس پر لازم نہیں ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدت اجرت ختم ہونے کے بعد کرایہ دار جو کچھ استعمال کرے گا وہ عاریت کے طور پر اجرت کے طور پر نہیں۔ کیونکہ اجارہ تو مستقل طور پر طے کرنے کے بعد منعقد ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

نوٹ یہ اس صورت میں ہے جب مدت اجرت طے ہو چکی ہو۔ لیکن مدت اجرت طے نہ ہوئی ہو تو مسئلہ نمبر ۴۶ کی طرح ہر ماہ کے شروع میں اشارے اشارے میں اجارہ منعقد ہوتا رہے گا۔ اور ہر ماہ کی اجرت لازم ہوتی رہے گی۔

نوٹ اس عاریت کی صورت میں بھی اجرت کو دوسرے مہینے کی اجرت اپنی خوشی سے پیش کر دینا چاہئے۔ ہل جزاء الاحسان الا احسان۔

[۱۲۰۴] (۴۹) اگر اجرت پر لیا ایک گھر ایک سال کے لئے دس درہم میں تو جائز ہے اگرچہ نہ متعین کی ہو ہر مہینے کی قسط اجرت میں۔

تشریح ایک آدمی نے پورے ایک سال کے لئے دس درہم میں گھر کرائے پر لیا اور ہر ماہ میں کتنے پیسے ہونگے یہ بیان نہیں کیا تو جائز ہے۔ **وجہ** کیونکہ پوری مدت متعین ہو گئی اور پوری اجرت بھی متعین ہو گئی اور کوئی جہالت نہیں رہی اس لئے جائز ہے۔ اگرچہ ہر دن یا ہر مہینے کی قسط متعین نہ کی ہو۔ کیونکہ کل مدت متعین ہونے کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اور کسی کو معلوم کرنا ہو تو حساب کر کے ہر ماہ کی قسط معلوم کرے کہ ہر ماہ میں تیرا سی پیسے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سالانہ اجرت متعین ہو جائے تو ماہانہ قسط کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اجارہ جائز ہوگا۔ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان اسید بن حضیر مات وعلیہ دین فباع عمر ثمرة ارضه سنتین (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۸۱ فی الرجل بیع الثمرة بالسنتين والثلاث، ج خامس، ص ۱۳، نمبر ۲۳۲۵) اس اثر میں دو سال کے لئے پھل بیچا اور ہر مہینے کی قسط متعین نہیں کی۔

لغت قسط : ہر ماہ اجرت دینے کا تخمینہ اور حصہ۔

حاشیہ : (الف) حضرت اسید بن حضیر کا انتقال ہوا اور ان پر قرض تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کی زمین کے پھل دو سال کے لئے بیچ دیا۔

[۱۲۰۵] (۵۰) ويجوز اخذ اجرة الحمام والحمام [۱۲۰۶] (۵۱) ولا يجوز اخذ اجرة

[۱۲۰۵] (۵۰) جائز ہے حمام اور بچھنا لگانے کی اجرت لینا۔

تشریح یورپ میں حمام یعنی مخصوص قسم کا غسل خانہ اور سویمنگ پول ہوتا ہے۔ جس میں کچھ لوگ ننگے نہاتے ہیں لیکن اجرت متعین ہے اور پردہ کے ساتھ نہانا ممکن ہے اس لئے اس کی اجرت لینا جائز ہے۔

مجا (۱) چونکہ بدن ڈھانک کر نہانا ممکن ہے اس لئے نہانے کی اجرت دینا بھی جائز ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله تفتح لكم ارض الاعاجم وستجدون فيها بيوتا يقال لها الحمامات فلا يدخلنها الرجال الا بالازار وامنعوها النساء يدخلها الا مريضة او نفساء (الف) (ابوداؤد شریف، باب الدخول في الحمام ص ۲۰۰ نمبر ۴۰۱۱ رترمدی شریف، باب ماجاء في دخول الحمام ج ثانی ص ۱۰۷ نمبر ۲۸۰۱ ابن ماجہ شریف، باب دخول الحمام ص ۵۳۶ نمبر ۴۸۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد لنگی پہن کر حمام میں داخل ہو سکتے ہیں، تو پھر اجرت لینے اور دینے کی گنجائش بھی ہوگی۔

اور بچھنا لگانے کی اجرت لے سکتا ہے اس کے لئے یہ حدیث موجود ہے۔ عن ابن عباس قال احتجم النبي ﷺ واعطى الحمام اجرة (ب) (بخاری شریف، باب خراج الحمام ص ۳۰۴ نمبر ۲۷۸۷ مسلم شریف، باب حل اجرة الحمام ص ۲۲ نمبر ۱۲۰۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے خود بچھنا لگوا یا اور اس کی اجرت بھی دی اس لئے بچھنے کی اجرت لینا اور دینا جائز ہے۔

نوٹ البتہ چونکہ اس سے خون منہ میں جاتا ہے اس لئے یہ کام اتنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے بعض حدیث میں آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ حدیث یوں ہے۔ عن رافع بن خديج ان رسول الله ﷺ قال كسب الحمام خبيث (ابوداؤد شریف، باب كسب الحمام ص ۳۴۲ نمبر ۳۴۲۱) [۱۲۰۶] (۵۱) اور نہیں جائز ہے نر کو مادہ پر کودانے کی اجرت لینا۔

تشریح سانڈ کو مادہ سے جفتی کروانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

مجا حدیث میں اس کی اجرت لینے سے منع فرمایا ہے۔ عن ابن عمر قال نهى النبي ﷺ عن عصب الفحل (ج) (بخاری شریف، باب عصب الفحل ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۴ مسلم شریف، باب تحريم بيع فضل الماء... تحريم بيع ضراب الفحل ص ۸۱ نمبر ۱۵۶۵ ابوداؤد شریف، باب في عصب الفحل ص ۱۳۰ نمبر ۳۴۲۹) اس حدیث میں جفتی کرانے کی اجرت لینے سے منع فرمایا ہے (۲) جفتی سے حمل ٹھہرے گا یا نہیں کوئی یقینی نہیں ہے۔ اس لئے نفع ہونا کوئی یقینی نہیں ہوا اس لئے بھی نفع مجہول رہا اس لئے بھی اجرت لینا جائز نہیں (۳) جفتی کی اجرت معاشرے کے اعتبار سے بھی ناپسندیدہ ہے۔

نوٹ اونٹ والے کو عزت و احترام کے لئے کچھ دیدے تو اس کی گنجائش ہے۔ حدیث میں ہے عن انس بن مالك ان رجلا من

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے عجمیوں کی زمین فتح ہوگی اور تم اس میں گھر پاؤ گے جن کو حمام کہتے ہیں۔ مردان میں نہ داخل ہوں مگر ازار کے ساتھ۔ اور عورتوں کو ان میں داخل ہونے سے روکو مگر کوئی مریض نفاس والی ہو تو علاج کے لئے داخل ہو سکتی ہے (ب) آپؐ نے بچھنا لگوا یا اور بچھنا لگانے والے کو اس کی اجرت دی (ج) حضورؐ نے سانڈ کو دانے کی اجرت سے منع فرمایا۔

عسب التیس [۱۲۰۷] (۵۲) ولا يجوز الاستیجار علی الاذان والاقامة وتعلیم القرآن

کلاب سأل رسول الله ﷺ عن عسب الفحل فنهاه فقال يا رسول الله انا نظرق الفحل فنكرم فرخص له في الكرامة (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ عسب الفحل ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۷ انسائی شریف، نمبر ۲۶۷۷) اس حدیث میں اونٹ والے کی عزت کرنے کے لئے کچھ دینے کی گنجائش دی ہے۔ البتہ اجرت کے طور پر دینا ممنوع ہے۔

نکتہ عسب التیس : نر کا مادہ پر چڑھنا۔

[۱۲۰۷] (۵۲) نہیں جائز ہے اجرت لینا اذان اور اقامت پر اور قرآن کی تعلیم دینے پر اور حج کرنے پر۔

تشریح اذان دیکر اجرت لے، نماز کی تکبیر کہہ کر اجرت لے، قرآن کی تعلیم دے کر اجرت لے اور حج کر کے اجرت لے یہ جائز نہیں ہیں مکروہ ہیں۔

مجموعہ حدیث میں ہے۔ عن عباد بن صامت قال علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والكتاب فاهدى الى رجل منهم قوسا فقلت ليست بمال وارمى عليها في سبيل الله لآتين رسول الله ﷺ فلأسأله فاتيته فقلت يا رسول الله رجل اهدى الى قوسا ممن كنت اعلمه الكتاب والقرآن وليست بمال وارمى عنها في سبيل الله تعالى قال ان كنت تحب ان تطوق طوقا من النار فاقبلها (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی کسب المعلم ج ۲ ص ۳۴۱ نمبر ۱۲۸ ابن ماجہ شریف، باب الاجر علی تعلیم القرآن ص ۳۱۰ نمبر ۲۱۵۷) اس حدیث میں راوی نے قرآن پڑھانے کے بدلے کمان لیا تھا تو آپؐ نے فرمایا قرآن پڑھانے پر اجرت لینا آگ کا طوق پہننا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور اذان پر اجرت نہ لینے کی حدیث یہ ہے۔ ان عثمان بن ابی العاص قلت يا رسول الله ﷺ اجعلني امام قومي قال انت امامهم واقتد باضعفهم واتخذ مؤذنا لا يأخذ علي اذانه اجرا (ج) (ابوداؤد شریف، باب اخذ الاجر علی التاذین ص ۵۳۱ نمبر ۵۳۱ ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ان یاخذ المؤذن علی الاذان اجرا ص ۵۱ نمبر ۲۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور اسی پر تکبیر اور حج کو بھی قیاس کر لیں کہ ان پر اجرت لینا بھی جائز نہیں ہے۔

اصول جو عبادت خود انسان پر ضروری ہے اس کے کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

فائدہ بعد کے علماء نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی گنجائش دی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے سناؤ کودانے کی اجرت کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے منع فرمایا۔ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! ہم لوگ سناؤ کوداتے ہیں پھر سناؤ والے کی عزت کے طور پر کچھ دیتے ہیں تو عزت کے طور پر دینے کے بارے میں رخصت دی (ب) عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ میں سے کچھ لوگوں کو قرآن اور کتاب اللہ سکھایا تو مجھے ان لوگوں میں سے ایک نے کمان ہدیہ دیا۔ میں نے کہا یہ مال نہیں ہے اس سے اللہ کے راستہ میں تیرے بھینکوں گا۔ چلو حضورؐ سے پوچھ لو۔ میں آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! ایک آدمی نے مجھے کمان ہدیہ دیا ہے جس کو میں کتاب اللہ اور قرآن سکھایا کرتا تھا اور مال نہیں ہے۔ اللہ کے راستہ میں تیرے بھینکا کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر پسند کرتے ہو کہ آگ کا طوق ڈالا جائے تو قبول کر لو (ج) میں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے قوم کا امام بنا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا آپ ان کے امام ہیں۔ اور کمزوروں کی رعایت کر کے چلنا۔ اور ایسا مؤذن منتخب کرو جو اذان پر اجرت نہ لے۔

والحج [۱۲۰۸] (۵۳) ولا يجوز الاستیجار علی الغناء والنوح.

وجہ (۱) پچھلے زمانے میں بیت المال سے معلمین کو وظیفہ ملتا تھا جس کی وجہ سے وہ مفت تعلیم دیتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں ایسا نہیں ہے۔ اب اگر اجرت نہ لے تو معلم اپنی اواولاد کی کفالت کیسے کریں گے؟ اور تعلم دینا چھوڑ دے تو قرآن کی تعلیم چھوٹ جائے گی۔ اور دین کی ترقی رک جائے گی اس لئے اب تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی گنجائش دی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ تعویذ کرنے پر بکری اجرت پر لی اور تعویذ میں سورۃ فاتحہ پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ اجرت لینے کی گنجائش ہے۔ لمی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی سعید قال انطلق نفر من اصحاب النبی ﷺ فی سفرۃ سافروہا ... فما انا براق لکم حتی تجعلوا لنا جعلاً فصالحوہم علی قطع من الغنم فانطلق یتفل علیہ ویقرأ الحمد لله رب العالمین ... قال (رسول اللہ) قد اصبتم اقساموا واضربوا لی معکم سہما فضحک النبی ﷺ (الف) (بخاری شریف، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احياء العرب بفتح الکتاب ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۶ مسلم شریف، باب جواز اخذ الاجرة علی الرقیۃ بالقرآن والاذا کارج ثانی ص ۲۲۴ نمبر ۲۲۰۱، کتاب السلام) (اس حدیث میں الحمد للہ پڑھنے کے بدلے بکری اجرت پر لی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے (۳) بخاری شریف میں اسی باب میں یہ اثر نقل کیا ہے۔ وقال ابن عباس عن النبی ﷺ احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ، وقال الحكم لم اسمع احدا کرہ اجر المعلم، واعطى الحسن دراهم عشرة (ب) (بخاری شریف، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احياء العرب بفتح الکتاب ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۶ دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۵ نمبر ۳۰۱۹ سنن للبیہقی، باب اخذ الاجرة علی تعلم القرآن والرقيۃ، ج سادس ص ۲۰۵ نمبر ۱۱۶۷ مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۰ فی اجر المعلم، ج رابع ص ۳۴۶ نمبر ۲۰۸۳) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور آج کل اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اس اثر میں ہے کہ زیادہ حقدار اجرت کا کتاب اللہ ہے۔ اور حکم سے مروی ہے کہ کوئی معلم کی اجرت لینا مکروہ سمجھتا ہوا ایسا نہیں سنا۔

[۱۲۰۸] (۵۳) اور نہیں جائز ہے اجرت لینا گانے اور نوحہ کرنے پر۔

وجہ (۱) نوحہ کرنا اور گانا گانا حرام ہے اس لئے ان کی اجرت بھی جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال لیس منا من ضرب الخدود و شق الجيوب و دعا بدعوى الجاهلية (بخاری شریف، باب ما تنهى من الویل ودعوى الجاہلیۃ عند المصیۃ ص ۳ نمبر ۱۲۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوحہ کرنا ممنوع ہے تو اس کی اجرت لینا بھی جائز نہیں (۳) اثر میں ہے۔ عن ابی قاسم عن ابراهیم اہ کرہ اجر النواحة والمغنیۃ (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الاجر علی تعلم الغلمان وقسمۃ الاحوال ج ثامن ص ۱۱۶ نمبر ۱۲۵۴) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابراہیم نوحہ اور گانا گانے کی اجرت کو مکروہ سمجھتے تھے (۴) ومن الناس من یشتری لہو

حاشیہ : (الف) ابوسعید فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے کچھ صحابی سفر میں گئے... صحابی نے فرمایا تمہارے لئے کچھ چھاڑ پھونک کرنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ ہمارے لئے کچھ اجرت متعین کرو۔ تو گاؤں والوں نے صلح کیا بکری کے ریوڑ پر۔ پس صحابی مریض پر پھونکتے رہے اور الحمد للہ پڑھتے رہے... آپؐ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا اور تمہارے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ اور حضورؐ بنے (ب) آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ حقدار جس پر تم اجرت لووہ کتاب اللہ ہے۔ حضرت حکم نے فرمایا معلم کی اجرت مکروہ سمجھ ایسا کسی سے نہیں سنا۔ اور حضرت حسن نے دس درہم ماہانہ معلم کو اجرت دی (ج) حضرت ابراہیم نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی اجرت مکروہ سمجھتے تھے۔

[۱۲۰۹] (۵۴) ولا يجوز اجارة المشاع عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ وقالا رحمہما اللہ
اجارۃ المشاع جائزۃ [۱۲۱۰] (۵۵) و يجوز استيجار الظراء باجرة معلومة.

الحديث (آیت ۶ سورہ لقمان ۳۱) اس آیت کی تفسیر ہے گانے کو خریدنا، جس سے معلوم ہوا کہ گانے کی اجرت دینا جائز نہیں ہے۔

اصول کھیل کود اور حرام کاموں کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

نکتہ الغنا : گانا گانا۔ النوح : زور زور سے چلا کر بلا وجہ رونا۔

[۱۲۰۹] (۵۴) نہیں جائز ہے مشترک چیز کا اجرت پر رکھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے۔

تشریح مثلاً زید اور عمر کے درمیان ایک گھر مشترک ہے حصہ نہیں ہوا ہے۔ اب صرف زید اپنے حصے کو اجرت پر رکھنا چاہتا ہے اور عمر نہیں رکھنا چاہتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ عمر کا حصہ جب ساتھ ہی ہے تو زید مکمل طور پر اجیر کو اپنا گھر سپرد نہیں کر سکے گا۔ جس کی وجہ سے اجیر فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ اس لئے مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور باری باری گھر سپرد کرنے سے مکمل سپرد کرنا نہیں ہوگا۔

اصول امام ابوحنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ مشترک چیز کو مکمل سپرد کرنا ممکن نہیں اس لئے اس کا اجارہ درست نہیں۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

وجہ عمر کا حصہ بھی نفع کی چیز ہے اس لئے نفع کی چیز اجرت پر رکھ سکتا ہے (۲) جب جب زید کی باری آئے گی اس وقت اجیر کے سپرد کرے گا اور اجارہ کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس لئے مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

نوٹ اگر دونوں شریک ملکر اجرت پر رکھے تو جائز ہے۔ کیونکہ اب اجیر کو مکمل حوالہ کرنا ممکن ہے۔

اصول صاحبین کا نظریہ یہ ہے کہ مشترک چیز کسی نہ کسی انداز سے اجیر کو حوالہ کر سکتا ہے اس لئے اس کا اجارہ درست ہے۔

[۱۲۱۰] (۵۵) جائز ہے دودھ پلانے والی کو اجرت پر لینا اجرت معلومہ کے ساتھ۔

تشریح دودھ پلانے کے لئے عورت کو اجرت پر لے اور متعین اجرت دے تو جائز ہے۔ اصل میں اشکال یہ ہے کہ ہر روز کتنا دودھ بچہ پیئے گا یہ معلوم نہیں ہے اس لئے منافع مجہول ہے۔ اس لئے اجرت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس لئے ماتنؒ نے فرمایا اجرت صحیح ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ فان ارضعن لکم فأتوهن اجورهن (الف) (آیت ۶ سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ اگر

عورت نے بچے کو دودھ پلایا تو اس کو اس کی اجرت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کو اس کی اجرت دینا جائز ہے (۲) حضور کو حضرت سعدیہ نے اجرت کے بدلے دودھ پلایا تھا۔

نکتہ الظراء : دودھ پلانے کی اجرت۔

حاشیہ : (الف) اگر انہوں نے تمہارے لئے دودھ پلایا تو تم ان کی اجرت دو۔

[۱۲۱۱] (۵۶) ويجوز بطعامها وكسوتها عند ابی حنیفہ [۱۲۱۲] (۵۷) وليس

للمستأجر ان يمنع زوجها من وطئها [۱۲۱۳] (۵۸) فان حبلت كان لهم ان يفسخوا

[۱۲۱۱] (۵۶) اور جائز ہے انا کے لئے کھانے کے بدلے اور اس کے کپڑے کے بدلے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑے کے بدلے اجرت پر لے تو جائز ہے۔ اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ کھانا اور کپڑا متعین چیز نہیں ہے۔ کھانا کبھی کم ہوگا کبھی زیادہ تو اجرت مجہول ہوگئی اس لئے کھانے اور کپڑے کے بدلے اجرت لینا صحیح نہیں ہونا چاہئے۔

وجہ (۱) یہاں طے ہونے میں کمی بیشی ہے اس لئے معاشرے کا بالمعروف طریقہ رائج ہوگا کہ معاشرے میں جو معروف ہے وہی کھانا کپڑا دینا ہوگا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوڑی بہت جہالت کے وقت بالمعروف طریقہ رائج ہوتا ہے۔ اور تعامل ناس کی وجہ سے جائز قرار دے دیتے ہیں

(۲) دیہات میں درہم و دنانیر کی کمی ہوتی ہے اس لئے وہاں کھانے اور کپڑے ہی کا رواج ہوتا ہے اس لئے اسی پر فیصلہ کیا جائے گا (۳)

حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کھانے اور کپڑے پر بکری چرایا کرتے تھے۔ سمعت ابا ہریرۃ یقول نشأت یتیمًا وھاجر

مسکینا و کنت اجیرا لابنة غزو ان بطعام بطنی و عقبۃ رجلی (الف) (ابن ماجہ شریف، باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ ص ۳۵۰

نمبر ۲۴۴۵) دوسری حدیث میں ہے۔ ان موسیٰ علیہ السلام اجر نفسه ثمانی سنین او عשרا علی عفة فرجه و طعام بطنہ

(ب) (ابن ماجہ شریف، باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۴) اس حدیث میں ہے کہ کھانے پر اپنے آپ کو اجرت پر رکھا۔ جس

سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑے پر اجرت پر رکھ سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اجرت مجہول ہے اس لئے جائز نہیں۔ ہاں! اجرت میں درہم مقرر کرے اور درہم کے بدلے کھانا اور کپڑا دے تو

جائز ہو جائے گی۔ یا کپڑے اور کھانے کی جنس، نوع اور مقدار متعین کر دے تو اجرت معلوم ہونے کی وجہ سے جائز ہوگی۔

لغت کسوة : کپڑا۔

[۱۲۱۲] (۵۷) اور مستاجر کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے شوہر کو وحلی سے روکے۔

وجہ وحلی کرنا شوہر کا حق ہے اور فطری حق ہے اس لئے صرف اس لئے کہ عورت کو حمل ٹھہر جائے گا تو دودھ خراب ہوگا اس لئے شوہر کو دودھ

پلانے والی عورت کے ساتھ وحلی کرنے سے روکے اس کی گنجائش نہیں ہے۔

[۱۲۱۳] (۵۸) پس اگر انا حاملہ ہوگئی تو مستاجر کے لئے جائز ہے کہ اجارہ فسخ کر دے اگر بچے پرانا کے دودھ سے خوف ہو۔

تشریح اگر دودھ پلانے والی عورت حاملہ ہوگئی اور اجیر کو خوف ہو گیا کہ بچہ یہ دودھ پیئے گا تو اس کی صحت خراب ہوگی تو اس کو حق ہے کہ اجارہ

توڑ دے اور کسی دوسری انا کا انتظام کرے۔

وجہ نفع وصول کرنے میں خامی ہو تو اجارہ توڑ سکتا ہے۔ اثر میں ہے کہ نفع حاصل کرنے میں پریشانی ہوتی ہو تو زمین اجرت پر رکھنے سے منع

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں یتیم ہونے کی حالت میں پرورش پایا اور مسکین ہجرت کی اور ابن غزو ان کا پیٹ بھر کر کھانے کے بدلے اجیر تھا

(ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال اجرت پر رکھا شرمگاہ کی پاکدامنی اور پیٹ بھر کر کھانے کے بدلے۔

الاجارة اذا خافوا على الصبي من لبنها [۱۲۱۴] (۵۹) وعليها ان تصلح طعام الصبي [۱۲۱۵] (۶۰) وان ارضعته في المدة بلبن شاة فلا اجرة لها.

فرمایا۔ سأل رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق؟ فقال لا بأس به انما كان الناس يؤاجرون على عهد رسول الله على الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه فاما شيء معلوم مضمون فلا بأس به (الف) (مسلم شریف، باب كراء الارض بالذهب والورق ج ثانی ص ۱۱ نمبر ۱۵۴۸/۳۹۵۲) اس اثر میں ہے کہ لوگ نالی کے کنارے والے حصے کو اپنے لئے کاشتکاری کا حصہ متعین کرتے تھے۔ اس لئے آپؐ نے ایسی اجرت سے منع فرمایا۔ البتہ درہم دنانیر کے بدلے کھیتی اجرت پر لے تو جائز ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ منافع وصول کرنے میں مشکلات ہوں تو اجارہ توڑ سکتا ہے۔

[۱۲۱۴] (۵۹) انا پر لازم ہے بچے کے کھانے کو درست کرنا۔

تشریح دودھ پلانے والی انا اجرت کی وجہ سے دودھ تو پلائے گی ہی، بچے کو کھانے کی ضرورت ہوگی تو اس کا کھانا بنانا اور کھانا انا ہی کے ذمے ہیں۔ عرف میں دودھ پلانے کے ساتھ یہ دونوں کام اجرت میں شامل ہیں۔

نوٹ یہ اس وقت ہے جب کام کی تصریح نہ ہو اور عرف میں کھانا بنانا اور کھانا انا اجرت میں شامل ہوں۔ لیکن اگر کام کی تصریح ہو جائے کہ صرف دودھ پلانا اجرت میں شامل ہے۔ یا عرف میں کھانا بنانا اور کھانا انا شامل نہ ہوں تو یہ دونوں کام اجرت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول کام کی تصریح نہ ہوتے وقت عرف کا اعتبار ہوگا۔ ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين (ب) (آیت ۲۳۶ سورة البقرة ۲) اس آیت میں عرف عام کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اس طرح انا کے کام کے بارے میں بھی تصریح نہ ہوتے وقت عرف عام کا اعتبار کیا جائے گا۔

لغت تصلح : اصلاح کرنا، یہاں مراد ہے کھانا بنانا۔

[۱۲۱۵] (۶۰) اور اگر بچے کو اس مدت میں بکری کا دودھ پلایا تو انا کے لئے اجرت نہیں ہے۔

تشریح مثلاً سال بھر کے لئے انا کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لیا اور انا نے اپنا دودھ پلانے کے بجائے بکری کا دودھ پلاتی رہی تو اس کو دودھ پلانے کی اجرت نہیں ملے گی۔

مجموعہ اجرت اپنا دودھ پلانے کی تھی بکری کا دودھ پلانے کی نہیں۔ یہ تو بچے کے والدین بھی کر سکتے تھے اس لئے اس کو دودھ پلانے کی اجرت

حاشیہ : (الف) رافع بن خدیج کو سونے اور چاندی کے بدلے زمین کو کرایہ پر لینے کے بارے میں پوچھا، فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لوگ حضورؐ کے زمانے میں اجرت پر لیتے تھے اونچی جگہ اور نالی کے کنارے اور کاشتکاری میں سے خاص حصے کی شرط پر۔ پس ہلاک ہوتا تھا یہ اور محفوظ رہتا تھا وہ، اور محفوظ رہتا تھا یہ اور ہلاک ہوتا تھا وہ۔ پس نہیں ہوتا تھا لوگوں کے لئے کرایہ مگر یہ۔ اس لئے حضورؐ نے اس سے منع فرمایا، بہر حال معلوم چیز کے بدلے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) فائدہ دو عورتوں کو مالدار پر اس کے مناسب اور غریب پر اس کے مناسب فائدہ اٹھانے دینا ہے معروف طریقے پر، یہ حق ہے اچھے کام کرنے والوں پر۔

[۱۲۱۶] (۶۱) وکل صانع لعمله اثر فی العین کالقصار والصباغ فله ان یحبس العین بعد الفراغ من عمله حتی یتوفی الاجرة [۱۲۱۷] (۶۲) ومن لیس لعمله اثر فی العین فلیس له ان یحبس العین للاجرة کالحمال والملاح [۱۲۱۸] (۶۳) واذا اشترط علی

نہیں ملے گی۔ البتہ جو خدمت کی ہے اس کی اجرت مل جائے گی۔

اصول شرط کی مخالفت کرے تو اجرت نہیں ملے گی۔ حدیث میں ہے المسلمون عند شروطہم (الف) (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۷) [۱۲۱۶] (۶۱) ہر وہ کارگیر جس کے عمل کا اثر عین میں ہو جیسے دھوبی اور رنگریز تو اس کو حق ہے کہ عین کو روک رکھے عمل سے فارغ ہونے کے بعد یہاں تک کہ اجرت لے لے۔

تشریح جن جن کارگیر کا عمل عین شی میں اثر انداز ہوتا ہو جیسے رنگریز کا عمل کہ کپڑے کو اپنے رنگ سے رنگ دیتا ہے اور کپڑا رنگین ہو جاتا ہے یا دھوبی کا عمل کہ اپنے سوڈے اور صابن سے کپڑے کو صاف کرتا ہے اور ان کے عمل کا اثر کپڑوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے کارگیروں کو حق ہے کہ کام پورا کرنے کے بعد اجرت لینے کے لئے اس چیز کو اپنے پاس روک لے اور جب تک اجرت وصول نہ کرے کپڑا واپس نہ دے۔
مذہب مثلاً رنگریز کا رنگ اپنا ہے، دھوبی کا صابن اور سوڈا اپنا ہے اس لئے اپنی چیز روکنے کا حق ہے۔ اور چونکہ یہ چیزیں کپڑے کے ساتھ چپکی ہوئی ہیں اس لئے کپڑا بھی روک لے گا۔ تاکہ پوری اجرت وصول ہو جائے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی چیز کو روک سکتا ہے اس لئے جس چیز کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اس کو بھی روک سکتا ہے۔ [۱۲۱۷] (۶۲) اور جس کے عمل کا اثر نہیں ہے عین شی میں تو اس کے لئے حق نہیں ہے کہ روکے عین شی کو اجرت کے لئے جیسے بوجھ اٹھانے والا اور ملاح۔

تشریح جس کا عمل اور نفع ایسا ہے کہ اس کے عمل کا اثر عین شی میں نہیں ہوتا۔ جیسے بوجھ اٹھانے والے کے عمل کا اثر سامان میں نہیں ہوتا، وہ تو صرف سامان کو اٹھا کر ادھر سے ادھر کر دیا۔ اس کے اٹھانے کا کوئی اثر سامان پر نہیں پڑتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی اجرت وصول کرنے کے لئے سامان کو اپنے پاس قانونی طور پر نہیں رکھ سکتا۔

مذہب چونکہ بوجھ اٹھانے والے کی اپنی کوئی چیز سامان کے ساتھ محبوس نہیں ہے اس لئے دوسرے کے سامان کو روکنے کا حق اس کو نہیں ہوگا۔
نوٹ اگر اجرت نہ دے تو قاضی کے پاس مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔ البتہ اس دور میں چونکہ قاضی آسانی سے دستیاب نہی ہے اس لئے سامان جانے کے بعد اجرت ملنے کی امید نہ ہو تو سامان روک لے تاکہ اجرت باسانی مل سکے۔

[۱۲۱۸] (۶۳) اگر شرط لگائی کارگیر پر یہ کہ وہ خود کرے گا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ استعمال کرے دوسرے کو۔

تشریح کام کرانے والے نے شرط لگائی کہ مثلاً زید ہی اس کام کو انجام دے گا تو اب زید کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ عمر سے کام کروا کر دے

(ب) مسلمان اپنی شرطوں کے پاسبان ہیں۔

الصانع ان يعمل بنفسه فليس له ان يستعمل غيره [۱۲۱۹] (۶۴) وان اطلق له العمل فله ان يستأجر من يعمل [۱۲۲۰] (۶۵) واذا اختلف الخياط والصباغ و صاحب الثوب فقال صاحب الثوب للخياط امرتك ان تعمله قباء وقال الخياط قميصا او قال صاحب الثوب

مج کام کرنے والے کی مہارت کا بڑا فرق پڑتا ہے۔ بعض مرتبہ دوسرے کاریگر اس کو خراب کر دیتے ہیں اس لئے اگر شرط لگائی کہ فلاں آدمی کام کرے گا تو دوسرے کو اس کے لئے استعمال نہیں کر سکتا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الشیبانی عن الشعبي قال هو ضامن فيما خالف وليس عليه كراء (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الکری یعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۳ نمبر ۱۴۹۳) اس اثر میں ہے کہ شرط کی مخالفت کرنے سے اجیر ضامن ہوگا۔ اور حدیث پہلے گزر چکی ہے المسلمون عند شروطهم (ب) (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۷) اس لئے دوسرے سے کام نہیں کروا سکتا۔

اصول کاریگر کاریگر میں مہارت اور تجربہ کا فرق ہوتا ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

[۱۲۱۹] (۶۴) اور اگر اجیر کے لئے عمل مطلق چھوڑا تو اس کے لئے جائز ہے کہ نوکر پر رکھے اس کو جو وہ کام کرے۔

تشریح اگر یوں شرط نہیں لگائی کہ مثلاً زید ہی کو کام کرنا ہے تو اجیر کے لئے جائز ہے کہ کسی اور سے کام کروا کر مستاجر کو نفع سپرد کر دے۔

مج کسی کام کرنے والے کو خاص نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستاجر کو کام اچھا چاہئے چاہے کوئی بھی اس کام کو کر دے۔ اس لئے اجیر خود بھی اس کام کو کرے تب بھی ٹھیک ہے اور دوسروں سے کروا کر دے تب بھی ٹھیک ہے۔ وہ سپرد کرنے پر اجرت کا مستحق ہوگا۔

اصول صرف کام مقصود ہو تو کسی آدمی سے بھی وہ کام کروا سکتا ہے۔

نکتہ اطلاق : مطلق چھوڑا، قید نہیں لگائی۔

[۱۲۲۰] (۶۵) اگر اختلاف ہو جائے درزی اور رنگریز اور کپڑے والے کے درمیان، پس کپڑے والے نے کہا درزی سے میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کی قبائیں اور درزی نے کہا کہ قمیص کا کہا تھا۔ یا کپڑے والے نے رنگریز سے کہا میں آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کو سرخ رنگیں، پس آپ نے اس کو زرد رنگا تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔ پس اگر قسم کھالی تو درزی ضامن ہوگا۔

تشریح درزی اور کپڑے والے میں اختلاف ہو جائے مثلاً کپڑے والا کہے کہ میں نے آپ کو قبائیں کہا تھا اور آپ نے قمیص سی دیا۔ اور درزی کہے کہ آپ نے مجھے قمیص سینے کہا تھا۔ اور درزی کے پاس گواہ نہیں ہے اور نہ کسی کی بات کی تصدیق کے لئے کوئی علامت یا قریبہ نہیں ہے تو کس کی بات مانی جائے؟ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔ اسی طرح کپڑے والے اور رنگریز میں اختلاف ہو گیا، کپڑے والا کہتا ہے کہ سرخ رنگنے کے لئے کہا تھا لیکن تم نے زرد رنگ دیا اور رنگریز کہتا ہے کہ آپ نے زرد رنگنے کے لئے کہا تھا۔ اور رنگریز کے پاس گواہ نہیں ہے اور کسی کی بات کی تصدیق کے لئے کوئی علامت نہیں ہے تو کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا اجیر ضامن ہے اگر مخالفت کی اور مستاجر پر کرایہ نہیں ہے (ب) مسلمان اپنے شرطوں کے پاس بان ہیں۔

للبصاغ امرتك ان تصبغه احمر فصبغته اصفر فالقول قول صاحب الثوب مع يمينه فان حلف فالخياط ضامن [۱۲۲۱] (۶۶) وان قال صاحب الثوب عملته لي بغير اجرة وقال الصانع باجرة فالقول قول صاحب الثوب مع يمينه عند ابي حنيفة رحمه الله.

جائگی۔

وجہ کپڑا سینے کی اجازت اور رنگنے کی اجازت کپڑے والے کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے وہی جانتا ہے کہ کس کام کی اجازت دی جائے اس لئے اسی کی بات مانی جائے گی۔ اثر میں ہے عن الثوری فی رجل دفع الی آخر مالا مضاربة فقال صاحب المال بالثلث وقال الآخر بالنصف قال القول صاحب المال الا ان یأتی الآخر بینة (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب بمرۃ ج ثامن ص ۲۵۲ نمبر ۱۵۱۰۴) اس اثر میں صاحب مال کی بات مانی گئی ہے اس لئے اجارہ میں بھی صاحب مال کی بات مانی جائے گی (۲) درزی اور رنگریز مدعی ہے۔ وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میرا کام صحیح ہے اس لئے مجھے اجرت ملنی چاہئے اور کپڑے والا اجرت دینے سے انکار کر رہا ہے اس لئے وہ منکر ہے۔ اس لئے اس پر گواہ چاہئے وہ نہیں ہے اور کپڑے والا مدعی علیہ ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔ پس اگر وہ قسم کھالے تو درزی اور رنگریز نقصان کے ضامن ہوں گے۔ حدیث میں ہے کتب ابن عباس الی ان النبی ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیہ (ب) (بخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ص ۳۶۶ نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ اور منکر پر قسم ہے۔ اس کی وجہ سے اس کی بات مانی جائے گی۔

[۱۲۲۱] (۶۶) اگر کپڑے والے نے کہا کہ تم نے اس کو میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کارگیر نے کہا کہ اجرت کے ساتھ تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ۔

تشریح کپڑے والا کہتا ہے کہ آپ نے یہ کام میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کام کرنے والا کہتا ہے کہ اجرت کے لئے کیا ہوں مفت نہیں کیا ہوں۔ اور اجیر کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے اور نہ کوئی علامت ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کپڑے والے کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ اور اجیر کو اجرت نہیں ملے گی۔

وجہ اجیر کام کر کے اجرت کا دعویٰ کر رہا ہے اس لئے وہ مدعی ہے اور کپڑے والا اس کا انکار کر رہا ہے اس لئے وہ منکر ہے اور قاعدہ گزر گیا کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔ اس لئے کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی (۲) اوپر کی حدیث بخاری کے ساتھ یہ حدیث بھی ثبوت ہے۔ عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ قال البينة علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامة (ج) (دارقطنی، کتاب الحدود والديات ج ثالث ص ۸۸ نمبر ۳۱۶۶)

حاشیہ: (الف) حضرت ثورئی نے فرمایا کوئی آدمی دوسرے کو مضاربت کے طور پر مال دے، پس مال والے نے کہا کہ تہائی پر دیا ہوں اور مضارب نے کہا کہ آدھے پر تو مال والے کا اعتبار ہے مگر یہ کہ دوسرا آدمی گواہ پیش کرے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے مجھے لکھا کہ حضورؐ نے مدعی علیہ پر قسم کھانے کا فیصلہ فرمایا (ج) آپؐ نے فرمایا بینہ اس پر ہے جس نے دعویٰ کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسمت میں۔

[۱۲۲۲] (۶۷) وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى ان كان حريفا فله الاجرة وان لم يكن حريفا له فلا اجرة له [۱۲۲۳] (۶۸) وقال محمد رحمه الله تعالى ان كان الصانع مبتذلا لهذه الصنعة بالاجرة فالقول قوله مع يمينه انه عمله باجرة [۱۲۲۴] (۶۹) والواجب في

[۱۲۲۲] (۶۷) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر اس کا پیشہ ہی یہ ہو تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور اگر اس کا پیشہ یہ نہیں ہے تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے۔

تشریح اس کے لئے پیشہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہی کام کرتا ہے۔ اور ایک مطلب یہ ہے کہ کپڑے والے کو پہلے بھی ایک مرتبہ اجرت پر یہی کام کر کے دیا تھا اس لئے اجرت والا سمجھتا تھا کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اجرت ملے گی۔

مجبہ پیشہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کام کرتا ہے۔ یا پہلے ایک مرتبہ اجرت پر کر کے دینا دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کیا ہوگا۔ اس لئے اس ظاہری دلیل کی وجہ سے اس کو اجرت ملے گی۔

اصول پیشہ ہونا اجرت کی علامت ظاہرہ ہے۔

لغت حریفا : پیشہ والا ہونا۔

[۱۲۲۳] (۶۸) امام محمدؒ نے فرمایا اگر کارگیر اجرت کے ساتھ یہ کام کرنے میں مشہور ہو تو کارگیر کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ کہ اس نے کام کیا ہے اجرت کے بدلے۔

تشریح امام محمد کے نزدیک کارگیر کا اجرت پر کام کرنے میں شہرت ہو تب اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی کہ اس نے اجرت سے ہی وہ کام کیا ہے۔

مجبہ مشہور ہونا علامت ہے کہ اجرت کے بدلے ہی کام کیا ہوگا، مفت نہیں اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

اصول پیشہ میں شہرت ہونا اجرت پر کام کرنے کی علامت ہے۔

[۱۲۲۴] (۶۹) واجب اجارہ فاسد میں اجرت مثل ہے لیکن متعین کردہ اجرت سے تجاوز نہ کرے۔

تشریح کسی وجہ سے اجارہ فاسد ہو گیا تو اب بازار میں اس کام کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ اجرت اجیر کو ملے گی۔ اسی اجرت کو اجرت مثل کہتے ہیں۔

مجبہ جب اجارہ فاسد ہو گیا تو گویا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی عقد اجارہ ہوا ہی نہیں ہے۔ اس لئے اب بازار کے عرف پر اجرت طے ہوگی۔ اور اجرت مثل لازم ہوگی۔ لیکن چونکہ اجیر پہلے ایک متعین اجرت پر راضی ہو گیا ہے اس لئے اجرت مثل اگر متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہو تو اجرت مثل نہ دی جائے بلکہ متعین کردہ اجرت دی جائے گی۔ کیونکہ اجیر کم اجرت پر راضی ہو گیا ہے۔ اجارہ فاسد کے وقت اجرت مثل کی دلیل وہی حدیث ہے جو بار بار گزر گئی۔ واكتسرى الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بكم؟ قال بدانقين فركبه ثم جاء

الاجارۃ الفاسدة اجرة المثل لا يتجاوز به المسمى [۱۲۲۵] (۷۰) واذا قبض المستأجر الدار فعليه الاجرة وان لم يسكنها فان غصبها غاصب من يده سقطت الاجرة

مرۃ اخرى فقال الحمار الحمار فركبه ولم يشارطه فبعث اليه بنصف درهم (الف) (بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی ما يتعارفون یتنهم فی البیوع والاجارۃ ص ۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اور آیت میں ہے۔ ومن كان فقیراً فلیأكل بالمعروف (آیت ۶ سورة النساء) اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جہاں آپس میں اجرت طے نہ ہو تو جو معروف طریقہ ہے وہی اجرت لازم ہوگی جس کو اجرت مثل کہتے ہیں۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اجارہ فاسد ہو جائے تو اجرت مثل لازم ہوگی چاہے متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔
مذہب کیونکہ جب اجرت مثل اصل ٹھہری تو جتنی ہودی جائے گی۔

[۱۲۲۵] (۷۰) اگر مستاجر نے گھر قبضہ کیا تو اس پر اجرت ہے چاہے اس میں نہ رہتا ہو۔ پس اگر اس گھر کو کسی غاصب نے اس کے ہاتھ سے غصب کر لیا تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔

مذہب گھر میں مستاجر رہے یا نہ رہے صرف اجرت کے گھر پر قبضہ کر لیا تو اس پر اجرت لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ مالک مکان اب اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے اس لئے مستاجر پر اجرت لازم ہوگی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن طاؤس قال کان ابی یوجب الکراء اذا خرج الرجل الہ مکة وان مات قبل ان یبلغ (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یگیری الدابة فیموت فی بعض الطريق ج ثامن ص ۲۱۳ نمبر ۱۴۹۳۳) اس اثر میں ہے کہ مکہ مکرمہ کے لئے جانور کرایہ پر لیا اور پہلے مر گیا پھر بھی پورا کرایہ لازم کرتے تھے۔ اس لئے گھر پر قبضہ کر لیا تو کرایہ لازم ہونا شروع ہو جائے گا۔

اور اگر درمیان میں کسی نے غصب کر لیا تو چونکہ مستاجر کے قبضہ میں وہ چیز نہیں رہی اس لئے اتنی اجرت ساقط ہو جائے گی۔ اثر میں ہے عن الثوری فی رجل اکتري فمات المکتري فی بعض الطريق قال هو بالحساب (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یگیری الدابة فیموت فی بعض الطريق ج ثامن ص ۲۱۳ نمبر ۱۴۹۳۵) اس اثر میں ہے کہ درمیان میں آدمی مر جائے تو اس کے حساب سے کرایہ لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے کرایہ دار سے گھر غصب کر لیا تو جتنی دیر تک غصب کئے رہا اتنی دیر کا کرایہ ساقط ہو جائے گا۔

اصول صرف قبضہ سے کرایہ لازم ہونا شروع ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے عبداللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا۔ پس کہا کتنے میں ہے یہ؟ کہا دو دانق میں۔ پس اس پر سوار ہوئے۔ پھر دوسری مرتبہ آئے تو فرمایا گدھا دیں گدھا دیں۔ پس اس پر سوار ہوئے اور کرائے کی شرط نہیں کی۔ پس عبداللہ بن مرداس کو آدھا درہم بھیجا (ب) حضرت ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ میرے والد کرایہ واجب کرتے تھے جب کوئی مکہ کے لئے نکلے اور وہاں پہنچنے سے پہلے مر جائے (ج) حضرت ثوری نے فرمایا آدمی کرایہ پر لے۔ اور کرایہ پر لینے والا راستے میں مر جائے تو حساب کے ساتھ کرایہ واجب ہوگا۔

[۱۲۲۶] (۷۱) وان وجد بها عيبا يضر بالسكنى فله الفسخ [۱۲۲۷] (۷۲) واذا خربت

الدار او انقطع شرب الضيعة او انقطع الماء عن الرحي انفسخت الاجارة

[۱۲۲۶] (۷۱) اور اگر گھر میں ایسا عیب پایا جو رہنے کے لئے نقصان دہ ہے تو اجیر کے لئے فسخ کا حق ہے۔

تشریح مثلاً گھر کرایہ پر لیا لیکن گھر میں ایسا عیب آگیا کہ اس میں رہنا مشکل ہو گیا مثلاً گھر کی دیوار گر گئی تو اجیر کو حق ہے کہ اجارہ فسخ کر دے۔

وجہ (۱) جب منفعت حاصل نہیں کر سکتا تو اجیر کیا کرے گا اس لئے اجارہ فسخ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ بیع میں عیب ہو تو بیع کو واپس

کر سکتا ہے اسی طرح اجارہ کے گھر میں عیب ہو تو اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده

ما شاء الله ان يقيم ثم وجد به عيبا فخاصمه الى النبي ﷺ فرده عليه فقال الرجل يا رسول الله! قد استغل غلامي

فقال رسول الله ﷺ الخراج بالضمنان (الف) (ابوداؤد شریف، باب فیمین اشتری عبدافا ستملہ ثم وجد به عیبا ۳۹ نمبر ۳۵۱)

اس حدیث میں ہے کہ غلام میں عیب پایا تو آپؐ نے بائع کو واپس کر دیا۔ اسی طرح شی مستاجر میں عیب ہو جس سے نفع اٹھانا مشکل ہو تو اجارہ

فسخ کر سکتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنی دیر فائدہ اٹھایا ہے اس کا کرایہ دینا ہوگا۔ کیونکہ غلام والے نے کہا کہ میرے غلام کو کام میں

لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا الخراج بالضمنان یعنی جتنا کام لیا ہے اتنا کرایہ ملنا چاہئے۔

اصول عیب کثیر سے اجارہ فاسد کر سکتا ہے۔

نوٹ یہ اس وقت ہے کہ مستاجر اس عیب سے راضی نہ ہو۔ اگر عیب دیکھتے ہوئے کرایہ پر لیا تھا یا عیب پیدا ہونے کے بعد اس سے رضا مندی

کا اظہار کرنے کے بعد اجارہ فسخ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔

[۱۲۲۷] (۷۲) اگر گھر ویران ہو جائے یا زمین کا پانی منقطع ہو جائے یا پن چکی سے پانی منقطع ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

تشریح اوپر کے مسئلے میں یہ تھا کہ شی مستاجر موجود ہے لیکن اس میں ایسا عیب پیدا ہو گیا ہے کہ اس سے استفادہ مشکل ہو گیا ہے۔ اور اس مسئلے

میں ہے کہ شی مستاجر اتنا ویران اور خراب ہو گئی ہے کہ گویا وہ چیز ہی ختم ہو گئی۔ مثلاً گھر ویران ہو گیا، زمین میں پانی آنے کا راستہ منقطع ہو گیا یا

پن چکی سے پانی آتا تھا وہ بالکل بند ہو گیا جس سے اب کاشتکاری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اجارہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

وجہ جب منافع حاصل ہو ہی نہیں سکتے تو اجارہ باقی رہ کر کیا ہوگا؟ اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا (۲) اور ابوداؤد کی حدیث نمبر ۳۵۱ میں تھا کہ

عیب کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے تو یہاں بالکل شی مستاجر ختم ہو گئی اس لئے اجارہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

فائدہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ اجارہ خود بخود فسخ نہیں ہوگا۔ البتہ ایسی صورت میں اجارہ فسخ کرنے کا حقدار ہو جائے گا۔

لغت خربت : ویران ہونا۔ شرب : پانی کا حق۔ ضیعة : کاشتکاری کی زمین۔ رحي : پن چکی۔

حاشیہ: (الف) ایک آدمی نے غلام بیچا۔ پس غلام اس کے پاس کچھ دن تک ٹھہرا ہا پھر اس میں مشتری نے عیب پایا۔ پس جھگڑا حضور کے پاس لے گئے۔ پس حضورؐ

نے بائع پر غلام لوٹا دیا، بائع نے کہا یا رسول اللہ! میرے غلام کو دین میں پھنسا دیا تو آپؐ نے فرمایا خراج ضمان کے بدلے میں ہوتا ہے۔

[۱۲۲۸] (۷۳) واذا مات احد المتعاقدين وقد عقد الاجارة لنفسه انفسخت الاجارة وان

كان عقدها لغيره لم يفسخ [۱۲۲۹] (۷۴) ويصح شرط الخيار في الاجارة كما في

[۱۲۲۸] (۷۳) اگر متعاقدين میں سے کوئی ایک مر جائے اور حال یہ تھا کہ اجارہ اپنے لئے کیا تھا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اگر عقد کیا تھا اس کا غیر کے لئے تو فسخ نہیں ہوگا۔

تشریح مستاجر نے اپنے لئے عقد اجارہ کیا تھا۔ وکیل بکریا وصی بکریا اور کے لئے نہیں کیا تھا اور خود مستاجر کا انتقال ہو گیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ اسی طرح اجیر نے اپنے لئے اجارہ کیا تھا۔ وکیل بکریا وصی بن کر کسی اور کے لئے عقد اجارہ نہیں کیا تھا اور اجیر کا انتقال ہو گیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

مذہب (۱) مستاجر نے اپنے لئے منفعت لیا تھا اور اب مستاجر ہی دنیا میں نہیں رہا تو منفعت کون لے گا؟ اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ اسی طرح اجیر مزدور نے کہا تھا کہ میں خود مزدوری کروں گا اور وہ دنیا میں نہیں رہا تو اب کون مزدوری کرے گا؟ دوسرا آدمی مزدوری کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله (الف) (مسلم شریف، باب ما یلحق الانسان من الثوب بعد وفاته ص ۴۱ نمبر ۶۳۱ کتاب الوصیۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان مر جائے تو اس کے ذاتی معاملات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

اور اگر وکیل یا وصی یا امیر المؤمنین بکریا دوسرے کے لئے اجارہ کیا اور وہ لوگ باقی ہیں البتہ خود وکیل، وصی یا امیر المؤمنین کا انتقال ہو گیا تو اجارہ باقی رہے گا۔

مذہب (۱) کیونکہ جس کے لئے اجارہ کیا تھا وہ موجود ہیں اس لئے وہ اجارہ کو ڈیل کر سکتے ہیں۔ اس لئے اجارہ باقی رہے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اہل خیبر سے امیر ہونے کی حیثیت سے اجارہ کیا تھا اس لئے آپؐ کے وصال کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی زندگی تک اجارہ باقی رہا۔ حضرت عمرؓ نے اہل خیبر کواریحاء تک جلاوطن کر کے اجارہ توڑا تھا۔ اثر میں ہے قال ابن عمر اعطى النبی ﷺ خیبر بالشرط فكان ذلك على عهد النبی ﷺ وابی بکر وصدرا من خلافة عمر ولم يذكر ان ابا بکر جدد الاجارة بعد ما قبض النبی ﷺ (ب) بخاری شریف، باب اذا استأجر ارضاً مات احدھما ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۵) اس اثر میں ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد بھی اہل خیبر کا اجارہ باقی رہا۔ کیونکہ آپؐ نے امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے اجارہ کیا تھا۔

[۱۲۲۹] (۷۴) اور صحیح ہے خیاب شرط اجارہ میں جیسے کہ صحیح ہے بیع میں۔

حاشیہ : (الف) جب انسان مر جائے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال منقطع نہیں ہوتے ہیں۔ مگر صدقہ جاریہ یا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے (ب) حضورؐ نے خیبر کو آدھے بٹائی پر دیا تھا تو یہ حضورؐ، ابوبکر اور خلافت عمر کے شروع زمانے تک رہا اور کسی نے ایسا تذکرہ نہیں کیا کہ ابوبکر نے حضورؐ کی وفات کے بعد اجارہ کی تجدید کی ہو۔

البيع [۱۲۳۰] (۷۵) وتنفسخ الاجارة بالاعذار [۱۲۳۱] (۷۶) کمن استأجر دکانا فی السوق لیتجر فیہ فذهب ماله.

تشریح عقد اجارہ کر لیا پھر کہا کہ مجھے تین دن کا اختیار دو، مجھے سوچنے دو کہ یہ اجارہ قائم رکھوں یا نہیں تو ایسا اختیار شرط لے سکتا ہے۔
وجہ بیع کرنے کے بعد اس میں اختیار شرط لے سکتا تھا تو اجارہ بھی عقد ہے اس لئے اس میں بھی اختیار شرط لے سکتا ہے (۲) بیع کے لئے اختیار شرط کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ان المتبايعين بالخيار في بيعهما مالم يتفقا (الف) (بخاری شریف، باب کم يجوز الخيار ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۷ مسلم شریف، باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين ج ثانی ص ۶ نمبر ۱۵۳۱) اور دارقطنی میں ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال الخيار ثلاثة ايام (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۸ نمبر ۲۹۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بائع اور مشتری کو تین دن کے اختیار شرط لینے کا اختیار ہے۔ اس لئے اجارہ میں بھی تین دن تک اختیار شرط لینے کا اختیار ہوگا۔
 [۱۲۳۰] (۷۵) اور اجارہ فسخ ہو جائے گا عذروں کی وجہ سے۔

تشریح مستاجر نے مثلاً دوکان اجرت پر لی اور دوکان برقرار رکھنے کی رقم ختم ہو گئی اب اگر دوکان کرایہ پر رکھتا ہے تو مشقت شدیدہ کا خطرہ ہے۔ ایسی مشقت شدیدہ کے وقت اجارہ ختم ہو جائے گا تاکہ انسان کو مشقت شدیدہ سے بچایا جاسکے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار من ضرار ضره الله ومن شاق شق الله عليه (ج) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۴ نمبر ۳۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلا وجہ آدمی کو نہ نقصان دینا چاہئے اور نہ مشقت میں پھانسا چاہئے۔ اور مستاجر چونکہ کرایہ کی وجہ سے ناگہانی مشقت میں پھنس گیا ہے اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من اقال مسلما اقاله الله عشرته (د) (ابوداؤد شریف، باب فی فضل الاقالہ ص ۳۴ نمبر ۳۴۶۰) اس حدیث میں ہے کہ بیع کرنے کے بعد اس کو واپس لے لے اور اقالہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف کر دیں گے۔ اسی طرح مجبوری کے وقت اجارہ فسخ کرنے کی گنجائش دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرمائیں گے۔

[۱۲۳۱] (۷۶) جیسے اجرت پر لیا دکان کو بازار میں تاکہ اس میں تجارت کرے پھر اس کا مال ضائع ہو گیا۔

تشریح بازار میں دکان کرایہ پر لیا تاکہ اس میں تجارت کرے لیکن بعد میں تجارت کرنے کا مال ضائع ہو گیا۔ اب تجارت کرنے سے مجبور ہے۔ پس اگر ابھی بھی دکان کرایے پر رکھے گا تو خواہ مخواہ مستاجر پر کرایہ چڑھے گا۔ اس لئے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

نوٹ اگر عذر پوشیدہ ہو اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو قاضی کے ذریعہ اجارہ توڑ دئے خود اجارہ نہیں توڑ سکتا ہے۔ اور اگر عذر ظاہر ہے اور سبھی دیکھ رہے ہیں کہ مستاجر مجبور ہو گیا تو خود بھی اجارہ توڑ سکتا ہے۔ (وجہ اوپر گزر گئی)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری کو بیع میں اختیار شرط ہے جب تک دونوں الگ نہ ہوں (ب) آپؐ نے فرمایا اختیار شرط تین دن تک ہوتا ہے (ج) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان دواور نہ نقصان اٹھاؤ۔ جس نے کسی کو نقصان دیا اللہ اس کو نقصان دے گا، جس نے کسی کو مشقت میں ڈالا تو اللہ اس کو مشقت میں ڈالے گا (د) جس نے کسی مسلمان سے اقالہ کیا اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

[۱۲۳۲] (۷۷) و کمن آجر دارا او دکانا ثم افلس فلزمته دیون لا يقدر علی قضائها الا من ثمن ما آجر فسخ القاضی العقد و باعها فی الدین [۱۲۳۳] (۷۸) و من استأجر دابة لیسافر علیها ثم بدا من السفر فهو عذر [۱۲۳۴] (۷۹) وان بدا للمکارى من السفر فلیس ذلک عذر.

[۱۲۳۲] (۷۷) یا کسی نے گھریا دکان اجرت پردی پھر مفلس ہو گیا اور اس کو اتنا دین لازم ہو گیا کہ اس کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہے مگر جس چیز کو اجرت پر رکھا ہے اس کی قیمت سے تو قاضی فسخ کر دے گا عقد کو اور بیچ دے گا اس کو دین میں۔

تشریح مثلاً زید نے دکان کرایہ پر کسی کو دی۔ بعد میں زید مفلس ہو گیا اور اس پر لوگوں کا قرض آ گیا۔ اب اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ اجرت پردی ہوئی دکان بیچے اور اس کی قیمت سے قرض ادا کرے تو ایسی صورت میں قاضی عقد اجارہ کو فسخ کرے گا اور زید کی دکان کو بیچے گا اور اس کی قیمت سے لوگوں کا قرض ادا کرے گا۔

اصول عذر شدید سے اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔

[۱۲۳۳] (۷۸) کسی نے اجرت پر چوپایہ لیا تاکہ اس پر سفر کرے پھر ارادہ ملتوی ہو گیا تو یہ عذر ہے۔

تشریح سفر پر جانے کے لئے اجرت پر چوپایہ لیا پھر بعد میں خیال ہوا کہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سفر پر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تو یہ بھی عذر ہے جسکی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

وجہ مثلاً حج پر جانا تھا اور حج کا وقت نکل گیا یا قرض وصول کرنے جانا تھا اور گھر پر ہی قرض دے گیا اب اس کے باوجود سفر کرے گا تو مشقت شدید ہوگی اس لئے یہ عذر ہے اور اس کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

نکتہ بدا : ظاہر ہوا، ارادہ ملتوی ہو گیا۔

[۱۲۳۴] (۷۹) اور اگر کرایہ پردینے والے کا ارادہ ملتوی ہو گیا سفر سے تو یہ عذر نہیں ہے۔

تشریح مثلاً زید نے کہا تھا کہ میں عمر کو اپنے چوپائے پر بٹھا کر سفر پر لے جاؤں گا اور اتنی اجرت لوں گا۔ بعد میں زید کا ارادہ ملتوی ہو گیا یا کوئی عذر پیش آ گیا تو یہ عذر نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے اجارہ فسخ نہیں کر سکتا۔

وجہ خود نہ جاسکے تو کسی شاگرد کو یا کسی مزدور کو چوپایہ دے کر زید کے ساتھ بھیج سکتا ہے۔ اس لئے زید کے ارادہ کا ملتوی ہونا کوئی عذر نہیں ہے

نوٹ یہ اس صورت میں ہے کہ زید بہت مجبور نہ ہو۔ دوسرا مزدور ملتا ہو اور دوسرے کے ہاتھ میں دینے سے جانور خراب نہ ہو جائے۔ پس اگر زید جانے سے مجبور ہو مثلاً بیمار ہو گیا اور مزدور بھی جانے کے لئے نہ ملتا ہو یا مزدور کے ہاتھ میں دینے سے گاڑی یا چوپایہ خراب ہونے کا خطرہ ہو یہ عذر ہے جس کی وجہ سے زید مکرری اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

نکتہ المکارى : کرایہ پردینے والا آدمی۔

﴿ کتاب الشفعة ﴾

[۱۲۳۵] (۱) الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع ثم للخليط في حق المبيع كالشرب

﴿ کتاب الشفعة ﴾

ضروری نوٹ شفعہ کے معنی ہیں ملانا، چونکہ اپنی زمین کے ساتھ دوسرے کی زمین کو ملانا ہوتا ہے اس لئے اس کو حق شفعہ کہتے ہیں۔ کسی کی زمین یا غیر منقول جائیداد تک رہی ہو اور دوسروں کو نہ خریدنے دے اور شریک یا پڑوس خود خرید لے اس کو حق شفعہ کہتے ہیں۔ اس حق کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ سمع ابا رافع سمع النبی ﷺ يقول الجار احق بسقبة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۶ بخاری شریف، باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل المبیع ص ۳۰۰ نمبر ۲۴۵۸ ترمذی شریف، باب ما جاء فی الشفعة للغائب ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوس کو حق شفعہ ہے۔

[۱۲۳۵] (۱) شفعہ واجب ہے نفس مبیع میں شریک کے لئے، پھر حق مبیع مثلاً پانی اور راستے میں شریک کے لئے، پھر پڑوس کے لئے۔

تشریح زمین اور جائیداد کے ساتھ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خود زمین میں شریک ہو کہ مثلاً آدھی اس کی زمین ہے اور آدھی اس کی زمین ہے۔ اس کو 'مبیع میں شریک' کہتے ہیں۔ زمین کے تو اس کو خریدنے کا زیادہ حق ہے ورنہ دوسرا کوئی خراب شریک آئے گا تو اس کو نقصان ہوگا۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو خود زمین میں تو شریک نہیں ہیں لیکن زمین کا جو حق ہے مثلاً زمین پر آنے کا راستہ یا زمین میں پانی آنے کی نالی اس میں لوگ شریک ہیں ان کو حق مبیع میں شریک' کہتے ہیں۔ ان کو دوسرے نمبر پر حق شفعہ ملتا ہے کہ مبیع میں شریک نہ لے تو حق مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق ہوگا۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو نہ مبیع میں شریک ہیں اور نہ مبیع کے راستے یا پانی میں شریک ہیں۔ البتہ مبیع سے سٹی ہوئی اس کی زمین ہے جس کو پڑوس کہتے ہیں ان کو تیسرے نمبر پر حق شفعہ ملے گا۔ مبیع میں شریک اور حق مبیع میں شریک نہ لیں تو اب مبیع کے پڑوس والوں کو شفعہ کا حق ملے گا کہ وہ لوگ اس بکنے والی زمین کو حق شفعہ کے ماتحت خریدیں۔ اور یہ تینوں قسم کے لوگ نہ خریدیں تب باہر کے لوگوں کو خریدنے کا حق ہوگا۔

وجہ (۱) اگر ان لوگوں کو حق شفعہ نہ ملے اور دوسرے لوگ بیچ میں آجائیں تو ان لوگوں کو تکلیف ہوگی اس لئے شریعت نے مناسب قیمت میں ان لوگوں کو پہلے خریدنے کا حقد یا ہے۔ ترتیب کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ سمعت الشعبي يقول قال رسول الله ﷺ الشفيع اولى من الجار والجار اولى من الجنب (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالجواز والخليط احق، ج ثامن، ص ۷۹، نمبر ۱۴۳۹۰ مصنف ابن ابی شیبہ ۴۰۲ من كان يقضي بالشفعة للجار، ج رابع، ص ۵۲۱ نمبر ۲۲۷۱) اس حدیث میں شفعہ سے مراد شریک ہے کیونکہ دوسرے اثر میں الخليط احق من الشفيع والشفيع احق ممن سواه (ج) (مصنف عبدالرزاق، ج ثامن، ص ۷۸، نمبر ۱۴۳۸۶) کی عبارت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حق شریک فی نفس المبیع کا، دوسرا حق شریک فی حق المبیع کا اور تیسرا حق پڑوس کا ہے۔ اور

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا پڑوس شفعہ کا زیادہ حقدار ہے (ب) آپؐ نے فرمایا شفعہ یعنی شریک زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے قریب والے سے (ج) شریک زیادہ حقدار ہے شفعہ سے اور شفعہ زیادہ حقدار ہے اس کے علاوہ ہے۔

والطریق ثم للجار [۱۲۳۶] (۲) ولیس للشریک فی الطریق والشرب والجار شفعة مع

ہر ایک کو حق کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن جابر قال قضی رسول اللہ بالشفعة فی کل شركة لم تقسم ربعة او حائط لا یحل له ان یشیع حتی یوذن شریکہ فان شاء اخذ وان شاء ترک فاذا باع ولم یؤذنه فهو احق به (الف) (مسلم شریف، باب الشفعة ص ۲۰ نمبر ۱۶۰۸/۴۱۲۸/۱ بوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک کو حق شفعة ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین اور باغ جو غیر منقول جائیداد ہیں ان میں حق شفعة ہے۔ اور پڑوس کو حق شفعة ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سمرۃ عن النبی ﷺ جار الدار احق بدار الجار او الارض (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۷/ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعة ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوس کو بھی حق شفعة ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف شریک فی المبیع اور شریک فی حق المبیع یعنی بیع کے راستے اور پانی پلانے کے حق میں شریک ہیں صرف ان کو حق شفعة ملتا ہے۔ جو صرف پڑوس میں ہیں ان کو حق شفعة نہیں ملتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال قضی النبی ﷺ بالشفعة فی کل مال لم یقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة (ج) (بخاری شریف، باب الشفعة فیما لم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۷/ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۴/ترمذی شریف، باب ماجاء اذا حدث الحدود وقعت السهام فلا شفعة ص ۲۵۴ نمبر ۱۳۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرکت ختم ہو جائے اور دونوں کے راستے الگ الگ ہو جائیں یعنی بیع کے راستے میں بھی شریک نہ ہو تو اب شفعة نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل اوپر کی حدیث ہے۔

لغت الخلیط : شریک

[۱۲۳۶] (۲) راستے میں اور پانی پلانے میں شریک کے لئے اور پڑوس کے لئے حق شفعة نہیں ہے بیع میں شریک کے ہوتے ہوئے۔ پس اگر شریک چھوڑ دے تو راستے میں شریک کے لئے ہوگا، پس اگر وہ بھی چھوڑ دے تو اس کو پڑوس لے گا۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے بیع میں شریک کو حق شفعة ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے حق بیع میں شریک یا پڑوس کو حق نہیں ہے۔ وہ نہ لے تو حق بیع میں شریک کو حق شفعة ہے۔ حق بیع میں شریک کا مطلب یہ ہے کہ بیع کے راستے میں شریک ہے یا بیع میں پانی آنے کی نالی میں شریک ہے۔ وہ بھی نہ ہو یا ہو لیکن نہ لینا چاہتا ہو تو پڑوس کو حق شفعة ہے۔ اور وہ بھی نہ ہو یا ہو لیکن نہ لینا چاہتا ہو تب دوسروں کو لینے کا حق ہے

وجہ اوپر حدیث مرسل میں اس ترتیب کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ سمعت الشعبي يقول قال رسول الله ﷺ الشفيع اولی من الجار والجار اولی من العنب (د) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالجواز والخلیط احق، ج ثامن، ص ۷۹، نمبر ۱۴۳۹/مصنف ابن ابی شیبہ حاشیہ : (الف) آپؐ نے شفعة کا فیصلہ کیا ہر شرکت کی چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو، زمین ہو یا باغ ہو۔ نہیں حلال ہے کہ بیچے یہاں تک کہ شریک اس کی اجازت دے۔ پس اگر چاہے تو شریک لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ پس اگر بیچا اور شریک کو اطلاع نہیں دی تو وہ اس بیع کا زیادہ حق دار ہے (ب) آپؐ سے مروی ہے کہ گھر کا پڑوسی گھر اور زمین کا زیادہ حقدار ہے (ج) آپؐ نے شفعة کا فیصلہ کیا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوتی ہو۔ پس جب حدود واقع ہو جائیں اور راستے بدل جائیں تو کوئی شفعة نہیں ہے (د) آپؐ نے فرمایا شفیع یعنی شریک زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے قریب والے سے۔

الخليط فان سلم الخليط فالشفعة للشريك في الطريق فان سلم اخذها الجار
[۲۳۷] (۳) والشفعة تجب بعقد البيع وتستقر بالاشهاد وتملك بالاخذ اذا سلمها

۴۰۲ من كان يقضي بالشفعة للجار، ج رابع، ص ۲۲۷ (۲) اس حدیث سے اس ترتیب کا پتہ چلا (۲) یوں بھی بیع میں شریک زیادہ قوی ہے۔ اور حق بیع میں شریک اس سے کم اور پڑوس ان سے بھی کم ہے اس لئے اس ترتیب سے حق شفعہ ملنا چاہئے۔ ایک اور اثر ہے۔ عن شريح قال الخليط احق من الشفيع والشفيع احق من الجار والجار احق ممن سواه (الف) مصنف ابن ابی شیبہ ۴۰۲ من كان يقضي بالشفعة للجار ج خامس ص ۳۲۶ اس اثر سے بھی ترتیب کا پتہ چلا۔

نکتہ سلم : سپرد کردیا، چھوڑ دیا۔ شرب : زمین میں پانی پلانے کا حق، نالی۔

[۲۳۷] (۳) شفعہ ثابت ہوتا ہے عقد بیع کے بعد اور پختہ ہو جاتا ہے گواہ بنانے سے اور مالک ہو جاتا ہے لے لینے سے جب مشتری شفعہ کو دیدے یا حاکم دینے کا حکم کر دے۔

تشریح اس عبارت میں تین باتیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب بائع اس زمین کو بیچ رہا ہو اور اپنی ملکیت سے نکال رہا ہو تب شفعہ کو حق شفعہ کے ذریعہ سے اس کو لینے کا حق ہوتا ہے۔

مذہب (۱) اگر زمین بیچ نہیں رہا ہو تو حق شفعہ کیسے ہوگا؟ (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ... فان باع فهو احق به حتى يوذنه (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بیچتے تب شفعہ کو حق شفعہ ہوگا (۳) اثر میں ہے۔ قال ابن ابی لیلی لا يقع له شفعة حتى يقع البيع فان شاء اخذ وان شاء ترك (ج) (۳) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفعۃ یا ذن قبل البيع کم وقتھا، ج ثامن، ص ۸۳، نمبر ۱۴۴۰) اس اثر میں ہے کہ بیع واقع ہو تب حق شفعہ ہوگا ورنہ نہیں۔ دوسری بات یہ بیان کی کہ شفعہ کے ذریعہ زمین لینے پر شفعہ فوری طور پر گواہ بنائے تب حق شفعہ مضبوط ہوگا۔ کیونکہ آگے قاضی کے ذریعہ اپنے لئے شفعہ کا فیصلہ بھی کروانا ہے اس لئے اس بات پر گواہ نہیں بنایا کہ ہاں میں نے علم ہوتے ہی کہا تھا کہ اس زمین کو لوں گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

مذہب دوسرے کی زمین اپنے لئے کرنا ہے اس لئے علم ہونے کے بعد ذرا سا بھی اعراض کرے گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الشفعة كحل العقال (د) (ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعة ص ۳۵۸ نمبر ۲۵۰ سنن للبیہقی، باب رواية الفاظ منكره يذکرها بعض الفقهاء فی مسائل الشفعة، ج سادس، ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۵۸۹) اس حدیث میں شفعہ کا معاملہ ایسا ہے جیسے اونٹ کی رسی کو کھولنا یعنی اس کو جلدی سے طلب کرو ورنہ حق ساقط ہو جائے گا (۳) اثر میں ہے۔ عن الشعبي قال من

حاشیہ : (الف) حضرت شریح نے فرمایا شریک فی المبیع زیادہ حقدار ہے شفعہ سے اور شفعہ زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے اس کے علاوہ سے نوٹ : یہاں شفعہ سے مراد راستے میں شریک ہے (ب) آپؐ نے فرمایا... پس اگر زمین بیچی تو شفعہ زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ وہ اس کو اطلاع دے (ج) حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا شفعہ کے لئے حق شفعہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ بیع واقع ہو۔ پس اگر چاہے تو لے اور چاہے تو چھوڑ دے (د) آپؐ نے فرمایا شفعہ رسی کھولنے کی طرح ہے۔

المشتري او حكم بها حاكم [۱۲۳۸] (۴) واذا علم الشفيع بالبيع اشهد في مجلسه ذلك على المطالبة ثم ينهض منه فيشهد على البائع ان كان المبيع في يده او على

بيعت شفيعته وهو شاهد لا ينكرها فقد ذهبت شفيعته (الف) (بخاری شریف، باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البيع ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۸، مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع ذن قبل البيع وکم وفتحا ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۵) اس اثر میں ہے کہ بیع ہوتے دیکھ رہا ہوا اور شفیع اس پر انکار نہ کرے تو حق شفیع ختم ہو جائے گا۔ اس لئے بکنے کا علم ہوتے ہی اس کو اپنے لینے پر گواہ بنانا چاہئے۔ اگر اعراض کیا تو ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن شریح قال انما الشفعة لمن واثبها (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع ذن قبل البيع وکم وفتحا ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جلدی سے کو درحق شفیع کا دعویٰ کرے گا تو اس کو حق ملے گا اور اگر اعراض کیا تو یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے جلدی سے دعویٰ کرنے پر گواہ بنانا ضروری ہے تاکہ قاضی کے سامنے یہ ثابت کیا جاسکے کہ میں نے بکنے کا علم ہوتے ہی حق شفیع کا دعویٰ کیا تھا۔ اور تیسری بات اس عبارت میں یہ بیان کی کہ مشتری بیع کو شفیع کے حوالے کر دے یا قاضی فیصلہ کر دے کہ یہ بیع شفیع کی ہے تب شفیع اس بیع کا مالک ہو جائے گا۔

مجمع بک جانے اور بیع کی بات طے ہو جانے کی وجہ سے یہ بیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے مشتری اس بیع سے دست بردار ہو جائے یا پھر قاضی اس کے لئے فیصلہ کر دے تو یہ بیع شفیع کی ملکیت ہو جائے گی۔

نکتہ تستقر : پختہ ہو جانا، مضبوط ہو جانا۔

[۱۲۳۸] (۴) جب شفیع کو بیع کا علم ہوا تو گواہ بنالے اسی مجلس میں مطالبے پر، پھر وہاں سے اٹھ کر گواہ بنائے بائع پر اگر بیع اس کے ہاتھ میں ہو یا مشتری پر یا زمین پر، پس جبکہ یہ کر لیا تو اس کا حق شفیع پختہ ہو گیا۔

تشریح حق شفیع ثابت کرنے کے لئے چار کام کرنے پڑیں گے۔ پہلا یہ کہ جیسے ہی بکنے کا علم ہو تو فوراً کہے کہ میں اس زمین کو خریدنا چاہتا ہوں۔ دوسرا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ اس دعویٰ پر گواہ بنائے۔ تیسرا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ بائع کے ہاتھ میں بیع ہے اس پر اور مشتری کے ہاتھ میں بیع ہے تو اس پر یا پھر جائیداد کے پاس جا کر گواہ بنائے کہ تم سب سن لو میں اس زمین کو حق شفیع کے ماتحت خریدنا چاہتا ہوں۔ اور چوتھا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ بلا تاخیر قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کرے کہ میں اس زمین کو حق شفیع کے ماتحت لینا چاہتا ہوں۔ اور گواہی پیش کر کے اپنا حق ثابت کرے تاکہ قاضی اس کے لئے زمین لینے کا فیصلہ کر سکے۔

مجمع چونکہ دوسرے کی زمین صرف ایک حق کے ماتحت لینی ہے اس لئے ذرا سے اعراض کرنے سے حق ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر حدیث گزری الشفعة كحل العقال (ج ۱) ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعة ص ۳۵۶ نمبر ۲۵۰۰) کہ شفیع رسی کھولنے کی طرح ہے کہ جوں ہی اعراض کیا تو حق شفیع ساقط ہو جائے گا (۳) قاضی شریح کا قول گزرا انما الشفعة لمن واثبها (د) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا جس کے سامنے شفیع کی چیز بک رہی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو اور اس کا انکار نہیں کرتا تو اس کا شفیع ختم ہو گیا (ب) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ حق شفیع اس کو ہے جو اس کو کو دکر لے لے (ج) حق شفیع رسی کے کھولنے کی طرح ہے (د) حق شفیع اس کو ہے جو اس کو کو دکر لے لے۔

المبتاع او عند العقار فاذا فعل ذلك استقرت شفעתه [۱۲۳۹] (۵) ولم تستقط بالتأخير عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وقال محمد ان ترکها من غیر عذر شهرا بعد الاشهاد بطلت شفעתه [۱۲۴۰] (۶) والشفعة واجبة فی العقار وان کان مما لا یقسم کالحمام والرحی

یا ذن قبل البیع کم وقتھا؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۲۴۰) کہ حق شفعة اس کو ملے گا جو دوڑ کر لے۔ اس لئے اس دوڑنے پر اور مطالبے پر دو موقع پر گواہ بنانا ہوگا۔ ایک معلوم ہونے کی مجلس میں اور دوسرا بائع کے پاس اگر اس کے پاس بیع ہو یا مشتری کے پاس یا پھر زمین کے اوپر۔ [۱۲۳۹] (۵) امام ابوحنیفہ کے نزدیک تاخیر کرنے سے حق شفعة ساقط نہیں ہوگا۔ اور فرمایا امام محمد نے اگر چھوڑ دیا بغیر عذر کے ایک ماہ گواہ بنانے کے بعد تو اس کا شفعة باطل ہو جائے گا۔

تشریح مجلس علم میں بھی گواہ بنالیا اور بائع کے پاس بھی حق شفعة کے ماتحت لینے پر گواہ بنالیا لیکن بغیر کسی عذر کے قاضی کے پاس مطالبے کے لئے نہیں گیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا حق شفعة ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ دو جگہ گواہ بنانے کے بعد حق شفعة مضبوط ہو گیا اس لئے مضبوط ہونے کے بعد قاضی کے پاس جانے میں تاخیر ہونے سے حق ساقط نہیں ہوگا۔ جب تک کہ زبان سے حق لینے کا انکار نہ کرے۔

اصول حق شفعة مضبوط ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوگا۔

امام محمد نے فرمایا کہ بغیر عذر کے قاضی کے پاس جانے میں زیادہ تاخیر کرنے سے مشتری کو نقصان ہوگا۔ وہ بلا وجہ انتظار میں رہے گا۔ اس لئے تاخیر کی حد متعین کر دی جائے کہ بغیر عذر کے ایک ماہ سے زیادہ تاخیر کرے تو حق شفعة ساقط ہو جائے گا۔

وجہ ایک ماہ کو قریب کی مدت کہتے ہیں اور ایک ماہ سے زیادہ کو دیر کی مدت کہتے ہیں، اس لئے ایک ماہ سے زیادہ تاخیر کرے گا تو حق شفعة ساقط ہو جائے گا۔

[۱۲۴۰] (۶) شفعة ثابت ہوتا ہے جائداد میں اگرچہ وہ ایسی ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام، پن چکی، کنواں اور چھوٹے مکان۔

تشریح جوزمین ہو یا زمین کی جنس سے ہو اس میں حق شفعة ہوتا ہے۔ اب چاہے وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو ہر حال میں حق شفعة ہوتا ہے۔ جیسے حمام، پچھلے زمانے کے خاص قسم کے غسلخانے کہ وہ تقسیم ہونے اور ٹکڑے ہونے سے کسی کام کے نہیں رہیں گے۔ پھر بھی اگر وہ بک رہے ہوں تو پڑوس کو حق شفعة ہوگا۔ یا پن چکی اور اس کی زمین کہ اس کو تقسیم کرنے سے کسی کام کی نہیں رہے گی۔ یا کنواں اور چھوٹے مکان دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ بک رہے ہوں تو ان میں حق شفعة ہوگا۔

وجہ حق شفعة پڑوسیت کے نقصان کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اور زمین کے علاوہ منقول جائداد ایسی ہے کہ وہ ایک جگہ نہیں رہتی کہ پڑوسیت کا نقصان ہو۔ البتہ زمین اور اس پر بننے والی عمارتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ ایک جگہ رہیں گی۔ جس کی وجہ سے پڑوسیوں کا نقصان ہوگا اس لئے زمین اور زمین پر بننے والی عمارتوں میں حق شفعة ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر قال قضی رسول اللہ ﷺ بالشفعة فی

والبئر والدور الصغار [۱۲۴۱] (۷) ولا شفعة فی البناء والنخل اذا بیع بدون العرصة
[۱۲۴۲] (۸) ولا شفعة فی العروض والسفن.

کل شرکت لم تقسم ربعة او حائط (الف) (مسلم شریف، باب الشفعة ج ثانی ص ۳۲ نمبر ۱۶۰۸ ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۳) اس حدیث میں تصریح ہے کہ زمین یا باغ میں حق شفعة ہے اس لئے زمین اور اس کی جنس میں حق شفعة ہوگا (۳) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا شفعة الا فی دار او عقار (ب) (سنن للبیہقی، باب لا شفعة فیما ینقل ویجوز، ج سادس، ص ۱۸۰ نمبر ۱۱۵۹) اس حدیث میں تو صراحت ہے کہ زمین اور گھر کے علاوہ کسی چیز میں حق شفعة نہیں ہے۔

اور دونوں حدیثوں میں کل کا لفظ لگا ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ چاہے وہ چیز تقسیم اور ٹکڑا ہو سکتی ہو تب بھی حق شفعة ہے اور تقسیم و ٹکڑا نہ ہو سکتی ہو تب بھی حق شفعة ہے۔ بخاری میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال قضی النبی بالشفعة فی کل مال یمسک (ج) (بخاری شریف، باب الشفعة فیما لم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵ ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۴) اس حدیث میں ہے کہ وہ چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو پھر بھی اس میں حق شفعة ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جو چیز تقسیم ہونے سے قابل استعمال نہ رہتی ہو اس میں حق شفعة نہیں ہے۔

لغت الحمام : خاص قسم کا غسانہ۔ الرجی : پن پکی۔ البئر : کنواں

[۱۲۴۱] (۷) اور حق شفعة نہیں ہے عمارت میں اور باغ میں جب بغیر زمین کے فروخت ہوں۔

تشریح عمارت کی دیوار بک رہی ہے لیکن اس کی زمین نہیں فروخت ہو رہی ہے، اسی طرح باغ فروخت ہو رہا ہے لیکن اس کی زمین فروخت نہیں کر رہا ہے تو حق شفعة نہیں ہوگا۔

مجاہد حق شفعة زمین کے بکنے سے ہوتا ہے اور یہاں زمین نہیں بک رہی ہے تو عمارت اور باغ منقولی جائیداد کی طرح ہو گئے اس لئے ان میں شفعة نہیں ملے گا۔ حدیث اوپر گزر گئی۔

لغت العرصة : میدان، زمین۔

[۱۲۴۲] (۸) سامان میں اور کشتیوں میں حق شفعة نہیں ہے۔

تشریح سامان و اسباب فروخت ہو رہے ہوں یا کشتی فروخت ہو رہی ہو تو ان میں حق شفعة نہیں ہوگا۔

مجاہد اوپر گزر چکا ہے کہ یہ منقول ہوتی رہتی ہیں اس لئے ان میں پڑوسیت کا نقصان نہیں ہے (۲) یہ بھی گزری کہ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا شفعة الا فی دار او عقار (د) (سنن للبیہقی، باب لا شفعة فیما ینقل ویجوز، ج سادس، ص ۱۸۰ نمبر ۱۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر اور زمین کے علاوہ میں شفعة نہیں ہے اس لئے اسباب اور کشتیوں میں حق شفعة نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے شفعة کا فیصلہ کیا ہر شرکت کی چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو زمین یا باغ (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں شفعة ہے مگر گھر میں یا زمین میں (ج) آپؐ نے شفعة کا فیصلہ فرمایا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو (د) آپؐ نے فرمایا نہیں شفعة مگر گھر میں یا زمین میں۔

[۱۲۴۳] (۹) والمسلم والذمی فی الشفعة سواء [۱۲۴۴] (۱۰) واذا ملک العقار بعوض هو مال وجبت فیہ الشفعة [۱۲۴۵] (۱۱) ولا شفعة فی الدار التی یتزوج الرجل

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک اگر شرکت ہو تو سامان میں بھی حق شفعہ ہوگا۔

مجا ان کی دلیل اوپر کی حدیث بخاری ہے۔ قضی النبی ﷺ بالشفعة فی کل مال یمقسم کہ تمام وہ چیزیں جو تقسیم نہ ہوئی ہوں ان میں حق شفعہ ہے۔ اس لئے سامان میں بھی اگر شرکت ہو تو اس میں بھی حق شفعہ ہوگا (۲) حدیث مرسل میں ہے۔ قال ابن ابی ملیکۃ قضی رسول اللہ ﷺ بالشفعة فی کل شیء (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب هل فی الحیوان والبنیوان النخل والدرین شفعة ج ثامن ص ۸۷ نمبر ۱۲۴۲۵ سنن للبیہقی، باب لا شفعة فیما یتقل ویحول، ج سادس، ص ۱۸۱، نمبر ۱۱۶۰۰) اس حدیث سے امام مالکؒ سامان اور کشتیوں میں بھی شفعہ کا حق دیتے ہیں۔

لغت السفن : جمع ہے سفینہ کی کشتی۔

[۱۲۴۳] (۹) مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں۔

تشریح یعنی جس طرح مسلمان کو حق شفعہ ہوگا اگر ذمی مسلمان کے پڑوس میں ہے تو اس کو بھی حق شفعہ ہوگا۔

مجا دار الاسلام میں ٹیکس دینے کے بعد ذمی کا حق بھی ان چیزوں میں مسلمان کی طرح ہو گیا اس لئے ذمی کو بھی حق شفعہ ملے گا (۲) اثر میں ہے۔ کتب عمر ابن عبد العزیز ان للیہودی شفعة (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب هل للکافر شفعة وللاعرابی ج ثامن ص ۸۴ نمبر ۱۲۴۱۲) اس اثر میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہودی کو حق شفعہ دیا ہے جو کافر کے درجے میں ہے۔ اس لئے کافر کو بھی حق شفعہ ہوگا۔ [۱۲۴۴] (۱۰) جب مالک ہو جائے ادا کا ایسے عوض کے بدلے جو مال ہو تو اس میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ مشتری ایسی چیز کے بدلے زمین لے جو خود شفعہ بھی دے سکتا ہو مثلاً درہم، دنانیر، چاول اور گیہوں کے بدلے میں زمین خریدے جو شفعہ بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسی چیز کے بدلے میں مشتری لے جو شفعہ نہیں دے سکتا تو حق شفعہ کیسے ہوگا۔ مثلاً بیوی کو مہر میں زمین دے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیوی بضعہ کے بدلے زمین لے رہی ہے اور شفعہ بضعہ نہیں دے سکتا اس لئے ایسی صورت میں شفعہ کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۵] (۱۱) اور نہیں شفعہ ہے اس گھر میں کہ شادی کرے آدمی اس پر۔

تشریح آدمی گھر کے بدلے میں شادی کرے یعنی گھر مہر میں دے تو اس گھر میں شفعہ کو حق شفعہ نہیں ہے۔

مجا مہر ہوتا ہے بضعہ کے بدلے میں اور شفعہ بضعہ نہیں دے سکتا اس لئے اس صورت میں حق شفعہ نہیں ہوگا (۲) مہر مال نہیں ہے۔ حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب مال کے بدلے زمین فروخت ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فیصلہ فرمایا شفعہ کا ہر چیز میں (ب) حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے لکھا کہ یہودی کے لئے بھی حق شفعہ ہے۔

عليها [۱۲۴۶] (۱۲) او تخالع المرأة بها او يستاجر بها دارا او يصلح من دم عمد او يعتق عليها عبدا [۱۲۴۷] (۱۳) او يصلح بانكار او سكوت [۱۲۴۸] (۱۴) فان صالح عنها باقرار وجبت فيه الشفعة.

[۱۲۴۶] (۱۲) یا عورت خلع کرے گھر کے بدلے یا اجرت پر لے اس کے بدلے کسی گھر کو یا صلح کرے دم عمد کے بدلے یا آزاد کرے گھر کے بدلے غلام کو۔

تشریح عورت گھر کو خلع میں شوہر کو دے تو اس گھر میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ خلع مال نہیں ہے۔ نیز خلع میں بضعہ چھڑانا ہوتا ہے جو شفعہ نہیں دے سکتا۔ اس عبارت میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ گھر کے بدلے میں کسی دوسرے کو اجرت پر لے تو اجرت پر لینا مال نہیں ہے جب تک کہ اس کو عقد کر کے مال کی حیثیت نہ دے۔ اس لئے اس گھر میں بھی حق شفعہ نہیں ہے۔ اس میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ آدمی نے عمد اور جان بوجھ کر قتل کر دیا تھا اس قتل کے بدلے گھر دے کر صلح کی تو اس گھر میں حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ دم عمد مال نہیں ہے۔ گھر شفعہ دم عمد میں نہیں دے سکتا۔ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ غلام سے گھر لیا اور اس کے بدلے غلام کو آزاد کیا تو اس گھر میں حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ غلام آزاد کرنا مال نہیں ہے اور شفعہ گھر کے بدلے آزاد کرنا نہیں دے سکتا اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۷] (۱۳) یا صلح کرے گھر کے بدلے انکار یا سکوت کے بدلے۔

تشریح مثلاً زید نے عمر پر دعویٰ کیا کہ تم پر میرے ایک ہزار درہم ہیں۔ عمر نے انکار کیا یا عمر چپ رہا۔ بعد میں عمر نے مجبوری کی وجہ سے گھر کے بدلے زید سے صلح کر لی تو اس صورت میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ انکار کرنے کے بعد یا چپ رہنے کے بعد جو صلح ہوتی ہے وہ مال کے بدلے میں نہیں ہوتی ہے بلکہ زید کے دباؤ اور مجبوری کی وجہ سے صلح کی ہے۔ تو چونکہ مال کے بدلے میں صلح نہیں ہے اس لئے حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۸] (۱۴) اگر صلح کی گھر کے بدلے اقرار کے ساتھ تو اس میں شفعہ ثابت ہے۔

تشریح مثلاً زید نے عمر پر ایک ہزار درہم کا دعویٰ کیا۔ عمر نے اقرار کیا کہ ہاں! مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم ہیں۔ البتہ اس کے بدلے صلح کے طور پر میرا گھر لے لیجئے تو اس صورت میں شفعہ ثابت ہوگا۔

وجہ اس صورت میں ایک ہزار قرض ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اس لئے اس گھر میں حق شفعہ ہوگا۔

اصول جہاں مبادلہ مام بالمال پایا جائے اور بیع کی صورت ہو وہاں حق شفعہ ہوگا۔ اس اصول کے لئے اس حدیث میں اشارہ ہے۔ عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال من كانت له ارض فاراد بيعها فليعرضها على جاره (الف) (ابن ماجہ شریف، باب من باع ربا عا فليؤذن شريكه ص ۳۵۷ نمبر ۲۴۹۳) اس حدیث میں ہے کہ جو بیچنے کا ارادہ کرے وہ پڑوس کو بتائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جہاں بیچنے کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس کی زمین ہو اور اس کو بیچنے کا ارادہ کرے تو اس کو اپنے پڑوس پر پیش کرنا چاہئے۔

[۱۲۴۹] (۱۵) واذا تقدم الشفيع الى القاضى فادعى الشراء وطلب الشفعة سأل القاضى المدعى عليه عنها فان اعترف بملكه الذى يشفع به والا كلفه باقامة البينة فان عجز عن البينة استحلف المشتري بالله ما يعلم انه مالک للذى ذكره مما يشفع به فان نكل عن اليمين او قامت للشفيع بينة سأل القاضى هل ابتاع ام لا فان انكر الابتاع قيل للشفيع اقم البينة فان عجز عنها استحلف المشتري بالله ما ابتاع او بالله ما يستحق على هذه الدار شفعة [۱۲۵۰] (۱۶) وتجوز المنازعة فى الشفعة وان لم يحضر الشفيع الثمن

صورت نہ ہو وہاں حق شفیع نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی کئی حدیثیں اور اثر پہلے گزر گئے۔

[۱۲۴۹] (۱۵) جب شفیع قاضی کے پاس جائے اور دعویٰ کرے خرید کا اور شفیع طلب کرے تو قاضی مدعی علیہ یعنی مشتری کو پوچھے گا اس کے بارے میں۔ پس اگر وہ اقرار کرے اس مکان کی ملکیت کا جس سے شفیع کا دعویٰ کر رہا ہے تو بہتر ہے ورنہ مدعی کو مکلف بنائے گا بینہ قائم کرنے کا۔ پس اگر مدعی بینہ سے عاجز ہو جائے تو مشتری سے قسم لے گا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ میں اس مکان کا مالک ہوں جس کے شفیع کا یہ دعویٰ کرتا ہے۔ اور اگر وہ انکار کرے قسم کھانے سے یا قائم ہو جائے شفیع کے لئے بینہ تو قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے پوچھے گا کہ تم نے خریدا ہے یا نہیں۔ پس اگر انکار کرے مشتری خریدنے کا تو شفیع سے کہا جائے گا کہ اس خریدنے پر ثبوت لاؤ۔ پس اگر شفیع بینہ لانے سے عاجز ہو جائے تو قسم لے مشتری سے کہ بخدا میں نے نہیں خریدا ہے۔ یا بخدا یہ اس مکان پر اس طرح شفیع کا مستحق نہیں ہے جس طرح اس نے ذکر کیا ہے۔

تشریح اس لمبی عبارت میں یہ ذکر کیا ہے کہ شفیع قاضی کے پاس جا کر شفیع کا مطالبہ کرے تو قاضی کس طرح مقدمے کی کارروائی کرے اور کس سے پہلے پوچھے۔ اس کارروائی میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ مدعی علیہ سے پوچھا جائے گا کہ مدعی جس بات کا دعویٰ کر رہا ہے کیا واقعی وہ بات صحیح ہے۔ اگر وہ اعتراف کر لے تو فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اعتراف نہ کرے تو مدعی سے گواہ طلب کیا جائے گا۔ اور وہ گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعی علیہ یعنی مشتری سے قسم لی جائے گی کہ مدعی جس بات کا دعویٰ کر رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کا دعویٰ صحیح ہے اس لئے پھر اس کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اس پوری عبارت کا حاصل یہی ہے۔

مجمع حدیث گزر چکی ہے۔ ان رسول الله ﷺ قال البينة على من ادعى واليمين على من انكر الا فى القسامة (الف) (دار قطنی نمبر ۳۱۶۶)

[۱۲۵۰] (۱۶) شفیع کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے چاہے شفیع مجلس قضاء میں قیمت حاضر نہ کیا ہو۔ اور جب قاضی اس کے لئے شفیع کا فیصلہ کر دے تو اس کو ثمن حاضر کرنا لازم ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا گواہ اس پر ہے جس نے دعویٰ کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسامت میں۔

الى مجلس القاضى واذا قضى القاضى له بالشفعة لزمه احضار الشمن [۱۲۵۱] (۱۷) وللشفيع ان يرد الدار بخيار العيب والرؤية [۱۲۵۲] (۱۸) وان احضر الشفيع البائع والمبيع فى يده فله ان يخاصمه فى الشفعة ولا يسمع القاضى البينة حتى يحضر

تشریح قاضی نے ابھی شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا ہے صرف مطالبہ شفعہ کا جھگڑا اٹھانا ہے تو چاہے ساتھ جائداد کی قیمت نہ لے گیا ہو پھر بھی جھگڑا اٹھانا جائز ہے۔ البتہ جب قاضی شفعہ کا فیصلہ کر دے تو جائداد کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔

مذہب شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد جائداد کو لینا ہے اس لئے اس کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔ ورنہ جائداد کیسے لے گا؟
فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ پہلے قیمت حاضر کرے تب قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ شفع مفلس ہو اس کے پاس جائداد کی قیمت نہ ہو تو اس کے لئے جائداد کا فیصلہ کرنا غلطی ہوگی۔ اس لئے پہلے مجلس قضا میں قیمت حاضر کرے بعد میں قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے۔
[۱۲۵۱] (۱۷) شفع کے لئے جائز ہے کہ گھر کو خیار عیب اور خیار رویت کے ماتحت واپس کر دے۔

تشریح حق شفعہ کے ماتحت گھر لینے کے بعد اس میں عیب دیکھا تو خیار عیب کے ماتحت گھر مالک کو واپس کر سکتا ہے۔ اسی طرح گھر کو دیکھا نہیں تھا اور حق شفعہ کے ماتحت خرید لیا اور بعد میں پسند نہیں آیا تو خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کر سکتا ہے۔

مذہب حق شفعہ کے ماتحت لینا بھی خریدنا ہے اس لئے جو خیار عام بیوع میں ملتے ہیں وہ حق شفعہ کے ماتحت خریدنے سے بھی ملیں گے۔ اور عام بیوع میں خیار عیب اور خیار رویت ملتے ہیں اس لئے حق شفعہ میں بھی ملیں گے۔

[۱۲۵۲] (۱۸) اگر شفع نے بائع کو حاضر کیا اور بیع اسی کے ہاتھ میں ہو تو شفع کے لئے جائز ہے کہ شفعہ کی بابت میں بائع سے جھگڑا کرے۔ اور قاضی بینہ کو نہیں سنے گا یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے۔ پس بیع فسخ کرے مشتری کی موجودگی میں۔ اور شفعہ کا فیصلہ کرے بائع پر اور خرچہ بھی اسی پر ڈالے۔

تشریح بیع ہونے کے بعد بیع مشتری کی ہو جاتی ہے۔ اور اس پر مشتری کا قبضہ ہو جائے تو بائع ایک اعتبار سے اجنبی سا ہو جاتا ہے اس لئے شفعہ کا مقدمہ مشتری پر چلتا ہے۔ اور فیصلہ بھی گویا مشتری کے خلاف ہوتا ہے۔ اور شفع مشتری ہی سے جائداد لیتا ہے۔ اس صورت میں مقدمہ اور لین دین کے تمام امور مشتری اور شفع کے درمیان طے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر بیع پر مشتری کا ابھی قبضہ نہ ہوا ہو اور جائداد بائع کے ہاتھ میں ہو اور شفع بائع کو مجلس قضا میں حاضر کرے تو مقدمہ بائع پر چلتا ہے اور لین دین کے سارے امور بائع اور شفع کے درمیان طے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ بیع کی وجہ سے بیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے قاضی کو دو کام کرنا ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ مشتری کی موجودگی کے بغیر شفع کے گواہ کی گواہی نہیں سنیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ مشتری کو مجلس قضا میں حاضر کرے۔ اور پہلے بائع اور مشتری کے درمیان ہونے والی بیع کو توڑ دے۔ اس بیع کو توڑنے کے بعد پھر مقدمہ اور لین دین کے سارے امور بائع اور شفع کے درمیان طے کرے۔ اور شفعہ کا فیصلہ بھی بائع پر کرے۔ ویجعل العہدۃ کا یہی مطلب ہے۔

المشتري فيفسخ البيع بمشهد منه ويقضى بالشفعة على البائع ويجعل العهدة عليه [۱۲۵۳] (۱۹) واذا ترك الشفيع الاشهاد حين علم بالبيع وهو يقدر على ذلك بطلت شفيعته [۱۲۵۴] (۲۰) وكذلك ان اشهد في المجلس ولم يشهد على احد المتعاقدين ولا عند العقار [۱۲۵۵] (۲۱) وان صالح من شفيعته على عوض اخذه بطلت الشفعة

مذ بیع بائع کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے شفیع کا ذمہ دار بائع ہوگا۔ لیکن چونکہ بیع ہو چکی ہے اور بیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے اس کو بھی حاضر ہونا ہوگا۔ اور پہلی بیع کو قاضی فسخ کرے گا۔

اصول چیز جس کے قبضے میں ہوتی ہے مقدمہ کارخ اسی کی طرف ہوتا ہے۔

لغت العهدة : بیع و ثراء میں ہونے والے امور۔

[۱۲۵۳] (۱۹) اگر چھوڑ دیا شفیع نے گواہ بنانا جب بیع کا علم ہوا حالانکہ وہ گواہ بنانے پر قادر تھا تو اس کا شفیع باطل ہو جائے گا۔

تشریح شفیع کو معلوم ہوا کہ فلاں جائیداد فروخت ہو رہی ہے اور وہ اس وقت حق شفیع کے طور پر لینے کے لئے گواہ بنانے پر قدرت رکھتا تھا۔ پھر بھی گواہ نہیں بنایا تو اس کا حق شفیع باطل ہو جائے گا۔

مذ گواہ نہ بنانا لینے سے اعراض کی دلیل ہے۔ اس لئے اعراض سے حق شفیع باطل ہو جائے گا (۲) اس نے طلب کے لئے مواثبت اور کوڈنے کا انداز اختیار نہیں کیا جو اثر اور حدیث کی رو سے ضروری تھا۔ اس لئے حق شفیع باطل ہو جائے گا (۳) حدیث اوپر گزر گئی۔ ایک اثر یہ بھی ہے۔ قال الشعبي من بيعت شفيعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له (الف) (بخاری شریف، باب عرض الشفيع على صاحبه قبل البيع ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۸) اس اثر میں ہے کہ فروخت ہوتے دیکھ رہا ہو اور شفیع کچھ حرکت نہیں کرتا ہے یعنی نہ طلب مواثبت کرتا ہے اور نہ اس پر گواہ بناتا ہے تو اس کا حق شفیع باطل ہو جائے گا۔

نوٹ مجبوری کی وجہ سے گواہ نہ بنا سکا تو حق شفیع ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۲۵۴] (۲۰) ایسے ہی اگر مجلس میں گواہ بنایا اور نہیں گواہ بنایا بائع اور مشتری میں سے کسی ایک پر اور نہ زمین کے پاس۔

تشریح شفیع کو دو مقامات پر گواہ بنانا چاہئے تھا (۱) جس مجلس میں فروخت ہونے کا علم ہوا اس میں۔ اور دوسری مرتبہ ان تمام جگہوں میں سے کسی ایک کے پاس، یا بائع کے پاس یا مشتری کے پاس یا کم از کم زمین کے پاس جا کر۔ لیکن شفیع نے مجلس علم میں گواہ بنایا لیکن بائع یا مشتری یا زمین کے پاس گواہ نہیں بنایا تو دوسری مرتبہ چونکہ گواہ نہیں بنایا اس لئے اس کا حق شفیع باطل ہو جائے گا۔

مذ گواہ نہ بنانے سے اعراض کا پتہ چلتا ہے۔ اور طلب مواثبت کی کمی ہو گئی اس لئے حق شفیع باطل ہو جائے گا۔

[۱۲۵۵] (۲۱) اگر صلح کر لی اپنے شفیع سے کسی عوض کے بدلے تو اس کا شفیع باطل ہو جائے گا اور عوض لوٹا دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا جس کے شفیع کی چیز بیچی جا رہی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو اور اس کو بدلتا نہیں ہے تو اس کے لئے حق شفیع نہیں ہے۔

ویرد العوض [۱۲۵۶] (۲۲) واذا مات الشفیع بطلت شفעתہ [۱۲۵۷] (۲۳) واذا مات المشتري لم تسقط الشفعة [۱۲۵۸] (۲۴) وان باع الشفیع ما يشفع به قبل ان يقضى له

تشریح مثلاً زید کو حق شفعہ تھا لیکن زمین لینے کے بجائے حق شفعہ کے بدلے مشتری سے کچھ مال لے لیا تا کہ حق شفعہ چھوڑ دے تو اس عوض لینے کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جس عوض پر صلح ہوئی تھی وہ بھی شفعہ کو نہیں ملے گا۔

وجہ شفعہ کو حق شفعہ ملا تھا زمین لینے کے لئے لیکن اس نے عوض لے کر زمین چھوڑ دی تو معلوم ہوا کہ زمین لینے سے اعراض کر رہا ہے۔ اور جو ہی اعراض کا پتہ چلے گا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جب حق شفعہ ہی نہیں رہا تو اس کے بدلے میں عوض کیسے لے گا؟ (۲) حق شفعہ کوئی مال نہیں ہے کہ اس کے بدلے میں عوض لے۔ وہ تو صرف ایک معنوی حق ہے۔ جب وہ باطل ہو گیا تو عوض جو لیا تھا وہ بھی واپس کرنا ہوگا۔

[۱۲۵۶] (۲۲) جب مر جائے شفعہ تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح مجلس علم میں گواہ بنایا، پھر مشتری پر گواہ بنایا، پھر قاضی کے یہاں حق شفعہ کا دعویٰ کیا۔ لیکن شفعہ کے فیصلے سے پہلے پہلے شفعہ کا انتقال ہو گیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اب اس بنیاد پر شفعہ کے ورثہ کو حق شفعہ کے دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

وجہ یہ ایک قسم کا معنوی حق ہے۔ اور معنوی حقوق ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ اس لئے حق شفعہ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا (۲) قاضی کے فیصلے کے وقت حق شفعہ بحال ہونا چاہئے تب وہ شفعہ کا فیصلہ کر سکیں گے۔ اور شفعہ کی موت کی وجہ سے حق شفعہ بحال نہ رہے گا اس لئے وہ اب شفعہ کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ البتہ قاضی شفعہ کا فیصلہ کر چکے ہوں اور جائیداد کی قیمت لانے سے پہلے شفعہ کا انتقال ہو گیا تو چونکہ فیصلہ ہو چکا ہے صرف قیمت حاضر کرنا باقی ہے اس لئے شفعہ کے ورثہ اس چیز کو قیمت دے کر لیں گے (۲) اثر میں ہے۔ قال الثوری سمعنا ان الشفعة لا تباع ولا توهب ولا تورث ولا تعاروہی لصاحبها الذی وقعت له (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفعۃ ذن قبل البیع وکم وقتھا؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰) اس اثر میں ہے کہ حق شفعہ وراثت کے طور پر منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ جس کے لئے حق شفعہ واقع ہوا ہو اسی کے لئے رہے گا۔ اور اس کے انتقال کے بعد حق شفعہ ختم ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وراثت کو حق شفعہ ملے گا۔

[۱۲۵۷] (۲۳) اگر مشتری مر جائے تو شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ بیع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد مشتری مرا ہے اس لئے یہ جائیداد مشتری کی ہو چکی ہے۔ اس لئے اس کے مرنے سے حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ حق شفعہ والا یعنی شفعہ موجود ہے۔ اور بیع ہو چکی ہے جس کی وجہ سے حق شفعہ ملتا ہے۔

[۱۲۵۸] (۲۴) اگر شفعہ بیچ دے اس زمین کو جس کے ذریعہ اس کو حق شفعہ تھا اس کے لئے شفعہ کے فیصلے سے پہلے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائیگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثوریؒ نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ شفعہ نہ بیچا جاسکتا ہے، نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے، نہ وارث ہو سکتا ہے اور نہ عاریت پر لیا جاسکتا ہے۔ وہ اسی شفعہ کے لئے ہے جس کے لئے شفعہ واقع ہوا۔

بالشفعة بطلت شفعتہ [۱۲۵۹] (۲۵) و وکیل البائع اذا باع وهو الشفیع فلا شفعة له [۱۲۶۰] (۲۶) وكذلك ان ضمن الشفیع الدرك عن البائع [۱۲۶۱] (۲۷) و وکیل المشتري اذا ابتاع وهو الشفیع فله الشفعة.

تشریح جس زمین کی وجہ سے شفیع کو حق شفعة ملا تھا شفعة کے فیصلے سے پہلے وہ زمین بیچ دی تو اس کا حق شفعة باطل ہو جائے گا۔

مذہب جس زمین کی بنا پر حق شفعة ملا تھا وہ زمین ہی شفیع کے پاس نہیں رہی تو حق شفعة کا فیصلہ کیسے ہوگا؟ کیونکہ فیصلہ ہونے تک زمین شفیع کے پاس رہنی چاہئے تب قاضی حق شفعة کا فیصلہ کر سکے گا۔

اصول فیصلہ تک حق شفعة کا سبب بحال رہنا ضروری ہے۔

[۱۲۵۹] (۲۵) بائع کا وکیل اگر بیچے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعة نہیں ہے۔

تشریح مثلاً زید نے عمر کو اپنا گھر بیچنے کا وکیل بنایا اور عمر پڑوسی ہونے کی وجہ سے اس گھر کا شفیع تھا۔ اب عمر نے گھر بیچا تو عمر کو اس گھر کا حق شفعة نہیں ہوگا۔

مذہب وکیل بیچنے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب اس نے بیچا اور بیچتے وقت خود خریدنے کا اظہار نہیں کیا تو گویا کہ اس نے لینے سے اعراض کیا اور طلب مواثبت نہیں کی اس لئے اس کو حق شفعة نہیں ملے گا (۲) اثر گزر چکا ہے۔ وقال الشعبي من بيعت شفعتہ وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له (الف) (بخاری شریف، نمبر ۲۲۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فروخت ہوتے دیکھ رہا ہوا اور کوئی حرکت نہیں کرتا ہو تو اس کو حق شفعة نہیں ملے گا۔

[۱۲۶۰] (۲۶) اور ایسے ہی اگر شفیع ضامن بن جائے عوارض کا بائع کی طرف سے۔

تشریح بائع نے زمین بیچی اور جو شفیع بننے والا تھا اس نے مشتری سے کہا کہ اگر اس زمین میں کسی کا حق وغیرہ نکلا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اس زمین میں کسی کا حق نہیں ہے آپ بے فکر ہو کر خرید لیجئے تو اب اس شفیع کو حق شفعة نہیں ملے گا۔

مذہب جب خود ہی کہا کہ اس زمین میں کسی کا حق وغیرہ نہیں ہے تو اب خود حق شفعة کا دعویٰ کیسے کرے گا؟ یہ گویا کہ حق شفعة سے اعراض کر رہا ہے۔ اس لئے اس کا حق شفعة باطل ہو جائے گا۔ اصول اور دلائل اوپر کئی بار گزر چکے ہیں۔

لغت الدرك : پانا، زمین و جائداد میں کسی کا حق ثابت ہونا۔

[۱۲۶۱] (۲۷) مشتری کا وکیل جب خریدے اور وہ شفیع بھی ہو تو اس کے لئے حق شفعة ہوگا۔

مذہب مشتری کے وکیل نے مشتری کے لئے خرید اہی اس لئے کہ یہ بیچ ہوگی تو مجھے حق شفعة کا دعویٰ کرنے کا موقع ملے گا۔ اس لئے اس کے خریدنے سے شفعة سے اعراض کا پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ ایک گونہ طلب مواثبت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے مشتری کے وکیل کو حق شفعة ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثعلبی نے فرمایا جس کے سامنے شفعة کی چیز بیچی جا رہی ہو اور وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور اس کو بدلتا نہ ہو تو اس کو حق شفعة نہیں ملے گا۔

[۱۲۶۲] (۲۸) ومن باع بشرط الخيار فلا شفعة للشفيع [۱۲۶۳] (۲۹) فان اسقط البائع الخيار وجبت الشفعة [۱۲۶۴] (۳۰) وان اشترى بشرط الخيار وجبت الشفعة [۱۲۶۵] (۳۱) ومن ابتاع دارا شراء فاسدا فلا شفعة فيها [۱۲۶۶] (۳۲) ولكل

[۱۲۶۲] (۲۸) اگر بیجا شرط اختیار کے ساتھ تو شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔

تشریح بائع نے زمین بیچی لیکن ابھی اختیار شرط لیا ہے کہ تین دن تک سوچنے دیں کہ اس زمین کو بیچوں گا یا نہیں۔ تو ابھی شفیع کو حق شفعہ کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے۔

مذہب بیع ہو گئی ہے لیکن بائع کے اختیار شرط کی وجہ سے نہ بیع مکمل ہوئی ہے اور نہ ان کی ملکیت سے بیع نکلی ہے۔ اس لئے ابھی شفیع کو حق شفعہ کے دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ہاں! جب اختیار شرط ختم کر کے بیع مکمل کر دے اور بیع مشتری کی ملکیت میں چلی جائے گی تب حق شفعہ کے دعویٰ کا حق ہوگا۔

[۱۲۶۳] (۲۹) پس اگر بائع اختیار شرط کو ساقط کر دے تو شفعہ ثابت ہو جائے گا۔

مذہب اختیار شرط ساقط کرنے کی وجہ سے بیع مکمل ہو گئی اور بیع مشتری کی ملکیت میں چلی گئی۔ اس لئے اب شفیع کو حق شفعہ ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ قال ابن ابی لیلی لا يقع له شفعة حتى يقع البيع (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یا ذن قبل البیع وکم وقتھا؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰) اس اثر میں ہے کہ بیع مکمل ہونے کے بعد شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۶۴] (۳۰) اور اگر شرط اختیار کے ساتھ خریدا تو شفعہ ثابت ہے۔

تشریح مشتری نے زمین خریدی اور تین دن تک سوچنے کے لئے اختیار شرط لی اور بائع نے اختیار شرط نہیں لی بلکہ اس نے اپنی جانب سے بیع مکمل کر دی تو شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔

مذہب چاہے مشتری کی ملکیت میں بیع داخل نہیں ہوئی ہو لیکن بائع کے بیع مکمل کرنے کی وجہ سے اس کی ملکیت سے بیع نکل چکی ہے۔ اور اس کی جانب سے بیع مکمل ہو چکی ہے اس لئے اس میں جو شفعہ ابھی سے ثابت ہو جائے گا۔

[۱۲۶۵] (۳۱) کسی نے گھر بیع فاسد کے ماتحت خریدا تو اس میں شفعہ نہیں ہے۔

مذہب بیع فاسد کو حتی الامکان توڑ دینا چاہئے۔ اس لئے مشتری کے قبضے سے پہلے تو بائع کی ملکیت سے بیع نکلی ہی نہیں۔ اس لئے حق شفعہ نہیں ہوگا۔ اور مشتری کا قبضہ ہو گیا ہو پھر بھی بیع توڑ دینے کا امکان ہے اس لئے ابھی حق شفعہ نہیں ہوگا۔ ہاں! بیع بالکل مکمل ہی کر دے اور توڑنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے تب حق شفعہ ہو جائے گا۔

[۱۲۶۶] (۳۲) اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو حق ہے بیع فسخ کرنے کا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا شفیع کے لئے شفعہ واقع نہیں ہوگا جب تک کہ بیع واقع نہ ہو جائے۔

واحد من المتعاقدين الفسخ [۱۲۶۷] (۳۳) فان سقط الفسخ وجبت الشفعة [۱۲۶۸] (۳۴) واذا اشترى الذمی دارا بخمر او خنزیر وشفیعها ذمی اخذها بمثل الخمر وقيمة الخنزیر [۱۲۶۹] (۳۵) وان كان شفیعها مسلما اخذها بقيمة الخمر والخنزیر [۱۲۷۰] (۳۶) ولا شفعة فی الهبة الا ان تكون بعوض مشروط.

مجا بیع فاسد اچھی بیع نہیں ہے اس لئے بائع اور مشتری دونوں کو حق ہے کہ اس کو توڑ دے۔

[۱۲۶۷] (۳۳) اگر فسخ ساقط کر دے تو شفعة واجب ہے۔

تشریح بیع فاسد کو بحال ہی رکھا اور توڑنے کا امکان ختم ہو گیا تو اب شفعة ہوگا۔

مجا کیونکہ اب مکمل طور پر بیع بائع کی ملکیت سے نکل گئی ہے۔ اس لئے اب اس کو حق شفعة ہوگا۔

[۱۲۶۸] (۳۴) اگر ذمی نے گھر شراب یا سور کے بدلے میں خریدا اور اس کا شفیع ذمی ہے تو گھر کو لے گا شراب کی مثل اور سور کی قیمت کے

عوض۔

تشریح ذمی نے کسی ذمی سے شراب کے بدلے یا سور کے بدلے گھر بیچا۔ اور اس گھر کا شفیع ذمی ہے تو جتنے شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی

شراب دے کر گھر لے لے۔

مجا شراب مثلی چیز ہے اس لئے جتنی شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی شراب میں گھر لے لے۔ اور ذمی کے لئے شراب جائز ہے اس لئے

دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور سور کے بدلے گھر کا ہے تو سوز و ذات القیم ہے۔ اس لئے اس سور کی قیمت جتنی ہو سکتی ہے اتنی رقم دے کر گھر

لے لے۔

[۱۲۶۹] (۳۵) اور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو لے گا گھر کو شراب اور سور کی قیمت کے بدلے۔

مجا شفیع مسلمان ہے اس لئے یہ نہ شراب دے سکتا ہے اور نہ سور دے سکتا ہے۔ اس لئے دونوں کی جتنی جتنی قیمت ہوگی اتنی رقم دے کر گھر

لے لے۔

[۱۲۷۰] (۳۶) اور ہبہ میں شفعة نہیں ہے مگر یہ کہ عوض کی شرط لگائی گئی ہو۔

تشریح مثلاً زید نے عمر کو زمین ہبہ کی تو اس زمین میں کسی کو حق شفعة نہیں ملے گا۔

مجا ہبہ میں مفت دینا ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں نہ بیع کی صورت پائی گئی اور نہ مبادلتہ المال بالمال پایا گیا جو شفعة ثابت ہونے کے لئے

ضروری تھی۔ اس لئے ہبہ میں حق شفعة نہیں ہوگا۔ البتہ اگر ہبہ کرتے وقت مالک زمین نے شرط لگائی کہ اتنی رقم دو تب ہبہ کروں گا تو اس صورت

میں حق شفعة ہوگا۔

مجا اس صورت میں ظاہری طور پر ہبہ ہے لیکن حقیقت میں بیع ہے۔ کیونکہ ایک طرف سے زمین دینا اور دوسری طرف سے رقم لینا ہے جو

[۱۲۷۱] (۳۷) واذا اختلف الشفیع والمشتري فی الثمن فالقول قول المشتري
 [۱۲۷۲] (۳۸) فان اقاما البينة فالبينة بينة الشفیع عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله
 [۱۲۷۳] (۳۹) وقال ابو یوسف رحمه الله البينة بينة المشتري [۱۲۷۴] (۴۰) واذا
 ادعى المشتري ثمننا اكثر وادعى البائع اقل منه ولم يقبض الثمن اخذها الشفیع بما قال

مبادلة المال بالمال کی شکل ہے۔ اس لئے اس صورت میں حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۷۱] (۳۷) اگر شفع اور مشتری اختلاف کر جائے ثمن میں تو مشتری کے قول کا اعتبار ہوگا۔

تشریح مثلاً مشتری کہتا ہے کہ اس زمین کو میں نے بائع سے ایک ہزار درہم میں خریدی ہے۔ اور شفع کہتا ہے کہ تم نے آٹھ سو درہم میں خریدا ہے۔ اور مجھ کو تم سے آٹھ سو میں زمین لینے کا حق ہے۔ اور شفع کے پاس آٹھ سو پر بیئہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مشتری کی بات مان لی جائے گی۔
مجب شفع آٹھ سو درہم دے کر زمین لینے کا مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے۔ اور مدعی کے پاس بیئہ نہیں ہے اس لئے مشتری منکر کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔

[۱۲۷۲] (۳۸) پس اگر شفع اور مشتری دونوں نے بیئہ قائم کر دیا تو شفع کا بیئہ معتبر ہوگا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک۔

تشریح شفع نے اس بات پر بیئہ قائم کیا کہ مشتری نے اس زمین کو آٹھ سو میں خریدا ہے۔ اور مشتری نے اس بات پر بیئہ قائم کیا کہ میں نے ایک ہزار میں خریدی ہے۔ تو طرفین فرماتے ہیں کہ شفع کا بیئہ قابل قبول ہوگا، مشتری کا نہیں۔

مجب شفع مدعی ہے کم قیمت سے خریدنے کا اور مشتری منکر ہے۔ اور حدیث کے اعتبار سے مدعی کی گواہی قابل قبول ہے۔ اس لئے شفع کی گواہی معتبر ہوگی۔

[۱۲۷۳] (۳۹) اور فرمایا امام ابو یوسف نے مشتری کا بیئہ معتبر ہوگا۔

مجب وہ فرماتے ہیں کہ مشتری زیادہ رقم میں خریدنے کا دعویدار ہے۔ اس لئے اس مسئلے میں وہ مدعی ہو گیا اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائیگی۔
اصول اس مسئلے میں اصل بات یہ ہے کہ مدعی کون ہے اور منکر کون ہے؟ جس امام کے یہاں جو مدعی ٹھہرا اس کی گواہی معتبر ہوئی اور جو منکر ٹھہرا اس کی بات قسم کے ساتھ مانی گئی۔

[۱۲۷۴] (۴۰) اگر دعویٰ کرے مشتری زیادہ ثمن کا اور بائع دعویٰ کرے اس سے کم کا اور بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفع اس کو لے گا اس قیمت میں جو بائع نے کہی۔ اور یہ مشتری کے ذمہ سے قیمت کم کرنا ہوگا۔

تشریح مثلاً عمر مشتری نے کہا کہ اس زمین کو زید سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہوں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ خالد شفع کو بھی ایک ہزار میں یہ زمین دوں گا۔ اور زید بائع نے کہا کہ میں نے عمر کے ہاتھ آٹھ سو میں زمین بیچی ہے۔ اور زید بائع نے ابھی تک زمین کی قیمت عمر مشتری سے نہیں لی ہے تو خالد شفع اس زمین کو عمر مشتری سے آٹھ سو درہم میں لے گا۔ اور یوں سمجھا جائے گا کہ زید بائع نے مشتری کے لئے دو سو درہم بعد

البائع وكان ذلك حطا عن المشتري [۱۲۷۵] (۴۱) وان كان قبض الثمن اخذها بما قال المشتري ولم يلتفت الى قول البائع [۱۲۷۶] (۴۲) واذا حط البائع عن المشتري بعض الثمن يسقط ذلك عن الشفيع [۱۲۷۷] (۴۳) وان حط جميع الثمن لم يسقط عن الشفيع [۱۲۷۸] (۴۴) واذا زاد المشتري للبائع في الثمن لم تلزم الزيادة للشفيع

میں کم کر دیئے۔ اور اب زید بائع بھی عمر مشتری سے آٹھ سو درہم ہی لے گا۔ کیونکہ اس نے خود ہی اقرار کیا کہ میں نے آٹھ سو درہم میں بیچی ہے۔

نکتہ حط : کم کرنا۔

[۱۲۷۵] (۴۱) اور اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا ہے تو لے گا شفیع اس قیمت میں جو مشتری نے کہی اور نہ توجہ دی جائے گی بائع کے قول کی طرف **وجہ** بائع نے قیمت پر قبضہ کر لیا تو اب وہ اس معاملے سے اجنبی ہو گیا۔ اب اس کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ اب معاملہ رہا شفیع اور مشتری کا۔ اور اوپر گزر چکا ہے کہ اس صورت میں شفیع مدعی ہے اور مشتری منکر ہے۔ اس لئے قسم کے ساتھ مشتری کی بات مان لی جائے گی مشتری کی۔ اور بینہ قبول کیا جائے گا شفیع کا۔

اصول اجنبی کی بات پر توجہ نہیں دی جائے گی۔

نکتہ لم يلتفت : توجہ نہیں دی جائے گی۔

[۱۲۷۶] (۴۲) اگر بائع نے مشتری سے بعض قیمت کم کر دی تو اتنی مقدار شفیع سے کم ہو جائے گی۔

تشریح مثلاً بائع نے پہلے ایک ہزار میں زمین بیچی تھی، بعد میں مشتری سے دو سو کم کر دی اور آٹھ سو میں دی تو شفیع سے بھی دو سو کم ہو جائیں گے۔ اور وہ اب آٹھ سو میں زمین لے گا۔

وجہ جس قیمت میں مشتری نے خریدی ہے قاعدہ یہ ہے کہ اسی قیمت میں شفیع بھی خریدنے کا حقدار ہے۔

اصول جس قیمت میں فروخت ہوئی ہے اسی قیمت میں شفیع خریدے گا۔

[۱۲۷۷] (۴۳) اور اگر تمام قیمت کم کر دے تو شفیع سے کچھ ساقط نہیں ہوگی۔

تشریح مثلاً ایک ہزار میں زمین بیچی، بعد میں بائع نے سب معاف کر دی تو شفیع سے کچھ ساقط نہیں ہوگی۔

وجہ کچھ معاف کرتا تو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتا اور شفیع سے بھی کم ہو جاتا۔ لیکن پوری قیمت معاف کر دی تو اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی۔ بلکہ الگ سے بعد میں معاف کرنا ہوا۔ اس لئے شفیع کو اب پوری قیمت ہی دینی ہوگی۔

[۱۲۷۸] (۴۴) اگر مشتری بائع کے لئے زیادہ کر دے ثمن میں تو شفیع کو یہ زیادتی لازم نہیں ہوگی۔

تشریح مثلاً ایک ہزار میں زمین بیچی، بعد میں مشتری نے اپنی خوشی سے بارہ سو دے دیئے تو یہ دو سو شفیع کو لازم نہیں ہوں گے۔ شفیع پہلی قیمت

[۱۲۷۹] (۴۵) واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بينهم على عدد رؤسهم ولا يعتبر باختلاف الاملاک [۱۲۸۰] (۴۶) ومن اشترى دارا بعرض اخذها الشفیع بقيمته.

ایک ہزار میں ہی زید سے لے گا۔

مجبہ یہ بہت ممکن ہے کہ مشتری نے زیادہ دے کر شفع کو دوسو درہم کے نقصان دینے کا ارادہ کیا ہوگا۔ اس لئے شریعت اس نقصان کی تلافی کرے گی اور بیع میں جو پہلی قیمت طے ہوئی ہے شفع کو وہی لازم ہوگی (۲) لا ضرر ولا ضرار، الحدیث۔

[۱۲۷۹] (۴۵) اگر کئی شفع جمع ہو جائیں تو حق شفعہ ان کے درمیان ان کی تعداد کے مطابق ہوگا اور ملکیتوں کے اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

تشریح مثلاً ایک زمین فروخت ہوئی اس کے چاروں طرف چار پڑوسی تھے یا چار حصے دار تھے۔ کسی کا حصہ زیادہ تھا کسی کا کم۔ تو چاروں کو برابر حق شفعہ ملے گا۔ حصے کی کمی زیادتی سے حق شفعہ میں کم زیادہ نہیں ہوگا۔

مجبہ حق شفعہ اتصال کی وجہ سے ملتا ہے یا شرکت کی وجہ سے ملتا ہے۔ اور اتصال اور شرکت میں سب شفع برابر ہیں۔ حصے میں کمی زیادتی اور چیز ہے۔ اس لئے حق شفعہ کی وجہ سے جو زمین ملے گی وہ سب کو برابر زمین ملے گی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الشعبي قال الشفعة على رؤوس الرجال وكذلك قال ابراهيم (الف) (مسنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالخصص اولى الرؤوس، ج ثامن، ص ۸۵، نمبر ۱۴۴۱۶/۱۴۴۱۵/مسنف ابن ابی شیبہ ۳۶۹ فی الشفعة علی رؤوس الرجال، ج رابع، ص ۵۰۳، نمبر ۲۲۵۳۰) اس اثر سے پتہ چلا کہ شفعہ تعداد شفع کے اعتبار سے ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جس شفع کا جتنا حصہ ہے اس حصے کی کمی زیادتی کی وجہ سے زمین بھی کم زیادہ ملے گی۔

مجبہ اثر میں ہے۔ عن عطاء قال الشفعة بالخصص (ب) (مسنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالخصص اولى الرؤوس، ج ثامن، ص ۸۵، نمبر ۱۴۴۱۸/مسنف ابن ابی شیبہ ۳۶۹ فی الشفعة علی رؤوس الرجال، ج رابع، ص ۵۰۳، نمبر ۲۲۵۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حصوں کے اعتبار سے شفعہ کی زمین تقسیم ہوگی۔ جس کا حصہ زیادہ ہوگا اس کو زمین زیادہ ملے گی اور جس کا حصہ کم ہوگا اس کو زمین کم ملے گی اور قیمت بھی کم دینی ہوگی۔

[۱۲۸۰] (۴۶) کسی نے گھر سامان کے بدلے خرید تو شفع اس کو اس کی قیمت سے لے گا۔

تشریح مشتری نے سامان کے بدلے زمین خریدی تو شفع اس سامان کی قیمت دے کر زمین خریدے گا۔ اس سامان کی جو قیمت ہوگی وہ دے کر مشتری سے زمین لے گا۔

مجبہ سامان ذواۃ القیم ہے۔ اس کی قیمت ہی لگتی ہے۔ اس کا مثل نہیں ہوتا اس لئے سامان کی قیمت دیکر زمین لے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعی نے فرمایا شفعہ آدمیوں کی تعداد کے اعتبار سے ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی نے بھی ایسا ہی فرمایا (ب) حضرت عطاء نے فرمایا شفعہ حصوں کے اعتبار سے ہے۔

[۱۲۸۱] (۴۷) وان اشتراها بمکیل او موزون اخذها بمثلہ [۱۲۸۲] (۴۸) وان باع عقارا بعقار اخذ الشفیع کل واحد منهما بقیمة الآخر [۱۲۸۳] (۴۹) واذا بلغ الشفیع انها بیعت بالف فسلم الشفعة ثم علم انها بیعت باقل من ذلک او بحنطة او شعیر قیمتها

[۱۲۸۱] (۴۷) اور اگر گھر کو کیلی یا وزنی چیزوں کے بدلے لیا ہے تو اس کو اس کے مثل لے لے۔

تشریح مثلاً دو سو کیلو گیہوں کے بدلے گھر خریدا ہے تو شفیع گیہوں کے مثل دو سو کیلو گیہوں دے کر گھر مشتری سے لیگا۔

مذہب گیہوں کیلی چیز ہے اور مثلی ہے۔ اس لئے اس کا مثل دے کر شفیع لے گا۔

[۱۲۸۲] (۴۸) اگر بیچاز مین کو زمین کے بدلے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے شفیع لیں گے دوسرے کی قیمت کے بدلے۔

تشریح مثلاً زید نے عمر کی زمین اپنی زمین کے بدلے خریدی جس کی بنا پر زید کی زمین کے شفیع کھڑے ہوئے اور عمر کی زمین کے شفیع بھی کھڑے ہوئے۔ اب زید کی زمین کی قیمت ایک ہزار تھی اور عمر کی زمین کی بازاری قیمت آٹھ سو تھی۔ اس لئے زید کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ عمر کی زمین کی قیمت جو آٹھ سو ہے اس کے بدلے میں لیں گے۔ اور عمر کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ زید کی زمین کی جو قیمت ایک ہزار ہے اس کے بدلے میں لیں گے۔

مذہب زید کی زمین کی قیمت عمر کی زمین ہے۔ اس لئے زید کے شفیع کے لئے عمر کی زمین کی قیمت لگے گی۔ اور عمر کی زمین کے شفیع کے لئے زید کی زمین کی قیمت لگے گی۔

لغت عقار : زمین۔

[۱۲۸۳] (۴۹) اگر شفیع کو خبر ملی کہ گھر ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس لئے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے۔ یا گیہوں کے بدلے میں یا جو کے بدلے میں فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے یا اس سے زیادہ ہے تو اس کا چھوڑنا باطل ہے اور اس کو حق شفعہ ہوگا۔

تشریح شفیع کو خبر ملی کہ گھر ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس وقت اس نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ بعد میں علم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے۔ تو پہلا چھوڑنا باطل ہوگا اور دوبارہ اس کو حق شفعہ ملے گا۔

مذہب شفیع نے کثرت ثمن کی وجہ سے حق شفعہ چھوڑا تھا۔ اس لئے اس کو اعراض نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اور بعد میں قیمت کی کمی کی وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح بعد میں معلوم ہوا کہ ایک ہزار کے بدلے میں بکا ہے اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ گیہوں کے بدلے بکا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے کے بدلے فروخت ہوا ہے تو اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

مذہب بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دیہاتی کے لئے ہزار درہم ادا کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن گیہوں کا ادا کرنا آسان ہوتا ہے اس لئے جب گیہوں کی خبر ملی تو رغبت پیدا ہوگئی اس لئے پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔ یہی حال ہر اس صورت میں ہے

الف او اکثر فتسلیمہ باطل ولہ الشفعة [۱۲۸۴] (۵۰) وان بان انها بیعت بدنانیر قیمتها
الف فلا شفعة له [۱۲۸۵] (۵۱) واذا قیل له ان المشتري فلان فسلم الشفعة ثم علم انه
غیره فله الشفعة [۱۲۸۶] (۵۲) ومن اشتری دارا لغيره فهو الخصم فی الشفعة الا ان

جب پہلے خبر ملے کہ اور جنس سے فروخت ہوا ہے جس پر شفع نے انکار کر دیا اور بعد میں خبر ملے کہ دوسری جنس سے فروخت ہوا ہے تو اس کو دو بارہ حق شفعہ ملے گا۔ کیونکہ پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے۔

اصول خلاف جنس کی خبر ملی تو حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۲۸۴] (۵۰) اور اگر ظاہر ہوا کہ فروخت ہوا ہے دینار کے بدلے جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی تو شفع کو شفعہ نہیں ملے گا۔

تشریح شفع کو خبر ملی کہ گھر دینار کے بدلے فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے۔ اس پر شفعہ کا انکار کر دیا۔ بعد میں خبر ملی کہ ایک ہزار درہم کے بدلے فروخت ہوا ہے اور اب دوبارہ حق شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کو اب حق شفعہ نہیں ملے گا۔

مجب کیونکہ درہم اور دینار دونوں شمن ہیں اور دونوں گویا ایک ہی جنس ہیں اس لئے پہلے ایک ہزار کی خبر ملی جس پر انکار کر دیا تو دوبارہ ایک ہزار کی خبر ملنے پر کیسے شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ حق شفعہ نہیں ملے گا۔

نکتہ بان : ظاہر ہوا۔

[۱۲۸۵] (۵۱) اور اگر شفع سے کہا گیا کہ خریدار فلاں ہے پس شفعہ چھوڑ دیا پھر جانا کہ اس کے علاوہ ہے تو اس کو حق شفعہ ہوگا۔

تشریح شفع کو خبر ملی کہ فلاں زمین کا خریدار مثلاً زید ہے اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ بعد میں اطلاع ملی کہ خریدار عمر ہے تو اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

مجب حق شفعہ ضرر جوار سے بچانے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے شفع کو جب معلوم ہوا کہ زید خرید رہا ہے جو شریف آدمی ہے۔ اس کی پڑوسیت سے نقصان نہیں ہوگا۔ اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ عمر خرید رہا ہے جو خطرناک آدمی ہے۔ اس کی پڑوسیت سے نقصان ہوگا اس لئے حق شفعہ کا دعویٰ کیا تو کر سکتا ہے۔ کیونکہ پہلا انکار اعراض پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

اصول ان مسائل میں یہی اصول کارفرما ہے کہ جو حرکت اعراض پر دلالت کرتی ہو اس سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جو حرکت اعراض پر دلالت نہ کرتی ہو اس سے حق شفعہ بحال رہے گا۔

[۱۲۸۶] (۵۲) کسی نے دوسرے کے لئے گھر خریدا تو وہی مدعی علیہ ہوگا شفعہ میں۔ مگر یہ کہ گھر کو مؤکل کے سپرد کر دے۔

تشریح مثلاً زید نے عمر کا وکیل بن کر عمر کے لئے گھر خریدا تو شفع حق شفعہ کے لئے زید ہی کو مدعی علیہ بنائے گا اور اسی پر مقدمہ دائر کرے گا۔ ابھی عمر کو نہیں۔ ہاں! اگر زید نے گھر عمر کو مؤکل کو سپرد کر دیا تو اب شفع عمر کو مؤکل کو مدعی علیہ بنائے گا۔

مجب جو گھر خریدتا ہے مشتری وہی مانا جاتا ہے۔ چاہے دوسرے کے لئے خریدا ہو۔ اور دعویٰ وغیرہ کے سارے حقوق خریدنے والے ہی ہر لا دا

يسلمها الى الموكل [۱۲۸۷] (۵۳) واذا باع دارا الا مقدار ذراع في طول الحد الذي يلي الشفيع فلا شفعة له [۱۲۸۸] (۵۴) وان ابتاع منها سهما بثمان ثم ابتاع بقيتها فالشفعة للجار في السهم الاول دون الثاني [۱۲۸۹] (۵۵) واذا ابتاعها بثمان ثم دفع اليه

جاتا ہے۔ تو اس صورت میں زید وکیل نے ظاہری طور پر خریدا ہے اس لئے وہی مدعی علیہ بنیں گے۔ اور موکل کے ہاتھ میں جانے کے بعد اب وہ گویا کہ اصل خریدار بن گئے اس لئے وہ مدعی علیہ بنیں گے۔

اصول تمام حقوق وکیل پر عائد ہوتے ہیں۔

لغت الخصم : مد مقابل، مدعی علیہ۔

[۱۲۸۷] (۵۳) اگر گھر بیچا مگر ایک ہاتھ چھوڑ کر اس طرف کی لمبائی سے جو شفع سے متصل ہے تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح شفع کو نہ دینے کا حیلہ کرنا ہے اس لئے پورا گھر بیچا مگر جس طرف شفع کی زمین پڑتی ہے اور اس کی پڑوسیت لگتی ہے اس طرف ایک ایک ہاتھ پوری لمبائی میں چھوڑ دیا نہیں بیچا۔ اب پڑوس شفع کو حق شفعہ کا دعویٰ کرنے کا موقع نہیں ہوگا۔

مذہب پڑوسیت کی وجہ سے حق شفعہ کا دعویٰ اس وقت کر سکتا تھا جب اس کے پڑوس کی متصل زمین فروخت ہو۔ اور یہاں ایسا ہوا کہ پڑوسیت کی زمین ایک ایک ہاتھ کبی ہی نہیں اس لئے شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔ اس نقشہ

میں بیچ کا حصہ نہیں بیچا اس لئے شفع کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

لغت : یلی : متصل ہے۔

[۱۲۸۸] (۵۴) اگر خریدار گھر میں سے ایک حصہ کچھ قیمت میں، پھر خریدا اس کا باقی حصہ تو پڑوس کے لئے شفعہ پہلے حصہ میں ہوگا۔

تشریح مثلاً ایک گھر ہے جس کی قیمت آٹھ ہزار درہم ہے۔ بائع نے اس کے آٹھ حصے بنائے اور ایک حصہ بیچ کر مشتری کو گھر میں شریک بنا لیا۔ بعد میں باقی سات حصے اسی مشتری کے ہاتھ بیچے۔ اب جو پڑوس شفع تھا اس کو پہلی مرتبہ جو ایک حصہ فروخت ہوا تھا اس میں حق شفعہ ملے گا۔ دوسری مرتبہ جو سات حصے فروخت ہوئے ان میں اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔ وہ سات حصے شریک کے ہی ہوں گے۔

مذہب پہلے بیچ میں شریک کو شفعہ کا حق ملتا ہے، پھر راستے میں شریک کو اور تیسرے درجے میں پڑوس کو شفعہ کا حق ملتا ہے۔ اس قاعدہ سے پہلی مرتبہ جب ایک حصہ فروخت ہو رہا تھا اس وقت اس گھر کا کوئی شریک نہیں تھا۔ اس لئے پڑوس کو حق شفعہ مل گیا۔ لیکن دوسری مرتبہ جب سات حصے فروخت ہو رہے تھے اس وقت مشتری اول گھر میں شریک ہو چکا تھا اس لئے شریک کو حق شفعہ ہوگا۔ پڑوس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

نوٹ یہ بھی پڑوسی شفع کو شفعہ سے محروم کرنے کا حیلہ ہے۔

[۱۲۸۹] (۵۵) اگر خریدار گھر کو ایک قیمت سے پھر بائع کو اس کے بدلے میں کپڑے دیئے تو شفعہ قیمت میں ہے نہ کہ کپڑے میں۔

تشریح مثلاً زید نے عمر سے ایک ہزار درہم کے بدلے زمین خریدی، بعد میں ایک ہزار درہم کے بجائے کپڑا دے دیا تو شفع مشتری سے ایک

ثوباً عوضاً عنه فالشفعة بالثمن دون الثوب [۱۲۹۰] (۵۶) ولا تكره الحيلة في اسقاط الشفعة عند ابي يوسف رحمه الله وقال محمد رحمه الله تكره [۱۲۹۱] (۵۷) واذا بنى المشتري او غرس ثم قضى للشفيع بالشفعة فهو بالخيار ان شاء اخذها بالثمن وقيمة

ہزار درہم کے بدلے زمین لے گا، کپڑے کے بدلے زمین نہیں لے گا۔

مجب زمین کی اصل قیمت شروع میں ایک ہزار درہم ہیں نہ کہ کپڑا۔ اس لئے ایک ہزار درہم کے بدلے زمین لے گا۔ اور اس میں شفیع سے جان چھڑانے کا حیلہ یہ ہے کہ تھوڑی سی زمین کی قیمت دو گنے، تین گنے درہم رکھ دیئے جائیں اور بعد میں اس درہم کے بدلے تھوڑے سے کپڑے دے دیئے جائے۔ اب شفیع خریدے گا تو دو گنی تین گنی قیمت دے کر خریدے گا۔ جس سے بائع اور مشتری کی جان چھوٹ جائے گی۔

[۱۲۹۰] (۵۶) حیلہ مکروہ نہیں ہے شفیع کے ساقط کرنے میں امام ابو یوسف کے نزدیک، امام محمد نے فرمایا مکروہ ہے۔

مجب امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ شفیع کا حق ابھی ثابت نہیں ہوا ہے اس لئے اس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے حیلہ کر سکتا ہے۔ حضرت کی نگاہ بائع اور مشتری کے نقصان کی طرف گئی ہے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ اس طرح حیلوں کا دروازہ کھول دیا جائے تو حق شفیع کا حکم ہی ختم ہو جائے گا۔ اس لئے ایسا حیلہ کرنا مکروہ ہے۔ ان کی نگاہ شفیع کے ضرر کی طرف گئی ہے۔

[۱۲۹۱] (۵۷) اگر مشتری نے مکان بنالیا یا باغ لگایا پھر شفیع کے لئے شفیع کا فیصلہ کیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو لے قیمت سے اور اکھڑے ہوئے مکان اور کٹے باغ کی قیمت دیکر اور چاہے تو مشتری کو اکھاڑے پر مجبور کرے۔

تشریح مشتری نے زمین خریدی اس کے بعد اس پر مکان بنالیا یا باغ لگالیا۔ اس کے بعد اس زمین کا فیصلہ شفیع کے لئے ہوا تو شفیع زمین کی قیمت دے گا۔ اور ٹوٹے ہوئے مکان کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے گا۔ اور زمین اور مکان اور باغ کو لے گا۔ یا پھر مشتری کو مجبور کرے گا کہ مکان توڑے اور باغ اکھاڑے۔ اور زمین مکمل خالی کر کے شفیع کے حوالے کرے۔

مجب مشتری نے زمین بائع سے خریدی ہے۔ حق شفیع کے فیصلے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حقیقت میں شفیع کی زمین تھی جس کو مشتری نے لی تھی۔ اور شفیع کی اجازت کے بغیر مشتری نے مکان بنایا تھا اور باغ لگایا تھا اس لئے مشتری پر مکان توڑنا اور باغ کو کاٹنا لازم ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر قال من بنى في ارض قوم بغير اذنهم فله نقضه وان بنى باذنهم فله قيمته (سنن للبیہقی، باب من بنى او غرس في ارض غيره ج ۶ ص ۹۱) اس اثر میں ہے کہ بغیر اجازت کے مکان بنایا تو اس کو توڑنا ضروری ہے۔ اس لئے یا تو ٹوٹے ہوئے مکان اور کٹے ہوئے باغ کی قیمت لیکر زنیع کے حوالے کرے۔ جو کم قیمت بہت کم ہوگی۔ یا مشتری باضابطہ مکان توڑے اور باغ کاٹے۔

فائدہ امام ابو یوسف اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشتری کو مکان توڑنے اور باغ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ شفیع چاہے تو زمین کی قیمت اور موجودہ حالت میں مکان اور باغ کی قیمت دے کر اس کو خریدے۔

مجب اس لئے کہ یہ زمین پہلے بائع کی تھی اور اس سے خریدی ہے۔ اور گویا کہ مشتری نے اپنی زمین میں مکان بنایا اور باغ لگایا ہے۔ شفیع کا حق تو

البناء والغرس مقلوعین وان شاء کلف المشتري بقلعه [۱۲۹۲] (۵۸) وان اخذها الشفیع فبنی او غرس ثم استحققت رجوع بالثمن ولا يرجع بقيمة البناء والغرس [۱۲۹۳] (۵۹) واذا انهدمت الدار او احترقت بناؤها او جف شجر البستان بغير عمل احد

بہت بعد میں ظاہر ہوا۔ اس لئے مکان بنانے اور باغ لگانے میں مشتری حق بجانب ہے۔ اس لئے اس کو مکان توڑنے اور باغ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

لغت غرس : باغ لگایا، درخت بویا۔ المقلوع : اکھڑا ہوا قلع سے مشتق ہے۔

[۱۲۹۲] (۵۸) اگر شفیع نے زمین لی پھر مکان بنایا یا باغ لگایا پھر زمین کسی کی مستحق نکل گئی تو قیمت واپس لیگا۔ اور نہیں واپس لے سکتا مکان اور باغ کی قیمت۔

تشریح شفیع نے خالی زمین مشتری سے لی پھر اس میں مکان بنایا یا باغ لگایا۔ بعد میں کسی نے دعویٰ کر کے اس زمین میں اپنا حق ثابت کر دیا اور لے لیا تو شفیع نے مشتری کو زمین کی قیمت دی تھی اس لئے شفیع مشتری سے صرف زمین کی قیمت وصول کرے گا۔ بعد میں جو کچھ مکان بنایا یا باغ لگایا اس کی قیمت مشتری سے یا اصل بائع سے وصول نہیں کرے گا۔

وجہ مشتری نے شفیع کو زمین لینے پر مجبور نہیں کیا تھا اور نہ اس نے زمین میں مکان بنانے اور باغ لگانے کہا تھا۔ بلکہ شفیع نے خود مشتری کو مجبور کر کے زمین لی ہے اور اپنی مرضی سے مکان بنایا یا باغ لگایا۔ اس لئے مکان اور باغ کی قیمت مشتری سے وصول نہیں کر پائے گا۔ البتہ زمین کی قیمت مشتری نے لی تھی اور ابھی مستحق نے شفیع سے مفت زمین لی ہے اس لئے صرف زمین کی قیمت شفیع مشتری سے وصول کر سکے گا۔

اصول اپنی مرضی سے دھوکہ کھایا ہے تو اس کی قیمت دوسروں سے وصول نہیں کر سکے گا۔

[۱۲۹۳] (۵۹) اگر گھر منہدم ہو گیا، یا اس کی دیوار جل گئی یا باغ کا درخت خشک ہو گیا کسی کے کچھ کئے بغیر تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو اس کو لے پوری قیمت سے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح مشتری نے بائع سے مثلاً ایک ہزار درہم میں زمین، اس پر مکان اور باغ خریدا تھا۔ اس درمیاں آفت سماوی سے مکان جل گیا یا باغ اجڑ گیا جس کی وجہ سے چار سو درہم قیمت کم ہو گئی۔ اب شفیع مشتری سے زمین لینا چاہے تو ایک ہزار ہی میں لے گا۔ چار سو درہم کم نہیں ہوں گے۔

وجہ زمین اصل ہے۔ مکان اور باغ اس کے تابع ہیں۔ اور آفت سماوی سے مکان جلا ہے یا باغ اجڑا ہے۔ کسی نے کوئی حرکت نہیں کی ہے۔ اس لئے زمین کو اصل مان کر پوری قیمت اسی پر لگے گی۔ اور شفیع کو ایک ہزار درہم دے کر لینے کا حق ہوگا۔ اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ تابع کی قیمت نہیں لگے گی، سارا مدار اصل پر ہوگا۔

لغت انہدم : گر گیا، منہدم ہو گیا۔ جف : خشک ہو گیا۔

فالشفیع بالخیار ان شاء اخذها بجميع الثمن وان شاء ترک [۱۲۹۴] (۶۰) وان نقص المشتري البناء قیل للشفیع ان شئت فخذ العرصة بحصتها وان شئت فدع [۱۲۹۵] (۶۱) وليس له ان يأخذ النقص [۱۲۹۶] (۶۲) ومن ابتاع ارضا وعلى نخلها ثمر اخذها

[۱۲۹۴] (۶۰) اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا کہ خالی زمین اس کے حصے سے لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح مشتری نے مثلاً ایک ہزار درہم میں زمین، اس پر مکان سمیت خریدا تھا۔ بعد میں مشتری نے خود مکان توڑ دیا جس کی وجہ سے چار سو درہم کم قیمت ہو گئی۔ اب شفیع لینا چاہے تو صرف زمین کی جو قیمت ہے چھ سو درہم وہ دے کر صرف خالی زمین لے لے اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

مجب مشتری نے مکان خود توڑا ہے اس لئے اس کے توڑنے کی وجہ سے مکان اصل ہو گیا۔ اب زمین کے تابع نہیں رہا اس لئے مکان کے ٹوٹنے کی وجہ سے جتنی قیمت کم ہوئی ہے وہ کم ہو جائے گی اور زمین کی قیمت جواب ہے وہ دے کر شفیع لے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جان کر مشتری نے تابع کو نقصان کیا ہے تو وہ اصل بن جائے گا اور اس کی قیمت شفیع سے کم ہو جائے گی۔ [۱۲۹۵] (۶۱) اور شفیع کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ٹوٹ پھوٹ لے۔

تشریح مشتری کے مکان توڑنے کے بعد اینٹ لکڑی وغیرہ جو زمین سے الگ ہو گئے اس میں شفیع کا حق شفعہ نہیں ہے۔ اس کو حق شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔

مجب زمین اور زمین سے متصل چیزوں میں حق شفعہ ہوتا ہے۔ اور اینٹ اور لکڑی وغیرہ زمین اور مکان سے الگ ہو چکے ہیں۔ اب وہ زمین کے تابع نہیں رہے۔ اس لئے اس کو حق شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔ الگ سے قیمت دے کر مشتری کی خوشی سے لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

اصول زمین سے الگ ہونے کے بعد وہ چیز زمین کے تابع نہیں رہتی۔ اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

لغت انقص : ٹوٹی ہوئی چیز۔

[۱۲۹۶] (۶۲) اگر مشتری نے زمین خریدی اور اس کے درخت پر پھل ہیں تو شفیع اس کو پھل کے ساتھ لے گا۔

تشریح مشتری نے ایسی زمین خریدی جس میں باغ ہے اور باغ میں پھل بھی لگے ہوئے ہیں تو شفیع کو حق ہے کہ پھل سمیت مشتری سے باغ لے لے۔

مجب درخت کی بیج میں پھل شامل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن یہاں مشتری نے باغ سے پھل بھی خریدا ہے اس لئے پھل زمین کے تابع ہو گیا۔ اس لئے زمین کے حق شفعہ کے ساتھ پھل میں بھی حق شفعہ ہوگا۔ اور پھل کو بھی اسی قیمت میں خریدنے کا حقدار ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ زمین کے ساتھ کوئی چیز متصل ہو اور اس کے تابع ہو تو زمین کے ساتھ اس میں حق شفعہ ہوگا۔

لغت ابتاع : خرید اباع سے مشتق ہے۔ ارضا : سے مراد باغ والی زمین ہے۔

الشفیع بثمر [۱۲۹۷] (۶۳) فان جدہ المشتري سقط عن الشفیع حصته [۱۲۹۸] (۶۴)
واذا قضی للشفیع بالدار ولم یکن رآها فله خيار الرؤية فان وجدها عیبا فله ان یردها به

[۱۲۹۷] (۶۳) اور اگر مشتری نے پھل توڑا تو ساقط ہو جائے گا اس کے حصے کے مطابق۔

تشریح مشتری نے پھل کے ساتھ باغ خریدا تھا جس کی وجہ سے شفع کو پھل کے ساتھ اتنی قیمت میں لینے کا حق تھا۔ لیکن مشتری نے پھل توڑ لیا تو پھل کی جتنی قیمت ہو سکتی ہے اتنی قیمت کم کر کے شفع مشتری سے باغ لے گا۔

وجہ پوری قیمت پھل کے ساتھ تھی اس لئے پھل توڑ لیا تو پھل کے برابر قیمت کم ہو جائے گی (۲) مشتری نے خود توڑا ہے، آفت سماوی کی وجہ سے نہیں ٹوٹا ہے اس لئے پھل تابع نہیں رہا بلکہ باغ کی طرح اصل ہو گیا۔ اس لئے اس کی قیمت کم ہوگی۔

[۱۲۹۸] (۶۴) اگر فیصلہ کر دے شفع کے لئے گھر کا اور اس کو دیکھا نہ ہو تو اس کے لئے خيار رویت ہے، پس اگر اس میں عیب پائے تو شفع کے لئے حق ہے کہ اس کو لوٹا دے عیب کی وجہ سے اگرچہ مشتری نے اس عیب سے برائت کی شرط کر لی ہو۔

تشریح شفع نے گھر دیکھا نہیں تھا اور اس کے لئے حق شفعہ کی وجہ سے گھر کا فیصلہ ہو گیا تو اس کو دیکھنے کے بعد خيار رویت ملے گا۔ اسی طرح اگر بیع میں عیب نکلے تو خيار عیب کے ماتحت شفع اس کو مشتری کی طرف واپس کر سکتا ہے۔ چاہے مشتری نے جب خریدا تھا تو بائع کو اس عیب سے بری کر دیا تھا۔ لیکن شفع کو اس عیب کے ماتحت واپس کرنے کا حق ہوگا۔

وجہ چاہے حق شفعہ کی وجہ سے لیا ہو۔ لیکن یہ مشتری اور شفع کے درمیان بیع جدید ہے اس لئے بیع کے سارے خيار شفع کو ملیں گے۔ چنانچہ بیع کو نہ دیکھا ہو تو خيار رویت کے ماتحت بیع کو واپس کرے گا۔ اور عیب ہو تو خيار عیب کے ماتحت واپس کرے گا (۲) حدیث میں دونوں خياروں کے متعلق یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من اشترى شیئاً لم یروہ فہو بالخیار اذا رآہ (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ۳ ص ۵۹ نمبر ۲۷۷ سنن للبیہقی، باب من قال یجوز بیع العین الغائبة، ج ۵ ص ۴۰، نمبر ۱۰۴۲۶) اس حدیث میں خيار رویت کا اختیار ہے۔ اور خيار عیب کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عائشة ان رجلاً ابتاع غلاماً فاقام عنده ما شاء اللہ ان یقیم ثم وجد به عیباً فخاصمه الی النبی ﷺ فردہ علیہ (ب) (ابوداؤد شریف، باب فیمن اشترى عبدًا فاستعمله ثم وجد به عیباً، ص ۱۳۹، نمبر ۳۵۱۰ سنن للبیہقی، باب المشتري یجوز بما اشتراه عیباً وقد استغله زماناً، ج ۵ ص ۵۲۶، نمبر ۱۰۷۴۲) اس حدیث میں ثبوت ہے کہ غلام میں عیب پایا تو اس کو بائع کی طرف واپس کر دیا۔

نوٹ مشتری نے بائع کو عیب سے بری کر دیا تھا وہ اس کی مرضی تھی۔ لیکن شفع مشتری سے نئے سرے سے خرید رہا ہے اس لئے اس کو اختیار ہوگا کہ مشتری کو عیب سے بری کرے یا بیع واپس کرے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری سے شفع کا خریدنا بیع جدید ہے اس لئے ان کو بھی کے خيار ملیں گے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے کوئی چیز بغیر دیکھے خریدی تو اس کو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے (ب) ایک آدمی نے غلام خریدا وہ غلام اس کے پاس جتنی مدت ہو۔ کاٹھرا پھر اس غلام میں عیب پایا تو حضور کے سامنے شکایت لے گیا تو آپ نے اس غلام کو بائع پر واپس کر دیا۔

وان كان المشتري شرط البراءة منه [۱۲۹۹] (۶۵) واذا ابتاع بضمن مؤجل فالشفيع بالخيار ان شاء اخذها بضمن حال وان شاء صبر حتى ينقضي الاجل ثم يأخذها [۱۳۰۰] (۶۶) واذا اقتسم الشركاء العقار فلا شفعة لجارهم بالقسمة [۱۳۰۱] (۶۷) واذا اشترى دارا فسلم الشفعة ثم ردها المشتري بخيار رؤية وشرط او يعيب بقضاء

[۱۲۹۹] (۶۵) اگر مشتری نے ادھار قیمت سے خریدا تو شفع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو نقد قیمت سے لے لے اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک کہ مدت ختم ہو جائے پھر گھر کو لے۔

تشریح مثلاً مشتری نے بائع سے گھر خریدا اور قیمت بعد میں دینے کی شرط کی۔ اب شفع اس گھر کو خریدنا چاہتا ہے تو اس کو گھر کی قیمت نقد دینی ہوگی۔ مشتری کو ادھار کی سہولت ملنے کی وجہ سے شفع کو ادھار کی سہولت نہیں ملے گی۔ یا پھر ابھی شفع کا دعویٰ کرے اور ادھار کی مدت ختم ہو جائے تو اس وقت نقد قیمت دے کر مشتری سے خرید لے۔

موجہ مشتری کے مانگنے کی وجہ سے بائع نے مشتری پر اعتماد کر کے ادھار کی سہولت دی تھی۔ اس لئے اس کا تعلق بیع سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بائع کے اعتماد سے ہے۔ بیع کا عام قاعدہ نقد ہی ادا کرنے کا ہے۔ اور یہی بیع مشتری اور شفع کے درمیان ہو رہی ہے اس لئے یہاں بیع کے عام قاعدے سے نقد قیمت ہی دینی ہوگی۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ مشتری بھی شفع پر اعتماد کرے اور ادھار دے۔ اس لئے شفع پر نقد قیمت دینا واجب ہوگا۔

نوٹ مشتری اپنی مرضی سے شفع کو ادھار دے تو دے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ادھار لینے یا دینے کا معاملہ بائع اور مشتری کے اعتماد اور رضامندی پر ہے۔ اصل بیع میں شامل نہیں ہے۔ اصل بیع تو نقد قیمت پر ہی واقع ہوگی۔ ایک ہاتھ سے لو اور دوسرے ہاتھ سے دو۔ اس پر دلائل گزر چکے ہیں۔

نکتہ ینقضي : مدت ختم ہو جائے۔ الاجل : مدت۔

[۱۳۰۰] (۶۶) اگر شرکاء زمین تقسیم کریں تو تقسیم کرنے کی وجہ سے ان کے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

موجہ حق شفعہ ہوتا ہے زمین فروخت ہونے کی وجہ سے اور مبادلتہ المال بالمال پائے جانے کی وجہ سے۔ اور یہاں بیع نہیں پائی گئی ہے بلکہ اپنا حصہ الگ الگ کیا گیا ہے۔ اس لئے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا (۲) حدیث اور آثار گزر چکے ہیں۔

[۱۳۰۱] (۶۷) اگر گھر خریدا، پس شفع نے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر گھر کو مشتری نے اختیار رویت یا اختیار شرط یا اختیار عیب کے ماتحت قضاء قاضی سے واپس کیا تو شفع کو دوبارہ شفعہ نہیں ہے۔

تشریح مشتری نے گھر خریدا، اس وقت شفع نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ مشتری نے قضاء قاضی کے ذریعہ اختیار رویت، یا اختیار شرط یا اختیار عیب کے ماتحت گھر واپس کیا تو اس واپس کرنے کی وجہ سے دوسری مرتبہ شفع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

قاض فلا شفعة للشفیع [۱۳۰۲] (۶۸) وان ردها بغير قضاء قاض او تقایلا للشفیع الشفعة.

مجا قاضی نے جب بیع واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو پہلی بیع کو منسوخ کیا۔ کوئی نئی بیع نہیں ہوئی۔ اس لئے شفع کو دوبارہ حق شفعہ نہیں ملے گا۔ اگر نئی بیع ہوتی تو شفع کو دوبارہ حق شفعہ ملتا۔

[۱۳۰۲] (۶۸) اور اگر گھر کو واپس کیا بغیر قضاء قاضی کے یا بائع اور مشتری نے اقالہ کیا تو شفع کے لئے دوبارہ حق شفعہ ہوگا۔

مجا بغیر قاضی کے فیصلے کے مشتری نے بائع کی طرف گھر واپس کیا تو اگرچہ ان دونوں کے حق میں پہلی بیع کو توڑنا ہے۔ لیکن تیسرا آدمی دیکھ رہا ہے کہ مشتری کی جانب سے بیع بائع کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ اور مبادلتہ المال بالمال بھی ہے اس لئے شفع کے حق میں بیع جدید ہے اس لئے شفع کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جب جب نئی بیع ہو تو شفع کو حق شفعہ ملے گا۔ اور جب جب پہلی بیع کو فسخ کرنا ہو تو شفع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

نکتہ تقایلا : اقالہ سے مشتق ہے، رضا مندی سے بیع کو واپس کرنا، اقالہ کرنا۔



﴿ کتاب الشریکۃ ﴾

[۱۳۰۳] (۱) الشریکۃ علی ضربین شریکۃ املاک و شریکۃ عقود فشرکۃ الاملاک العین

یرثھا رجلان او یشتریانھا۔

﴿ کتاب الشریکۃ ﴾

ضروری نوٹ کسی چیز میں چند آدمیوں کے شریک ہونے کو شرکت کہتے ہیں۔ شرکت کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث (الف) (آیت ۱۲ سورۃ النساء) اس آیت میں زیادہ وارثین کو تہائی وراثت میں شریک کیا گیا ہے۔ جس سے شرکت کا پتہ چلتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ رفعہ قال ان اللہ تعالیٰ یقول انا ثالث الشریکین مالہ یخن احدھما صاحبه فاذا خانہ خرجت من بینھم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الشریکۃ ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸) اس سے بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے اس لئے شرکت جائز ہے۔

[۱۳۰۳] (۱) شرکت دو طرح کی ہیں (۱) شرکت املاک (۲) اور شرکت عقود۔ پس شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں جائیں یا دونوں ملکر ایک چیز خریدیں۔

تشریح شرکت دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک کو شرکت املاک کہتے ہیں اور دوسری کو شرکت عقود کہتے ہیں۔ شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ با ضابطہ ایجاب اور قبول کر کے کسی چیز میں شریک نہ ہوئے ہوں، بلکہ ناگہانی طور پر دونوں ایک چیز میں شریک ہو گئے۔ مثلاً والد کا انتقال ہوا اور ایک چیز دو بیٹوں کے درمیان وراثت میں آگئی۔ اور دونوں بیٹے اس چیز میں وراثت کے طور پر شریک ہو گئے تو دونوں ایجاب و قبول کر کے شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ وراثت کے طور پر شریک ہوئے ہیں۔ چونکہ دونوں ملکیت کے طور پر شریک ہوئے اس لئے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔ یا دو آدمیوں نے ایک چیز کو خرید لیا اور دونوں ایک چیز کے مالک بن گئے تو چونکہ ملکیت کے اعتبار سے شرکت ہوئی اس لئے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔

مذہب شرکت وراثت کا ثبوت اوپر کی آیت ہے۔ فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث (آیت ۱۲ سورۃ النساء) اور خریدنے میں شرکت کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن زھرۃ بن معبد انه كان يخرج به جدہ عبد اللہ بن ہشام الى السوق فيشتري الطعام فيلقاه ابن عمر وابن الزبير فيقولان له اشركنا فان النبی ﷺ قد دعا لك بالبرکۃ فيشركهم (ج) (بخاری شریف، باب الشریکۃ فی الطعام وغیرہ ص ۳۴۰ نمبر ۲۵۰۲ سنن للبیہقی، باب الشریکۃ فی البیع، ج ۱ ص ۳۰، نمبر ۱۱۴۲۶) اس اثر میں خریدی ہوئی چیز میں صحابی شریک ہوئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں شریک کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) اگر اس سے زیادہ بھائی ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے (ب) میں دو شریکوں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان میں سے ایک ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے۔ پس جب خیانت کی تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں (ج) عبد اللہ بن ہشام بازار جاتے اور غلہ خریدتے تو ان سے ابن عمر اور ابن زبیر فرماتے مجھے بھی بیع میں شریک کر لیجئے۔ اس لئے کہ حضورؐ نے آپ کے لئے برکت کی دعا کی ہے تو وہ ان کو بیع میں شریک کر لیتے۔

[۱۳۰۴] (۲) فلا يجوز لاحدهما ان يتصرف في نصيب الآخر الا باذنه وكل واحد منهما في نصيب صاحبه كالاجنبی [۱۳۰۵] (۳) والضرب الثاني شركة العقود وهي على اربعة اوجه مفاوضة و عنان وشركة الصنائع وشركة الوجوه [۱۳۰۶] (۴) فاما شركة

[۱۳۰۴] (۲) پس نہیں جائز ہے دونوں میں سے ایک کے لئے کہ تصرف کرے دوسرے کے حصے میں مگر اس کی اجازت سے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔

مجاہد اگرچہ ایک ہی چیز میں دونوں شریک ہیں لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لئے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے لئے باری مقرر کر دے اور باری باری استعمال کرے (۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔ عن عمر بن یسری قال شهدت رسول الله ﷺ في حجة الوداع بمنى فسمعتة يقول لا يحل لامرأ من مال اخيه شيء الا ما طابت به نفسه (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۲، نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کی اجازت کے بغیر اس کی چیز کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ شریک ہی کیوں نہ ہو۔

[۱۳۰۵] (۳) اور دوسری قسم شرکت عقود ہے۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) اور شرکت وجوہ۔

تشریح شرکت عقود کو عقود اس لئے کہتے ہیں کہ اس شرکت میں باضابطہ عقد کرتے ہیں اور ایجاب اور قبول کے ذریعہ شرکت اور منفعت طے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو شرکت عقود کہتے ہیں۔ اس کی چار قسموں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۳۰۶] (۴) بہر حال شرکت مفاوضہ وہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں، پس دونوں برابر ہوں مال میں، تصرف میں اور قرض میں۔ **تشریح** مفاوضہ کے معنی ہیں برابری، اس لئے دونوں شریک برابر مال جمع کریں۔ دونوں شریک خریدنے اور بیچنے میں برابر اختیار رکھتے ہوں اور تجارت کی نسبت سے جو قرض سر پر آئے وہ دونوں کے سر پر آئے اور دونوں اس کو ادا کرنے کے برابر طریقے پر ذمہ دار ہوں تو اس کو شرکت مفاوضہ کہتے ہیں۔

مجاہد شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن صالح بن صهيب عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ ثلاث فھن البركة البيع الى اجل والمفاوضة واختلاط البر بالشعير للبيت لا للبيع (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الشركة والمضاربة، ص ۳۲۶، نمبر ۲۲۸۹) اس حدیث میں اکثر روایت المقارضة قرض سے ہے۔ اور دوسری میں المفاوضة وفاضة سے ہے۔ عام روایت میں مقارضة ہے۔ اس روایت سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ مفاوضہ والی روایت سے شرکت مفاوضہ کی فضیلت ظاہر ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن

حاشیہ : (الف) حضور کوٹنی میں کہتے سنا کہ کسی انسان کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کی خوشدلی سے (ب) آپؐ نے فرمایا تین چیزوں میں برکت ہے۔ ادھاریج، شرکت مفاوضہ اور گھر میں گیہوں کو جو کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا، بیچنے کے لئے ملانا نہیں۔

المفاوضة فهي ان يشرك الرجلان فيتساويان في مالهما وتصرفهما ودينهما [۱۳۰۷]
(۵) فيجوز بين الحرين المسلمين البالغين العاقلين ولا يجوز بين الحر والمملوك.

سیرین قال المفاوضة في المال اجمع (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين... احدهما او يرث المالا هل يكون بينهما، ج ثامن، ص ۲۵۹، نمبر ۱۵۱۳۸) اس اثر سے شرکت مفاوضہ کے جواز کا پتہ چلا۔ اور دونوں شریکوں کے مال برابر ہوں اس کے لئے یہ اثر ہے۔ اخبارنا سفیان قال لا تكون المفاوضة حتى تكون سواء في المال وحتى يخلط اموالهما ولا تكون المفاوضة والشركة بالعروض۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں دونوں کے مال برابر ہوں۔ اسی اثر کا اگلا ٹکڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بھی دونوں برابر ہوں۔ وما اذان واحد من المتفاوضين فقال قد اذنت كذا وكذا فهو مصدق على صاحبه وان مات احدهما اخذ الآخر وان شاء الغريم يأخذ ايهما باع سلعته اخذ المبتاع ايهما شاء (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين، ج ثامن، ص ۲۵۹، نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ ایک کا بیچنا، خریدنا اور اقالہ کرنا دوسرے کے لئے ہوں گے۔ اس سے تصرف میں برابر ہونے کا پتہ چلا۔

[۱۳۰۷] (۵) پس جائز ہے شرکت مفاوضہ دو آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل کے درمیان اور نہیں جائز ہے آزاد اور مملوک کے درمیان۔
تشریح: دونوں آدمی آزاد ہوں، دونوں مسلمان ہوں، دونوں عاقل اور بالغ ہوں تو ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے۔ لیکن ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو تو ان کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔

مجاہد اصل میں شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی ہوتے ہیں۔ یعنی کچھ خریدے تو آدھا اپنے لئے خریدتے ہیں اور آدھا وکیل کے طور پر شریک کے لئے خریدتے ہیں۔ اور کسی پر کوئی دین اور قرض ہو جائے تو آدھا اس پر ہوتا ہے اور آدھا کفیل اور ذمہ دار کے طور پر دوسرے شریک پر ہوتا ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل اسی وقت بن سکتے ہیں جب دونوں آزاد ہوں۔ اگر ایک مملوک اور غلام ہو تو وہ نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کفیل۔ اس لئے وہ شرکت مفاوضہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے آزاد اور مملوک کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اور اثر میں تھا۔ فاذا كانت شركة مفاوضه فامر كل واحد جائز على صاحبه في البيع والشراء والاقالة (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين الخ، ص ۳۵۹، نمبر ۱۵۱۳۷) کہ شرکت مفاوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔

حاشیہ: (الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا شرکت مفاوضہ تمام ہی مال میں ہو سکتی ہے (ب) جو کچھ ایک نے قرض لیا شرکت مفاوضہ میں اور کہا کہ میں نے ایسا قرض لیا تو اس کے ساتھی پر بھی اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر دونوں میں سے ایک مر گیا تو دوسرے سے لے گا۔ اور اگر قرض خواہ جن سے چاہے لے چاہے جس سے سامان بیچا ہو۔ اور مشتری چاہے جس سے قیمت لے (ج) ابن سیرین سے منقول ہے کہ اگر شرکت مفاوضہ ہو تو ہر ایک کا معاملہ اس کے شریک پر بھی ہوگا بیع، شراء اور اقالہ میں۔

[۱۳۰۸] (۶) ولا بین الصبی والبالغ ولا بین المسلم والكافر [۱۳۰۹] (۷) فتعقد علی الوکالة والكفالة [۱۳۱۰] (۸) وما یشتریه کل واحد منهما یكون علی الشریکۃ الا طعام

[۱۳۰۸] (۶) اور نہیں جائز ہے شرکت مفادضہ بچے اور بالغ کے درمیان اور نہ مسلمان اور کافر کے درمیان۔

مجا اوپر گزر گیا کہ شرکت مفادضہ میں ہر ایک شریک دوسرے کے کفی بھی ہوتے ہیں اور وکیل بھی ہوتے ہیں۔ اور بچہ نہ کفیل بن سکتا ہے اور نہ وکیل۔ اس لئے بچہ اور بالغ کے درمیان شرکت مفادضہ نہیں ہوگی۔

اور مسلمان اور کافر کے درمیان اس لئے نہیں ہوگی کہ مثلاً کافر شراب اور سور خریدے تو وہ مسلمان کی وکالت میں نہیں خرید سکتا اور ایسا کر سکتا کہ آدھی شراب اور آدھا سور اپنے لئے ہو اور آدھی شراب اور آدھا سور مسلمان کے لئے ہو۔ یا وہ سود کا کاروبار کرے تو کفیل ہونے کے ماتحت آدھا سود اپنے لئے اور آدھا سود مسلمان کے لئے ہو۔ ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شراب، سور اور سود مسلمان کے لئے حرام ہیں تو چونکہ بہت سے مقامات پر کافر مسلمان کی وکالت اور کفالت نہیں کر سکتا جو شرکت مفادضہ میں ضروری ہیں۔ اس لئے مسلمان اور کافر کے درمیان شرکت مفادضہ نہیں ہو سکتی۔ شرکت عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ ہو سکتی ہیں (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔ قلت لابن عباس ان ابی جلاب الغنم وانہ مشارک الیہودی والنصرانی قال لا تشارک یہودیہ ولا نصرانیہ ولا مجوسیہ قلت لم؟ قال لانہم یربون الربوا لا یحل (الف) (سنن للبیہقی، باب کراہیۃ مباہیۃ من اکثر مالہ من الربا وثنی الحرم، ج خامس، ص ۵۴۷، نمبر ۸۲۲/۱ مصنف ابن ابی شیبہ ۳ فی مشارکۃ الیہودی والنصرانی، ج رابع، ص ۴۷۲، نمبر ۱۹۹۷۳) اس اثر میں یہودی۔ نصرانی اور مجوسی کو شریک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ شرکت مفادضہ میں وہ شریک نہیں بن سکتے۔

فائدہ امام ابو یوسف کے نزدیک کافر کے ساتھ شرکت مفادضہ جائز ہے۔ البتہ مکروہ ہے۔

مجا وہ فرماتے ہیں کہ کافر عاقل بالغ ہے اس لئے وہ وکیل اور کفیل بننے کا اصل ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ شرکت مفادضہ ہو سکتی ہے۔

[۱۳۰۹] (۷) شرکت مفادضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر۔

تشریح یعنی دونوں شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کے وکیل ہیں کہ جو کچھ خریدیں گے ان میں آدھا اپنا ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کا ہوگا۔ اور جو قرض سر پر آئے گا اس میں سے آدھا اپنے سر ہوگا اور آدھا کفیل ہونے کے ماتحت شریک کے ذمے ہوگا۔

مجا اثر گزر چکا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق، نمبر ۱۵۱۳/۱۵۱۴)

[۱۳۱۰] (۸) دونوں شریکوں میں سے ہر ایک جو کچھ خریدے گا وہ شرکت پر ہوگی سوائے بیوی بچوں کے کھانے اور کپڑے کے۔

تشریح دونوں شریکوں میں سے ہر ایک تجارت کے متعلقات خریدے گا اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کے لئے ہوگا۔ البتہ بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان کی ضروریات زندگی کے سامان متعلقات تجارت میں سے نہیں ہیں اس لئے وہ

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ میرے والد کبریوں کو لاتے ہیں اور وہ یہودی اور نصرانی کو شریک کرتے ہیں۔ تو ابن عباس نے فرمایا کہ یہودی اور نصرانی کو شریک نہ کرو اور نہ مجوسی کو۔ میں نے کہا کیوں؟ فرمایا وہ سود کا معاملہ کرتے ہیں جو حلال نہیں ہے۔

اہلہ وکسوتہم [۱۳۱۱] (۹) وما يلزم كل واحد من الديون بدلا عما يصح فيه الاشتراك فالآخر ضامن له [۱۳۱۲] (۱۰) فان ورث احدهما مالا مما تصح فيه

جب بھی خریدے گا تو وہ صرف اپنے لئے ہوں گے۔ شریک کے لئے نہیں ہوں گے۔

مجموعہ کیونکہ ان میں نہ شرکت ہے اور نہ ان میں کفالت ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے کہ صرف متعلقات تجارت میں کفالت ہوگی۔ عن ابن سیرین... فاذا كانت شركة مفاوضة فامر كل واحد جائز على صاحبه في البيع والشراء والاقالة (الف) مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳) اس اثر میں ہے کہ خرید و فروخت اور اقالہ دوسرے شریک پر ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ متعلقات تجارت دوسرے شریک پر ہوں گے اور اہل و عیال کی ضروریات متعلقات تجارت میں نہیں ہیں اس لئے وہ کفالت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول شرکت مفاوضہ میں متعلقات تجارت وکالت اور کفالت میں شامل ہوں گے باقی نہیں۔

لغت کسوة : کپڑا وغیرہ۔

[۱۳۱۱] (۹) اور جو کچھ دونوں میں سے ہر ایک کو قرض لازم ہو اس کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا **تشریح** تجارت اور اس کے متعلقات کی وجہ سے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک پر قرض لازم ہو گیا تو دوسرا شریک بھی اس کا ضامن ہوگا اور اس کو ادا کرنا ہوگا۔

مجموعہ شریک پر جو کچھ بھی قرض آئے دوسرا شریک اس کا کفیل ہے۔ اس لئے کفالت کی وجہ سے وہ بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے۔ اخبرنا سفیان... وما ادا ان واحد من المتفاوضین فقال قد اذنت كذا وكذا فهو مصدق على صاحبه وان مات احدهما اخذ الآخر وان شاء الغريم يأخذ ايهما باع سلعته اخذ المبتاع ايهما شاء (ب) مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴) اس اثر میں ہے کہ قرض دینے والا اپنا قرض شریک مفاوضہ میں سے کسی سے بھی وصول کر سکتا ہے۔ [۱۳۱۲] (۱۰) پس اگر وارث ہو اور دونوں شریکوں میں سے ایک ایسے مال کا جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دیا گیا اور پہنچ گیا اس کے ہاتھ تک تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور بدل کر شرکت عنان ہو جائے گی۔

تشریح آگے آرہا ہے کہ شرکت مفاوضہ صرف درہم، دنانیر اور رائج سکوں میں ہوتی ہے ان کے علاوہ میں نہیں۔ پس اگر دونوں شریکوں میں سے ایک درہم، دنانیر یا رائج سکوں کا وارث بن گیا یا کسی نے اس کو ہبہ کر دیا اور شریک نے ان پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔

(الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا اگر شرکت مفاوضہ ہو تو ہر ایک کا معاملہ جائز ہے اس کے شریک پر بیع، شراء اور اقالہ میں (ب) حضرت سفیان نے فرمایا... شریک مفاوضہ میں سے کوئی قرض لے۔ پس کہا میں نے ایسا قرض لیا۔ میں نے ایسا قرض لیا تو وہ اس کے ساتھی پر تصدیق کی جائے گی (یعنی ساتھی پر بھی اس کی ذمہ داری ہوگی) اور اگر دونوں میں سے ایک مر گیا تو دوسرے سے لے گا۔ اور قرض خواہ چاہے تو قیمت لے جس سے بھی اپنا سامان بیچا ہو اور مشتری سے بھی چاہے لے گا۔

الشركة او وهب له ووصل الى يده بطلت المفاوضة وصارت الشركة عنانا [۱۳۱۳]
(۱۱) ولا تنعقد الشركة الا بالدرهم والدنانير والفلوس النافقة.

گی اور شرکت عنان بن جائے گی۔

مجموعہ شرکت مفاوضہ میں تجارت کے متعلقات تمام ہی چیزوں میں شرکت ہوتی ہے۔ اور اوپر گزرا کہ دونوں شریکوں کے مال برابر ہونے چاہئے۔ اور یہاں وراثت اور ہبہ کے ذریعہ مالک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال برابر نہ رہے بلکہ ایک کا زیادہ ہو گیا اس لئے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔ البتہ چونکہ شرکت عنان میں مال کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ مال کم زیادہ ہو تب بھی شرکت عنان جائز ہے۔ اس لئے وہ شرکت عنان بن جائے گی (۲) اثر میں ہے اخبارنا سفیان قال لا تكون المفاوضة حتى تكون سواء في المال وحتى يخلط اموالهما (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ دونوں کے مال برابر ہونے چاہئے اور دونوں کو ملانا بھی چاہئے۔ اور یہاں ایک کا مال زیادہ ہو گیا اس لئے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔ عن الشعبي قال كل شريك بيعه جائز في شركة الا شريك الميراث (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳۹) اس سے پتہ چلا کہ میراث میں شرکت نہیں ہوگی۔

نوٹ ایسے مال کا وارث بنا جس میں شرکت مفاوضہ درست نہیں جیسے سامان وغیرہ کا مالک بنا تو اس سے شرکت مفاوضہ باطل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ وہاں دونوں شریکوں کے مال میں کمی زیادتی کا معاملہ نہیں ہوا۔

تحت وصل الى يده : ہبہ کی چیز پر شریک کا قبضہ ہو اس کی شرط اس لئے لگائی کہ ہبہ میں قبضہ سے پہلے آدمی اس چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ تید لگائی کہ ہبہ ہوا ہو اور اس پر قبضہ بھی ہو گیا ہو تب شرکت مفاوضہ باطل ہوگی۔
[۱۳۱۳] (۱۱) اور شرکت مفاوضہ نہیں منعقد ہوگی مگر درہم، دینار اور راتج سکوں سے۔

تشریح جو شمن ہیں ان میں شرکت مفاوضہ ہوگی، سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ ہاں سامان بیچ کر پھر برابر برابر درہم یا دینار ملائے اور شرکت کرے تو ہوگی۔

مجموعہ (۱) اثر میں ہے۔ اخبارنا سفیان قال لا تكون المفاوضة حتى تكون سواء في المال وحتى يخلط اموالهما ولا تكون المفاوضة والشركة بالعروض ان يجيئ هذا بعرض وهذا بعرض (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اوپر اثر میں آیا کہ کہ دونوں کے مال برابر ہوں۔ لیکن سامان بیچا اور کسی کی قیمت زیادہ آئی اور کسی کی کم تو مال میں برابری نہیں ہوئی اس لئے سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت سفیان نے فرمایا شرکت مفاوضہ میں نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال میں برابر ہو اور یہاں تک کہ دونوں کے مال ملائے جائیں (ب) حضرت سفیان نے فرمایا مفاوضہ اور شرکت نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال میں برابر ہو اور یہاں تک کہ دونوں مال خلط ملط نہ کر دیئے جائیں اور مفاوضہ اور شرکت نہیں ہوگی سامان کے ذریعہ کہ یہ سامان لے کر آئے اور یہ سامان لے کر آئے۔

[۱۳۱۴] (۱۲) ولا يجوز فيما سوى ذلك الا ان يتعامل الناس به كالتيبر والنقرة فتصح الشركة بهما [۱۳۱۵] (۱۳) وان اراد الشركة بالعروض باع كل واحد منهما نصف ماله بنصف مال الآخر ثم عقد الشركة [۱۳۱۶] (۱۴) واما شركة العنان فتعقد على

فائدہ امام مالک فرماتے ہیں کہ کیلی اور وزنی چیز ہو اور دونوں شریک کی ایک جنس ہو مثلاً دونوں گیلہوں ملا کر شرکت کرے تو جائز ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن سیرین قال المفاوضة في المال اجمع (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳۸) اس اثر میں ہے کہ تمام مالوں میں شرکت مفاوضہ کر سکتے ہیں۔

[۱۳۱۴] (۱۲) اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ ان کے علاوہ میں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں، جیسے سونے چاندی کی ڈلی، پس صحیح ہے شرکت ان دونوں سے۔

تشریح درہم، دینار اور رائج سکوں کے علاوہ میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلاً چاندی اور سونے کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہو جائے گی۔

وجہ چاندی اور سونے کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہیں۔ کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی ہیں۔

لغت التبر : سونے کی ڈلی۔ النقرة : چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔

[۱۳۱۵] (۱۳) اور اگر سامان کے ذریعہ شرکت کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر عقد شرکت کرے۔

تشریح چونکہ دونوں کے مالوں کا برابر ہونا ضروری ہے اس لئے سامان میں شرکت کرنا چاہئے تو یہی صورت ہے کہ اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر شرکت ملک کر کے شرکت مفاوضہ کرے۔

وجہ براہ راست سامان ملا کر شرکت مفاوضہ کرنا صحیح نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن محمد ابن سیرین قال لا يكون الشركة والمضاربة بالدين والوديعة والعروض والمال الغائب (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۸ فی الشركة بالعروض، ج رابع، ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴) اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔

[۱۳۱۶] (۱۴) بہر حال شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر۔

تشریح عنان کے معنی اعراض کرنا ہے۔ چونکہ اس شرکت میں کفالت سے اعراض کرنا ہے اس لئے اس کو شرکت عنان کہتے ہیں۔ اس شرکت میں ہر ایک شریک سامان خریدنے میں دوسرے کا وکیل بنتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا شرکت مفاوضہ تمام مالوں میں ہو سکتی ہے (ب) محمد ابن سیرین نے فرمایا شرکت اور مضاربت نہیں ہوگی دین سے، امانت کے مال سے اور سامان سے اور غائب کے مال سے۔

الوكالة دون الكفالة [۱۳۱۷] (۱۵) ویصح التفاضل فی المال ویصح ان يتساويا فی المال ویتفاضلا فی الربح [۱۳۱۸] (۱۶) ویجوز ان یعقدها کل واحد منهما ببعض ماله دون بعض [۱۳۱۹] (۱۷) ولا تصح الا بما بینا ان المفاوضة تصح به.

آدھا شریک کے لئے ہوگا۔ البتہ کفیل نہیں ہوتا یعنی شریک پر جو قرض آئے گا اس کا آدھا دوسرے شریک پر نہیں ڈالے گا۔ بلکہ پورا قرض اسی کے ذمہ ہوگا جس نے قرض لیا۔

[۱۳۱۷] (۱۵) اور صحیح ہے کہ بیشی مال میں، اور صحیح ہے کہ برابر ہوں مال میں اور کمی بیشی ہونے میں۔

تشریح شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ ایک شریک کا مال کم ہو اور ایک کا مال زیادہ ہو۔ اور نفع بھی کم و بیش ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں لیکن نفع میں کسی کو کم ملنے کی شرط ہو اور کسی کو زیادہ ملنے کی شرط ہو۔

مجہد کوئی آدمی زیادہ عقلمند ہوتا ہے اور کوئی کم عقلمند ہوتا ہے اس لئے مال کم ڈالنے کے باوجود اپنی عقلمندی اور مہارت کی وجہ سے زیادہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے اگر شرط کر لے کہ میں زیادہ نفع لوں گا اور دوسرا شریک اس پر راضی ہو جائے تو شرکت عنان میں یہ جائز ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن جابر بن زید قالوا الربح علی ما اصلحو علیہ والوضیعة علی المال هذا فی الشریکین فان هذا بمائة وهذا بمائتین (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب وضیعة ص ۲۴۸ نمبر ۱۵۰۸۹) حضرت علیؑ سے منقول ہے۔ والربح علی ما اصلحو علیہ (ب) (مصنف عبدالرزاق، ص ۲۴۸، نمبر ۱۵۰۸۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ نفع آپس میں جو طے ہو جائے برابر سہا برابر یا کم زیادہ وہ جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شریک ایک سو جمع کرے اور دوسرا دو سو جمع کرے یعنی مال میں کمی زیادتی ہو تب بھی جائز ہے۔

[۱۳۱۸] (۱۶) جائز ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کرے نہ کہ کل سے۔

تشریح مثلاً زید کے پاس چھ سو درہم ہیں ان میں سے تین سو درہم سے شرکت کریں اور تین سو درہم سے شرکت عنان نہ کرے یہ جائز ہے۔ **مجہد** اوپر بتایا کہ دونوں شریکوں کا برابر برابر مال ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے جتنا مال شرکت میں لگانا چاہے لگا سکتا ہے اور جتنا مال نہیں لگانا چاہے نہ لگائے۔

[۱۳۱۹] (۱۷) اور شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی مگر اس نقدوں کے ذریعہ جس کو میں نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ ان سے صحیح ہے۔

تشریح اوپر بیان کیا تھا کہ درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت مفاوضہ صحیح ہے۔ اور چاندی اور سونے کی ڈلی سے لوگ شرکت مفاوضہ

حاشیہ : (الف) جابر بن زید نے فرمایا نفع اس کے مطابق ہوگا جس پر صلح ہوئی ہو اور اخراجات مال پر ہوں گے، یہ دونوں شریک ہوں گے، یہ ایک سو جمع کرے اور یہ دو سو جمع کرے (ب) نفع اس پر ہوگا جس پر صلح ہو جائے یعنی جو طے ہو جائے۔

[۱۳۲۰] (۱۸) ويجوز ان يشتركا ومن جهة احدهما دنائير ومن جهة الآخر دراهم
[۱۳۲۱] (۱۹) وما اشتراه كل واحد منهما للشركة طولب بتمنه دون الآخر ويرجع
على شريكه بحصته منه [۱۳۲۲] (۲۰) واذا اهلك مال الشركة او احد المالكين قبل ان

کرنا شروع کر دیں تو ان سے بھی صحیح ہے۔ اسی طرح شرکت عنان بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہوگی۔ سامان کے ذریعہ شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ اثر گزر چکا ہے۔ عن محمد قال لا يكون الشركة والمضاربة بالدين والوديعة والعروض والمال الغائب (الف)
(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۸ فی الشركة بالعروض، ج رابع، ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲ / مصنف عبدالرزاق، باب المفاضین، ج ثامن، ص ۲۵۹، نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ شرکت عنان جائز نہیں ہے۔

[۱۳۲۰] (۱۸) اور جائز ہے کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک جانب سے دینار ہوں اور دوسری جانب سے درہم ہوں۔
وجہ چونکہ دونوں شریک ہیں اور تقریباً ایک جنس مانے جاتے ہیں اس لئے ایک شریک کی جانب سے درہم ہوں اور دوسرے شریک کی جانب سے دینار ہوں اور شرکت کرے تو جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی خلط ملط کرنا ضروری ہے۔ اور درہم، دینار دو جنس ہونے کی وجہ سے خلط ملط نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے یہاں درست نہیں ہے۔

[۱۳۲۱] (۱۹) جو کچھ خرید دونوں میں سے ہر ایک نے اس کی قیمت اسی سے طلب کی جائے گی نہ کہ دوسرے سے، اور رجوع کرے گا اس کے شریک سے اس کا حصہ۔

تشریح ایک شریک نے شرکت کے لئے مال خرید تو اس کی قیمت خرید نے والے شریک پر ہی ہوگی۔ البتہ جتنی قیمت شریک پر ہو سکتی ہے وہ اس سے وصول کرے۔

وجہ اس شرکت میں شریک دوسرے کا صرف وکیل ہوتا ہے اس لئے جو بھی خریدے گا اس کا آدھا دوسرے شریک کا ہوگا۔ لیکن چونکہ کفیل نہیں ہوتا اس لئے بائع آدھا قرض دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا۔ البتہ چونکہ آدھا مال شریک کے لئے ہے اس لئے اس کا حصہ اس سے وصول کرے گا۔

[۱۳۲۲] (۲۰) اگر شرکت کا کل مال ہلاک ہو جائے یا کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ایک کا مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی
تشریح شرکت کا سارا مال ہلاک ہو گیا تو ظاہر ہے کہ مال ہی نہیں رہا تو شرکت کس چیز سے ہوگی؟ اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ دونوں نے ابھی مال خلط ملط نہیں کیا تھا اور کوئی چیز خریدی بھی نہیں تھی کہ ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا تب بھی شرکت ختم ہو جائے گی

حاشیہ : (الف) حضرت محمد بن سیرین نے فرمایا شرکت اور مضاربہ بت نہیں ہوگی دین سے، امانت کے مال سے، سامان سے اور غائب کے مال سے۔

یشتریا شیئا بطلت الشریکۃ [۱۳۲۳] (۲۱) وان اشتری احدهما بماله شیئا وھلک مال الآخر قبل الشراء فالْمُشْتَرِی بَیْنَهُمَا عَلٰی مَا شَرَطَا وَیَرْجِعُ عَلٰی شَرِیکِهِ بِحَصَّتِهِ مِنْ ثَمَنِهِ [۱۳۲۴] (۲۲) وَیَجُوزُ الشَّرِکۃُ اِنْ لَمْ یَخْلُطَا الْمَالَ [۱۳۲۵] (۲۳) وَلَا یَصَحُّ الشَّرِکۃُ

مجا جس کا مال تھا اسی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تب تو ابھی شرکت ہی نہیں ہوئی اور مال ختم ہو گیا تو اب شرکت کس میں ہوگی؟ اور اگر دوسرے شریک کے ہاتھ سے مال ہلاک ہوا تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت تھا اور امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ اور مال خلط ملط ہونے یا کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو اب شرکت کس چیز کے ذریعہ کرے گا؟ اس لئے شرکت باطل ہو جائے گی۔

[۱۳۲۳] (۲۱) اور اگر دونوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خرید لیا اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان ہوگی شرط کے مطابق۔ اور خریدنے والا شریک سے اس کے حصے کے مطابق ثمن وصول کرے گا۔

تشریح دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خریدا، دوسرے شریک نے ابھی کچھ خریدا نہیں تھا کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز شرط کے مطابق دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ اور جتنا حصہ دوسرے شریک کا ہوتا ہے اتنے حصے کی قیمت اس سے وصول کرے گا۔

مجا چونکہ شرکت میں مال خریدا جا چکا ہے اس لئے وہ مال شرکت کا ہی ہوگا۔ اور خریدنے والا دوسرے شریک کا وکیل ہوگا۔ اور چونکہ خریدنے والے نے اپنا مال دیا تھا اس لئے اپنے شریک سے اس کے حصے کی قیمت وصول کرے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شریک نے وکالت کے طور پر خرید لیا تو دوسرے شریک کا بھی شرط کے مطابق حصہ ہوگا۔

[۱۳۲۴] (۲۲) اور شرکت عنان جائز ہے اگرچہ دونوں نے مال خلط ملط نہ کیا ہو۔

تشریح دونوں شریکوں کو اپنا اپنا مال دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دینا چاہئے لیکن شرکت عنان میں یہ گنجائش ہے کہ خلط ملط نہ کیا پھر بھی شرکت صحیح ہو جائے گی۔

مجا یہاں شرکت کا مدار تصرف پر ہے۔ اور جو بھی خریدے گا تو آدھا مال اپنے لئے ہوگا اور آدھا مال وکالت کے طور پر شریک کے لئے ہوگا۔ اور جب اس کو بیچیں گے تو شرط کے مطابق اسی مناسبت سے نفع بھی دونوں کے لئے ہوگا۔ اس لئے ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی مال کو ملانا ضروری ہے۔

مجا ان کی دلیل اوپر کا اثر ہے جو شرکت مفاوضہ میں گزرا۔

[۱۳۲۵] (۲۳) اور نہیں صحیح ہے شرکت اگر شرط لگالے کسی ایک کے لئے نفع میں سے متعین درہم۔

تشریح مثلاً یوں شرط لگائی کہ نفع میں سے پہلے پچاس درہم مجھے دو گے باقی جو بیچیں گے ان میں سے آدھے آدھے، تو اس قسم کی شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے۔

إذا اشترط لاحدهما دراهم مسماة من الربح [۱۳۲۶] (۲۴) ولكل واحد من المفاوضين وشريكي العنان ان يبضع المال ويدفعه مضاربة ويوكل من يتصرف فيه ويرهن ويستترهن ويستأجر الاجنبي عليه ويبيع بالنقد والنسيئة [۱۳۲۷] (۲۵) ويده في المال يد امانة

مجمع مان لیا جائے کہ کسی موقع پر صرف پچاس درہم ہی نفع ہوا تو وہ صرف ایک کو مل جائے گا اور دوسرا منہ تکتا رہ جائے گا جس سے اس کو ضرر ہوگا۔ اس لئے متعین درہم ایک کے لئے مخصوص ہو اس شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس قسم کے تخصّص کو منع فرمایا ہے۔ عن رافع بن خدیج قال حدثني عمي انهم كانوا يكرون الارض على عهد النبي ﷺ بما ينبت على الارباع او بشيء يستثنيه صاحب الارض فنهى النبي ﷺ عن ذلك (الف) (بخاری شریف، باب کراء الارض بالذهب والفضة ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث میں ہے کہ زمین کی بٹائی میں کچھ مخصوص زراعت کو مستثنیٰ کر لینے کو آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے شرکت میں کچھ خاص نفع کو مستثنیٰ کر لینا بھی جائز نہیں ہے (۳) عن ابن المسيب قال يكره ان يبيع النخل ويستثنى منه كيلا معلوما (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب بيع الثمرة ويشترط منها كيلاج ثامن ص ۲۶۲ نمبر ۱۵۱۵)

[۱۳۲۶] (۲۴) مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دیدے بضاعت کے طور پر اور مضاربہ کے طور پر اور وکیل بنائے ایسے آدمی کو جو مال شرکت میں تصرف کرے اور رہن کو دے یا رہن پر رکھ لے اور کسی اجنبی کو نوکر رکھ لے اور بیچ دے نقد اور ادھار **تشریح** یہ مسائل اس قاعدے پر ہیں کہ تجارت کرنے میں جن جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے یا جن جن کاموں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے وہ کام شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریک کر سکتے ہیں۔ مثلاً مال بضاعت پر کسی کو دیدے یعنی کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور اس کا نفع بڑھاؤ۔ کچھ اجرت دے دیں گے اس کو بضاعت پر دینا کہتے ہیں۔ یا کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور نفع میں دونوں شریک ہوں گے اس کو مضاربہ پر دینا کہتے ہیں۔ یا کسی کو مال خریدنے کا وکیل بنا دے تاکہ وہ اس میں تصرف کرے یعنی خرید و فروخت کرے۔ یا کسی کا قرض آگیا تو اس کی وجہ سے شرکت کا مال رہن پر رکھ دیا اس کو رہن رکھنا کہتے ہیں۔ یا کسی کو شرکت کا مال دیا جس کی وجہ سے اس کی کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ لے جس کو رہن پر لینا کہتے ہیں۔ یا کام کرنے کے لئے کسی اجنبی آدمی کو نوکر رکھ لیا۔ اسی طرح شرکت کا مال نقد بھی بیچ سکتا ہے اور ادھار بھی بیچ سکتا ہے۔ تجارت میں ان کاموں کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ عام رواج ہے اس لئے اوپر کے سارے کام شریک کر سکتے ہیں۔

اصول شریک تجارت کے فوائد کے سارے کام کر سکتے ہیں۔

[۱۳۲۷] (۲۵) اور شریک کا قبضہ مال میں امانت کا قبضہ ہے۔

حاشیہ : (الف) میرے چچا نے مجھے بیان کیا کہ لوگ حضور کے زمانے میں زمین کو کرایہ پر دیتے تھے جو اگتا تھا اونچی جگہ پر یا کوئی خاص چیز مستثنیٰ کر لیتا زمین والا۔ تو حضورؐ نے اس سے منع فرمایا (ب) ابن مسیبؓ کہ وہ سمجھتے تھے یہ کہ درخت بیچے اور معلوم کیل مستثنیٰ کرے۔

[۱۳۲۸] (۲۶) واما شركة الصنائع فالخياطان والصباغان يشتركان على ان يتقبلا الاعمال ويكون الكسب بينهما فيجوز ذلك وما يتقبله كل واحد منهما من العمل يلزم

تشریح یعنی شریک کے ہاتھ میں شریک کا جو مال ہے وہ امانت کے طور پر ہے۔ اور بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ **وجہ** (۱) شریک کی اجازت سے اس کا قبضہ ہے۔ اور کسی بدلے کے بغیر قبضہ ہے اس لئے امانت کا قبضہ ہوگا (۲) ان کا استدلال اس اثر سے بھی ہے۔ عن صالح بن دینار ان علیاً کان لا یضمن الاجیر المشترک (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟ ج رابع، ص ۳۱۶، نمبر ۲۰۴۸۹) اس اثر میں اجیر مشترک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لئے اس پر حضرت علیؑ نے ضمان لازم نہیں کیا۔ اسی طرح شریک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لئے اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدی امرک (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان المتقارض اذا تعدی ولمن الربح، ج ثامن، ص ۲۵۵، نمبر ۱۵۱۲۱) اس اثر میں مضارب امین ہے تو شریک بھی امین ہوگا اور جو مال اس کے ہاتھ میں ہے وہ امانت کا مال ہے۔

[۱۳۲۸] (۲۶) اور شرکت صنائع یہ ہے کہ دو درزی یا دو رنگریز شریک ہو جائیں اس بات پر کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم ہوگی، پس یہ جائز ہے۔ اور دونوں جو کام قبول کریں گے تو اس کو بھی لازم ہوگا اور اس کے شریک کو بھی لازم ہوگا۔ **تشریح** دو کارگر شریک ہو جائیں کہ ہم دونوں کام لیں گے اور کام کر کے دیں گے اور جو نفع ہوگا اس میں دونوں آدھا آدھا لے لیں گے یا شرط کے مطابق لیں گے۔ چونکہ کاریگری میں شرکت کی ہے اس لئے اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں۔ اس صورت میں ایک شریک جو کام لے گا وہ دوسرے پر لازم ہوگا۔ اور دوسرا شریک بھی اس کام کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ (۱) شرکت صنائع کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن عبد الله قال اشترکت انا و عمار و سعد فیما نصیب یوم بدر قال فجاء سعد باسیرین ولم اجئی انا و عمار بشیء (ب) (۲) (ابوداؤد شریف، باب فی الشریکۃ علی غیر رأس مال ص ۱۲۴، نمبر ۳۳۸۸، نسائی شریف، باب شرکت الابدان ص ۱۴۱، نمبر ۳۹۶۹، ابن ماجہ شریف، باب الشریکۃ والمضاربة ص ۳۲۷، نمبر ۲۲۸۸) اس حدیث میں تین آدمیوں نے کام کرنے اور قیدی لانے پر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت صنائع جائز ہے۔ اور نفع کے سلسلہ میں اثر گزر چکا ہے۔ عن علی فی المضاربة والربح علی ما اصطالحوا علیہ (ج) (مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۵۰۸۷) کہ جس پر بات طے ہو جائے وہ نفع ہوگا (۲) یہ نفع اس بنیاد پر ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے کام کا ذمہ دار ہے اور کام کر بھی رہا ہے۔ اس لئے شرکت بھی صحیح ہے اور نفع لینا بھی صحیح ہے۔ **فائدہ** امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک شرکت صنائع صحیح نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ نفع اور شرکت کا مدار رأس المال ہے اور یہاں رأس المال نہیں ہے۔ اس لئے شرکت صحیح نہیں ہے۔

حاشیہ: (الف) صالح بن دینار فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ اجیر مشترک کو ضامن نہیں بناتے تھے (ب) عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں اور عمار اور سعد شریک ہوئے اس بارے میں کہ جنگ بدر کے دن جو کچھ حاصل ہوا اس میں۔ پس حضرت سعد و قیدی اور میں اور عمار کچھ بھی نہیں لائے (ج) مضارب بت کے بارے میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ نفع اس کے مطابق ہوگا جس پر صلح ہوگئی۔

شریکہ [۱۳۲۹] (۲۷) فان عمل احدهما دون الآخر فالکسب بينهما نصفان [۱۳۳۰]
 (۲۸) واما شركة الوجوه فالرجلان يشتركان ولا مال لهما على ان يشتريا بوجوههما
 ويبيعا فتصح الشركة على هذا [۱۳۳۱] (۲۹) وكل واحد منهما وكيل الآخر فيما

نوٹ کسی کا کام زیادہ ہو اور نفع کم لے تب بھی جائز ہے۔

مذہب اوپر اثر گزر چکا ہے کہ جو شرط کرے اس کے مطابق نفع لے سکتا ہے (۲) بعض مرتبہ نفع کا مدار کام پر نہیں ہوتا بلکہ مہارت اور چالاکی پر ہوتا ہے جبکہ وہ کام کم کرتا ہے لیکن چالاکی کی وجہ سے وہ نفع زیادہ لے جاتا ہے۔ اس لئے کام کم ہو اور نفع زیادہ ہو تب بھی جائز ہے۔
 [۱۳۲۹] (۲۷) پس اگر دونوں میں سے ایک نے کام کیا اور دوسرے نے نہیں کیا پھر بھی کمائی آدھی آدھی ہوگی۔

مذہب چونکہ ایک نے کام لیا تو وکالت کے طور پر آدھا کام دوسرے کے ذمے بھی ہو گیا تو گویا کہ اس نے بھی کام کیا (۲) کام نہ کرے تو کام کرنے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن شرط آدھے آدھے نفع کی طے ہوئی ہے اس لئے شرط کے مطابق نفع آدھا آدھا ہی ہوگا۔
اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نفع کی تقسیم کا مدار شرط طے ہونے کے مطابق ہے۔

[۱۳۳۰] (۲۸) شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں اور ان دونوں کے پاس مال نہ ہو اس بات پر کہ دونوں اپنے اپنے تعلقات سے خریدیں گے اور بیچیں گے تو اس طرح شرکت صحیح ہے۔

تشریح شرکت وجوہ کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے پاس مال نہ ہوں بلکہ اپنے اپنے تعلقات سے دوسروں کے مال ادھا خریدیں اور بیچیں اور نفع کمائیں۔ اس طرح دو آدمی شرکت کر لے تو جائز ہے۔ اور اس شرکت کو وجوہ اس لئے کہتے ہیں کہ چہرہ اور رعب سے مال خریدا اور بیچ رہا ہے۔ اس لئے اس شرکت کو شرکت وجوہ کہتے ہیں۔

مذہب اس شرکت کے جواز کا ثبوت اس لئے اثر میں ہے۔ قال اخبرنی ابی قال کنت ابيع البز فی زمان عمر بن الخطاب وان عمر قال لا بیعہ فی سوقنا اعجمی فانہم لم یفقہوا فی الدین ولم یقیموا فی المیزان والمکیال قال یعقوب فذهبت الی عثمان بن عفان فقلت له هل لک غنیمۃ باردة؟ قال ماہی؟ قلت بز قد علمت مکانہ بیعہ صاحبہ برخص لا یستطیع بیعہ اشتريہ لک ثم ابيعه لک قال نعم الخ (الف) (موطا امام محمد، باب الشرکۃ فی البیع ص ۳۴۷) اس اثر میں حضرت یعقوب کے پاس مال نہیں تھا، حضرت عثمان سے کہڑا لیکر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت وجوہ جائز ہے۔
 [۱۳۳۱] (۲۹) دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جو خریدا۔

حاشیہ: (الف) میرے باپ نے خبر دی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کہڑے کی تجارت کرتا تھا حضرت عمر کے زمانے میں۔ حضرت عمر نے فرمایا میرے بازار میں کوئی عجمی تجارت نہ کرے۔ اس لئے کہ وہ دین کو نہیں سمجھتے ہیں اور وزن صحیح نہیں کرتے ہیں۔ حضرت یعقوب فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان کے پاس گیا اور پوچھا کیا آپ کے پاس غنیمت بارہ ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہڑا۔ میں اس کے بیچنے کی جگہ رخصت کے ساتھ جانتا ہوں جو اس کو بیچ نہیں سکتے ہیں۔ آپ کے لئے بیچوں گا پھر آپ کے لئے خریدوں گا۔ حضرت عثمان نے فرمایا ہاں۔

یشتریہ [۱۳۳۲] (۳۰) فان شرط ان يكون المشتري بينهما نصفان فالربح كذلك ولا يجوز ان يتفاضلا فيه وان شرط ان المشتري بينهما اثلاثا فالربح كذلك [۱۳۳۳] (۳۱) ولا يجوز الشریکۃ فی الاحتطاب والاحتشاش والاصطياد وما اصطاده كل واحد منهما او

تشریح ایک شریک جو کچھ خریدے گا اس میں سے آدھا اس کا ہوگا اور آدھا شریک کا ہوگا۔

وجہ اس شرکت میں بھی شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔ اس لئے جو کچھ خریدے گا دوسرے کی وکالت کی وجہ سے آدھا اس کا ہوگا۔

[۱۳۳۲] (۳۰) پس اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کی آدھی آدھی ہوگی تو نفع بھی ایسا ہی ہوگا یعنی آدھا آدھا ہوگا۔ اور اس سے کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔ اور اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔

تشریح اگر دونوں کا خریدا ہوا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔ اس سے کم زیادہ نفع لینا کسی شریک کے لئے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ ایک آدمی کی خریدی ہوئی چیز ایک تہائی ہوگی اور دوسرے کی دو تہائی ہوگی تو نفع بھی ہر ایک کو اسی مناسبت سے ہوگا۔ یعنی جس کی ایک تہائی ہے اس کو ایک تہائی نفع ملے گا اور جس کی دو تہائی ہے اس کو دو تہائی نفع ملے گا۔ اس سے کم زیادہ نفع کی شرط کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) نفع لینے کا مدار تین باتوں میں سے ایک پر ہوتا ہے۔ یا تو مال کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضاربت میں مال والے کا مال ہوتا ہے اس لئے وہ نفع لیتا ہے۔ یا کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذمہ داری اور ضمان کی وجہ سے نفع لیتا ہو۔ شرکت وجہ میں نفع لینے کی وجہ یہ تیسری شکل ہے۔ کیونکہ کسی کے پاس مال تو ہے نہیں اور نہ کوئی کام کرنے کی بنیاد پر نفع لے رہے ہیں۔ اس لئے اپنی ذمہ داری پر جتنا مال لائے گا اسی حساب سے نفع لینے کا مستحق ہوگا۔ اس سے زیادہ نفع لینے سے بغیر ذمہ داری کے نفع لینا ہوگا۔ اس لئے نفع مالم یضمن کے ماتحت ناجائز ہوگا (۲) اور رنح مالم یضمن کی حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابن عمر قال رسول اللہ ﷺ لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالیس عندک (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل بیع مالیس عندہ ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴ ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ بیع مالیس عندہ ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۴) اس لئے اس حدیث کی بنا پر جتنی ذمہ داری لے گا اتنا ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مال یا عمل نہ ہو بلکہ صرف ذمہ داری کی وجہ سے نفع کا حقدار ہو تو جتنی ذمہ داری ہوگی اتنے ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

[۱۳۳۳] (۳۱) نہیں جائز ہے شرکت ایندھن لانے میں، گھاس جمع کرنے میں اور شکار کرنے میں۔ اور ان میں جو کوئی بھی شکار کرے گا یا ایندھن لائے گا وہ اسی کا ہوگا نہ کہ دوسرے کا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا ادھار بھی ہوا اور بیع بھی ہو یہ جائز نہیں۔ اور ایک بیع میں دو شرطیں ہوں یہ بھی جائز نہیں۔ اور جس چیز کا ذمہ دار نہ ہو اس کا نفع لینا بھی جائز نہیں ہے۔ اور جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔

احتطبه فهو له دون صاحبه [۱۳۳۲] (۳۲) واذا اشتركا ولا حدهما بغل ولا آخر راوية يستقى عليها الماء والكسب بينهما لم تصح الشركة والكسب كله للذي استقى الماء وعليه اجر مثل الراوية وان كان العامل صاحب البغل وان كان صاحب الراوية فعليه اجر

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو چیزیں مباح ہیں اور اس پر جو قبضہ کر لے اسی کی مفت ہو جاتی ہیں۔ ان میں شرکت کی ضرورت نہیں اور نہ ان میں وکالت درست ہے۔

مذہب کیونکہ جوں ہی اس پر قبضہ کر لیا وہ چیز اس کی ہو گئی تو دوسرے کی وکالت کی کیا ضرورت ہے؟ مثلاً ایندھن کی لکڑی جنگلوں میں مفت ملتی ہے جو اس کو چنے گا اسی کی ہو جائے گی۔ گھاس جنگلوں میں مفت ملتی ہے اس لئے جو اس کو کاٹے گا اسی کی ہو جائے گی۔ یہی حال شکار کے جانور کا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جو ان مباح چیزوں پر قبضہ کرے گا اسی کی ہو جائے گی۔ عن ابیض بن جمال ... فقال رسول الله ﷺ هو منك صدقة وهو (الملح) مثل الماء العذب من ورده اخذه (الف) (ابن ماجہ شریف، باب اقطاع الانهار والعيون ص ۳۵۵ نمبر ۲۴۷) اس حدیث میں ہے کہ نمک وغیرہ پر جو قبضہ کرے گا اسی کا ہو جائے گا۔

نوٹ اگر دونوں نے ملکر لکڑی چنی تو دونوں کو آدھی آدھی لکڑی ملے گی۔ اور اگر ایک نے لکڑی جمع کی اور دوسرے نے اس کی مدد کی تو مدد کرنے والے کو اس کی اجرت ملے گی اور لکڑی تمام کی تمام جمع کرنے والے کی ہوگی۔

اصول مباح چیزوں میں شرکت صحیح نہیں ہے۔

لغت الاختطاب : حطب سے مشتق ہے، جمع کرنا۔ الاحتشاش : حشیش سے مشتق ہے، گھاس کاٹنا۔ الاصطیاد : صید سے مشتق ہے، شکار کرنا۔

[۱۳۳۲] (۳۲) اگر دو آدمی شریک ہو جائے ان میں سے ایک کا نچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے۔ کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے۔ ہاں اس پر مشک کی اجرت مثل واجب ہوگی اگر کام کرنے والا نچر والا ہے۔ اور اگر کام کرنے والا مشک والا ہے تو اس پر نچر کی اجرت مثل واجب ہوگی۔

تشریح دو آدمی ملے، ایک کا نچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچ کر پلائیں گے اور نفع کمائیں گے۔ تو اس صورت میں جس نے کام کیا ہے پوری اجرت اسی کی ہوگی۔ اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔ پس اگر نچر والے نے پانی پلایا تو نفع اس کا ہوگا اور مشک والے کو مشک کی اجرت واجب ہوگی۔ اور مشک والے نے کام کیا ہے تو نفع مشک والے کا ہوگا اور نچر والے کو نچر کی اجرت ملے گی۔ **مذہب** پانی مباح ہے اس کے نکالنے میں شرکت کرنا شرکت فاسدہ ہے اس لئے شرکت فاسدہ ہوگی۔ اس لئے جس آدمی نے پانی پر قبضہ کیا پانی اسی کا ہوا اور نفع بھی اسی کا ہوا۔ اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا یہ تمہاری جانب سے صدقہ ہے اور نمک تیار کئے ہوئے پانی کی طرح ہے جو اس پر آئے گا وہ اس کو لے لیگا۔

مثل البغل [۱۳۳۵] (۳۳) وکل شركة فاسدة فالربح فيها على قدر رأس المال ويطل
 شرط التفاضل [۱۳۳۶] (۳۴) واذا مات احد الشريكين او ارتد ولحق بدار الحرب
 بطلت الشركة.

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شرکت فاسدہ میں مدد کرنے والے کو یا جس کا سامان استعمال ہوا ہے ان کو اس کی اجرت مثل مل جائیگی
نکتہ استقنی : پانی پلانا، سیراب کرنا۔ الراویۃ : مشک، چرس۔

[۱۳۳۵] (۳۳) ہر فاسد شرکت میں نفع اس میں اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔
تشریح جن جن موقعوں پر شرکت فاسد ہو جائے تو جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر حصہ سے زیادہ نفع
 لینے کی شرط ہو تو وہ باطل ہوگی۔

وجہ شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے۔ جس طرح مزارعت فاسدہ میں غلہ بیج کے تابع ہو کر تمام غلہ بیج والے کو مل جاتا
 ہے۔ پس جب نفع اصل مال کے تابع ہو تو جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم ہوگا (۲) نفع اصل مال کے تابع ہونے کی دلیل یہ اثر
 ہے۔ عن مجاهد قال اشترک اربعة رهط على عهد رسول الله ﷺ في زرع فقال احدهم قبلي الارض وقال الآخر
 قبلي الفدان وقال الآخر قبلي البذر وقال الآخر على العمل فلما استحصد الزرع فتفاوتوا فيه الى النبي ﷺ فجعل
 الزرع لصاحب البذر والغي صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان شيئا معلوما وجعل لصاحب العمل درهمين كل
 يوم (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۷ القوم يشتركون في الزرع، ج رابع، ص ۵۰۶، نمبر ۲۵۵۶) اس اثر میں پوری زراعت دانے
 والے کو دی گئی۔ کیونکہ زراعت پیدا ہونے کی اصل جڑ بیج ہی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے نفع اصل مال کی پیداوار ہے اس لئے نفع مال کے
 حساب سے تقسیم ہوگا۔ اور کمی زیادتی کی شرط باطل ہوگی۔ مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۵۱۰ میں حضرت ابو قلابہ کا یہ جملہ ہے۔ عن ابی قلابہ
 الضمان على من تعدى والربح لصاحب المال (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدى لمن الربح ج ثامن ص
 ۲۵۳ نمبر ۱۵۱۱)

[۱۳۳۶] (۳۴) اگر شریک میں سے کوئی ایک مرجائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔
وجہ شرکت کے لئے شریک کا وکیل ہونا شرط ہے۔ اور مرجانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔ مرتد ہو کر دار
 الحرب چلے جانے سے بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا تو گویا کہ مرنے کے حکم میں ہو گیا

حاشیہ : (الف) مجاہد نے فرمایا کہ حضورؐ کے زمانے میں چار آدمی ایک کاشتکاری میں شریک ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا میری جانب سے زمین ہے۔ دوسرے
 نے کہا میری جانب سے بیل ہیں۔ تیسرے نے کہا میری جانب سے بیج ہے۔ اور چوتھے نے کہا کہ کام کرنا میرے ذمے ہے۔ پس جب کھیتی کئی تو حضورؐ کے پاس
 اختلاف لے کر آئے تو آپؐ نے کاشتکاری بیج والے کو دی۔ اور زمین والے کو لغو قرار دیا۔ اور بیل والے کو کچھ معلوم چیز دی۔ اور کام والے کو ہر دن کے لئے ایک
 درہم دیا (ب) ابی قلابہ فرماتے ہیں کہ ضمان اس پر ہے جس نے زیادتی کی اور نفع مال والے کے لئے ہوگا۔

[۱۳۳۷] (۳۵) وليس لواحد منهما لصاحبه ان يؤدى زكوة مال الآخر الا باذنه [۱۳۳۸]

(۳۶) فان اذن كل واحد منهما لصاحبه ان يؤدى زكوة فادى كل واحد منهما فالثانى ضامن سواء علم باداء الاول او لم يعلم عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالوا رحمهما الله تعالى ان لم يعلم لم يضمن .

اس لئے وکالت ختم ہوگئی۔

[۱۳۳۷] (۳۵) شریک میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے مال کی زکوٰۃ ادا کرے مگر اس کی اجازت سے۔

تشریح دوسرے شریک کے حصے میں جو مال آتا ہے اگر وہ نصاب زکوٰۃ کی مقدار ہے تو پہلے شریک کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر اس کے حکم اور اجازت کے اس کی زکوٰۃ ادا کرے، ہاں اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دے تو زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔

مجب زکوٰۃ دینا تجارت کے اعمال میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا اختیار نہیں رکھتا۔

[۱۳۳۸] (۳۶) پس اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دی، پھر دونوں میں سے ہر ایک نے زکوٰۃ ادا کر دی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا چاہے اس کو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام صاحب کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح ہر ایک شریک نے دوسرے کو زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ پھر دونوں اپنی اپنی زکوٰۃ بھی ادا کی اور شریک کی بھی ادا کر دی۔ تو جس شریک نے بعد میں اپنے شریک کی زکوٰۃ ادا کی وہ تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی وہ تو نفلی صدقہ ادا ہو گیا۔ کیونکہ پہلے شریک نے تو اپنی زکوٰۃ پہلے ہی ادا کر دی تھی۔ اس لئے بعد والے کا نفلی صدقہ ہوا۔ اب بعد میں ادا کرنے والا پہلے والے کا ضامن ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ چاہے بعد والے کو پہلے والے کے ادا کرنے کی خبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں وہ ضامن ہوگا۔

مجب پہلے شریک نے جو ہی زکوٰۃ ادا کی تو دوسرا شریک زکوٰۃ ادا کرنے کی وکالت سے معزول ہو گیا۔ اور جب وہ معزول ہو گیا تو اس کا ادا کرنا بیکار ہو گیا اس لئے جو کچھ شرکت کے مال سے ادا کیا اس کا حصہ دار کے لئے ضمان ہوگا۔ چاہے اس کو معزول ہونے کی خبر نہ ہو۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر بعد والے کو پہلے کے ادا کرنے کی خبر ہو تو تب تو ضامن ہوگا اور اگر خبر نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

مجب بعد میں ادا کرنے والے شریک کو زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنانے کی اجازت تھی، چاہے وہ واجب زکوٰۃ کے طور پر ہو یا نفلی زکوٰۃ کے طور پر۔ اور اس کے حکم کے مطابق اس نے کی۔ اور اس کو پہلے والے کی زکوٰۃ ادا کر دینے کی خبر نہیں تھی اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا (۲) ادائیگی زکوٰۃ کی خبر کے بغیر اس نے اجازت کے مطابق عمل کیا ہے اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ علم کے بغیر وہ ادائیگی زکوٰۃ سے معزول نہیں ہوا۔

﴿ کتاب المضاربة ﴾

[۱۳۳۹] (۱) المضاربة عقد علی الشركة فی الربح بمال من احد الشریکین وعمل من الآخر [۱۳۴۰] (۲) ولا تصح المضاربة الا بالمال الذی بینا ان الشركة تصح به.

﴿ کتاب المضاربة ﴾

ضروری نوٹ مضاربت ضرب فی الارض سے مشتق ہے۔ چونکہ مضارب زمین میں سفر کرتا ہے اور تجارت کر کے نفع کماتا ہے اس لئے اس تجارت کو مضاربت کہتے ہیں۔ اس تجارت میں ایک آدمی کی جانب سے مال ہوتا ہے جس کو رأس المال کہتے ہیں۔ اور دوسرے کی جانب سے کام ہوتا ہے جس سے وہ نفع کماتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اس تجارت کا ثبوت اس حدیث سے ہے۔ عن عروۃ یعنی ابن الجعد البارقی قال اعطاه النبی ﷺ دینارا یشتری به اضحیۃ او شاة فاشتری شاتین فباع احدهما بدینار فاتاہ بشاة و دینار فدعا له بالبرکة فی بیعه فکان لو اشتری ترابا لربح فیہ (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب ینخالف ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مضاربت کی تجارت کر سکتا ہے۔

[۱۳۳۹] (۱) مضاربت شرکت کا عقد ہے نفع میں شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ۔

تشریح مضاربت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے کام اور عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث اس کا ثبوت ہے (۲) اثر میں ہے۔ قال خرج عبد الله و عبيد الله ابنا عمر بن الخطاب في جيش الى العراق فلما قفلا مرا على ابي موسى الاشعري وهو امير البصرة فرحب بهما وسهل ثم قال لو اقدر لكما على امرانفعكما به لفعلت ثم قال بلى ههنا مال من مال الله اريد ان ابعث به الى امير المؤمنين فاسلفكماه فتبتاعان به متاعا من متاع العراق ثم تبيعانه بالمدينة فتؤديان رأس المال الى امير المؤمنين فيكون لكما الربح فقال ودنا ففعل (ب) موطا امام مالك، کتاب القراض ما جاء فی القراض ص ۶۱ رد القطنی، کتاب البیوع ج ۳ ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مضاربت جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے عمل ہو۔

[۱۳۴۰] (۲) اور نہیں صحیح ہے مضاربت مگر اس مال سے جن کو میں نے شرکت میں بیان کیا کہ ان سے درست ہے۔

حاشیہ : (الف) ابن جعد بارقی فرماتے ہیں کہ ان کو حضورؐ نے قربانی کی بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا یا بکری خریدنے کے لئے دیا تو انہوں نے دو بکریاں خریدی۔ پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دی۔ پس حضورؐ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے۔ پس آپؐ نے ان کو بیع میں برکت کی دعا دی۔ پس ایسا ہوتا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں نفع ہوتا (ب) حضرت عمرؓ کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبید اللہ عراق کے لشکر میں گئے، پس جب ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس واپس آئے جبکہ وہ بصرہ کے حاکم تھے تو دونوں کو مر حبا کہا اور سہولت دی۔ پھر فرمایا کہ اگر میں تم دونوں کو نفع پہنچا سکتا تو ضرور پہنچاتا۔ پھر فرمایا ہاں! یہاں اللہ کا مال ہے میں چاہتا ہوں کہ امیر المؤمنین کو روانہ کروں۔ پس تم دونوں کو دیتا ہوں، تم دونوں اس سے عراق کا سامان خرید لو پھر اس کو مدینہ میں پہنچاؤ اور اصل مال امیر المؤمنین کو ادا کر دینا تو تم دونوں کو نفع ہو جائے گا۔ دونوں کہنے لگے ہم ایسا چاہتے ہیں، پس ایسا کیا۔

[۱۳۴۱] (۳) ومن شرطها ان يكون الربح بينهما مشاعا لا يستحق احدهما منه درهم

تشریح شرکت میں بیان کیا کہ درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت صحیح ہے۔ سامان کے ذریعہ نہیں۔ اسی طرح مضارب بت بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہے، سامان کے ذریعہ نہیں۔

نوٹ سامان دے دے اور کہے کہ اس کو بیچ کر جو درہم یا دینار آئے اس میں مضارب بت کریں تو درست ہے۔ کیونکہ وکالت کے طور پر پہلے سامان بیچے گا پھر جو قیمت آئے گی وہاں سے مضارب بت شروع ہوگی تو گویا کہ درہم یا دینار سے مضارب بت شروع ہوئی۔

مجا اثر میں ہے۔ عن ابراهيم انه كره البز مضاربة يقول لا، الا الذهب والفضة، قال سفيان ونحن نقول له اجر مثله اذا اعطاه العروض مضاربة (الف) مصنف عبد الرزاق، باب المضاربة بالعروض ج ثامن ص ۲۵۰ نمبر ۱۵۰۹ اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ مضارب بت صحیح نہیں ہے۔ البتہ سامان بیچنے کے بعد اس کی قیمت میں مضارب بت شروع ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن حماد في رجل دفع الى رجل مالا مضاربة فقوم المتاع الف درهم ثم باعه بتسع مائة قال رأس المال تسع مائة (ب) (مصنف ابن أبي شيبة ۱۹۹ فی الرجل يدفع الى الرجل اشيء مضاربة، ج رابع، ص ۴۱۳، نمبر ۲۱۵۷ موطا امام مالک، باب القراض فی العروض ص ۶۲۱) اس اثر میں سامان نو سو میں فروخت ہوا تو نو سو درہم مضارب بت کا رأس المال ٹھہرا اور وہاں سے مضارب بت شروع ہوئی۔

[۱۳۴۱] (۳) اور مضارب بت کی شرط میں سے یہ ہے کہ نفع دونوں کے درمیان مشترک ہو۔ ان دونوں میں سے ایک متعین درہم کا مستحق نہ ہو **تشریح** جو کچھ نفع ہو اس میں سے شرط کے مطابق دونوں کا ہو، ایسا نہ ہو کہ مثلاً نفع میں سے پچاس درہم ایک شریک کو پہلے دے دیا جائے باقی جو بچے اس میں سے دونوں تقسیم کریں، ایسی شرط نہ ہو۔

مجا ممکن ہے کہ صرف پچاس درہم ہی نفع ہو تو وہ ایک کو مل جائیں گے اور دوسرے شریک کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے ایسی شرط فاسد ہے (۲) کئی مرتبہ حدیث گزر چکی ہے کہ متعین درہم مستثنیٰ کرنا درست نہیں ہے۔ عن رافع بن خديج قال حدثني عمائي انهم كانوا يكرون الارض على عهد النبي ﷺ بما ينبت على الاربعاء او بشيء يستثنيه صاحب الارض فنهى النبي ﷺ عن ذلك (ج) (بخاری شریف، باب كراء الارض بالذهب والفضة ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث میں مستثنیٰ کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اثر میں ہے عن قتادة في رجل قال له ابيعك ثمر حائطي بمائة دينار الا خمسين فرقا فكرهه (د) (مصنف عبد الرزاق، باب بيع الثمر ويشترط منها كيلاج ثامن ص ۲۶۱ نمبر ۱۵۱۴۸) اس اثر میں بھی متعین چیز کو مستثنیٰ کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اس لئے نفع میں سے متعین درہم کو

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نخعی کپڑے کو مضارب بت کے طور پر دینے کو مکروہ سمجھتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ایسا مت کرو سوائے سونے اور چاندی کے۔ حضرت سفيان نے فرمایا ہم کہتے ہیں کہ مضارب کو اجرت مثل ملے گی اگر سامان کو مضارب بت پر دیا (ب) حضرت حماد فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے مال مضارب بت پر دیا اور سامان کی قیمت ایک ہزار لگائی، پھر اس کو نو سو میں بیچا تو مضارب بت کا رأس المال نو سو ہی ہے (ج) رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ میرے چچا فرماتے تھے کہ حضورؐ کے زمانے میں لوگ زمین کو کرایہ پر لیتے اس کے بدلے جو اونچی جگہ پر اگتی، یا زمین والا کچھ خاص چیز مستثنیٰ کر لیتا تو حضورؐ نے اس سے منع فرمایا (د) حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے کہا میں آپ سے باغ کا پھل سو دینار میں بیچتا ہوں مگر پچاس فرق تو حضرت قتادہ نے اس کو ناپسند فرمایا۔

مسماة [۱۳۴۲] (۴) ولا بد ان يكون المال مسلما الى المضارب ولا يد لرب المال فيه
[۱۳۴۳] (۵) فاذا صحت المضاربة مطلقة جاز للمضارب ان يشتري ويبيع ويسافر
ويضع ويوكل [۱۳۴۴] (۶) وليس له ان يدفع المال مضاربة الا ان يأذن له رب المال

مستثنیٰ کرنے سے مضارب بت صحیح نہیں ہوگی۔

[۱۳۴۲] (۴) اور ضروری ہے کہ مال سپرد کیا ہوا ہو مضارب کی طرف اور مال والے کا اس پر قبضہ نہ ہو۔

تشریح مضارب بت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مال مضارب کو مکمل طور پر سپرد کر دے تاکہ وہ تجارت کر سکے اور اس پر مال والے کا کوئی قبضہ نہ ہو۔
وجہ اگر مال والے کا قبضہ ہوگا تو مضارب اپنی مرضی سے تجارت نہیں کر سکے گا اور کما حقہ نفع نہیں کما سکے گا۔ اس لئے مضارب کو مکمل طور پر مال سپرد کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ہو کہ صاحب مال کا اس پر قبضہ نہ رہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں حضورؐ نے عروۃ کو مکمل طور پر دینار سپرد کیا تھا جس کی وجہ سے وہ دو بکری خریدے اور ایک بکری بیچ کر ایک دینار نفع لیکر آئے جس سے معلوم ہوا کہ مال پورے طور پر سپرد کرنا ضروری ہے۔

[۱۳۴۳] (۵) پس جب مضارب بت مطلق ٹھہر جائے تو مضارب کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور سفر کرے اور بضاعت پر دے اور وکیل بنائے۔

تشریح جب مضارب بت صحیح ہو جائے اور وہ بھی مطلق ہو، اس میں کسی قسم کی قید نہ ہو تو وہ تمام کام کر سکتا ہے جو تجارت کے لئے مفید ہوا اور نفع بخش ہو۔ مثلاً اس کے رأس المال سے کوئی چیز خرید سکتا ہے پھر اس کو بیچ سکتا ہے۔ اس مال کو لیکر سفر کر سکتا ہے۔ کیونکہ ضرب کے معنی ہی سفر کرنا ہے۔ اور اس مال کو بضاعت پر دے سکتا ہے۔ بضاعت کا مطلب ہے کہ کسی کو کام کرنے کیلئے مال دے کہ اس پر کچھ مزدوری دے دیں گے۔
فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضارب بت کے مال کو لیکر ایسا سفر نہیں کر سکتا جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان حکیم بن حزام صاحب رسول اللہ ﷺ کان یشرط علی الرجل اذا اعطاه مالا مقارضة یضرب له به ان لا تجعل مالی فی کبد رطبة ولا تحملہ فی بحر ولا تنزل بہ بطن مسیل فان فعلت شیئا من ذلک فقد ضمنت مالی (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱) اور سنن بیہقی میں اس حدیث میں یہ جملہ زیادہ ہے فرفع شرطہ الی رسول اللہ ﷺ فاجازہ (ب) (سنن للبیہقی، کتاب القراض، ج سادس، ص ۱۸۴، نمبر ۱۱۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط لگانا جائز ہے جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

[۱۳۴۴] (۶) اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ مال کو مضارب بت پر دے مگر یہ کہ مال والا اس کی اجازت دے، یا کہہ دے کہ اپنی رائے

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے صحابی حکیم بن حزام آدمی پر شرط لگاتے جب مال مضارب بت پر دیتے کہ جب اس کو لیکر سفر کرے تو میرا مال کسی جاندار کے خریدنے میں نہ لگائیں اور نہ اس کو لیکر سمندر کا سفر کرے اور اس کو لیکر کسی وادی میں قیام نہ کریں، پس اگر آپؐ نے ایسا کیا تو میرے مال کے ضامن ہوں گے (ب) حضورؐ کے سامنے یہ شرطیں رکھی تو آپؐ نے اس کی اجازت دی۔

فی ذلک او يقول له اعمل علی رأیک [۱۳۴۵] (۷) وان خص له رب المال التصرف فی بلد بعینه او فی سلعة بعینها لم یجز له ان یتجاوز عن ذلک [۱۳۴۶] (۸) وکذلک

کے مطابق عمل کریں۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو عہدہ اس کو سپرد کیا ہے اسی قسم کا عہدہ دوسرے کو اپنے اختیار سے نہیں دے سکتا۔ مثلاً مال والے نے اس کو مضارب بنایا ہے تو یہ اپنے اختیار سے اس مال کا کسی کو مضارب نہیں بنا سکتا اور اس مال کو مضارب بت پر نہیں دے سکتا۔ ہاں! اس کو مضارب بنانے کا اختیار دیا ہو یا کہا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کیا کریں تو اب اس مال کو دوسرے کو مضارب بت پر دے سکتا ہے۔

مذہب صاحب مال نے مضارب بت کے بارے میں مضارب پر اعتماد کیا ہے، کسی دوسرے پر نہیں اس لئے بغیر اختیار دیئے ہوئے دوسرے کو مضارب بت پر مال نہیں دے سکتا (۲) مضارب بت پر دینا تجارت کے حقوق میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ [۱۳۴۵] (۷) اگر مال والے نے تصرف کرنا کسی متعین شہر میں خاص کیا یا متعین سامان میں خاص کیا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے تجاوز کرے۔

تشریح مال والے نے شرط لگائی کہ صرف فلاں شہر میں تجارت کریں گے یا صرف فلاں چیز کی تجارت کریں گے۔ مثلاً کپڑے کی تجارت کریں گے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اور ایسی شرط کی مخالفت کرنا مضارب کے لئے جائز نہیں ہے۔

مذہب یہ شرطیں اس لئے لگائی جاتی ہیں تاکہ مال ہلاک نہ ہو یا نفع زیادہ ہو، اس لئے ایسی شرط لگانا جائز ہے۔ اور چونکہ شرط ہو گئی اس لئے مضارب کو اس کی پاسداری کرنا ضروری ہے (۲) پہلے گزر چکی ہے۔ وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (الف) (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۷) (۲) او پر دارقطنی اور سنن بیہقی کی حدیث گزری کہ حکیم بن حزام اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما مضارب کو دیتے وقت شرط لگاتے تھے کہ میرے مال سے کوئی جاندار نہیں خریدنا۔ اس کو لیکر سمندر کا سفر نہ کرنا، اس کو لیکر کسی وادی میں قیام نہ کرنا، اور تم نے ایسا کیا اور مال ہلاک ہوا تو تم اس کے ذمہ دار ہو گے (دارقطنی نمبر ۳۰۱۴ سنن للبیہقی، کتاب القراض ج ۱ ص ۱۱۱) جس سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط لگانا جائز ہے۔

اصول مضارب بت میں تعین شہر اور تعین سامان جائز ہے۔

لغت سلعة : سامان۔

[۱۳۴۶] (۸) ایسے ہی اگر مالک نے مضارب بت کی مدت متعین کر دی تو جائز ہے اور عقد اس وقت کے گزرنے سے باطل ہو جائے گا۔

تشریح مثلاً مالک نے کہا کہ تین مہینے تک مضارب بت پر مال لے سکتے ہو اس کے بعد مضارب بت ختم، تو اس طرح مضارب بت کے لئے وقت متعین کرنا جائز ہے۔ اور جب معینہ وقت گزر جائے گا تو مضارب بت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

مذہب شرط متعین کرنے کے لئے اوپر دارقطنی اور بیہقی کی حدیث گزر چکی ہے (۲) مالک کا مال ہے اس لئے وہ اپنی سہولت کے لئے وقت متعین کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان ان کے شرطوں کے پاس بان ہیں۔

ان وقت المضاربة بعینہا جاز وبطل العقد بمضیہا [۱۳۴۷] (۹) وليس للمضارب ان يشتري ابا رب المال ولا ابنه ولا من يعتق عليه فان اشتريهم كان مشتريا لنفسه دون المضاربة [۱۳۴۸] (۱۰) وان كان في المال ربح فليس له ان يشتري من يعتق عليه وان اشتريهم ضمن مال المضاربة وان لم يكن في المال ربح جاز له ان يشتريهم.

[۱۳۴۷] (۹) اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے مال والے کے باپ کو اور نہ اس کے بیٹے کو اور نہ ایسے آدمی کو جو اس پر آزاد ہو جائے، پس اگر ان لوگوں کو خریدتا تو اپنے لئے خریدنا ہوگا نہ مضاربیت کے لئے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے مال والے کو نقصان اٹھانا پڑے۔ مثلاً مال والے کے باپ کو خریدے گا تو وہ مال والے پر آزاد ہو جائے گا تو اس سے رب المال کو نفع کے بجائے نقصان ہوگا۔ اسی طرح اس کے بیٹے کو خریدے گا۔ یا ایسے آدمی کو خریدتا جو مال والے پر آزاد ہو سکتے ہوں مثلاً اس کے قریبی رشتہ دار کو خریدتا تو ایسی صورت میں وہ مضاربیت کے لئے نہیں ہوگا بلکہ خود مضارب کے لئے ہوگا۔

وجہ (۱) ایک تواد پر دارقطنی اور سنن بیہقی کی حدیث گزری کہ فائدے کی شرط لگا سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن سیرین قال اذا خالف المضارب ضمن (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدى ولمن الرخ؟ ج ثامن ص ۲۵۲ نمبر ۱۵۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ مضارب نے مخالفت کی تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

[۱۳۴۸] (۱۰) اگر مال میں نفع ہوا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے ایسے آدمی کو جو مضارب پر آزاد ہو جائے اور اگر اس کو خریدتا تو مضاربیت کے مال کا ضامن ہو جائے گا۔ اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو خریدے۔

تشریح اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لئے یہ جائز نہیں کہ مضارب اپنے ایسے رشتہ دار کو خریدے جو مضارب پر آزاد ہو سکتا ہو، مثلاً اپنے باپ یا بیٹے وغیرہ کو، البتہ اگر نفع نہیں ہے تو ایسے رشتہ دار کو خرید سکتا ہے۔

وجہ اگر مال میں نفع ہے تو کچھ نہ کچھ نفع مضارب کا بھی ہوگا اس لئے جتنا حصہ مضارب کا ہوگا اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ اب رب المال کو نقصان ہوگا کہ اس کو بھی آزاد کرنا ہوگا یا سعی کروانا ہوگا۔ اور یہ نقصان مضارب کے اپنے رشتہ دار کو خریدنے سے ہوا اس لئے مضارب اس کے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو نہیں خرید سکتا۔ البتہ اگر مال میں نفع نہیں ہے تو مضارب کا حصہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے اس لئے مضارب کا رشتہ دار آزاد نہیں ہوگا۔ اس لئے ایسی صورت میں مضارب اپنا آزاد ہونے والے رشتہ دار خرید سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ بھی اوپر کے اصول پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے رب المال کو نقصان ہو۔

حاشیہ : (الف) حضرت محمد ابن سیرین نے فرمایا مضارب شرط کی مخالفت کرے تو ضامن ہوگا۔

[۱۳۴۹] (۱۱) فان زادت قيمتهم عتق نصيبه منهم ولم يضمن لرب المال شيئا ويسعى الممتع لرب المال في قيمة نصيبه منه [۱۳۵۰] (۱۲) واذا دفع المضارب المال مضاربة على غيره ولم يأذن له رب المال في ذلك لم يضمن بالدفع ولا بتصرف المضارب

[۱۳۴۹] (۱۱) پس اگر غلام کی قیمت زیادہ ہوگئی تو مضارب کا حصہ غلام سے آزاد ہو جائے گا اور مضارب رب المال کا کچھ ضامن نہیں ہوگا۔ اور آزاد ہونے والا غلام رب المال کے لئے اس کے حصے کی قیمت میں سعی کرے گا۔

تشریح مال میں نفع نہیں تھا ایسی صورت میں مضارب نے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو خرید لیا جو اس کے لئے جائز تھا، بعد میں اس غلام کی قیمت بڑھ گئی، مثلاً ایک ہزار میں غلام خریدا تھا اب اس کی قیمت بارہ سو درہم ہوگئی تو دو سو درہم میں سے ایک سو نفع رب المال کا ہوا اور ایک سو نفع مضارب کا ہوا اس لئے مضارب کا جو ایک سو نفع ہے وہ حصہ آزاد ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ آزاد ہونے میں مضارب کی کوئی حرکت نہیں ہے، خود بخود آزاد ہوا ہے اس لئے مضارب رب المال کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔ اب غلام کا چونکہ بارہ سو میں ایک سو آزاد ہوا ہے باقی گیارہ سو رب المال کا ہے اس لئے غلام گیارہ سو درہم سعایت کر کے رب المال کو ادا کرے گا جو رب المال کا حصہ ہے اور پھر غلام مکمل آزاد ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حادثاتی طور پر مضارب کی بغیر کسی حرکت کے رب المال کو نقصان ہو جائے تو مضارب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ مضارب نے آزاد نہیں کیا ہے بلکہ غلام خود آزاد ہوا ہے اس لئے مضارب سے غلام کی بقیہ قیمت وصول نہیں کی جائے گی بلکہ غلام رب المال کا حصہ سعی کر کے ادا کرے گا۔

نکتہ سعی : سعایت کرے گا، غلام مال کما کر مولیٰ کو ادا کرے گا تا کہ مکمل آزاد ہو جائے۔

[۱۳۵۰] (۱۲) اگر مضارب نے مال دوسرے کو مضاربت پر دیا حالانکہ رب المال نے اس کو مضاربت پر دینے کی اجازت نہیں دی تھی تو صرف دینے سے ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح رب المال نے مضارب کو مضاربت پر مال دینے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے باوجود اس نے دوسرے کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب رب المال کے مال کا ضامن ہوگا۔ لیکن کب ہوگا اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف مال حوالے کرنے سے نہیں ہوگا۔ اسی طرح مضارب ثانی کے کام شروع کرنے سے ضامن نہیں ہوگا بلکہ جب مضارب ثانی کام کر کے اس میں کچھ نفع کما لے گا تب مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

مجموعہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف مال حوالہ کرنے سے ابھی مضاربت شروع نہیں ہوئی بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ابھی امانت کے طور پر مضارب ثانی کے پاس مال ہے۔ اور جب کام شروع کرے گا تو کہا جاسکتا ہے کہ بضاعت کے طور پر کام کر رہا ہے یعنی اجرت لے کر کام کر رہا ہے۔ لیکن جب نفع حاصل ہو گیا تو اب نفع میں شریک ہونے کی وجہ سے مضارب ثانی حقیقت میں مضارب بن گیا۔ جس کی رب المال کی جانب سے اجازت نہیں

الثانی حتی یربح [۱۳۵۱] (۱۳) فاذا ربح ضمن المضارب الاول المال لرب المال
 [۱۳۵۲] (۱۴) واذا دفع اليه مضاربة بالنصف فاذن له ان يدفعها مضاربة فدفعها بالثلث
 جاز [۱۳۵۳] (۱۵) فان كان رب المال قال له على ان ما رزق الله تعالى بيننا نصفين
 فلرب المال نصف الربح واللمضارب الثاني ثلث الربح وللأول السدس [۱۳۵۴] (۱۶)
 وان كان قال على ان ما رزقك الله بيننا نصفين فللمضارب الثاني الثلث وما بقى بين

تھی۔ اس لئے اب مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضارب بت میں ضمان کا معاملہ حقیقی مضارب بت شروع ہونے کے بعد ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مضارب ثانی نے کام شروع کر دیا تو مضارب بت شروع ہوگئی۔ اس لئے کام شروع کرنے پر مضارب اول
 رب المال کا ضامن ہوگا۔ چاہے ابھی نفع حاصل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

[۱۳۵۱] (۱۳) پس جب نفع ہو مضارب اول مالک کے لئے مال کا ضامن ہوگا۔

تشریح مال سپرد کر دیا پھر مضارب ثانی نے کام شروع کیا پھر جب نفع ہوا تب مضارب اول رب المال کے مال کا ضمان ہوگا۔

وجہ کیونکہ اب حقیقت میں مضارب ثانی مضارب بن گیا اور نفع میں بھی شریک ہو گیا۔

[۱۳۵۲] (۱۴) اگر مالک نے مضارب کو آدھے نفع پر مضارب بت پر دیا پھر اس کو اجازت دی کہ دوسرے کو مضارب بت پر دے سکتا ہے۔ پس اس
 نے تنہائی نفع پر دیا تو جائز ہے۔

تشریح مالک نے مضارب کو مال دیا اور یہ بھی کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان نفع آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔ البتہ آپ اس مال کو دوسروں کو بھی
 مضارب بت کے طور پر دے سکتے ہیں۔ اب اس نے دوسرے مضارب کو تنہائی نفع پر مال دیا تو جائز ہے۔ اب آگے مالک نے کس انداز سے تقسیم
 نفع کا حساب طے کیا اس کی تین صورتیں ہیں جو آگے آرہی ہیں۔

[۱۳۵۳] (۱۵) پس اگر مالک نے مضارب سے کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس کا ہم دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مالک کا آدھا نفع ہوگا
 اور مضارب ثانی کی ایک تنہائی ہوگی اور مضارب اول کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

تشریح چونکہ مالک نے یہ کہا تھا کہ جتنا نفع ہوگا اس میں آدھا میرا ہوگا تو باقی آدھا نفع رہا۔ اس میں سے ایک تنہائی مضارب ثانی کو دے
 دیا۔ مثلاً چھ درہم نفع ہوا، آدھا یعنی تین درہم مالک کا ہو گیا اور ایک تنہائی یعنی دو درہم مضارب ثانی کے ہو گئے، باقی ایک درہم یعنی چھٹا حصہ
 باقی رہا یہ مضارب اول کے ملے گا۔ اس دور کا کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا مالک کا سو میں سے 50% مضارب ثانی کا 33.33%
 مضارب اول کا حصہ 16.66% ہوگا۔

[۱۳۵۴] (۱۶) اور اگر مالک نے کہا ہو جو کچھ آپ کو اللہ دے اس میں سے ہمارے اور آپ کے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مضارب ثانی لئے

رب المال والمضارب الاول نصفان [۱۳۵۵] (۱۷) فان قال علی ان ما رزق الله فلی فلی نصفه فدفع المال الی آخر مضاربة بالنصف فالثانی نصف الربح ولرب المال النصف ولا شیء للمضارب الاول [۱۳۵۶] (۱۸) فان شرط للمضارب الثانی ثلثی الربح فلرب المال نصف الربح و للمضارب لثانی نصف الربح ویضمن المضارب الاول

تہائی اور جو نفع باقی رہا وہ مالک اور مضارب اول کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح پہلے قول اور اس قول میں فرق ہے۔ اس لئے نفع تقسیم ہونے میں فرق ہو گیا۔ پہلے میں مالک نے مضارب سے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو اس تمام میں سے مجھے آدھا چاہئے، باقی آپ جانیں۔ اور اس مسئلے میں یہ ہے کہ مالک نے مضارب اول سے یہ کہا کہ جو کچھ آپ کو نفع ہوگا اس آپ کے نفع میں سے مجھے آدھا نفع دیں۔ اس صورت میں ایک تہائی مضارب ثانی کے پاس چلا گیا۔ اب باقی دو تہائی رہے۔ اس دو تہائی میں سے آدھا آدھا یعنی ایک ایک تہائی مالک اور مضارب اول تقسیم کریں گے۔ کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا۔ مضارب ثانی کے لئے 33.33% باقی نفع رہا 66.66% اس میں سے آدھا مالک کو ملے گا 33.33% اور مضارب اول کو ملے گا 33.33% گویا کہ تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

[۱۳۵۵] (۱۷) اور اگر مالک نے کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس میں سے میرا آدھا ہوگا پھر بھی دوسرے کو مال مضارب بت کے طور پر آدھے پر دیا ہو تو مضارب ثانی کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

تشریح مالک نے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو سب میں سے آدھا میرا ہوگا۔ اس کے باوجود مضارب نے دوسرے کو آدھے نفع کی شرط پر مضارب بت پر دے دیا تو اس صورت میں آدھا نفع مالک کو ملے گا 50% اور آدھا نفع مضارب ثانی کو ملے گا 50% اب باقی کچھ نہیں رہا اس لئے مضارب اول کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

[۱۳۵۶] (۱۸) اور اگر شرط کیا مضارب ثانی کے لئے نفع کی دو تہائی تو مالک کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب اول مضارب ثانی کے لئے نفع کے چھٹے کی مقدار کا ضامن ہوگا اپنے مال میں سے۔

تشریح مالک نے کہا تھا کہ میں پورے نفع کا آدھا لوں گا۔ اور مضارب اول نے دوسرے مضارب کو پورے نفع کی دو تہائی پر دے دیا تو آدھے نفع میں سے بھی ایک چھٹا حصہ زیادہ نفع دے دیا تو اس چھٹے حصے کا ذمہ دار مضارب اول ہوگا۔

مجموعہ کیونکہ اسی نے ہی دو تہائی نفع دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا۔ مالک کا آدھا ہوگا 50% مضارب ثانی کا 66.66% دو تہائی اور مضارب اول اپنے مال میں سے ادا کرے گا 16.66% ایک چھٹا حصہ۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہیں کہ جیسی جیسی شرطیں آپس میں طے ہوئی ہیں نفع اسی کے مطابق تقسیم کیا جائے گا (۲) المسلمون عند شروطہم (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۷)

للمضارب الثاني مقدار سدس الربح من ماله [۱۳۵۷] (۱۹) واذا مات رب المال او المضارب بطلت المضاربة [۱۳۵۸] (۲۰) واذا ارتد رب المال عن الاسلام ولحق بدار الحرب بطلت المضاربة [۱۳۵۹] (۲۱) وان عزل رب المال المضارب ولم يعلم بعزله حتى اشترى او باع فتصرفه جائز [۱۳۶۰] (۲۲) وان علم بعزله والمال عروض في يده

[۱۳۵۷] (۱۹) اگر مالک یا مضارب کا انتقال ہو گیا تو مضارب بت باطل ہو جائے گی۔

مجمع مضارب بت میں مضارب مالک کا وکیل ہوتا ہے اور انتقال ہونے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لئے دونوں میں سے کسی ایک کے انتقال سے مضارب بت باطل ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشياء (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت، ج ثانی، ص ۴۲، نمبر ۲۸۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انتقال سے مضارب بت باطل ہو جائے گی۔

[۱۳۵۸] (۲۰) اگر مالک اسلام سے مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو مضارب بت باطل ہو جائے گی۔

تشریح اسلام سے مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے اندازہ ہے کہ کبھی واپس نہیں آئے گا تو وہ مرنے کے درجے میں ہو گیا۔ اس لئے ان مضارب بت باطل ہو جائے گی

مجمع حدیث او پر گزر گئی اذا مات الانسان انقطع عنه عمله۔

[۱۳۵۹] (۲۱) اگر مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو اپنے معزول ہونے کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ خرید یا بیچا تو اس کا تصرف جائز ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدہ پر ہے کہ مالک اپنے اختیار سے معزول کرنا چاہے تو اس وقت معزول ہوگا جب مضارب کو اپنی معزولی کا علم ہو جائے گا۔ اس سے قبل وہ مضارب بحال رہے گا اس لئے معزول کرنے کے بعد علم ہونے سے پہلے مضارب نے جو کچھ تصرف کیا، خرید یا بیچا تو وہ جائز ہے۔

اصول اختیاری معزولی میں وکیل کو علم سے پہلے وہ معزول نہیں ہوگا۔

[۱۳۶۰] (۲۲) اور اگر معزول کرنے کی اطلاع ہوئی اور مال اس کے ہاتھ میں سامان تھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو بیچے اور معزول کرنا مضارب کو بیچنے سے نہیں روکے گا۔ پھر اس کی قیمت سے اور چیز خریدنا جائز نہیں ہے۔

تشریح مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو معزولی کی اطلاع بھی ہوئی لیکن اس وقت اس کے پاس مضارب بت کا سامان تھا تو وہ سامان بیچ سکتا ہے۔ البتہ جب سامان کی قیمت آجائے تو اس قیمت سے مزید کوئی چیز نہ خریدے۔

مجمع مضارب کے نفع کا حساب نقد مال یعنی درہم اور دینار میں ہو سکے گا، سامان میں نہیں ہو سکے گا اور مضارب کا نفع میں حق ہے اس لئے

فلہ ان یبعھا ولا یمنعہ العزل من ذلک ثم لا یجوز ان یشتری بثلثھا شیئا آخرؤ [۱۳۶۱]
 (۲۳) وان عزلہ ورأس المال دراهم او دنانیر قد نضت فلیس لہ ان یتصرف
 فیھا [۱۳۶۲] (۲۴) واذا افترقا وفي المال دیون وقد ربح المضارب فیہ اجبرہ الحاکم
 علی اقتضاء الدیون وان لم یکن فی المال ربح لم یلزمہ الاقتضاء ویقال لہ وکل رب

سامان بیچ کر نقد بنا سکتا ہے تاکہ نقد ہونے کے بعد نفع کا حساب کر سکے۔ البتہ اس قیمت سے اب دوسری چیز نہ خریدے تاکہ مضارب بت کا معاملہ آگے نہ بڑھے اور مالک کو نقصان نہ ہو۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چاہے مضارب کو معزول کر دیا ہو لیکن اگر اس کا نقصان ہو رہا ہو تو نقصان کی تلافی تک وہ معزول نہیں ہوگا۔ لا ضرر ولا ضرار۔

[۱۳۶۱] (۲۳) اور اگر مضارب کو معزول کیا اس حال میں کہ رأس المال نقد درہم یا دینار ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرے۔

مذہب سامان تھا اس لئے بیچنے کی اجازت تھی کہ نقد درہم یا دینار یا سکہ ہو جائے اور آسانی سے نفع کا حساب کر سکے لیکن پہلے سے نقد درہم، دینار یا سکہ ہوں تو اب اس کو تصرف کیوں کرے۔ اس لئے کہ اب اس میں تصرف کرنے میں مالک کا نقصان ہوگا کہ بغیر اس کی مرضی کے مضارب بت کی میعاد بڑھتی جائے گی۔ اس لئے اب اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

نکتہ نضت : سامان کے بعد نقد ہوا ہو۔

[۱۳۶۲] (۲۴) اگر مالک اور مضارب علیحدہ ہوئے اور مال ادھار میں ہے اور مضارب اس سے نفع لے چکا ہے تو حاکم اس کو ادھار وصول کرنے پر مجبور کرے گا۔ اور اگر مال میں نفع نہ ہوا ہو تو مضارب کو ادھار وصول کرنا لازم نہیں ہے۔ اس کو کہا جائے گا کہ مالک کو وصول کرنے کا وکیل بنادے۔

تشریح مالک اور مضارب مضارب بت سے جدا جدا ہو رہے ہیں۔ اور صورت حال یہ ہے کہ کچھ مال مضارب بت ادھار پر گیا ہوا ہے، اب اس کی قیمت کون وصول کرے؟ مالک یا مضارب؟ تو فرماتے ہیں کہ اگر مضارب اس مال سے نفع لے چکا ہے تو ادھار وصول کرنا مضارب کا کام ہے۔

مذہب جب مضارب نے نفع لیا تو گویا کہ وہ اجیر کے مانند ہو گیا۔ اس نے بیچنے، خریدنے اور ادھار وصول کرنے کی اجرت لے لی۔ اس لئے ادھار وصول کرنا اس پر لازم ہوگا۔ اور اگر نفع نہیں لیا ہے تو مضارب تبرع اور احسان کے طور پر بیچنے خریدنے کا وکیل بنا ہوا ہے۔ اور تبرع اور احسان والے کو مزید کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے حاکم اس کو ادھار وصول کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ البتہ مضارب اس ادھار کو وصول کرنے کا وکیل مالک کو بنادے تاکہ اس کی وکالت میں وہ ادھار وصول کر سکے اور اس کا مال ضائع نہ ہو۔

المال فی الاقتضاء [۱۳۶۳] (۲۵) وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال [۱۳۶۴] (۲۶) فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب فيه.

نوٹ چونکہ مضارب نے عقد کیا تھا اس لئے ادھار وصول کرنا اس کے حقوق میں سے تھا۔ اس لئے وہ مالک کو باضابطہ وکیل بنائے تاکہ وہ اس کی وکالت میں ادھار وصول کر سکے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تبرع اور احسان میں کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لغت دیون : قرض، ادھار۔ اقتضاء : وصول کرنا۔

[۱۳۶۳] (۲۵) جو کچھ ہلاک ہو جائے مضاربیت کے مال سے تو وہ نفع سے ہوگا نہ کہ اصلی پونجی سے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مال کی ہلاکت پہلے نفع میں سے وضع کی جائے گی۔ ہلاکت اس سے بھی زیادہ ہو تو اصل پونجی سے جائے گی۔ شروع میں ہی ہلاکت اصل پونجی سے وضع نہیں کریں گے۔ اس لئے مال ہلاک ہو جائے تو پہلے نفع سے وضع کی جائے گی اصل پونجی سے نہیں۔

وجہ (۱) نفع تابع ہے اور پونجی اصل ہے۔ اس لئے ہلاکت پہلے تابع سے وضع کی جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن سیرین و ابو قلابہ قال فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فضا ع بعضه او وضع قال ان كان صاحب المال لم يحاسبه حتی ضرب به اخرى فربح فلا ربح للمقارض حتی يستوفی صاحب المال رأس ماله وان كان قد حاسبه او آجره ثم ضرب به مرة اخرى اقتسما الربح بينهما، وكان الوضیع الاول علی المال (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب به مرة اخرى ج ثامن ص ۲۵۱ نمبر ۱۵۰۹) اس اثر میں ہے کہ کچھ مال ہلاک ہو جائے اور پہلے نفع کا حساب نہ کیا ہو تو ہلاکت نفع میں سے وضع کی جائے گی۔ اور اس وقت تک مضارب کو نفع نہیں ملے گا جب تک پونجی پوری نہ ہو جائے۔ اور اگر پہلا حساب ہو چکا ہو یعنی پہلا عقد ختم ہو چکا ہو پھر دوسرے عقد میں نفع ہوا ہو تو یہ نفع پہلی پونجی میں وضع نہیں کیا جائے گا۔

[۱۳۶۴] (۲۶) پس اگر ہلاک ہونے والا مال نفع سے بڑھ جائے تو مضارب پر اس میں ضمان نہیں ہے۔

تشریح مثلاً ایک ہزار درہم پونجی تھی اور دوسو درہم نفع کمایا تھا۔ بعد میں تین سو درہم ہلاک ہو گئے تو دوسو درہم نفع میں سے وضع کئے جائیں گے اور بعد میں ایک سو درہم اصل پونجی سے جائے گا۔ اور مضارب اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) مضارب امین ہے اور بغیر تعدی کے امین سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے مضارب پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) پہلے اثر میں گزرا و كان الوضیع الاول علی المال (الف) (مصنف عبدالرزاق، نمبر ۱۵۰۹ (۳) حضرت علی کا

حاشیہ : (الف) ابن سیرین اور ابو قلابہ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کو مال مضاربیت پر دے، پس کچھ مال ضائع ہو گیا یا ہلاک ہو گیا تو فرمایا اگر مال والے نے حساب نہ کیا ہو یہاں تک کہ دوسری مرتبہ سفر کیا اور نفع اٹھایا تو مضارب کے لئے نفع نہیں ہوگا یہاں تک کہ مالک پونجی پوری کر لے۔ اور اگر حساب کر چکا ہے یا اجرت پر دیا ہے پھر دوسری مرتبہ سفر کیا تو نفع آپس میں تقسیم کریں گے اور پہلی ہلاکت مال میں شمار ہوگی (ب) اور پہلی ہلاکت مال میں شمار ہوگی۔

[۱۳۶۵] (۲۷) وان كانا يقسمان الربح والمضاربة على حالها ثم هلك المال كله او بعضه تراد الربح حتى يستوفي رب المال رأس المال [۱۳۶۶] (۲۸) فان فضل شيء

اثر ہے۔ عن علی فی المضاربة، الوضیعة علی المال والربح علی ما اصطلاحوا علیه (الف) مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب ووضیعتہ ج ثامن ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۰۸ مصنف ابن ابی شیبہ امن قال الریح علی ما اُصلح علیه والوضیعة علی رأس المال، ج رابع، ص ۲۷۲، نمبر ۱۹۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہلاکت پونجی سے شراکی جائے گی۔ اس لئے مضارب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

[۱۳۶۵] (۲۷) اور اگر دونوں نفع تقسیم کر چکے ہوں اور مضارب بت اپنی حالت پر ہو، پھر کل پونجی ہلاک ہو جائے یا بعض ہلاک ہو جائے تو دونوں نفع واپس لوٹائیں گے یہاں تک کہ مالک اصل پونجی پوری کر لے۔

تشریح مضارب اور مالک نفع تقسیم کر چکے تھے لیکن مضارب بت کا عقد اپنی حالت پر بدستور تھا اس کو ختم نہیں کیا تھا کہ اسی دوران پوری پونجی یا کچھ پونجی ہلاک ہو گئی تو قاعدہ یہ ہے کہ دونوں نے جو نفع تقسیم کیا تھا وہ واپس کرے اور اصل پونجی میں شامل کرے تاکہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے۔

مجا جب پونجی ہلاک ہو گئی تو معلوم ہوا کہ نفع تقسیم کرنا صحیح نہیں تھا۔ اس لئے کہ نفع اصل پونجی پوری ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اور یہاں اصل پونجی میں کمی واقع ہو گئی۔ اس لئے نفع واپس کر کے اصل پونجی پوری کی جائے گی (۲) اصل پونجی نفع سے پوری نہ کریں تو مالک کو بلا وجہ نقصان ہوگا جس سے بچنا ضروری ہے (۳) ابھی اوپر گزرا۔ عن ابن سیرین وابی قلابہ قال فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فضاع بعضه او وضع قال ان كان صاحب المال لم يحاسبه حتى ضرب به اخرى فربح فلا ربح للمقارض حتى يستوفي صاحب المال رأس ماله (ب) مصنف عبدالرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب به مرة اخرى ج ثامن ص ۲۵۱ نمبر ۱۵۰۹۹) اس اثر میں ہے کہ مضارب کو اس وقت تک نفع نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اصل پونجی پوری نہ ہو جائے۔ اس لئے واپس لوٹا کر اصل پونجی پوری کی جائے گی۔

[۱۳۶۶] (۲۸) پس اگر کچھ نفع بچ جائے تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اور اگر پونجی میں کچھ کم رہ جائے تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔ **تشریح** نفع دونوں نے واپس کیا پھر بھی ہلاکت اتنی تھی کہ اصل پونجی پوری نہیں ہو پائی تو اب اس نقص کا ذمہ دار مضارب نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک ہزار درہم اصل پونجی تھی۔ پھر دو سو درہم نفع کمایا تھا۔ لیکن ہلاکت تین سو درہم تھی اس لئے نفع کے دو سو درہم واپس کئے۔ پھر بھی ایک سو درہم پونجی میں سے باقی رہ گئے تو اس ایک سو درہم کا ضمان مضارب نہیں دے گا۔

مجا پہلے گزر گیا ہے کہ مضارب امین ہے (۲) اثر میں تھا الوضیعة علی المال (مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۵۰۸) اس لئے مضارب اس

حاشیہ: (الف) حضرت علیؑ نے فرمایا کہ مضارب بت کے بارے میں ہلاکت مال پر ہوگی اور نفع صلح کے مطابق ہوگا (ب) ابن سیرین اور ابو قلابہ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کو مال مضارب بت پر دے پس کچھ مال ضائع ہو جائے؟ فرمایا اگر مال والے نے حساب نہیں کیا ہو یہاں تک کہ دوسری مضارب بت ہوئی اور نفع اٹھایا تو مضارب کو نفع نہیں ملے گا یہاں تک کہ مالک اپنی پونجی پوری کر لے۔

كان بينهما وان نقص من رأس المال لم يضمن المضارب [۱۳۶۷] (۲۹) وان كانا اقتسما الربح وفسخا المضاربة ثم عقداها فهلك المال او بعضه لم يترادا الربح الاول [۱۳۶۸] (۳۰) ويجوز للمضارب ان يبيع بالنقد والنسيئة [۱۳۶۹] (۳۱) ولا يزوج عبدا ولا امة من مال المضاربة.

نقص کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

[۱۳۶۷] (۲۹) اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا ہو اور مضارب بت توڑ دی ہو پھر دونوں نے عقد مضارب بت کیا ہو پھر کل مال ہلاک ہو تو پہلا نفع نہیں لوٹائیں گے۔

مجموعہ پہلا عقد بالکل ختم ہو گیا ہے۔ اور یہ دوسرا عقد عقد جدید ہے۔ اس لئے اس کی پونجی کی ہلاکت پہلے میں شامل نہیں ہوگی۔ اور پہلا نفع واپس کر کے اس پونجی کو پوری نہیں کی جائے گی (۲) اثر میں تھا۔ عن ابن سیرین و ابی لابة... وان كان قد حاسبه او آجره ثم ضرب به مرة اخرى اقتسما الربح بينهما وكان الوضیع الاول على المال (الف) (مصنف عبدالرزاق، نمبر ۱۵۰۹۹) اس اثر میں ہے کہ پہلے عقد کا حساب ہو گیا ہو تو دوسرے عقد کا اثر پہلے پر نہیں پڑے گا۔

[۱۳۶۸] (۳۰) مضارب کے لئے جائز ہے کہ نقد بیچے یا ادھار بیچے۔

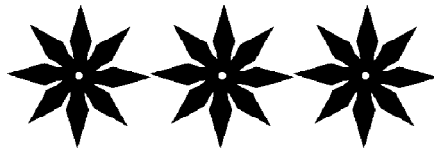
مجموعہ چونکہ تجارت میں نقد اور ادھار دونوں طرح بیچنے کا رواج ہے اس لئے مضارب کو دونوں طرح بیچنے کا حق ہوگا۔

[۱۳۶۹] (۳۱) اور مضارب نہ شادی کرائے غلام کی یا باندی کی مضارب بت کے مال سے۔

تشریح مضارب بت کے مال سے غلام یا باندی خریدنا ہو اور اس کی شادی کروانا چاہے تو مالک کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کروا سکتا۔

مجموعہ باندی کی شادی کرانے سے مہر ملے گا، نفقہ ملے گا اور بچہ پیدا ہوگا تو وہ بھی غلام ہوگا یہ سب فوائد تو ہیں لیکن یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہیں اس لئے مضارب باندی یا غلام کی شادی بغیر مالک کی اجازت کے نہیں کروا سکتا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضارب متعلقات تجارت کا کام کر سکتا ہے اور جو متعلقات تجارت نہ ہو ایسا کام نہیں کر سکتا۔



(الف) اور اگر حساب کر لیا ہو یا اجرت پر دیا ہو پھر دوسری مرتبہ سفر کیا تو نفع آپس میں تقسیم کریں گے اور مال کی پہلی ہلاکت پونجی میں شمار کی جائے۔

﴿ کتاب الوكالة ﴾

[۱۳۷۰] (۱) کل عقد جاز ان یعقده الانسان بنفسه جاز ان یوکل به غیره [۱۳۷۱] (۲) ویجوز التوکیل بالخصومة فی سائر الحقوق وبإثباتها ویجوز بالاستیفاء.

﴿ کتاب الوكالة ﴾

ضروری نوٹ وکالت کے معنی سپرد کرنا، خود کوئی کام نہ کرے اور دوسرے کو کام کرنے کا وکیل بنائے اس کو وکالت کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **بابعثوا احدکم بورقکم هذه الى المدينة فليظروا ايها اذكى طعاما فليأتکم برزق منه (الف)** (آیت ۱۹ سورة الکہف) اس آیت میں اصحاب کہف کے ساتھیوں نے کھانا خریدنے کا وکیل بنایا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن علیؓ قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان اتصدق بجلال البدن التي نحرت وبجلودها (ب)** (بخاری شریف، باب وکالت الشریک فی القسمة وغیرہا ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۹۹) اس حدیث میں اونٹ ذبح کرنے اور اس کی کھال کو صدقہ کرنے کا وکیل حضرت علیؓ کو آپؐ نے بنایا۔ [۱۳۷۰] (۱) ہر وہ عقد جو انسان خود کر سکتا ہو، جائز ہے کہ اس کا دوسرے کو بھی وکیل بنائے۔

تشریح جو کام خود کر سکتا ہے اس کام کے کرنے کا دوسروں کو بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

مجا (۱) اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اونٹ ذبح کرنے اور کھال صدقہ کرنے کا وکیل بنایا۔ اور یہ کام حضورؐ خود بھی کر سکتے تھے (۲) بعض مرتبہ آدمی خود ایک کام نہیں کر سکتا ہے تو مجبوری ہوتی ہے کہ دوسروں سے وہ کام کروائے (۳) اوپر کی آیت میں بھی کہف کے ساتھیوں نے دوسرے کو کھانا خریدنے کا وکیل بنایا ہے۔

[۱۳۷۱] (۲) اور جائز ہے وکیل بنانا تمام حقوق میں جھگڑا کرنے کا اور ان کے ثابت کرنے کا اور جائز ہے حقوق حاصل کرنے کے لئے۔ تمام حقوق میں خصومت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔ خصومت کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرے، پھر اس کو ثابت کرے، گواہ پیش کرے اور اپنے حق میں فیصلہ کے لئے زور لگائے۔ ان تمام کاروائیوں کو وکیل بالخصومت کہتے ہیں۔ اسی طرح حق کو ثابت کرنے اور حق کو وصول کرنے کے لئے بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

مجا (۱) ہر آدمی قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے خصومت کا وکیل بنانا جائز ہے (۲) حضورؐ نے مسیلمہ کذاب کو جواب دینے کے سلسلے میں ثابت بن قیس کو وکیل بنایا ہے۔ اس لمبی حدیث کا ٹکڑا پیش خدمت ہے۔ **عن ابن عباس قال قدم مسیلمة الکذاب علی عهد النبی ﷺ ... وهذا ثابت بن قیس یجیبک عنی ثم انصرف عنه (ج)** (بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامة بن اثال، کتاب المغازی ص ۶۲۷ نمبر ۴۳۷۳) (۳) مقدمہ پیش کرنے کے لئے عبدالرحمن بن سہل آگے

حاشیہ : (الف) تم میں سے ایک کو ان سکوں کو لیکر شہر بھیجیں تو وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاک ہے تو اس سے کچھ کھانے کا لائے (ب) حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ اونٹ کی جل کو صدقہ کروں جس کو میں نے ذبح کیا ہے اور اس کی کھال کو صدقہ کروں (ج) مسیلمہ کذاب حضورؐ کے زمانے میں آیا... یہ ثابت بن قیس ہیں، یہ میری جانب سے تم کو جواب دیں گے، پھر آپؐ واپس چلے آئے۔

[۱۳۷۲] (۳) الا فی الحدود والقصاص فان الوكالة لا تصح باستيفائهما مع غيبة الموکل عن المجلس [۱۳۷۳] (۴) وقال ابو حنیفة رحمه الله تعالى لا يجوز التوکیل

بڑھے جوان لوگوں میں سے چھوٹے تھے تو آپ نے بات کرنے کے لئے بڑے کو خصومت کا وکیل بنایا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال انطلق عبد الله بن سهل ومحیصة بن مسعود بن زید الی خیبر... فذهب عبد الرحمن یتکلم فقال صلی اللہ علیہ وسلم کبر کبر وهو احدث القوم فسکت فتکلم (الف) (بخاری شریف، باب المواعید والمصالح مع المشرکین بالمال وغیرہ ص ۴۵۰ نمبر ۳۱۷۷) اس حدیث میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے بڑے کو وکیل بنایا جس سے معلوم ہوا کہ خصومت کے لئے وکیل بنا سکتا ہے (۴) اثر میں ہے۔ عن عبد الله بن جعفر قال کان علی بن ابی طالب یکره الخصومة فكان اذا كانت له خصومة وکل فیها عقیل بن ابی طالب فلما کبر عقیل وکلنی (ب) (سنن البیہقی، باب التوکیل فی الخصومات مع الحضور والغیبة، ج ۱ ص ۱۳۲، نمبر ۱۱۴۳۷) اس اثر میں ہے کہ حضرت علی خود خصومت نہیں کرتے بلکہ حضرت عقیل کو خصومت کا وکیل بناتے۔

[۱۳۷۲] (۳) مگر حدود اور قصاص میں کہ ان کو حاصل کرنے کی وکالت صحیح نہیں ہے اس مجلس میں موکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں **تشریح** مجلس میں موکل موجود نہ ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کی وکالت صحیح نہیں ہے۔ ہاں! مجلس میں موکل موجود ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کا وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

وجہ حدود اور قصاص شبہ سے بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور موکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ ہے کہ موکل نے اخیر وقت میں حدود یا قصاص لینے سے معاف کر دیا ہو۔ اس لئے اس کی موجودگی کے بغیر وکیل بنانا جائز نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود اور قصاص کو ساقط کرنے کی کوشش کرو اور وکیل بنانے میں اس کو مضبوط کرنا ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ عن عائشة قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ادءوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم، فان کان له مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی درء الحدود ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۴ ابن ماجہ شریف، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشہات ص ۳۶۵ نمبر ۲۵۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود و قصاص کو ساقط کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

[۱۳۷۳] (۴) امام ابو حنیفہ نے فرمایا خصومت کی وکالت جائز نہیں ہے مگر مقابل کی رضامندی سے، مگر یہ کہ موکل بیمار ہو یا غائب ہو اس طرح کہ تین دن یا اس سے زیادہ کے سفر پر ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مد مقابل راضی ہو یا پھر موکل کو مجبوری ہو مثلاً بیمار ہو کہ مجلس قضا میں نہیں آ سکتا ہو یا تین دن کے سفر پر ہو تو مد

حاشیہ : (الف) حضرت عبد الرحمن بات کرنے لگے تو آپ نے فرمایا بڑے بات کریں، بڑے بات کریں۔ کیونکہ عبد الرحمن قوم میں سے چھوٹے تھے تو وہ چپ رہے اور بڑے دونوں نے حضورؐ سے بات کی (ب) حضرت علیؓ مقدمہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ پس ان کے لئے کوئی مقدمہ ہوتا تو وہ اس میں عقیل بن ابی طالب کو وکیل بناتے۔ پس جب حضرت عقیل بوڑھے ہو گئے تو مجھے وکیل بنانے لگے (ج) آپ نے فرمایا جب تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کیا کرو۔ پس اگر ان کے لئے نکلنے کا کوئی راستہ ہو تو راستہ چھوڑ دو۔ اس لئے کہ امام معانی میں غلطی کرے یہ زیادہ بہتر ہے کہ سزا میں غلطی کرے۔

بالخصومة الا برضا الخصم الا ان يكون الموكل مريضا او غائبا مسيرة ثلاثة ايام فصاعدا [۱۳۷۴] (۵) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله يجوز التوكيل بغير رضا الخصم [۱۳۷۵] (۶) ومن شرط الوكالة ان يكون الموكل ممن يملك التصرف ويلزمه

مقابل کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی چالاکی میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ وکیل اپنی چالاکی سے مد مقابل کو خواہ مخواہ نقصان دے اور حق فیصلہ کرانے میں دشواری پیدا کرے۔ اس لئے مجبوری یا رضامندی کے بغیر خصومت کا وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

نوٹ وکیل بنالے اور فیصلہ ہو جائے تو درست ہو جائے گا۔

[۱۳۷۴] (۵) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا بغیر مقابل کی رضامندی کے وکیل بنانا جائز ہے۔

وجہ اوپر اثر گزرا کہ حضرت علیؓ بغیر کسی مجبوری کے حضرت عقیلؓ کو خصومت کا وکیل بنایا کرتے تھے۔ عن عبد الله بن جعفر قال قال علي بن طالب يكره الخصمة فكان اذا كانت له خصومة وكل فيها عقیل بن ابی طالب فلما كبر عقیل وكلني (الف) (سنن للبیہقی، باب التوكيل فی الخصومات مع الحضور والغیبة، ج ۳ ص ۱۳۴، نمبر ۱۱۳۳) اس سے معلوم ہوا کہ مجبوری نہ ہو اور خصم راضی نہ ہو تب بھی خصومت کا وکیل بنا سکتا ہے (۲) وہ فرماتے ہیں کہ وکیل بنانا موکل کا اپنا ذاتی حق ہے۔ اس لئے مقابل کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ بغیر اس کی رضامندی کے بھی خصومت میں وکیل بن سکتا ہے۔

اصول پہلے ایک اصول گزرا چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نظر مد مقابل کے نقصان کی طرف جاتی ہے، جبکہ صاحبین کی نظر خود موکل کے نقصان کی طرف جاتی ہے۔

[۱۳۷۵] (۶) اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ موکل ان میں سے ہو جو تصرف کرنے کا مالک ہو اور اس کو احکام لازم ہوتے ہوں۔

تشریح وکالت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ خود وکیل بنانے والا جس چیز کا وکیل بنا رہا ہو اس کام کو کر سکتا ہو۔

وجہ اگر وہ خود نہیں کر سکتا ہے تو وہ دوسروں کو کرنے کا حکم کیسے دے گا؟ اور دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکام اس پر لازم ہوتے ہوں، یعنی وہ خود عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ اگر وہ عاقل، بالغ اور آزاد نہیں ہے تو اس پر شریعت کے احکام لازم نہیں ہوں گے۔ جب اس پر لازم نہیں ہوتے تو دوسرے کو احکام لازم کرنے کا حکم کیسے دے؟ یعنی اس کام کو کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے نابالغ اور مجنون سے احکام اٹھادیئے گئے ہیں۔ عن علی ان رسول الله ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النساء حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يشب وعن المعتوه حتى يعقل (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن لا یجب علیہ الحد

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ مقدمہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ پس ان کے لئے کوئی مقدمہ ہوتا تو وہ اس میں عقیل بن ابی طالب کو وکیل بناتے۔ پس جب حضرت عقیل بوڑھے ہو گئے تو مجھے وکیل بنانے لگے (ب) پ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھادیا گیا ہے سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور معتوہ سے جب تک عقل والا نہ ہو جائے۔

الاحکام [۱۳۷۶] (۷) والوکیل ممن یعقل البیع ویقصده [۱۳۷۷] (۸) واذا وکل الحر البالغ او الماذون مثلهما جاز [۱۳۷۸] (۹) وان وکلا صبیا محجوراً یعقل البیع والشراء

ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۳ اربوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۳۹۹ اس لئے اگر موکل بچہ یا مجنون ہو تو وکیل نہیں بنا سکے گا۔ یا جو کام موکل نہیں کر سکتا تو اس میں وکیل نہیں بنا سکے گا۔ مثلاً موکل اجنبہ عورت کو طلاق نہیں دے سکتا تو کسی کو اجنبیہ عورت کو طلاق دینے کا وکیل بھی نہیں بنا سکے گا۔

[۱۳۷۶] (۷) اور وکیل ان میں سے ہو جو بیع کو سمجھتا اور اس کا قصد کرتا ہو۔

تشریح اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وکیل بھی عاقل بالغ ہو۔ اور بیع و شراء کیا چیز ہے ان کو سمجھتا ہو اور قصد و ارادہ سے ان کا ارتکاب کرتا ہو۔ مذاق اور کھیل نہ سمجھتا ہو۔ تب وہ وکیل بن سکتا ہے۔

مذہب اوپر حدیث گزری کہ بچے اور معتوہ کے معاملات کا اعتبار نہیں ہے اس لئے ان کو وکیل کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ اس لئے وکیل بھی عاقل و بالغ ہو یا کم از کم بیع و شراء سمجھتا ہو۔

[۱۳۷۷] (۸) اگر آزاد اور بالغ یا عبدماً ذون اپنے جیسوں کو وکیل بنائے تو جائز ہے۔

تشریح ما ذون غلام یا ما ذون بچہ ان کو کہتے ہیں جن کو مولیٰ نے یا والی نے خرید و فروخت کرنے کی اجازت دی ہو۔ اس لئے اگر آزاد اور بالغ آدمی کسی کو وکیل بنائے یا تجارت کی اجازت دیا ہو غلام یا تجارت کی اجازت دیا ہو بچہ کسی کو خرید و فروخت کا وکیل بنائے تو جائز ہے۔

مذہب غلام عاقل بالغ ہے تو صرف مولیٰ کو نقصان نہ ہو اس کی وجہ سے غلام کو خرید و فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر وہ اجازت دیدے تو غلام خود بھی خرید و فروخت کر سکتا ہے اور خرید و فروخت کا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔ یہی حال ہے سمجھدار بچے کا کہ اس کا ولی اس کو تھوڑی بہت خرید و فروخت کی اجازت دیدے تو خود بھی خرید و فروخت کر سکتا ہے اور خرید و فروخت کا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔

مذہب چھوٹے موٹے کام کی ضرورت پڑتی ہے کہ سمجھدار بچے کو بھیج دے تاکہ وہ دکان سے سودا خرید لائے یا کسی کو ہدیہ پہنچا دے۔ اس لئے اس کو وکیل بنانا جائز ہے (۲) عبدماً ذون کے وکیل بنانے کا اشارہ اس حدیث میں ہے۔ عن ابن مالک قال حسم ابو طیبہ رسول اللہ فامر له بصاع من تمر وامر اهله ان یخففوا من خراجہ (الف) (بخاری شریف، باب ذکر الحجام ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۲) اس حدیث میں ابو طیبہ غلام ہیں اور ان کو تجارت کرنے کی اجازت ہے۔

[۱۳۷۸] (۹) اور اگر مجبور بچے کو وکیل بنایا جو بیع و شراء سمجھتا ہو یا مجبور غلام کو وکیل بنایا تو جائز ہے اور حقوق ان دونوں سے متعلق نہیں ہوں گے بلکہ ان کے موکلوں سے متعلق ہوں گے۔

تشریح کسی نے ایسے بچے کو وکیل بنایا جو اتنا بڑا ہے کہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہے لیکن ہے بچہ اور اس کے ولی نے اس کو خرید و فروخت کرنے کی اجازت بھی نہیں دی ہے تو ایسے بچے کو وکیل بنانا جائز ہے۔ لیکن بیع و شراء کے جتنے حقوق لین دین کے ہیں وہ وکیل بنانے والے سے متعلق ہو

حاشیہ : (الف) حضرت ابو طیبہ نے حضور کو پھنکا لگایا تو آپ نے ان کو ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا اور ان کے اہل کو حکم دیا کہ ان کا ٹیکس کم کر دیں۔

او عبداً محجوراً جاز ولا يتعلق بهما الحقوق ويتعلق بموكليهما [۱۳۷۹] (۱۰) والعقود التي يعقدها الوكلاء على ضربين كل عقد يضيفه الوكيل الى نفسه مثل البيع والشراء والاجارة فحقوق ذلك العقد يتعلق بالوكيل دون الموكل فيسلم المبيع ويقبض الثمن

جائینگے بچے سے متعلق نہیں ہوں گے۔ اور نہ بچے اس کے ذمہ دار ہوں گے۔

مذہب کیونکہ حدیث کی وجہ سے ان سے قلم اٹھا دیا گیا ہے اور وہ مرفوع القلم ہیں۔ اس طرح اگر مجبور غلام سے حقوق متعلق ہو جائیں تو اس کے مولیٰ کا نقصان ہوگا اس لئے غلام وکالت میں کام تو کر دے گا کیونکہ وہ عاقل بالغ ہے لیکن خرید و فروخت کے حقوق وکیل بنانے والے کے ساتھ متعلق ہوں گے، وہی لین دین ادا کرے گا۔ غلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ کفیل نہیں بن سکتا تو وہ وکیل بھی نہیں بن سکتا کیونکہ کفالت میں وکالت بھی ہوتی ہے۔ عن جابر عن عامر قال لا كفالة للعبد (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۲۹ فی العبد کفیل، ج رابع، ص ۵۳۴، نمبر ۲۲۸۷) اس اثر میں ہے کہ غلام کے لئے کفالت نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ مجبور کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہوتے۔ اوپر حدیث گزری رفع القلم عن ثلاثة (ترمذی شریف، نمبر ۱۴۲۳) سمجھدار بچے کو وکیل بنانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ام سلمہ سے حضورؐ نے نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کئی معذرتیں پیش کیں۔ آپؐ نے سب کا حل فرمایا پھر حضرت ام سلمہ نے اپنے لڑکے عمر بن ابی سلمہ جو نابالغ تھے لیکن سمجھدار تھے ان کو نکاح کا وکیل بنایا۔ عن ام سلمة لما انقضت عدتها... فقالت لا بنها يا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه (نسائی شریف، باب نکاح الابن امرئ ثانی ص ۶۳ نمبر ۳۲۵۶)

[۱۳۷۹] (۱۰) وہ عقد جو وکلاء کرتے ہیں دو قسم کے ہیں۔ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے مثلاً خرید و فروخت اور اجارہ تو ان عقود کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوں گے نہ کہ موکل سے، پس وہی بیع کو سپرد کرے گا اور وہی قیمت پر قبضہ کرے گا۔ اسی سے قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا جب وہ کچھ خریدے اور وہی بیع پر قبضہ کرے گا اور اسی سے عیب میں جھگڑا ہوگا۔

تشریح وکالت میں جو عقد اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور موکل کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں مثلاً میں بیع کرتا ہوں یا میں خریدتا ہوں یا میں اجارہ کرتا ہوں تو ان میں عقود کے تمام حقوق خود وکیل سے متعلق ہوتے ہیں موکل سے متعلق نہیں ہوتے۔ اس کی چند مثالیں متن میں بیان کی ہیں۔ مثلاً وکیل ہی بیع مشتری کو سپرد کرے گا، وکیل ہی بیع کی قیمت پر قبضہ کرے گا۔ اگر وکیل نے کچھ خریدا ہے تو وکیل ہی سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اگر بیع میں کوئی عیب نظر آیا تو وکیل ہی مقدمہ میں خصم ہوگا۔

مذہب (۱) وہی عاقد ہے اور اس نے اپنی طرف عقد منسوب کیا ہے اس لئے وہی حقوق کا ذمہ دار ہوگا (۲) ایک لمبی حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضورؐ کے لئے ایک یہودی سے قرض لیا تھا تو یہودی نے حضرت بلالؓ ہی سے قرض کا مطالبہ کیا اور بعد میں حضرت بلالؓ ہی نے یہودی کو قرض ادا کیا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنی عبد الله الهوزني يعني ابا عامر الهوزني قال لقيت بلالا مؤذن النبي

حاشیہ: (الف) حضرت جابرؓ اور حضرت عامرؓ دونوں سے مروی ہے کہ غلام کے لئے کوئی کفالت نہیں ہے۔

ویطالب بالثمن اذا اشترى ویقبض المبیع ویخاصم فی العیب [۱۳۸۰] (۱۱) وکل عقد یضیفه الوکیل الی موکله کالنکاح والخلع والصلح عن دم العمد فان حقوقه یتعلق بالموکل دون الوکیل فلا یطالب وکیل الزوج بالمهر ولا یلزم وکیل المرأة تسلیمها

ﷺ بحلب ... فاذا المشرک فی عصابة من التجار فلما رآنی قال یا حبشی قلت یا لیبہ فنجہمنی وقال قولاً غلیظاً ... قلت من کان یطلب رسول اللہ ﷺ دیناً فلیحضر فما زلت ابیع واقضی واعرض واقضی حتی لم یبق علی رسول اللہ دین فی الارض (الف) (سنن للبیہقی، باب التوکیل فی المال وطلب الحقوق وقضاہا الخ ج، سادس، ص ۱۳۳، نمبر ۱۱۴۳۵) اس حدیث میں یہودی نے حضرت بلال وکیل ہی سے قرض طلب کیا اور انہوں نے ہی حضور کے پاس آئے ہوئے ہدیہ سے قرض ادا کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکیل ان حقوق کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۳۸۰] (۱۱) اور ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، دم عہد سے صلح، پس ان کے حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں نہ کہ وکیل کے ساتھ۔ اس لئے شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور نہ عورت کے وکیل پر عورت کو سونپنا لازم ہوگا **تشریح** جن جن عقدوں میں وکیل عقد کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا کہ میں کر رہا ہوں بلکہ موکل کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مثلاً شادی میں وکیل یوں کہتا ہے کہ میں آپ سے فلاں کی شادی کروا رہا ہوں، یوں نہیں کہتا کہ میں خود شادی کر رہا ہوں یا خلع میں وکیل یوں نہیں کہتا کہ میں خود خلع کر رہا ہوں بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں فلاں کی جانب سے خلع کر رہا ہوں تو ایسے عقدوں میں تمام حقوق موکل سے متعلق ہوں گے وکیل سے نہیں۔ بلکہ وکیل عقد کر کے فارغ ہو جائے گا۔ چنانچہ نکاح میں عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں کرے گی بلکہ شوہر سے کرے گی۔

مذہب (۱) ان عقود میں وکیل صرف سفیر محض ہوتا ہے کہ موکل کی بات مقابل کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی لئے عقد کو اپنی طرف نسبت کرنے کے بجائے موکل کی طرف نسبت کرتا ہے۔ ورنہ عقد کرنے والا حقیقت میں موکل ہی ہوتا ہے۔ اس لئے تمام حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوں گے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو حضور کے سامنے پیش کیا۔ آپ خاموش رہے تو ایک صحابی نے فرمایا میری ان سے شادی کروادیتے تو آپ نے پوچھا تمہارے پاس مہر کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس قرآن کریم کی کچھ آیتیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں! پس آپ نے ان سے شادہ کروادی اور مہر کی ذمہ داری ان پر رکھی۔ آپ ان کے وکیل تھے پھر بھی مہر ادا کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہیں تھی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا پیش خدمت ہے۔ سمعت سہل بن سعد الساعدی یقول انی لفی القوم عند رسول اللہ ﷺ اذ قامت امرأة فقلت ... قال هل معک من

حاشیہ : (الف) فرمایا میں نے حلب میں حضور کے مؤذن بلال سے ملاقات کی... اس وقت ایک مشرک تجار کی جماعت میں تھا۔ پس جب مجھ کو دیکھا تو کہنے لگا اے حبشی! میں نے کہا کیا ہے؟ پھر مجھ کو برا بھلا کہا اور سخت باتیں کہیں... میں نے کہا جو حضور سے دین طلب کرتے ہوں وہ آجائیں۔ تو میں بیچتا رہا اور ادا کرتا رہا اور پیش کرتا رہا اور ادا کرتا رہا یہاں تک کہ حضور پر زمین پر کوئی قرض باقی نہیں رہا۔

[۱۳۸۱] (۱۲) واذا طالب الموكل المشتري بالثمن فله ان يمنعه اياه [۱۳۸۲] (۱۳)

فان دفعه اليه جاز ولم يكن للوكيل ان يطالبه ثانيا [۱۳۸۳] (۱۴) ومن وكل رجلا بشراء

القرآن شيء؟ قال معي سورة كذا وسورة كذا قال اذهب فقد انكحتك بما معك من القرآن (الف) (بخاری شریف، باب التزوج علی القرآن وبغیر صدق ص ۷۳ نمبر ۵۱۴۹) اس حدیث کے اخیر ٹکڑے میں ہے کہ میں نے قرآن کی وجہ سے شادی کروائی جس کا مطلب یہ ہوا کہ مہر وغیرہ دینے کی ذمہ داری خود تمہاری ہے میری نہیں۔

نکتہ صلح عن دم عمد : جان کر قتل کیا ہو جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم تھا، لیکن اس کے بدلے میں کچھ رقم پر صلح کر لی تو اس کو صلح عن دم عمد کہتے ہیں۔

[۱۳۸۱] (۱۲) اگر موکل نے مشتری سے قیمت کا مطالبہ کیا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ موکل کو اس سے روک دے۔

تشریح قیمت مانگنے کا حق وکیل کو تھا موکل کو نہیں تھا اور نہ مشتری موکل کو جانتا ہے اس لئے اگر موکل مشتری سے چیز کی قیمت مانگے تو مشتری کو حق ہے کہ موکل کو نہ دے۔ اور یوں کہے کہ میں پ کے وکیل کو دوں گا۔

وجہ عقد وکیل نے کیا ہے۔ اور اسی کو قیمت مانگنے کا حق ہے موکل کو نہیں۔

[۱۳۸۲] (۱۳) اور اگر مشتری نے موکل کو قیمت دیدی تو جائز ہے۔ اور اب وکیل کے لئے درست نہیں ہے کہ اس سے دوبارہ مطالبہ کرے۔

تشریح مشتری کو وکیل کو قیمت دینی چاہئے لیکن اس نے موکل کو بیع کی قیمت دیدی تب بھی جائز ہے۔ اور اب وکیل کو حق نہیں ہے کہ دوبارہ مشتری سے قیمت وصول کرے۔

وجہ حقیقت میں یہ قیمت موکل کی ہی تھی اور اس کو پہنچ گئی تو چیز اپنے مقام تک پہنچ گئی اس لئے جائز ہو گیا۔ اور جو کام ہونا تھا وہ ہو گیا اس لئے وکیل کو مشتری سے دوبارہ قیمت مانگنے کا حق نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حق حقدار کو پہنچ گیا تو کوئی بات نہیں۔

[۱۳۸۳] (۱۴) کسی نے کسی آدمی کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو ضروری ہے اس کی جنس اور اس کی صفت اور قیمت کی مقدار کا بتانا، مگر یہ کہ عام وکیل بنائے اور کہے کہ جو مناسب سمجھیں میرے لئے خرید لیں۔

تشریح وکیل بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنا رہا ہے یا جو کام کرنے کا وکیل بنا رہا ہے اس کی جنس متعین کر دے۔ مثلاً بکری خرید کر لاؤ۔ اس کی صفت متعین کرے۔ مثلاً عمدہ بکری خرید کر لاؤ۔ اور اس کی قیمت کی مقدار متعین کرے مثلاً ایک دینار کی بکری خرید کر لاؤ۔ تب وکالت بنا نا درست ہوگا۔ ہاں! وکیل کو وکالت عامہ دیدے اور یوں کہہ دے کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں خرید کر لائیں تو پھر وکیل بنا نا درست ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت سعد ساعدی فرماتے ہیں کہ قوم کے ساتھ میں حضور کی خدمت میں تھا کہ ایک عورت کھڑی ہو کر کہنے لگی... آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ قرآن کی سورتیں ہیں؟ فرمایا مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ کچھ قرآن ہے اس کی وجہ سے میں نے تمہارا نکاح کروادیا۔

شیء فلا بد من تسمية جنسه وصفته ومبلغ ثمنه الا ان يوكله وكالة عامة فيقول ابتع لي
مارأيت [۱۳۸۴] (۱۵) واذا اشترى الوكيل وقبض المبيع ثم اطلع على عيب فله ان يردّه

موجہ حدیث میں وکیل بناتے وقت جنس اور قیمت طے کی ہے۔ عن عروة یعنی ابن الجعد البارقی قال اعطاه النبی ﷺ دینارا
یشتری به اضحیة او شاة فاشتری شاتین (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب یخالف ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۴ / ترمذی شریف،
باب الشراء والبیع الموقوفین ص نمبر ۱۲۵۸) اس حدیث میں بکری جو جنس ہے اور ایک دینار قیمت وکیل کے لئے متعین کی ہے۔ اور قیمت سے
بکری کی صفت بھی معلوم ہوگئی کہ کس قسم کی بکری چاہئے۔ اس لئے جنس، صفت اور قیمت متعین کرنا ضروری ہے۔ اور وکالت عامہ کی دلیل لمبی
حدیث کا ٹکڑا ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال كنت مع النبی ﷺ فی سفر ... فلما قدمنا المدينة قال یا بلال اقضه
وزده فاعطاه اربعة دنانیر وزاده قیراطا (ب) (بخاری شریف، باب اذا وکل رجل رجلا ان یعطى شیئا ولم یبین کم یعطى فاعطى علی ما
یعارف الناس ص ۳۰۹ نمبر ۲۳۰۹) اس حدیث میں حضرت بلال کو یہ نہیں فرمایا کہ اتنا دو بلکہ وکیل عام بنا دیا کہ قرض ادا کرنے کے علاوہ جو آپؐ
مناسب سمجھیں وہ زیادہ دیں تو حضرت بلال نے عرف عام کے اعتبار سے ایک قیراط مناسب سمجھا اور ایک قیراط زیادہ دیا۔ اس حدیث سے
معلوم ہوا کہ وکیل عام بنادینے سے وکیل کے مناسب سمجھنے پر ہوگا۔ اور ایسا وکیل بنانا درست ہے (۲) اگر ایسی جنس بیان کی کہ اس میں کافی
جہالت ہے تو وکالت درست نہیں ہوگی کیونکہ وکیل کس جنس کے متعلق کام کرے گا؟ اور کیسے اس کو انجام دے گا؟ البتہ تھوڑی بہت جہالت ہو تو
چل جائے گا۔ کیونکہ اس کے تعین میں حرج ہوگا اور حرج مدفوع ہے۔ اس لئے جہالت بے سرہ سے بھی وکیل بنے گا۔

[۱۳۸۴] (۱۵) اگر وکیل نے خریدا اور بیع پر قبضہ کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ عیب کی وجہ سے واپس کر دے جب تک بیع
اس کے قبضہ میں ہے، پس اگر بیع کو موکل کو سپرد کر دیا تو اس کو نہیں لوٹائے گا مگر موکل کی اجازت سے۔

تشریح وکیل نے بیع خریدا پھر اس پر قبضہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ اس بیع میں عیب ہے تو جب تک بیع اس کے ہاتھ میں ہے اس وقت تک اس کو
عیب کے ماتحت بائع کی طرف واپس کر سکتا ہے۔ اور اگر بیع کو موکل کے حوالے کر دیا تو اب موکل کی اجازت کے بغیر بیع کو عیب کے ماتحت
واپس نہیں کر سکتا۔

موجہ کیونکہ جیسے ہی موکل کے حوالے کیا تو اس کی وکالت ختم ہوگئی۔ اس لئے وکالت ختم ہونے سے پہلے واپس کر سکتا تھا۔ وکالت ختم ہونے کے
بعد موکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکالت ختم ہونے سے پہلے اختیار استعمال کر سکتا ہے، وکالت ختم ہونے کے بعد اختیار استعمال نہیں کر سکتا
لغت سلمہ : سپرد کر دیا، حوالہ کر دیا۔

حاشیہ : (الف) ابن جعد بارقی کو حضورؐ نے ایک دینار دیا تا کہ اس سے قربانی کا جانور یا بکری خریدے تو انہوں نے دو بکریاں خریدیں (ب) حضرت جابر بن عبد
اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھا... جب ہم مدینہ آئے تو آپؐ نے فرمایا اے بلال! ان کو قرض دو اور زیادہ بھی دو تو حضرت بلال نے حضرت جابر
کو چار دینار دیئے اور ایک قیراط زیادہ دیا۔

بالعيب مادام المبيع في يده فان سلمه الى موكل لم يردده الا باذنه [۱۳۸۵] (۱۶) ويجوز التوكيل بعقد الصرف والسلم [۱۳۸۶] (۱۷) فان فارق الوكيل صاحبه قبل القبض بطل العقد ولا يعتبر مفارقة الموكل [۱۳۸۷] (۱۸) واذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله وقبض المبيع فله ان يرجع به على الموكل [۱۳۸۸] (۱۹) فان هلك المبيع في يده قبل

[۱۳۸۵] (۱۶) عقد صرف یا عقد سلم کا بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

تشریح جس طرح عام تجارت میں وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح بیع صرف اور بیع سلم میں بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

مذہب اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عمر کو صرف میں وکیل بنایا تھا۔ وقد وكل عمر ابن عمر في الصرف (الف) (بخاری شریف، باب الوكالة فی الصرف والمیزان ص ۳۰۸ نمبر ۲۳۰۲) (۲) آدمی کو عام تجارت کی طرح بیع صرف اور بیع سلم کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے ان میں وکالت جائز ہوگی۔

[۱۳۸۶] (۱۷) پس اگر جدا ہو گیا وکیل معاملہ والے سے قبضہ سے پہلے تو عقد باطل ہو جائے گا۔ اور نہیں اعتبار ہے موکل کے جدا ہونے کا۔ **تشریح** پہلے گزر چکا ہے کہ بیع صرف میں ثمن اور بیع پر قبضہ سے پہلے بائع یا مشتری جدا ہو گئے تو بیع فاسد ہو جائے گی لیکن یہاں چونکہ حقوق وکیل سے متعلق ہیں اور عقد بھی اسی نے کیا ہے اس لئے وکیل کے جدا ہونے کا اعتبار ہوگا، موکل کے جدا ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس لئے اگر وکیل قبضہ سے پہلے جدا ہو گیا تو بیع صرف یا بیع سلم فاسد ہو جائے گی۔ موکل کے جدا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ وہ عاقد نہیں ہے۔

[۱۳۸۷] (۱۸) اگر خریدنے کے وکیل نے قیمت اپنے مال سے دی اور بیع پر قبضہ کیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ موکل سے وہ قیمت وصول کرے۔

تشریح کسی چیز کے خریدنے کا وکیل تھا اس لئے اس نے وہ چیز خریدی اور قیمت اپنے پاس سے دی اور بیع پر قبضہ کیا تو اس کو حق ہے کہ موکل سے پہلے چیز کی قیمت وصول کرے پھر وہ چیز حوالہ کرے۔

مذہب (۱) جب موکل نے وکیل بنایا تو گویا کہ وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ وکیل اپنے پاس سے قیمت دیں تو میں اس کو ادا کر دوں گا (۲) اب وکیل اور موکل گویا بائع اور مشتری ہیں۔ وکیل بائع ہے اور موکل مشتری ہے۔ اس لئے بائع مشتری سے قیمت وصول کرے گا۔ اس لئے اس کو قیمت وصول کرنے کا حق ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل نے اپنی رقم موکل کے لئے پھسائی ہے تو وہ اس سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

[۱۳۸۸] (۱۹) پس اگر بیع ہلاک ہو جائے وکیل کے ہاتھ میں اس کو روکنے سے پہلے تو موکل کے مال میں سے ہلاک ہوا اور ثمن ساقط نہیں ہوگا

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے ابن عمر کو بیع صرف کا وکیل بنایا۔

حبسه هلك من مال الموكل ولم يسقط الثمن وله ان يحبسه حتى يستوفي الثمن
[۱۳۸۹] (۲۰) فان حبسه فهلك في يده كان مضمونا ضمان الرهن عند ابي يوسف

تشریح اس عبارت میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وکیل کو حق ہے کہ اپنے پاس سے دی ہوئی قیمت کو وصول کرنے کے لئے بیع روک لے اور جب تک موکل قیمت نہ دے تب تک وکیل بیع اس کے حوالہ نہ کرے۔ اس کی وجہ گزر چکی ہے کہ وکیل اور موکل اب بائع اور مشتری کے درجے میں ہو گئے ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر وکیل دی ہوئی قیمت وصول کرنے کے لئے ابھی تک بیع روکی نہیں تھی کہ بیع وکیل کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی تو یہ موکل کی چیز ہلاک ہوئی وکیل کی نہیں۔ اور وکیل ابھی بھی اپنی جانب سے دی ہوئی قیمت موکل سے وصول کر سکتا ہے۔

مجا (۱) جب تک وکیل موکل کو روکے نہیں اس وقت تک بیع وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ اس لئے موکل کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا اس لئے جو کچھ ہلاک ہوا وہ موکل کا ہلاک ہوا۔ اس لئے وکیل اپنی دی ہوئی قیمت موکل سے لے سکتا ہے (۲) بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے کہ ابو ہریرہؓ کو زکوٰۃ کے مال کی حفاظت کا وکیل بنایا۔ لیکن شیطان تین دن تک اس سے چرایا۔ اور آپؐ نے ابو ہریرہؓ پر اس ضائع ہونے پر ضمان لازم نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکالت کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ قال وکلنی رسول اللہ ﷺ بحفظ زکوٰۃ رمضان فاتانی آت فجعل یحثو من الطعام فاخذته وقلت لا رفعنک الی رسول اللہ ﷺ قال انی محتاج وعلی عیال ولی حاجة شدیدة قال فخلیت عنہ (الف) (بخاری شریف، باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا فاجازہ الموکل فھو جائز وان اقرضہ الی اجل مسمی جازص ۳۱۰ نمبر ۲۳۱۱) اس حدیث میں شیطان کے چرانے کا ضمان حضرت ابو ہریرہؓ پر لازم نہیں ہوا (۳) عن الحسن الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدی امرک (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی لمن الرنح ج ثامن ص ۲۵۵ نمبر ۱۵۱۲) جب مضارب امین ہیں تو وکیل بھی امین ہوں گے۔

[۱۳۸۹] (۲۰) پس اگر بیع روک لیا پھر ہلاک ہو گئی وکیل کے ہاتھ میں تو مضمون ہوگی رہن کے ضمان کی طرح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور بیع کے ضمان کی طرح امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح اگر وکیل نے قیمت لینے کے لئے موکل سے بیع روک لی تو اب یہ بیع امانت نہیں رہی بلکہ مضمون ہو گئی اس لئے اب ہلاک ہوئی تو یہ وکیل کے مال میں سے ہلاک ہوگی۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ کس طرح کا ضمان وکیل پر آئے گا۔ بیع کا ضمان یا رہن کا ضمان۔ امام محمدؒ کے نزدیک بیع کا ضمان ہوگا۔

مجا جب وکیل نے مال روکا تو وہ بائع کی طرح ہو گیا کہ بائع جب قیمت لینے کے لئے مشتری کو دینے سے روکتا ہے اور پھر بیع ہلاک ہو جائے تو

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت کا وکیل بنایا، پس ایک آدمی آیا اور کھانے سے لپو بھرنے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا، اور میں نے کہا میں تم کو حضورؐ کے پاس لے جاؤں گا۔ کہنے لگا میں محتاج ہوں اور مجھ پر عیال کا بوجھ ہے اور مجھے سخت ضرورت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے اس کو چھوڑ دیا (ب) حضرت حسن فرماتے ہیں مضارب امانت دار ہے اگرچہ آپ کے معاملہ میں تعدی کیا ہو۔

رحمہ اللہ وضمن المبیع عند محمد رحمہ اللہ [۱۳۹۰] (۲۱) واذا وکل رجل رجلین فلیس لاحدهما ان یتصرف فیما وکلا فیہ دون الآخر [۱۳۹۱] (۲۲) الا ان یوکلہما بالخصومة او بطلاق زوجته بغير عوض او بعق عبده بغير عوض او برء ودیعة عنده او

بیع کی جتنی قیمت تھی سب ساقط ہو جائے گی اور مشتری سے کچھ بھی نہیں لے سکے گا۔ کیونکہ مشتری کو کچھ دیا ہی نہیں کہ اس سے کوئی قیمت لے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رہن کا ضمان ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رہن والے کے پاس شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شیء مرہون کی قیمت کتنی تھی اور قرض کتنا تھا۔ جتنا قرض تھا اتنا ساقط ہو جائے گا اور زیادہ کی قیمت ہو وہ رہن کی طرف واپس لوٹائے گا۔ مثلاً قرض ایک ہزار تھا اور شیء مرہون کی قیمت ہزار قیمت ایک ہزار قرض کے بدلے ساقط ہو جائے گی۔ اور دوسو درہم جو زیادہ تھے وہ واپس کرنا لازم ہوگا۔ یہی صورت یہاں ہوگی کہ اگر بیع کی بازاری قیمت دیئے ہوئے ثمن سے کم ہو تو جتنی بازاری قیمت ہوگی وہ ساقط ہو جائے گی اور اس سے زائد جو ثمن ہوگا وہ وکیل موکل سے وصول کرے گا۔ مثلاً چیز کی بازاری قیمت ایک ہزار ہے اور ثمن جو وکیل نے ادا کیا ہے وہ بارہ سو تھا تو دوسو وکیل موکل سے وصول کرے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ بیع کو روکنے سے پہلے مضمون نہیں تھی۔ یہ روکنے کے بعد مضمون ہوئی تو یہی حال رہن میں ہوتا ہے کہ شیء مرہون کے روکنے سے پہلے امانت ہے اور روکنے کے بعد بقدر قرض مضمون ہوتی ہے۔

اصول وکالت کی شیء روکنے سے مضمون ہوتی ہے اس سے پہلے امانت کی ہوتی ہے۔ [۱۳۹۰] (۲۱) اگر کسی نے دو آدمیوں کو وکیل بنایا تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو چھوڑ کر اس میں تصرف کرے جس کا وکیل بنایا ہے۔

تشریح دو آدمیوں کو کسی کام کا وکیل بنایا تو اس میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو چھوڑ کر اکیلا وہ کام کر لے، بلکہ اس کام میں دونوں وکیلوں کو شریک ہونا ضروری ہے۔

وجہ موکل نے دونوں کی رائے پر اعتماد کیا ہے ایک کی رائے پر اعتماد نہیں کیا ہے اس لئے دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے۔ البتہ جن کاموں میں رائے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف موکل کی بات کو پیش کرنا ہے وہاں دونوں وکیلوں میں سے ایک نے بھی کام کر لیا تو جائز ہوگا۔

اصول جہاں رائے مشورے کی ضرورت ہے وہاں دو آدمیوں کو وکیل بنایا تو دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے۔

[۱۳۹۱] (۲۲) مگر یہ کہ دونوں کو وکیل بنائے مقدمہ کے لئے یا بغیر عوض کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے یا بغیر عوض کے اپنے غلام کو آزاد کرنے کے لئے یا اس کے پاس جو امانت تھی اس کو واپس کرنے کے لئے یا اس پر جو قرض تھا اس کو ادا کرنے کے لئے۔

تشریح یہاں پانچ مثالیں دی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جن کاموں میں رائے کی ضرورت نہیں ہے صرف موکل کی بات پیش کرنا ہے ان میں اگر دو آدمیوں کو وکیل بنایا اور ایک وکیل نے کام کر لیا تب بھی درست ہو جائے گا۔ مثلاً اگر خصومت کے لئے دو آدمیوں کو وکیل بنایا اور

بقضاء دين عليه [۱۳۹۲] (۲۳) وليس للوكيل ان يوكل فيما و كل به الا ان يأذن له الموكل او يقول له اعمل برأيك [۱۳۹۳] (۲۴) فان و كل بغير اذن موكله فعقد و كيله بحضرته جاز [۱۳۹۴] (۲۵) وان عقد بغير حضرته فاجازه الوكيل الاول جاز [۱۳۹۵]

دونوں مجلس قضاء میں بولنے لگیں تو شور ہوگا اور آداب مجلس کے خلاف ہے۔ اس لئے ایک وکیل کا بولنا کافی ہے۔ اسی طرح بغیر عوض کے بیوی کو طلاق دینا ہے تو چونکہ عوض نہیں لینا صرف شوہر کی بات کو نقل کرنا ہے جس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے اس میں دوسرے وکیل کے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے ایک ہی وکیل کام کر لے تو درست ہے۔ بغیر عوض کے غلام آزاد کرنے میں بھی یہی حال ہے۔ اپنے پاس کسی کی امانت ہے اس کو واپس بہر حال کرنا ہے اس لئے دوسرے وکیل کی رائے کی ضرورت نہیں۔ یا قرض ادا کرنا ہے جو بہر حال کرنا ہی ہے اس لئے دوسرے وکیل کے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ایک وکیل کر دے تو درست ہو جائے گا۔

نوٹ اگر یوں کہا کہ اگر چاہو تو تم دونوں وکیل طلاق دیدو تو چونکہ یہاں رائے کی ضرورت ہے اس لئے دونوں وکیلوں کی ضرورت ہوگی۔ [۱۳۹۲] (۲۳) وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کام میں دوسرے کو وکیل بنائے جس میں اس کو وکیل بنایا ہے مگر یہ کہ اجازت دیدے موکل یا اس کو موکل کہہ دے کہ اپنی صواب دید کے مطابق کریں۔

تشریح جس کام کا موکل نے وکیل بنایا ہے۔ وکیل چاہے کہ اس کام کا وکیل کسی دوسرے کو بنادے ایسا نہیں کر سکتا۔ ہاں! موکل دوسرے کو وکیل بنانے کی اجازت دیدے یا یوں کہے کہ آپ اپنی صواب دید کے مطابق کام کر سکتے ہیں تو وہ دوسرے کو وکیل بنا سکتے ہیں۔

مج موکل نے وکیل کی رائے پر اعتماد کیا ہے۔ وکیل کے وکیل کی رائے پر اعتماد نہیں کیا ہے اس لئے وہ وکیل نہیں بنا سکتا (۲) قاعدہ یہ ہے کہ جو عہدہ آپ کو سپرد کیا ہے وہ بغیر اجازت کے کسی اور کو سپرد نہیں کر سکتے۔ ہاں! اجازت دیدے تو وکیل بنا سکتا ہے۔ لیکن بعد میں وہ وکیل خود اصل موکل کا وکیل ہوگا وکیل کا وکیل نہیں ہوگا۔

[۱۳۹۳] (۲۴) پس اگر موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنایا، پس اس کے وکیل نے اس کے سامنے عقد کیا تو جائز ہے۔

تشریح وکیل نے موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنادیا۔ پھر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کے سامنے وہ کام کیا تو درست ہو جائے گا۔ **مج** وکیل بنانے میں اصل مقصود رائے ہے۔ پس جب دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں کام کیا تو پہلے وکیل کی رائے اس کام میں شامل ہوگئی۔ اس لئے دوسرے وکیل کا کام کرنا درست ہے۔ گویا کہ پہلے ہی وکیل نے کام انجام دیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل اول کی رائے شامل ہونا کافی ہے۔

[۱۳۹۴] (۲۵) اور اگر وکیل کی غیر موجودگی میں کام کیا پھر وکیل نے اجازت دیدی تو جائز ہو جائے گا۔

تشریح وکیل نے بغیر موکل کی اجازت کے وکیل بنایا تھا پھر اس نے وکیل اول کی غیر موجودگی میں کام انجام دیا پھر وکیل اول نے اس کو پسند کیا اور اجازت دیدی تب بھی جائز ہو گیا۔

(۲۶) وللموکل ان یعزل الوکیل عن الوکالة فان لم يبلغه العزل فهو علی وکالته و تصرفه جائز حتی یعلم [۱۳۹۶] (۲۷) وتبطل الوکالة بموت الموکل وجنونه جنونا مطبقا

مجا وکیل اول کی رائے شامل ہونا اصل تھی وہ ہو گئی اس لئے اس کا کام کرنا جائز ہو گیا۔

[۱۳۹۵] (۲۶) اور موکل کے لئے جائز ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے، پس اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ پہنچے تو وہ اپنی وکالت پر ہے اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اس کو علم ہو جائے۔

تشریح موکل نے وکیل کو وکیل بنایا ہے اور اس کا حق بھی ہے اس لئے اس کو حق بھی ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے۔ البتہ معزول ہونے کے لئے وکیل کو خبر ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب تک کہ وکیل کو اپنے معزول ہونے کی خبر نہ ہو اس وقت تک وہ وکیل رہے گا۔ اور اس درمیان اس کا خریدنا بیچنا جائز ہوگا۔

مجا معزول تو اس لئے کر سکتا ہے کہ موکل کا حق ہے۔ اور وکیل کو علم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اگر اس کو علم نہ ہو تو وہ کیسے تصرف کرنے سے رکے گا، وہ تو اپنے علم کے مطابق خرید و فروخت کرتا چلا جائے گا۔ پھر اس درمیان اگر اپنا روپیہ دے دیا ہوگا تو موکل سے بھی رقم واپس لینی ہے۔ پس اگر علم کے بغیر معزول ہو جائے تو وکیل کو بلا وجہ ضرر و نقصان ہوگا۔

نوٹ معزول ہونے کے تین قسم کے حالات ہیں اور تینوں کے حکم الگ الگ ہیں۔ پہلا یہ کہ موکل وکیل کو معزول کرے تو وکیل کو خبر ملے بغیر معزول نہیں ہوگا۔ دوسرا یہ کہ قدرتی حالات سے وکیل معزول ہو جائے مثلاً موکل کا انتقال ہو گیا یا معین عورت سے شادی کرنے کا وکیل بنایا تھا اور وہ مر گئی تو ان قدرتی حادثات کی شکل میں وکیل خود بخود معزول ہو جائے گا۔ چاہے وکیل کو معزول ہونے کی اطلاع ہو یا نہ ہو۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا موکل نے خود وہ کام کر لیا تو چاہے وکیل کو علم نہ ہو پھر بھی وہ معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ جب وہ کام ہی نہیں رہا تو وکیل کیسے رہے گا؟ مثلاً موکل نے غلام بیچنے کا وکیل بنایا پھر اس نے خود ہی بیچ دیا یا آزاد کر دیا تو چاہے وکیل کو اس کا علم نہ ہو وکالت باطل ہو جائے گی۔ آگے کے مسئلے میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

اصول اختیاری طور پر معزول کرے تو وکیل کو علم ہونا ضروری ہے۔

[۱۳۹۶] (۲۷) وکالت باطل ہو جاتی ہے موکل کے مرنے سے، اس کے بالکل مجنون ہو جانے سے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے **تشریح** موکل ایسی حالت میں چلا گیا کہ وکیل بنانے کے قابل ہی نہیں رہا اس سے بھی وکالت باطل ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں وکیل کو معزول ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ بغیر اطلاع کے بھی معزول ہو جائے گا۔ مثلاً وہ مر گیا یا مکمل طور پر پاگل ہو گیا۔ مکمل طور پر پاگل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مہینہ بھر پاگل رہا یا مرتد ہو گیا اور دار الحرب میں بھاگ گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا تو بغیر خبر ملے بھی وکیل کی وکالت باطل ہو جائے گی۔

مجا شروع میں اوپر کی صورت پیش آجائے تو وکیل نہیں بنا سکتا تو اب وکالت بحال کیسے رہے گی؟ (۲) موکل ہی دنیا میں نہیں رہا تو اس کا وکیل کیسا؟ (۳) وکیل فرع ہے اور موکل اصل ہے۔ اور اصل میں کام کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی تو وکیل جو فرع ہے اس میں کام کرنے کی

ولحقه بدار الحرب مرتدا [۱۳۹۷] (۲۸) واذا وكل المكاتب رجلا ثم عجز او الماذون له فحجر عليه او الشريكان فافترقا فهذه الوجوه كلها تبطل الوكالة علم الوكيل او لم يعلم [۱۳۹۸] (۲۹) واذا مات الوكيل او جن جنونا مطبقا بطلت وكالته [۱۳۹۹]

اہلیت کیسے باقی رہے گی؟

نوٹ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جنون سے اور دار الحرب چلے جانے سے آدمی مین تصرف کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہتی۔

اصول قدرتی حادثہ سے وکیل کو خبر نہ بھی ملے پھر بھی اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔

نوٹ حاکم اور امیر کے جتنے وکیل ہیں ان کے مرنے سے وکیلوں کی وکالت ختم نہیں ہوگی وہ اپنی وکالت پر بحال رہیں گے۔

وجہ وہ اصل میں حاکم اور امیر کے وکیل نہیں ہیں بلکہ عوام کے وکیل ہیں اور وہ زندہ ہیں اس لئے ان کی وکالت باطل نہیں ہوگی (۲) حضور دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ کے متعین کردہ تمام وکیل اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے رہے، کوئی آپ کی وفات سے معزول نہیں ہوا۔

نوٹ مرتد اگر ابھی دار الحرب نہیں گیا ہے تو اس کا تصرف موقوف رہتا ہے اس لئے اس کا وکیل معزول نہیں ہوگا۔ صرف موکل کی طرح اس کا تصرف موقوف رہے گا۔

نکتہ مطبق : عقل کو ڈھانک لینے والا جنون، مکمل پاگل۔

[۱۳۹۷] (۲۸) اگر مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ عاجز ہو گیا یا مآذون غلام نے وکیل بنایا پھر وہ مجبور ہو گیا یا دوشریکوں نے وکیل بنایا پھر وہ دونوں جدا ہو گئے تو یہ کل وجہیں وکالت کو باطل کر دیتی ہیں، چاہے وکیل کو علم ہو یا نہ ہو۔

تشریح مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر مکاتب اپنا مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا اور پھر سے غلام بن گیا تو اس کا جو وکیل تھا وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ چاہے اس کو اپنے موکل کے عاجز ہونے کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح غلام کو تجارت کی اجازت تھی جس کی وجہ سے اس نے وکیل بنایا تھا۔ اب اس کے مولیٰ نے اس کو تجارت سے روک دیا اور مجبور کر دیا تو ایسا کرتے ہی غلام کے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح دوشریک تھے جنہوں نے وکیل بنایا تھا اب دونوں جدا ہو گئے جس کی وجہ سے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جب شرکت ہی نہیں رہی تو شرکت کے ماتحت عقد کیسے کریں گے؟

وجہ یہ سب قدرتی حادثات ہیں جن کی وجہ سے موکل میں عقد کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی اور اسی بنیاد پر وکیل میں اہلیت تصرف ختم ہو جائے گی اور وکالت ختم ہو جائے گی۔ اور غیر اختیاری طور پر قدرتی حادثات کی بنا پر وکیل کی وکالت ختم ہوتی ہو تو معزول ہونے کے لئے وکیل کو اطلاع ملنا ضروری نہیں ہے (۲) اس کی ایک دلیل آگے آرہی ہے جو عمر کا فیصلہ ہے۔

اصول وکیل بحال رکھنے کے لئے خود موکل میں اہلیت بحال رہنا ضروری ہے ورنہ وکالت ختم ہو جائے گی۔

[۱۳۹۸] (۲۹) اور اگر وکیل مرجائے یا مکمل مجنون ہو گیا تو اس کی وکالت باطل ہوگئی۔

(۳۰) وان لحق بدار الحرب مرتدا لم یجز له التصرف الا ان یعود مسلما [۱۴۰۰]

(۳۱) ومن وكل رجلا بشيء ثم تصرف الموكل بنفسه فيما وكل به بطلت الوكالة.

مجاہد وکالت بحال رہنے کے لئے وکیل میں اہلیت تصرف ہونا ضروری ہے کہ وہ عاقل بالغ اور آزاد ہو۔ لیکن جب مکمل مجنون ہو گیا تو اہلیت تصرف ختم ہو گئی یا مرگیا تو ختم ہو گیا اس لئے وکالت خود بخود باطل ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکالت بحال رہنے کے لئے وکیل میں اہلیت تصرف برقرار رہنا ضروری ہے ورنہ وکالت باطل ہو جائے گی۔

نوٹ گھنٹہ دو گھنٹہ کے جنون سے وکالت باطل نہیں ہوگی۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے۔ اذا مات الانسان انقطع عنه عمله (الف) (ابو داؤد شریف نمبر ۲۸۸۰)

لغت مطابق : گھیرا ہوا ہو مکمل جنون ہو، کافی دیر تک افادہ نہ ہوتا ہو۔

[۱۳۹۹] (۳۰) اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو اس کے لئے وکالت کا تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آجائے۔

تشریح وکیل مسلمان تھا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو اس کی اہلیت تصرف ختم ہو گئی اس لئے وہ وکیل نہیں رہے گا۔ لیکن اگر مسلمان ہو کر واپس دارالاسلام آجائے تو کیا دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے؟ تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہاں! دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے۔

مجاہد وہ فرماتے ہیں کہ وہ عاقل، بالغ اور آزاد ہے۔ اس لئے اس کی اہلیت تصرف مکمل ختم نہیں ہوئی تھی صرف دار الحرب جانے کی وجہ سے عقد کرنے سے عاجز تھا لیکن جب واپس دارالاسلام مسلمان ہو کر آ گیا تو اب عقد کرنے سے عاجز نہیں رہا اس لئے عقد کر سکتا ہے اور وکالت بحال ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد کی وکالت موقوف رہے گی، مسلمان ہو کر واپس آنے پر بحال ہو جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دار الحرب جانے کی وجہ سے گویا کہ وہ مردہ ہو گیا اس لئے واپس آنے سے اس کی وکالت بحال نہیں ہوگی۔ البتہ موکل نئے سرے سے وکیل بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ دار الحرب جانے سے اہلیت مکمل ختم ہو گئی۔

[۱۴۰۰] (۳۱) کسی نے کسی کو کام کا وکیل بنایا پھر موکل نے خود ہی وہ کام کر لیا جس کا وکیل بنایا تھا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

تشریح جس کام کا وکیل بنایا موکل نے خود ہی وہ کام کر لیا تو وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔

مجاہد (۱) جس خاص کام کا وکیل بنایا وہ کام ہی نہیں رہا تو وکیل کس چیز کا رہے گا۔ اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی چاہے وکیل کو اس کا علم نہ ہو

(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ قال قضی عمر فی امة غزا مولاها و امر رجلا بیعها ثم بدا لمولاها فاعتقها و اشهد علی

ذلک وقد بیعت الجارية فحسبوا فاذا اعتقها قبل بیعها فقضى عمر ان یقضى بعثتها و یرد ثمنها و یؤخذ صداقها لما

کان قد وطنها (ب) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی الوکیل ینزل اذا عزل وان لم یعلم بہ، ج سادس، ص ۱۳۶، نمبر ۱۱۴۲۵) اس اثر میں ہے

حاشیہ : (الف) جب انسان مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے (ب) حضرت عمرؓ نے ایک باندی کے بارے میں فیصلہ کیا، باندی کا مولیٰ (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۴۰۱] (۳۲) والوکیل بالبیع والشراء لایجوز له ان یعقد عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مع ابیہ وجده وولده وولد ولده وزوجتہ وعبدہ ومکاتبہ [۱۴۰۲] (۳۳) وقال ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز بیعہ منهم بمثل القیمۃ الا فی عبدہ ومکاتبہ۔

کہ مولیٰ نے باندی کو بیچنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی آزاد کر دیا۔ اور حساب سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنا بیچنے سے پہلے تھا تو حضرت عمرؓ نے باندی کے آزاد ہونے کا فیصلہ کیا اور گویا کہ موکل کے تصرف کرنے کی وجہ سے چاہے وکیل کو معلوم نہ ہو اس کی وکالت باطل ہوگئی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کام کا وکیل بنایا وہ کام ہو گیا تو اب وکالت کس چیز کی رہے گی۔

[۱۴۰۱] (۳۲) بیچنے اور خریدنے کے وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ عقد کرے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اپنے باپ، اپنے دادا، اپنے لڑکے، اپنے پوتے، اپنی بیوی، اپنے غلام اور اپنے مکاتب غلام کے ساتھ۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے باپ، دادا، بیٹے، پوتے، بیوی، غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ خرید و فروخت کرے۔

وجہ ان لوگوں کا رشتہ بہت قریب کا ہے۔ اس لئے موکل کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں سے مہنگا خریدا ہے یا سستا بیچا ہے۔ اس تہمت کی بنیاد پر ان لوگوں سے خریدنا بیچنا جائز نہیں ہے۔ اتفقوا مواضع التہم۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تہمت کی جگہ سے بیچنا چاہئے۔

[۱۴۰۲] (۳۳) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ان سے مثل قیمت میں بیچنا جائز ہے، مگر اپنے غلام میں اور مکاتب میں۔

تشریح امام صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان رشتہ داروں سے اتنی قیمت میں بیچ سکتا ہے جتنی بازار میں اس کی قیمت ہے۔ جس کو مثل قیمت کہتے ہیں۔

وجہ موکل نے مطلق بیع کرنے کے لئے کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مثل قیمت میں کسی سے بھی بیچ خرید سکتا ہے۔ اس لئے ان رشتہ داروں سے بیچ خرید سکتا ہے۔ البتہ اپنے غلام اور مکاتب سے بیچ یا خرید نہیں سکتا۔

وجہ اس لئے کہ غلام کا مال اور مکاتب کا مال خود وکیل کا مال ہے تو گویا کہ اپنے ہی مال سے بیچا جو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے مال سے بیچنے میں تہمت ہے۔ اس لئے اپنے غلام اور مکاتب سے نہیں بیچ سکتا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مثلی قیمت سے بیچنے میں تہمت نہیں ہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) غزوہ کرنے گیا اور ایک آدمی کو اس کے بیچنے کا حکم دیا پھر مولیٰ کو خیال آیا اور اس کو آزاد کر دیا اور اس پر گواہ بنایا، اور باندی کو وکیل نے بیچ دیا تھا۔ پھر لوگوں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ بیچنے سے پہلے آزاد کیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا اس کے آزاد ہونے کا اور اس کی قیمت واپس کرنے کا۔ اور اس کا مہر لیا جائے کیوں کہ اس سے وٹلی کی تھی۔

[۱۴۰۳] (۳۴) والوکیل بالبیع یجوز بیعه بالقلیل والكثیر عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقال لا یجوز بیعه بنقصان لا یتغابن الناس فی مثله [۱۴۰۴] (۳۵) والوکیل بالشراء یجوز عقده بمثل القيمة و زیادة یتغابن الناس فی مثلها ولا یجوز بما لا یتغابن

[۱۴۰۳] (۳۴) بیچنے کے وکیل کے لئے جائز ہے کہ ان کو بیچے کم میں اور زیادہ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے اس کا بیچنا اتنی کمی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح کسی کو کسی چیز کے بیچنے کا وکیل بنایا تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے کہ کم قیمت میں بیچے یا زیادہ قیمت میں، دونوں طرح بیچنا درست ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب موکل نے کوئی قید نہ لگائی ہو بلکہ مطلق چھوڑا ہو۔

مذہب امام صاحب کی نظر مطلق لفظ کی طرف گئی ہے کہ دونوں طرح کے بیچنے کو بیچنا کہتے ہیں۔ اور موکل نے مطلق بیچ کا وکیل بنایا ہے کوئی قید نہیں لگائی ہے اس لئے کسی بیشی جیسے بھی بیچے گا اس کو بیچنا کہیں گے اور بیچ درست ہوگی۔

اصول مطلق بولا ہو تو اطلاق کی طرف جائیگا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنی کمی میں بیچنا درست نہیں ہوگا جتنی کمی میں اس جیسی بیچ کو بیچنے کا عام رواج نہ ہو۔

مذہب ان کی نظر اس بات کی طرف گئی ہے کہ مطلق سے مراد عام عرف ہے کہ موکل نے اگرچہ مطلق کہا ہے کہ اس کو بیچو، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عام عرف میں جتنی اس کی قیمت ہے اس کے عوض بیچو۔ اتنی کمی میں مت بیچو جتنے کا رواج نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کہیں مطلق بولا ہو تو اس کا مدار عام عرف پر ہوگا۔ متاعا بالمعروف حقا علی المتقین (الف)

نکتہ لایتغابن الناس : جتنے میں لوگ عام طور پر دھوکہ نہ کھاتے ہوں، جتنے کا رواج نہ ہو۔

[۱۴۰۴] (۳۵) خریدنے کا وکیل جائز ہے اس کا عقد مثل قیمت سے اور اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج ہو اور نہیں جائز ہے اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح خریدنے کا وکیل بنایا تھا تو اتنا زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز ہوگا جتنا رواج ہے کہ اس جیسی چیز میں لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز نہیں ہوگا۔

مذہب یہاں یہ شبہ ہے کہ وکیل نے وہ چیز اپنے لئے زیادہ قیمت میں خریدی تھی پھر اس کو موافق نہیں آئی تو وہ موکل کو حوالے کرنے لگا ہے۔ اس شبہ اور تہمت کی وجہ سے مایتغابن الناس سے زیادہ سے خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔

نوٹ موکل نے کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے کہا ہو تو زیادہ قیمت سے بھی خرید سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وکیل اپنے لئے نہیں خرید سکتا ہے۔ اس لئے اپنے لئے خریدنے کی تہمت نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) فائدہ اٹھانا ہے معروف کے ساتھ یہ حق ہے متقین پر۔

الناس فی مثله [۱۴۰۵] (۳۶) والذى لا يتغابن الناس فيه مالا يدخل تحت تقويم المقومين [۱۴۰۶] (۳۷) واذا ضمن الوكيل بالبيع الثمن عن المبتاع فضمانه باطل [۱۴۰۷] (۳۸) فاذا وكله ببيع عبده فباع نصفه جاز عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ

[۱۴۰۵] (۳۶) جس کا لوگوں میں رواج نہیں وہ قیمت ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے میں داخل نہ ہو۔

تشریح اس عبارت میں ما یتغابن الناس کی تشریح کر رہے ہیں کہ جو قیمت لگانے کے ماہرین ہیں ان کی قیمت لگانا جہاں تک پہنچے وہ ما یتغابن الناس ہے۔ اور اس سے اوپر کی قیمت لا یتغابن الناس ہے۔ کیونکہ عموماً لوگ اتنا دھوکہ نہیں کھاتے ہیں۔

[۱۴۰۶] (۳۷) اگر بیچنے کا وکیل مشتری کی جانب سے قیمت ضامن ہو جائے تو اس کا ضمان باطل ہے۔

تشریح کسی چیز کے بیچنے کا وکیل تھا اس کو بیچا اور مشتری کی جانب سے خود ہی قیمت کا ضامن بن گیا کہ میں خود قیمت دے دوں گا تو یہ ضامن بننا باطل ہے۔

وجہ وکیل وصول کرنے کا ذمہ دار تھا اور یہ خود قیمت دینے کا ذمہ دار بن گیا تو ایک ہی آدمی دینے اور لینے کا ذمہ دار بنا اس لئے یہ ذمہ داری باطل ہے (۲) وکیل کے پاس بیع امانت کے طور پر تھی اور اس کی قیمت کا ذمہ دار بنا تو وہ ضمانت کے طور پر ہو جائے گی اور امانت اور ضمانت میں تضاد ہے اس لئے یہ ضمانت باطل ہے۔

[۱۴۰۷] (۳۸) اگر وکیل بنایا اپنے غلام کے بیچنے کا، پس اس کا آدھا بیچنا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ بیچنے کے حکم میں آدھا بیچنا اور پورا بیچنا دونوں شامل ہے۔ اس لئے جب بیچنے کا حکم دیا تو آدھا بھی بیچ سکتا ہے اور پورا بھی بیچ سکتا ہے۔

اصول امام اعظمؒ کے نزدیک مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ آدھا بیچنا اور جھگڑا سے پہلے باقی آدھا بیچنا تو درست ہے۔ اور اگر باقی آدھا نہ بیچ سکا تو پہلا آدھا بیچنا درست نہیں۔

وجہ پہلا آدھا بیچنا تو کہا جاسکتا ہے یہ آدھا بیچنا باقی آدھا بیچنے کا وسیلہ ہے۔ اس لئے وہ آدھا بیچنا درست ہے۔ لیکن باقی آدھا نہ بیچ سکا تو معلوم ہوا کہ پہلا آدھا بیچنا باقی آدھا بیچنے کے لئے وسیلہ نہیں ہے۔ اس لئے پہلا آدھا بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں موکل اور مشتری کے درمیان شرکت ہوگئی۔ اور صاحبین کا قاعدہ گزر چکا ہے کہ موکل کا حکم اگرچہ مطلق ہو لیکن اس کا مدار معروف پر ہوتا ہے۔ اور معروف یہ ہے کہ اس طرح بیچیں کہ شرکت کا ضرر مجھے نہ ہو۔ اور وکیل نے آدھا بیچ کر شرکت کا ضرر کیا اس لئے آدھا بیچنا جائز نہیں ہے۔

اصول صاحبین کا اصول گزر چکا ہے کہ مطلق حکم میں معروف طریقے کا حکم مراد ہوتا ہے (۲) ان کا استدلال اس اثر سے ہے۔ عن ابراہیم قال یا کل ویلبس بالمعروف وقال الربیع عن الحسن یا کل بالمعروف (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب ووضیعتہ ج ثامن ص ۲۴۷ نمبر ۱۵۰۸۳ بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳) اس اثر میں اگرچہ مضارب کے بارے

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا مضارب کھا سکتا ہے اور پہن سکتا ہے معروف کے ساتھ۔ اور حضرت حسن نے فرمایا کھا سکتا ہے معروف کے ساتھ۔

[۱۴۰۸] (۳۹) وان وکله بشراء عبد واشتری نصفه فاشراء موقوف فان اشتری باقیہ لزم

الموکل [۱۴۰۹] (۴۰) واذا وکله بشراء عشرة ارطال لحم بدرهم فاشتری عشرين

میں ہے کہ وہ معروف انداز سے کھا سکتا ہے اور پہن سکتا ہے۔ لیکن یہ قاعدہ ہر جگہ جاری ہوگا کہ جہاں بھی مطلق ہوگا وہاں دیکھا جائے گا کہ معاشرے میں اس کا کیا مطلب ہے اور اسی پر فیصلہ ہوگا جس کو معروف کہتے ہیں۔

[۱۴۰۸] (۳۹) اگر کسی غلام خریدنے کا وکیل بنایا اور اس کا آدھا خریدنا تو خریدنا موقوف ہوگا، پس اگر باقی آدھا خریدنا تو موکل کو لازم ہوگا۔

تشریح غلام خریدنے کا وکیل بنایا لیکن وکیل نے پورا غلام خریدنے کے بجائے آدھا غلام خریدا، پس اگر باقی آدھا بھی خرید لیا تو موکل کو یہ غلام لازم ہوگا۔ اور باقی آدھا نہ خریدے گا تو یہ آدھا موکل کو لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ آدھا خود وکیل کے لئے ہو جائے گا۔

مجموعہ یہاں قوی شبہ ہے کہ آدھا وکیل نے اپنے لئے خریدا تھا لیکن اس کو پسند نہ آیا تو موکل کے ماتھے پر ڈال دیا اور موکل کو شرکت کے ضرر میں بھسا دیا۔ اس لئے یہ آدھا خریدنا موکل کو لازم نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا بشرطیکہ تہمت کا شبہ نہ ہو، جہاں تہمت کا شبہ ہو وہاں مطلق نہیں رہے گا بلکہ مقید ہو جائے گا۔

[۱۴۰۹] (۴۰) اگر وکیل بنایا دس رطل گوشت خریدنے کا ایک درہم کے بدلے، پس خرید لیا بیس رطل ایک درہم کے بدلے ایسا گوشت جو بیچا جاتا ہو دس رطل ایک درہم کے بدلے تو موکل کو اس سے دس رطل لازم ہوگا آدھے درہم کے بدلے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوگا موکل کو بیس رطل۔

تشریح ایک آدمی کو ایک درہم کے بدلے دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل بنایا۔ اس نے ایسا ہی عمدہ گوشت جو ایک درہم میں دس رطل بکتا ہو ایک درہم میں بیس رطل خرید لایا تو یہ بیس رطل موکل کو لازم ہوگا یا آدھے درہم کے بدلے دس رطل لازم ہوگا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ موکل کو صرف دس رطل گوشت کی ضرورت ہے اگرچہ اس کا خیال یہ تھا کہ دس رطل ایک درہم میں ملے گا اس لئے ایک درہم دے دیا۔ اب دس رطل آدھے درہم میں مل گیا تو آدھا درہم ہی لازم ہوگا اور دس رطل لینا لازم ہوگا اس سے زیادہ نہیں۔ البتہ وہ اپنی خوشی سے لے لے تو اور بات ہے۔ ورنہ آدھا گوشت یعنی دس رطل وکیل کو لینا پڑے گا اور آدھا درہم اپنی جیب سے دینا ہوگا۔

اصول امام اعظمؒ کی نگاہ دس رطل گوشت کی طرف گئی ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عروۃ یعنی ابن الجعد البارقی قال اعطاه النبی ﷺ دینارا یشتری به اضحیۃ او شاة فاشتری شاتین فباع احدهما بدینار فاتاه بشاة و دینار فدعا له بالبرکة فی بیعہ (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب بخالف ج ثانی ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸ / ترمذی شریف نمبر ۱۲۵) اس حدیث میں ایک

حاشیہ : (الف) جعد بارقی فرماتے ہیں کہ اس کو حضورؐ نے ایک دینار دیا تاکہ قربانی یا بکری خرید کر لائے، پس دو بکریاں خرید کر لائے، پس ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچا پھر ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے تو آپؐ نے اس کی بیع میں برکت کی دعا کی۔

رطلا بدرهم من لحم یباع مثله عشرة ارطال بدرهم لزم الموكل منه عشرة ارطال بنصف درهم عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقالوا رحمہما اللہ یلزمہ العشرون [۱۴۱۰] (۴۱) وان وكله بشراء عبد بغير عينه فاشترى عبدا فهو للوكيل الا ان يقول نويت الشراء للموكل او يشتريه بمال الموكل [۱۴۱۲] (۴۳) والوكيل بالخصومة وكيل بالقبض عند ابی حنیفة وابی

دینار میں ایک بکری خریدنے کے لئے کہا تو راوی نے دو بکریاں خریدی لیکن راوی کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ ضرورت ایک بکری کی ہے اس لئے ایک بکری بیچ کر ایک دینار اور ایک بکری لے کر واپس آئے۔ جس سے پتہ چلا کہ ضرورت کی طرف نظر جانی چاہئے۔

اور صاحبین کی نظر رقم خرچ کرنے کی طرف گئی ہے کہ ایک درہم خرچ کرنے کے لئے دیا ہے اس سے چاہے دس رطل گوشت آجائے چاہے بیس رطل گوشت آجائے۔ موکل نے سمجھا کہ ایک درہم میں دس رطل ہی گوشت آئے گا اس لئے اس نے دس رطل لانے کے لئے کہا۔ اس لئے اگر بیس رطل لے آیا تو اس کے لئے خیر کا کام کیا۔ اس لئے ایک درہم میں بیس رطل گوشت موکل پر لازم ہو جائے گا۔

اصول ان کا اصول ہے کہ پوری رقم خرچ کرنا ہے چاہے جتنا گوشت آجائے۔

نکتہ رطل : ایک خاص قسم کا وزن جو آدھا کیلو کا ہوتا ہے جو 442.25 گرام کا ہوتا ہے۔

[۱۴۱۰] (۴۱) اگر کسی متعین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اپنے لئے خریدے۔

وجہ موکل نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ میرے لئے خریدے گا اور وکیل نے اپنے لئے خرید لیا تو اس میں ایک قسم کا دھوکہ دینا ہوا۔ اس لئے وکیل متعین چیز کو اپنے لئے نہیں خرید سکتا۔

[۱۴۱۱] (۴۲) اور اگر کسی غیر متعین غلام کو خریدنے کا وکیل بنایا، پس اس نے غلام خرید لیا تو وکیل کے لئے ہوگا، مگر یہ کہ کہے میں نے موکل کے لئے خریدنے کی نیت کی تھی یا اس کو موکل کے مال سے خریدے۔

تشریح غیر متعین غلام خریدنے کا وکیل بنایا تھا۔ ایسی صورت میں ایک غلام خریدا تو جب کوئی ایسی علامت نہ ہو کہ یہ موکل کے لئے خریدا ہے اس وقت تک وہ غلام وکیل کے لئے ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ عموماً آدمی اپنے لئے ہی خریدتا ہے۔ موکل کے لئے خریدنے کی علامت میں سے یہ ہے کہ خریدتے وقت موکل کی نیت کرے یا کم از کم موکل کے مال سے غلام خریدے تو وہ غلام موکل کے لئے ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موکل کے لئے خریدنے کی علامت ہو تو موکل کے لئے ہوگا ورنہ اپنی ذات کے لئے ہوگا۔

[۱۴۱۲] (۴۳) مقدمے کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح کسی کو مقدمہ اور خصومت کا وکیل بنایا تو فیصلے کے بعد دین اور چیز پر قبضہ بھی کر سکتا ہے۔

وجہ کسی چیز کا وکیل بنایا تو اس کے پورے لوازمات کے ساتھ وکیل ہوگا۔ اور خصومت کے لوازمات میں سے قبضہ کرنا بھی ہے۔ اس لئے

یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ [۱۴۱۳ھ] (۴۴) والوکیل بقبض الدین وکیل بالخصومة فيه عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ [۱۴۱۴ھ] (۴۵) واذا اقر الوکیل بالخصومة علی موکله عند القاضی جاز اقراره ولا يجوز اقراره علیه عند غیر القاضی

قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی چیز کا وکیل بنائیں تو اس کے پورے لوازم کے ساتھ وکیل بنے گا۔

فائدہ امام زفر فرماتے ہیں کہ خصومت کا وکیل امانت دار نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو دین پر قبضہ کرنے کی گنجائش دیں تو پھر وہ دین موکل کو واپس ہی نہیں دے گا۔ اس لئے خصومت کا وکیل قبضہ کا وکیل نہیں ہوگا۔ اور خیانت عامہ کی وجہ سے آج کل اسی پر فتویٰ ہے۔

[۱۴۱۳ھ] (۴۴) قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمے کا بھی وکیل ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح وجہ یہ ہے کہ قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بعض مرتبہ مقدمہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ کسی کام کا وکیل بنائیں تو اس کے پورے لوازمات کے ساتھ وکیل بنانا پڑتا ہے۔ اس لئے قرض کا وکیل مقدمہ اور خصومت کا بھی وکیل ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمے کا وکیل نہیں ہوگا۔

وجہ دین پر قبضہ کرنا اور چیز ہے جو امانت دار کا کام ہے اور مقدمہ کرنا اور چیز ہے جو چالاک اور ماہرین قانون کا کام ہے۔ اس لئے دونوں دو الگ الگ کام ہیں۔ اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو امانت دار ہو وہ قانون کا ماہر بھی ہو۔ اور اس پر قانونی اعتماد بھی کیا جائے۔ اس لئے قبضہ کا وکیل خصومت اور مقدمہ کا وکیل نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر گئے ہیں کہ قبضہ اور خصومت دو الگ الگ کام ہیں۔ ایک پر اعتماد کرنے سے دوسرے کام میں اعتماد کرنا لازم نہیں آتا۔

[۱۴۱۴ھ] (۴۵) اگر مقدمے کا وکیل اپنے موکل پر اقرار کرے قاضی کے پاس تو اس کا اقرار جائز ہے اور وکیل کا اقرار قاضی کے علاوہ کے پاس جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مگر یہ کہ وہ مقدمہ سے نکل جائے گا۔

تشریح ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ میری جانب سے قاضی کے سامنے خصومت اور مقدمے کے وکیل بنیں تو اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ اس بات کے وکیل ہیں کہ آپ موکل کے جرم کا اقرار نہ کریں بلکہ ہمیشہ انکار ہی کرتے چلے جائیں یا زیادہ سے زیادہ خاموش رہیں۔ اسی لئے آپ کو خصومت کا وکیل مقرر کیا ہے۔ اگر اقرار کرنا ہوتا تو میں خود اقرار کر لیتا آپ کو وکیل خصومت بنانے کی ضرورت کیا تھی؟ یہی مطلب امام زفر اور ائمہ ثلاثہ لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خصومت کا مطلب ہی جھگڑا کرنا اور انکار کرنا ہے، اور اقرار کرنا اس کی ضد ہے۔ اس لئے وکیل ضد کا مالک کیسے بنے گا؟ اس لئے وکیل یا انکار کرے یا دیکھے کہ میرا موکل واقعی مجرم ہے تو خاموش رہے۔ البتہ اقرار نہ کرے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلق جواب کا وکیل ہے جس میں اقرار بھی شامل ہے اور انکار بھی شامل ہے اور خاموش بھی رہ سکتا ہے۔ وہ تینوں طریقوں کا مالک ہے۔ کیونکہ مطلق خصومت میں تینوں طریقے شامل ہیں۔ البتہ چونکہ خصومت کا وکیل ہے اور خصومت ہوتی ہے قاضی کی مجلس

عند ابی حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ الا انہ یخرج من الخصومة.

میں اس لئے قاضی کی مجلس ہی میں اقرار کا اعتبار ہوگا تا کہ خصومت ہو، اس سے باہر اقرار کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ مطلب امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔

مذہب (۱) امام اعظم کی نظر پہلے کی طرح لفظ مطلق کی طرف گئی ہے (۲) ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ وکیل موکل پر اقرار کر سکتا ہے اور امام کے سامنے اقرار کا اعتبار ہے۔ لمبی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ قید ہو کر آئے، پھر قبیلہ ہوازن کے لوگ تابع ہو کر آئے اور اپنے قیدی مانگنے لگے۔ آپؐ نے مسلمانوں سے قیدی چھوڑنے کی ترغیب دی تو مسلمان اس پر راضی ہو گئے، آپؐ نے فرمایا اتنی رضامندی سے دلی رضامندی کا پتہ نہیں چلتا۔ آپؐ لوگ اپنے اپنے قبیلے کے سرداروں کے پاس اس کا اقرار کریں اور سردار آپؐ کی وکالت میں آکر میرے سامنے اقرار کرے کہ آپؐ لوگ قیدی چھوڑنے پر راضی ہیں تب صحیح ہوگا۔ بعد میں سارے سردار آئے اور حضورؐ کے سامنے اپنی اپنی قوم کی وکالت کرتے ہوئے اقرار کیا کہ وہ لوگ قیدی چھوڑنے پر دل سے راضی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکیل موکل کے اوپر اقرار کر سکتے ہیں۔ اور قاضی اور امیر کے سامنے اقرار کرے تب اس کا اعتبار معتبر ہوگا۔ حدیث کا ٹکڑا یوں ہے۔ زعم عروہ ان مروان بن الحکم والمصور بن مخزومہ اخبراه ان رسول اللہ قام حین جاءه وفد هوازن مسلمین ... فقال رسول اللہ ﷺ انا لاندري من اذن منکم فی ذلک ممن لم یأذن فارجعوا حتی یرفعوا الینا عرفاؤکم امرکم فرجع الناس فکلمہم عرفاؤہم ثم رجعوا الی رسول اللہ ﷺ فاخبروہ انہم قد طیبوا واذنوا (الف) (بخاری شریف، باب اذا وہب شینا لوکیل او شفیع قوم جاز ص ۳۰۹ نمبر ۲۳۰) اس حدیث میں سرداروں نے قوم کی وکالت میں حضورؐ کے سامنے اقرار کیا کہ وہ قیدی چھوڑنا چاہتے ہیں اور حضورؐ قاضی بھی تھے۔ اس لئے قاضی کے سامنے اقرار کیا جاسکتا ہے (۳) جانتے ہوئے کہ میرا موکل مجرم ہے پھر بھی جرم کا یا رقم کا اقرار نہ کرے تو ظلم پر اعانت ہوگی جو حدیث میں ممنوع ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ بمعناہ قال ومن اعان علی خصومة بظلم فقد باء بغضب من اللہ عز وجل (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یعین علی خصومة من غیر ان یعلم امرہا ج ثانی ص ۱۵۰ نمبر ۳۵۹۸) اس حدیث کی بنا پر موکل پر اقرار کرنا بھی جائز ہے۔

البتہ اگر غیر قاضی کے سامنے اقرار کیا اور گواہ سے اس کا ثبوت مل گیا کہ وکیل نے ایسا کیا ہے تو وہ وکالت سے نکل جائے گا۔ کیونکہ اس نے خلاف قاعدہ کیا ہے۔ اور اب موکل کے دین پر اس کو قبضہ نہیں دیا جائے گا یہی 'الا انہ یخرج من الخصومة' کا مطلب ہے۔

اصول مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے، ہاں کو بھی اور انکار کو بھی۔ اسی قاعدہ پر یہ مسئلہ جاری ہے۔

حاشیہ : (الف) جب ہوازن کا وفد مسلمان بن کر آیا تو آپؐ کھڑے ہو گئے... آپؐ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں تم میں سے کس نے اجازت دیا اور کس نے اجازت نہیں دی۔ واپس جاؤ یہاں تک کہ تمہارا معاملہ تمہارے سردار لے کر آئے۔ پس لوگ لوٹے اور ان کے سرداروں نے ان سے بات کی۔ پھر حضورؐ کے پاس آئے اور خبر دی کہ وہ خوشی سے اجازت دیتے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے ظالم کے جھگڑے میں مدد کی تو اللہ کے غصے کا مستحق ہو گیا۔

[۱۴۱۵] (۴۶) وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى يجوز اقراره عليه عند غير القاضى
[۱۴۱۶] (۴۷) ومن ادعى انه وكيل الغائب فى قبض دينه فصدقه الغريم امر بتسليم
الدين اليه فان حضر الغائب فصدقه جاز والا دفع اليه الغريم الدين ثانيا ويرجع به على
الوكيل ان كان باقيا فى يده [۱۴۱۷] (۴۸) وان قال انى وكيل بقبض الوديعه فصدقه

[۱۴۱۵] (۴۶) امام ابو يوسف نے فرمایا جائز ہے وکیل کا اقرار کرنا موکل پر قاضی کے علاوہ کے پاس بھی۔

تشریح وکیل نے قاضی کی مجلس کے علاوہ میں موکل پر اقرار کر لیا تب بھی اقرار ہو جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک۔

مذہب وہ فرماتے ہیں کہ وکیل موکل کے درجے میں ہے اور موکل قاضی کی مجلس کے علاوہ میں کسی چیز کا اقرار کرے تو اقرار ہو جاتا ہے تو وکیل بھی قاضی کی مجلس کے علاوہ میں اقرار کرے تو اقرار ہو جائے گا۔

[۱۴۱۶] (۴۷) کسی نے دعویٰ کیا کہ وہ غائب کا وکیل ہے اس کے قرض کے قبضہ کرنے میں، پس مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو مقروض کو حکم دیا جائے گا قرض سپرد کرنے کا، پس اگر غائب حاضر ہو گیا اور اس نے وکیل کی تصدیق کر دی تو جائز ہو گیا ورنہ تو مقروض موکل کی طرف دین دوبارہ ادا کرے گا اور دین لے گا وکیل سے اگر اس کے ہاتھ میں باقی ہو۔

تشریح مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ وہ عمر کا وکیل ہے اس بات کا کہ اس نے کہا ہے کہ خالد سے قرض وصول کر لو۔ اور خالد مقروض نے تصدیق کر دی کہ واقعی تم عمر کے وکیل ہو تو خالد نے چونکہ تصدیق کر دی کہ زید کا عمر وکیل ہے اور مال خالد کا ذاتی ہے، وہ اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے اس لئے خالد کو حکم دیا جائے گا کہ عمر کا قرض زید کے حوالے کر دے۔ پھر عمر باہر سے واپس آیا اور تصدیق کر دی کہ زید میرا وکیل ہے تو بات بن گئی اور خالد کا ادا کیا ہوا قرض عمر کو ادا ہو گیا۔ اور اگر عمر موکل نے کہا کہ زید میرا وکیل نہیں ہے تو خالد کو کہا جائے گا کہ تم دوبارہ عمر کا قرض عمر کو ادا کرو۔

مذہب کیونکہ عمر نے خالد کو باضابطہ نہیں کہا تھا کہ زید میرے دین پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے۔ بلکہ یہ تو زید اور خالد کی ملی بھگت تھی کہ خالد نے تصدیق کر دی کہ تم عمر کے وکیل ہو۔ اس لئے خالد کو دوبارہ قرض عمر کی طرف ادا کرنا ہوگا۔ اور زید کے ہاتھ میں دی ہوئی رقم موجود ہو تو اس سے خالد واپس لے گا اور وہ رقم ہلاک ہو گئی تو اس سے قانونی طور پر واپس نہیں لے سکے گا۔

مذہب وہ مال زید کے ہاتھ میں امانت کا تھا اس لئے اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے مال میں کسی کو وکیل تسلیم کر سکتا ہے اور اس کو اپنا مال حوالے کر سکتا ہے۔

[۱۴۱۷] (۴۸) اور اگر کہا کہ میں امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور امانت رکھنے والے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس کو حوالہ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

تشریح مثلاً زید خالد سے کہتا ہے کہ عمر کی جو امانت ہے اس پر قبضہ کرنے کا میں عمر کی جانب سے وکیل ہوں اور عمر غائب تھا اور خالد نے تصدیق

المودع لم يؤمر بالتسليم اليه.

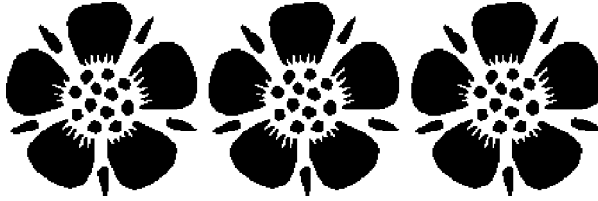
کردی کہ تم عمر کے وکیل ہو تو خالد کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ امانت کی چیز اس کو دیدو۔

مج امانت کی چیز میں وہی چیز دی جاتی ہے جو امانت رکھی گئی ہے۔ امانت رکھنے والا اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں دے سکے گا۔ اس لئے خالد نے تصدیق کردی کہ زید وکیل ہے تو عمر کی امانت شدہ چیز زید کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ عمر نے نہیں کہا ہے کہ زید میرا وکیل ہے۔ وہ اب تک غائب ہے اس لئے امانت کی چیز وکیل کے حوالے کرنے نہیں کہا جائے گا۔

نوٹ اوپر کے مسئلے میں تو قرض کی رقم خود خالد کی رقم تھی اس لئے دینے کو کہا گیا، یہاں امانت کی رقم عمر کی ہے خالد کی نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ دوسرے کی چیز وکالت کی تصدیق کے باوجود حوالے کرنے نہیں کہا جائے گا۔

لغت مودع : امانت پر رکھنے والا آدمی، ودع سے مشتق ہے۔



﴿ کتاب الکفالة ﴾

[۱۴۱۸] (۱) الکفالة ضربان کفالة بالنفس و کفالة بالمال [۱۴۱۹] (۲) فالكفالة بالنفس

﴿ کتاب الکفالة ﴾

ضروری نوٹ کفالہ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید پر قرض ہے تو میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں، وہ نہیں دے گا تو میں دوں گا۔ کفالت کی صورت میں دونوں آدمی قرض ادا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور قرض دینے والا دونوں میں سے کسی ایک سے قرض وصول کر سکتا ہے۔ اس کے قریب قریب حوالہ ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ اصل مدیون اب قرض ادا نہیں کرے گا۔ اس کے بدلے اب صرف میں قرض ادا کروں گا۔ اس صورت میں قرض دینے والا صرف ذمہ دار سے قرض وصول کر سکتا ہے۔ کفالت صحیح ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ قالوا نفقد صواع الملك ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم (الف) (آیت ۲۷ سورۃ یوسف ۱۲) اس آیت میں زعیم کا لفظ ہے جس کے معنی ذمہ دار اور کفیل کے ہیں۔ آیت کا مطلب ہے کہ جو بادشاہ کا پیالہ لادے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں۔ اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں ہے۔ وکفلها زکریا (ب) (آیت ۳۷ سورۃ آل عمران ۳) کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی کفالت لی۔ اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔

کفالت میں چار الفاظ ہیں (۱) کفیل: جو خود ذمہ دار بنا، ضامن، اس کو زعیم اور حمیل بھی کہتے ہیں (۲) مکفول عنہ: مقرض جس کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل لے رہا ہے (۳) مکفول لہ: قرض دینے والا، جس کے لئے کفیل بن رہا ہے (۴) مکفول بہ: وہ مال جس کے ادا کرنے کا کفیل بن رہا ہے، یا وہ آدمی جس کو مجلس قضاء میں حاضر کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ ابھی اس کو ضمانت پر چھوڑ دیں۔ وقت مقررہ پر اس کو میں مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں بشرطیکہ وہ زندہ ہو۔

[۱۴۱۸] (۱) کفالہ کی دو قسمیں ہیں، کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال۔

تشریح کفالت کی قسمیں: کفالت کی دو قسمیں ہیں۔ کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال۔ کفالہ بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی مجلس قضاء میں مقدمہ کے لئے مطلوب ہے اس کو ابھی چھوڑ دیں، میں اس کو وقت مقررہ پر مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں۔ اس کو کفالہ بالنفس کہتے ہیں۔ کیونکہ ذات اور نفس حاضر کرنے کا کفیل بنا۔

دوسرا ہے کفالہ بالمال: اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی پر اتنا قرض ہے اس کو ادا کرنے کا میں کفیل اور ذمہ دار ہوں، وہ ادا نہیں کرے گا تو میں اس قرض کو ادا کروں گا۔ اس کو کفالہ بالمال کہتے ہیں۔ کیونکہ مال ادا کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے۔

[۱۴۱۹] (۲) پس کفالہ بالنفس جائز ہے اور اس کی ذمہ داری مکفول بہ کو حاضر کرنا ہے۔

تشریح کفالہ بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ مکفول بہ یعنی جس کی ذمہ داری لی ہے اس کو مقررہ وقت میں مجلس قضاء میں حاضر کرنا ہے۔ اس کا

حاشیہ: (الف) ہم لوگ بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں۔ اور جو اس کو لائے گا اس کو ایک اونٹ مال ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں (ب) حضرت زکریا حضرت مریم کے کفیل بنے۔

جائزۃ والمضمون بها احضار المكفول به [۱۴۲۰ھ] (۳) وتنعقد اذا قال تكفلت بنفس فلان او برقبته او بروحه او بجسده او برأسه او بنصفه او بثلثه.

مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سزا نہیں بھگتے گا تو میں اس کے بدلے سزا بھگت لوں گا۔

مجا کفالہ بالنفس جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ... ثم قال العارية مؤداة والمنحة مردودة والدين مقضى والزعيم غارم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص ۱۲۵ نمبر ۳۵۶۵ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان العاریۃ مؤداة ص ۲۳۹ نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث میں الزعیم غارم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کفیل ذمہ دار ہے۔ اور اس میں دونوں قسم کے کفیل شامل ہو سکتے ہیں، کفیل بالنفس بھی اور کفیل بالمال بھی۔ اس سے کفالہ بالنفس کا ثبوت ہوا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت حمزہؓ نے مجرم کے لئے کفالہ بالنفس لیا تھا۔ حمزة بن عمرو الاسلمی عن ابیه ان عمر بعثه مصدقا فوقع رجل علی جاریۃ امرأته فاخذ حمزة من الرجل كفلاء حتی قدم علی عمر وکان عمر قد جلدہ مائة جلدۃ فصدقہم وعذرہم بالجهالة۔ اسی اثر کے دوسرے حصے میں ہے۔ وقال جریر والاشعث لعبد الله بن مسعود فی المرتدین استتہم وكفلہم فتابوا وكفلہم عشائرہم وقال حماد اذا تكفل بنفس فمات فلا شيء علیہ (ب) (بخاری شریف، باب الکفالة فی القرض والديون بالابدان وغيرها ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۰) ان دونوں اثر سے معلوم ہوا کہ کفالہ بالنفس لینا جائز ہے فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دوسرے کی ذات پر کفیل کا بس نہیں چلے گا اس لئے کفالہ بالنفس لینا جائز نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسرے کو حاضر کرنے کی استطاعت تو ہے اس لئے کفالہ بالنفس جائز ہے۔

[۱۴۲۰ھ] (۳) کفالہ بالنفس منعقد ہوتا ہے اگر کہے میں فلاں کی جان کا کفیل بنایا اس کی گردن کا یا اس کی روح یا اس کے جسم یا اس کے سر یا اس کے آدھے کا یا اس کی تہائی کا کفیل ہوں۔

تشریح یہاں سے یہ ذکر ہے کہ کس طرح کہنے سے یا کن الفاظ سے کفالہ بالنفس ثابت ہو جائے گا۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس سے پورا انسان مراد ہوتا ہو ان الفاظ سے کفالہ بالنفس ہو جائے گا۔ مثلاً نفس سے پورا انسان مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح گردن بولنے سے پورا انسان مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح روح، جسم اور سر سے پورا انسان مراد لیتے ہیں۔ اور آدھا اور تہائی کا لفظ پورے انسان میں شائع ہوتے ہیں اس لئے ان لفظوں سے بھی پورا انسان مراد ہوگا اور کفالہ بالنفس ثابت ہو جائے گا۔

حاشیہ: (الف) آپ فرماتے تھے عاریت پر لی ہوئی چیز ادا کی جائے گی، عطیہ واپس کیا جائے گا اور دین ادا کیا جانا چاہئے اور کفیل ضامن ہوتا ہے (ب) حضرت عمر نے حمزہ بن عمر اسلمی کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ پس ایک آدمی نے حضرت عمر کی بیوی کی باندی سے بدکاری کر لی تو حمزہ نے اس آدمی سے کفیل بالنفس لئے یہاں تک کہ حضرت عمر آجائے۔ اور حضرت عمر نے اس کو سو کوڑے لگائے تھے۔ پس اس کی تصدیق کی۔ اور نہ جاننے کی وجہ سے اس کو معذور قرار دیا۔ عبداللہ بن مسعود نے مرتدین سے توبہ کروائی اور اس سے کفیل لیا، پس ان لوگوں نے توبہ کی اور ان کے خاندان والوں نے کفیل بالنفس دیا۔ اور حماد نے فرمایا کوئی کفیل بالنفس بنا پھر مکفول لہ مرگیا تو اس پر کچھ نہیں ہے۔

[۱۴۲۱] (۴) وکذا لک ان قال ضمنته او هو علیّ او الیّ او انا به زعیم او قبیل به [۱۴۲۲] (۵) فان شرط فی الکفالة تسلیم المكفول به فی وقت بعینه لزمه احضاره اذا طالبه به فی ذلك الوقت فان احضره والا حبسه الحاكم.

[۱۴۲۱] (۴) اور ایسے ہی کہا کہ میں اس کا ضامن ہوں یا وہ میرے اوپر ہے یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا میں اس کا کفیل ہوں **تشریح** ان الفاظ کے کہنے سے بھی کفیل ہو جائے گا۔

مجا کیونکہ یہ الفاظ کفالت پر دلالت کرتے ہیں۔ لفظ علیّ بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن جابر قال کان النبی ﷺ لا یصلی علی رجل علیہ دین... قال انا اولی بكل مؤمن من نفسه من ترک دین فعلی ومن ترک مالا فلورثته (الف) (نسائی شریف، باب الصلوة من علیہ دین ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴) اس حدیث میں فعلی کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کفالت کے معنی میں ہے کہ جس نے دین چھوڑا میں اس کا کفیل ہوں۔ اس لئے علیّ کی وجہ سے بھی کفالت ہو جائے گی۔ اور الیّ کا لفظ بھی ذمہ داری اور کفالت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ انه قال من ترک مالا فلورثته ومن ترک کلا فالینا (ب) (مسلم شریف، باب من ترک مالا فلورثته ص ۳۵ نمبر ۱۶۱۹/۱۶۱۸) اس حدیث میں فالینا کفیل بنے کے معنی میں ہے۔ الزعیم کا لفظ کفیل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لئے قرآن کی آیت اور حدیث الزعیم غارم گزر گئی ہے۔ اور قبیل کے لفظ سے کفالہ ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے قبالہ آتا ہے چیک کے معنی میں۔ اور قبالہ بھی کفالت کے معنی میں ہوتا ہے۔

[۱۴۲۲] (۵) پس اگر کفالہ میں شرط کی گئی ہو مکفول بہ کو سپرد کرنے کی مقررہ وقت میں تو کفیل کو اس کا حاضر کرنا لازم ہے جب اس کو اس وقت میں مطالبہ کرے، پس اگر اس کو حاضر کر دیا تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کفیل کو قید کر لے گا۔

تشریح کفالہ بانفس میں یہ شرط لگائی تھی کہ مکفول بہ کو متعین وقت میں حاضر کرے گا تو کفیل پر لازم ہے کہ جب مکفول بہ کو طلب کرے اس وقت اس کو حاضر کر دے۔ پس اگر اس نے مقررہ وقت میں مکفول بہ کو حاضر کر دیا تو بہتر ہے۔ اور اگر حاضر نہ کر سکا اور کئی مرتبہ مطالبہ کے بعد بھی حاضر نہیں کیا اور مکفول بہ زندہ ہے اور دارالاسلام میں موجود ہے تو اب کفیل کو حاکم قید کرے گا۔

مجا اس نے وعدہ خلافی کی اور دوسرے کا حق مارا اس لئے اس کو قید کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ خاف وعدہ پر حضرت شریح نے خود اپنے بیٹے کو قید کیا۔ سمعت حبیباً الذی کان یقدم الخصوم الی شریح قال خاصم رجل ابنا لشریح الی شریح کفل له برجل علیہ دین فحبسه شریح فلما کان اللیل قال اذهب الی عبد اللہ بفراش و طعام و کان ابنه یسمی عبد اللہ (ج) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی الکفالة ببدن من علیہ حق، ج ۱ ص ۱۲۸، نمبر ۱۱۴۱۸ مصنف عبدالرزاق، باب الکفلاء، ج ۳ ص ۱۸۱، ج ۳ ص ۱۸۱، ج ۳ ص ۱۸۱)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا میں ہر مؤمن کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جس نے قرض چھوڑا وہ مجھ پر ہے۔ اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے۔ اور قرض چھوڑا وہ ہمارے ذمہ ہے (ج) حضرت حبیب فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے شریحؒ کے پاس اس کے بیٹے کو بھگڑے کے لئے لے گیا جو ایک آدمی پر قرض کا کفیل بنا تھا۔ تو قاضی شریحؒ نے اس کو قید کر لیا۔ پس رات ہوئی تو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۴۲۳] (۶) واذا احضره وسلمه في مكان يقدر المكفول له على محاكمته برئ الكفيل من الكفالة [۱۴۲۴] (۷) واذا تكفل به على ان يسلمه في مجلس القاضى فسلمه في السوق برئ وان سلمه في بركة لم يبرأ [۱۴۲۵] (۸) واذا مات المكفول به برئ الكفيل

ص ۱۷۳، نمبر ۶۶۷ (۱۴۷) اس سے معلوم ہوا کہ کفیل کے وعدہ خلافی پر اس کو قید کیا جاسکتا ہے۔

[۱۴۲۳] (۶) اگر مکفول بہ کو حاضر کر دیا اور سپرد کر دیا ایسی جگہ کہ مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکتا ہے تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح کفالت کا مقصد ہے کہ ایسی جگہ مکفول بہ کو حاضر کر دے جس سے مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکے، اور کفیل نے ایسا ہی کیا کہ ایسی جگہ حاضر کر دیا جہاں مکفول لہ جھگڑا کر سکتا ہے اس لئے کفیل بری ہو جائے گا۔

[۱۴۲۴] (۷) اگر کفیل بنا اس بات کا کہ مکفول بہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرے گا اور سپرد کیا اس کو بازار میں تو کفیل بری ہو جائے گا اور اگر سپرد کیا جنگل میں تو بری نہیں ہوگا۔

تشریح اگر مجلس قضاء میں سپرد کرنے کی شرط تھی لیکن اس نے اس کے بجائے بازار میں مکفول بہ کو سپرد کیا تو بری ہو جائے گا۔ اور جنگل میں سپرد کیا تو بری نہیں ہوگا۔

وجہ اس زمانے میں قاضی بازار میں بھی مجرم سے محاسبہ کر لیا کرتے تھے اس لئے بازار میں سپرد کرنے سے بھی مکفول بہ محاسبہ کے قابل ہو گیا۔ اس لئے کفیل بری ہو جائے گا۔ اور جنگل میں قاضی محاسبہ نہیں کر سکتا بلکہ اس قسم سے بھگانے کی سازش ہے۔ اس لئے جنگل میں سپرد کرنے سے کفیل بری نہیں ہوگا۔

اصول ایسے مقام پر سپرد کرنا ضروری ہے جہاں مکفول بہ سے محاسبہ کیا جاسکے۔

نوٹ اس دور میں بازار میں محاسبہ کرنا ممکن نہیں اس لئے اب بازار میں سپرد کرنے سے کفیل کفالت سے بری نہیں ہوگا۔

لغت بریۃ : صحرا، جنگل۔

[۱۴۲۵] (۸) اگر مکفول بہ مرجائے تو کفیل بالنفس کفالت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح کفیل نے مجرم کو حاضر کرنے کی کفالت لی تھی لیکن خود مجرم کا انتقال ہو گیا تو کفیل سے کفالت ساقط ہو جائے گا۔

وجہ (۱) مرجانے کی وجہ سے اب حاضر کس کو کرے گا؟ اور مکفول بہ کا مال تو اس کام کے لئے نہیں ہے اس لئے کفالت ساقط ہو جائے گا (۲)

مرنے کی وجہ سے اصیل یعنی مکفول بہ پر حاضر ہونا ساقط ہو گیا اس لئے تابع یعنی کفیل پر بھی ساقط ہو جائے گا (۳) اثر میں اس کا ثبوت

ہے۔ عن الحكم و حماد انهما قالوا في رجل تكفل بنفس رجل فمات الرجل قال احدهما يضمن الدراهم وقال

الآخر ليس عليه شيء (الف) (سنن للبيهقي، باب ما جاء في الكفالة بعد من عليه حق، ج ۱ ص ۱۲۸، نمبر ۱۱۴۱۹) اس میں ہے کہ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کہا عبد اللہ کے پاس جاؤ کھانے اور بستر کے لئے۔ عبد اللہ قاضی شریح کے دوسرے بیٹے کا نام ہے (الف) حضرت حکم اور حماد نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی کا کفیل بالنفس بنا پھر وہ آدمی مر گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا درہم کا ضامن ہوگا اور دوسرے نے فرمایا کفیل پر کچھ نہیں ہے۔

بالنفس من الکفالة [۱۴۲۶] (۹) وان تکفل بنفسه علی انه ان لم یواف به فی وقت کذا فهو ضامن لما علیه وهو الف فلم یحضره فی ذلك الوقت لزمه ضمان المال ولم یرأ من الکفالة بالنفس [۱۴۲۷] (۱۰) ولا تجوز الکفالة بالنفس فی الحدود والقصاص عند ابی

کفاله بالنفس میں مکفول بہ مرجائے تو کفیل پر کچھ لازم نہیں ہوگا بلکہ وہ بری ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل سے ساقط ہو جائے تو کفیل جو فرع ہے اس سے بھی ساقط ہو جائے گا۔

[۱۴۲۶] (۹) اگر کفیل بالنفس بنا اس طرح کہ اگر میں نے اس کو فلاں وقت میں حاضر نہ کیا تو میں ضامن ہوں اس مال کا جو اس پر ہے اور وہ ایک ہزار تھا، پھر اس وقت میں حاضر نہ کیا تو کفیل پر مال کا ضمان لازم ہو جائے گا اور کفاله بالنفس سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح اس عبارت میں ای ساتھ دو قسم کا کفاله ہے۔ کفاله بالمال بھی اور کفاله بالنفس بھی ہے۔ اور وہ بھی شرط کے ساتھ ہے کہ فلاں وقت میں فلاں کو حاضر نہ کر سکا تو جتنا اس پر قرض ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں تو حاضر نہ کر سکا سے کفاله بالنفس ہوا اور جتنا اس پر قرض ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں سے کفاله بالمال ہو گیا۔ اب وقت پر حاضر نہ کر سکا تو کفیل پر قرض لازم ہو جائے گا۔ اور کفاله بالنفس جو حاضر کرنا تھا وہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اصل تو اس کو حاضر کرنا ہی ہے۔ شرط کے ساتھ کفاله کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر قال کان النبی ﷺ لا یصلی علی رجل علیہ دین... قال انا اولی بکل مؤمن من نفسه من ترک دینا فعلى ومن ترک مالا فلورثته (الف) (نسائی شریف، باب الصلوٰۃ علی من علیہ دین ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴ بخاری شریف، باب الدین، کتاب الکفالة ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں اس شرط پر آپؐ نے ذمہ داری لی کہ اگر قرض چھوڑا تو میں ذمہ دار ہوں تو معلوم ہوا کہ شرطیہ کفیل بننا جائز ہے۔

لغت لم یواف : پورا نہیں کیا، وقت پر حاضر نہیں کیا۔

[۱۴۲۷] (۱۰) کفاله بالنفس جائز نہیں ہے حدود اور قصاص میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح حدود اور قصاص میں کفاله بالنفس دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ وہ دے دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

مجاہد اس لئے کہ حدود اور قصاص میں کوشش کی جاتی ہے کہ مجرم پر یہ جاری نہ ہوں۔ اور کفاله دینے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بھی ہو تو اور مضبوط کیا جائے۔ اس لئے حدود اور قصاص میں کفاله بالنفس دینے پر مجبور نہ کیا جائے (۲) حدیث میں ہے۔ حدثنی عمر بن شعیب عن ابیہ عن جده ان النبی ﷺ قال لا کفالة فی حد (ب) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی الکفالة بہد من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ حد میں کفاله بالنفس نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حد قذف میں چونکہ بندے کے حقوق ہوتے ہیں اس لئے اس میں کفاله بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ اس آدمی پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے جس پر دین ہو... آپؐ نے فرمایا میں ہر مؤمن کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جس نے قرض چھوڑا وہ مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا حد میں کفاله نہیں ہے۔

حنيفة رحمه الله تعالى [۱۴۲۸] (۱۱) واما الكفالة بالمال فجائزة معلوما كان المكفول به او مجهولا اذا كان ديننا صحيحا مثل ان يقول تكفلت عنه بالف درهم او بما لك عليه او بما يدر كك في هذا البيع [۱۴۲۹] (۱۲) والمكفول له بالخيار ان شاء طالب الذي

[۱۴۲۸] (۱۱) بہر حال کفالہ بالمال تو جائز ہے، مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول ہو جبکہ دین صحیح ہو مثلاً یہ کہے کہ اس کی جانب سے ضامن ہوں ہزار درہم کا یا جو کچھ تیرا اس کے ذمہ ہے یا جو کچھ آپ کو اس بیع میں لگے گا۔

تشریح یہاں سے کفالہ بالمال کے مسئلے شروع ہیں۔ پس فرماتے ہیں کہ کفالہ بالمال میں مال مجہول ہو یعنی اس کی مقدار معلوم نہ ہو تب بھی اس کا کفالہ جائز ہے۔ مال معلوم ہو اس کی صورت یہ ہے کہ میں ہزار درہم کا ضامن ہوں۔ اور مجہول کی صورت یہ ہے کہ کہے آپ کے ذمہ جو کچھ آتا ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اب کتنا آئے گا یہ معلوم نہیں ہے پھر بھی اس کا کفالہ جائز ہے۔ یا یوں کہے کہ اس بیع میں آپ کے ذمے جو کچھ آئے گا میں اس کا کفیل ہوں، اب کتنا آئے گا اس کی مقدار ابھی معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفالہ صحیح ہے۔

مجموعہ مال میں کفیل بننے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے اس لئے ضرورت کی بنا پر مجہول کفالت کو بھی جائز قرار دے دیا گیا (۲) آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم ایک اونٹ بوجھ کے کفیل بنے تھے اور اونٹ کے بوجھ کی مقدار معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفیل بننا درست تھا۔ آیت ہے۔ ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم (آیت ۷۲ سورہ یوسف ۱۲) (۳) حدیث میں مجہول دین کا کفیل بننا ثابت ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ کان یوتی بالرجل المتوفی علیہ الدین ... فمن توفی من المؤمنین فترك ديننا فعلى قضاؤه ومن ترك مالا فلورثته (الف) (بخاری شریف، باب الدین، کتاب الکفالة ص ۳۰۵ نمبر ۲۳۹۸ مسلم شریف، باب من ترك مالا فلورثته ص ۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث میں ہے کہ میں مومنین کے دین کا کفیل ہوں، اب وہ دین کتنا آئے گا یہ مجہول ہے اس کے باوجود حضورؐ کا کفیل بننا صحیح ہوا۔ اس لئے مجہول مال کا کفیل بننا صحیح ہے۔

نوٹ کفالہ اور بیع میں فرق ہے کہ بیع معلوم شیء کی ہی ہو سکتی ہے اور کفالہ مجہول چیز کا بھی ہو سکتا ہے۔

نکتہ مایدرک : یہ درک سے مشتق ہے، جو آپ پر آئے، جو کچھ آپ کو پالے۔

[۱۴۲۹] (۱۲) اور مکفول لہ کو اختیار ہے چاہے طلب کرے اس سے جس پر اصل ہے اور اگر چاہے تو کفیل سے طلب کرے۔

مجموعہ کفالت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اصل مقرض اور کفیل دونوں پر قرض کی ذمہ داری آجائے۔ اس لئے قرض خواہ دونوں میں سے کسی ایک سے قرض طلب کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت ابوقحادؓ نے میت کی جانب سے دودینار ادا کرنے کی ذمہ داری لی اور ایک دن تک ادا نہیں کیا تو حضورؐ کو افسوس رہا اور دوسرے دن ادا کیا تو آپؐ نے فرمایا اب میت کی چڑی ٹھنڈی ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ

حاشیہ : (الف) آپؐ کے سامنے انتقال شدہ ایسے آدمی لائے جاتے تھے جس پر دین ہو... آپؐ نے فرمایا مومنین میں سے جو وفات پا جائے اور قرض چھوڑے تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے اور جو مال چھوڑے تو ورثہ کے لئے ہے۔

عليه الاصل وان شاء طالب الكفيل [۱۴۳۰] (۱۳) ويجوز تعليق الكفالة بالشروط مثل

ادا کرنے سے پہلے جس طرح کفیل پر ذمہ داری ہے اسی طرح اصل پر بھی ذمہ داری ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا رہے۔ حدیث یہ ہے۔ قال جابر توفي رجل فغسلناه وحنطناه وكفناه ثم اتينا النبي ﷺ فقلنا له تصلي عليه فخطا خطي ثم قال عليه دين؟ قال فكيل ديناران قال فانصرف قال فتحملهما ابو قتادة قال فاتينا قال فقال ابو قتادة الديناران على فقال النبي ﷺ حق الغريم وبرئ منهما الميت قال نعم فصلى عليه رسول الله ﷺ قال فقال له بعد ذلك بيوم ما فعل الديناران؟ قال انما مات امس قال فعاد اليه كالغد قال قد قضيتهما فقال النبي ﷺ الآن بردت عليه جلده (الف) (سنن للبيهقي، باب الضمان عن الميت، ج ۱ ص ۱۲۲، نمبر ۱۱۴۰۵) اس حدیث میں اس وقت تک میت کی چڑی ٹھنڈی نہیں ہوئی جب تک کہ دونوں دینار ابوققادہ نے ادا نہ کر دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دو دینار کی ذمہ داری اصل میت پر بھی رہی۔ اس لئے کفیل اور مکفول عنہ دونوں ذمہ دار ہوں گے۔

اصول کفالت میں کفیل اور اصل دونوں ذمہ دار ہوتے ہیں۔

[۱۴۳۰] (۱۳) اور جائز ہے کفالہ کو معلق کرنا شرط کے ساتھ مثلاً یہ کہے کہ جتنا فلاں کے ساتھ بیچے وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب ہو وہ مجھ پر ہے، تیری جو چیز فلاں غصب کرے وہ مجھ پر ہے۔

تشریح کفالت جس طرح بغیر شرط کے جائز ہے اسی طرح کسی شرط پر معلق کر کے کفیل بننا بھی درست ہے۔ متن میں اس کی چند مثالیں دی ہیں۔ مثلاً فلاں آدمی سے جو کچھ بیچو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے تو یہ شرط پر معلق ہو کر کفیل ہوا۔ اور نچول مقدار کا کفیل بننا ہوا۔ یا آپ کا فلاں کے ذمہ جو کچھ واجب ہو وہ میرے ذمہ ہے، یا فلاں جو کچھ غصب کرے وہ میرے ذمہ ہے تو ان صورتوں میں کفالت درست ہو جائے گی اور کفیل پر اس کی ذمہ داری ہو جائے گی۔

مجا کفالہ میں اس قسم کی وسعت ہے۔ اس لئے یہ قابل برداشت ہے۔ کیونکہ روزانہ اس کی ضرورت پڑتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ اس شرط پر دین ادا کرنے کے کفیل بنے کہ اگر مومنین نے قرض چھوڑا تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے۔ عن جابر قال كان النبي ﷺ لا يصلی علی رجل علیہ دین ... من ترک دینا فعلى ومن ترک مالا فلورثته (الف) (نسائی شریف، الصلوٰۃ علی من علیہ دین

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا انتقال ہوا تو ہم نے اس کو غسل دیا، اس کو حنوط لگایا اور اس کو نفن دیا۔ پھر حضورؐ کے پاس لائے، ہم نے آپؐ سے کہا، آپؐ اس پر نماز پڑھیں۔ آپؐ گھڑے ہوئے ایک دو قدم چلے پھر پوچھا کیا اس پر قرض ہے؟ کہا گیا کہ ہاں! دو دینار۔ کہا حضورؐ واپس لوٹ گئے۔ پھر حضرت ابوققادہؓ نے ان کو اپنے ذمہ لے لیا۔ کہا ہم نے اس میت کو لایا۔ اور ابوققادہؓ نے کہا کہ وہ دونوں دینار میرے ذمے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا قرض خواہ کا حق ہو گیا اور میت ان دیناروں سے بری ہو گیا؟ ابوققادہؓ نے فرمایا ہاں! آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔ ایک دن کے بعد پوچھا دونوں دینار کا کیا ہوا؟ یعنی ادا کر دیا؟ ابوققادہؓ نے فرمایا کل ہی تو میت کا انتقال ہوا ہے۔ آپؐ نے نکل کی طرح دوبارہ یہ جملہ پوچھا۔ ابوققادہؓ نے فرمایا میں نے ادا کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا اب میت کی چڑی ٹھنڈی ہوئی (ب) حضورؐ ایسے لوگوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے جس پر دین ہو... جس نے قرض چھوڑا تو مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے۔

ان يقول ما بايعت فلانا فعلى او ما ذاب لك عليه فعلى او ما غصبك فلان فعلى
[۱۴۳۱] (۱۴) واذا قال تكفلت بما لك عليه فقامت البينة بالف عليه ضمنه
الكفيل [۱۴۳۲] (۱۵) فان لم تقم البينة فالقول قول الكفيل مع يمينه في مقدار ما
يعترف به [۱۴۳۳] (۱۶) فان اعترف المكفول عنه باكثر من ذلك لم يصدق على كفيله

ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴ / بخاری شریف، باب الدین ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں شرط ہے کہ کوئی دین چھوڑے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں
(۳) آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم شرط پر معلق کر کے کفیل بنے تھے۔ ولمن جابه حمل بعير وانا به زعيم (آیت
۲ سورہ یوسف ۱۲) اسلئے شرط پر معلق کر کے کفیل بننا درست ہے۔

نوٹ مجہول شرط پر کفالت کو معلق کرے تو صحیح نہیں ہے۔ مثلاً کہے اگر ہوا چلے تو میں کفیل ہوں تو اس صورت میں کفالت درست نہیں ہوگی۔

لغت ذاب لك عليه : جو کچھ آپ کے ذمہ ہو۔

[۱۴۳۱] (۱۴) اگر کہا کہ میں کفیل ہوں اس چیز کا جا آپ کا اس پر ہے پھر گواہ پیش کیا اس پر ہزار کا تو کفیل اس کا ضامن ہو جائے گا۔

تشریح پہلے سے کہہ چکا ہے کہ جتنا آپ کا اس پر ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ اب بینہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ میرا مکفول لہ پر ایک ہزار
ہے اس لئے ذمہ داری کے مطابق کفیل پر ایک ہزار ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

وجہ بینہ پیش کر کے ثابت کرنا ایسا ہے جیسے پہلے سے ثابت شدہ ہو۔ اس لئے اتنا لازم ہو جائے گا جتنا بینہ سے ثابت کیا۔

[۱۴۳۲] (۱۵) پس اگر بینہ قائم نہ ہو سکا تو کفیل کے قول کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کرتا ہے۔

تشریح مکفول لہ یعنی قرض دینے والے پر بینہ قائم کرنا واجب تھا لیکن وہ بینہ قائم نہ کر سکا تو پھر کفیل جتنا کہتا ہے اس کی بات مانی جائے گی اس
کی قسم کے ساتھ۔

وجہ اس صورت میں مکفول لہ مدعی ہے اس لئے اس پر بینہ تھا اور وہ نہ ہو سکا تو کفیل مدعی علیہ اور منکر ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی

جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي ﷺ قال في خطبته البينة على المدعى
واليمين على المدعى عليه (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء في ان البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه ص ۲۴۷ نمبر ۱۳۴۱ / بخاری
شریف، باب اليمين على المدعى عليه في الاموال والحدود ص ۳۶۶ نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث کی بنیاد پر کفیل مدعی علیہ ہے اس لئے اس پر قسم واجب
ہے۔ اور اس کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔

[۱۴۳۳] (۱۶) اگر مکفول عنہ اس سے زیادہ کا اعتراف کرے تو کفیل پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح قرض دینے والے مکفول لہ کے پاس بینہ نہیں تھا اب کفیل نے قسم کھا کر ایک ہزار روپے کا اقرار کیا لیکن قرض لینے والے مکفول عنہ نے

حاشیہ : (الف) آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر ہے اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔

[۱۳۳۲] (۱۷) وتجوز الکفالة بامر المكفول عنه وبغير امره [۱۳۳۵] (۱۸) فان كفَلَ

اقرار کیا کہ بارہ سو روپے تھے تو مکفول عنہ کی بات کفیل کے اوپر قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں! خود اپنے اوپر یہ اعتراف ٹھیک ہے اور دوسو روپیہ خود مقروض یعنی مکفول عنہ اپنی طرف سے ادا کریں۔

مذہب مکفول عنہ خود گویا کہ اس معاملہ سے اجنبی ہو گیا ہے۔ اس لئے اس کا اعتراف دوسروں کے خلاف قابل قبول نہیں ہے چاہے قسم کھا کر اعتراف کیوں نہ کرتا ہو (۲) یوں بھی کفیل مدعی علیہ تھا اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی نہ کہ مکفول عنہ کی۔

نوٹ مکفول عنہ کا اعتراف اس کی ذات کے بارے میں درست ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی علیہ کے خلاف بینہ کے بجائے کوئی قسم کھا کر اعتراف کرے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

[۱۳۳۲] (۱۷) کفاله جائز ہے مکفول عنہ کے حکم سے اور بغیر اس کے حکم سے۔

تشریح کفیل دونوں طرح بنتا ہے۔ مکفول عنہ کے حکم سے بنے تب بھی بنتا ہے اور بغیر اس کے حکم کے اپنی مرضی سے کفیل بنے تب بھی کفیل بن سکتا ہے۔

مذہب پیچھے حدیث گزری السعیم غارم (ابوداؤد شریف نمبر ۳۵۶۵) اس حدیث میں دونوں طرح سے کفیل بننے کا امکان موجود ہیں۔ اس لئے حکم اور بغیر حکم دونوں طرح کفیل بن سکتے ہیں (۲) کفیل کا اپنا مال ہے اس لئے بغیر مکفول عنہ کے حکم بھی خرچ کر سکتا ہے (۳) حضرت ابو قتادہ بغیر میت کے حکم کے قرض کے کفیل بنے تھے۔ عن سلمة بن اڪوع ان النبی ﷺ اتی بجنابة لیصلی علیہا ... قال ابو قتادة علی دینہ یا رسول اللہ فصلی علیہ (الف) (بخاری شریف، باب من تکلّف عن میت دینا فلیس لہ ان یرجع ص ۳۰۶ نمبر ۲۲۹۵) اس حدیث میں حضرت ابوقتادہ بغیر حکم کے کفیل بنے ہیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے مال میں جائز تصرف کر سکتا ہے۔

[۱۳۳۵] (۱۸) پس اگر کفیل بنا مکفول عنہ کے حکم سے تو لے گا وہ جو کچھ اس پر ادا کرے۔

تشریح مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا تھا تو کفیل نے جتنی رقم مکفول لہ کو دی ہے اتنی رقم مکفول عنہ سے وصول کرے گا۔

مذہب (۱) مکفول عنہ کے حکم سے کفیل نے اپنا روپیہ مکفول لہ کو دیا ہے اس لئے وہ مکفول عنہ سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے (۲) عن ابن

عباس ان رجلا لزم غریما له بعشرة دنانیر فقال واللہ ما افارک حتی تقضینی او تأتینی بحمیل قال فتحمل بها

النبی ﷺ فاتاه بقدر ما وعده فقال له النبی ﷺ من این اصبت هذا الذہب؟ قال من معدن قال لا حاجة لنا فیہا

لیس فیہا خیر فقضاها عنہ رسول اللہ ﷺ (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی استخراج المعادن ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۲۸ ابن ماجہ شریف،

حاشیہ: (الف) آپ جنازے پر آئے کہ اس پر نماز پڑھے... حضرت ابوقتادہ نے فرمایا مجھ پر اس کا دین ہے یا رسول اللہ! پس آپ نے اس پر نماز پڑھی (ب) ایک آدمی کا قرض خواہ دس دینار کی وجہ سے اس کے پیچھے لگا۔ کہنے لگا خدا کی قسم تم کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تم قرض ادا کر دو یا کوئی کفیل لاؤ۔ پس حضور اس کے کفیل بنے۔ پس اس آدمی نے وعدہ کے مقدار حضور کے پاس رقم لایا، پس حضور نے پوچھا یہ سونا کہاں سے لائے؟ کہا کان سے۔ آپ نے فرمایا اس کی (باقی اگلے صفحہ پر)

بامرہ رجع بما یؤدی علیہ [۱۴۳۶] (۱۹) وان کفل بغير امرہ لم يرجع بما یؤدی
[۱۴۳۷] (۲۰) وليس للکفیل ان یطالب المكفول عنه بالمال قبل ان یؤدی عنه فان لوزم

باب الکفالة ص ۳۴۴ نمبر ۲۴۰۶) اس حدیث میں ہے کہ مقروض آدمی نے حضور کو دس دینار ادا کیا۔ کیونکہ حضورؐ نے اس کی کفالت لی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ حضورؐ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفیل ادا کرے تو وہ مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے (۳) عن فضل بن عباس قال ... من قد کنت اخذت له مالا فلهذا مالی فلیأخذ منه فقام رجل فقال یا رسول الله ان لی عندک ثلاثة دراهم فقال اما انا فلا اکذب قائلًا وانا لا استحلف علی یمین فیم کانت لک عندی قال اما تذکر انه مر بک سائل فامرتنی فاعطیتہ ثلاثة دراهم قال اعطه یا فضل (الف) (سنن للبیہقی، باب رجوع الضامن علی المضمون عنہ بما غرم وضمن بامرہ، ج ۱ سادس ص ۱۲۳، نمبر ۱۱۴۰۳) اس حدیث میں حضورؐ کے حکم سے ایک آدمی نے تین درہم دیا تھا اور کفیل بنا تھا اس لئے انہوں نے حضورؐ سے واپس لیا، جس سے معلوم ہوا کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہو تو مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے۔

[۱۴۳۶] (۱۹) اور اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہو تو نہیں وصول کرے گا وہ جو ادا کیا ہو۔

تشریح مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہو تو کفیل نے جتنا ادا کیا ہو وہ مکفول عنہ سے وصول نہیں کر سکتا۔

مجا مکفول عنہ کے حکم کے بغیر بنا ہے تو کفیل ادا کرنے میں تبرع اور احسان کرنے والا ہوا اس لئے وہ مکفول عنہ سے نہیں وصول کر سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ ابوققادہ میت کے حکم کے بغیر کفیل بنے تو بعد میں میت سے وصول نہیں کیا۔ عن سلمة بن الاکوع ان النبی ﷺ اتی بجنازة لیصلی علیہا فقال هل علیہ من دین؟ فقالوا لا فصلی علیہ، ثم اتی بجنازة اخرى فقال هل علیہ من دین؟ قالوا نعم قال فصلوا علی صاحبکم قال ابو قتادة علیٰ دینہ یا رسول الله فصلی علیہ (ب) (بخاری شریف، باب من تکفل عن میت دینا فلیس له ان يرجع ص ۳۰۶ نمبر ۲۲۹۵) اس حدیث میں حضرت ابوققادہ نے میت سے ادا کیا ہوا دین وصول نہیں کیا۔ کیونکہ بغیر اس کے حکم کے کفیل بنے تھے اصول آمر کے حکم کے بغیر کوئی کام کرنا تبرع اور احسان ہے اس لئے کسی سے اس کا بدلہ وصول نہیں کر سکتا۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

[۱۴۳۷] (۲۰) کفیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ کرے اس سے پہلے کہ اپنی جانب سے ادا کرے، پس اگر پیچھا کیا

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) ضرورت نہیں جس چیز میں خیر نہ ہو۔ پھر حضورؐ نے اپنی جانب سے قرض ادا کیا (الف) ابن عباسؓ نے فرمایا... آپؐ نے فرمایا جس کا میں نے مال لیا تو یہ مال حاضر ہے، اس سے لے لے، پس ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول! میرے آپؐ کے ذمے تین درہم ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میرا طریقہ یہ ہے کہ میں کہنے والے کو جھٹلاتا نہیں اور قسم نہیں لیتا کس چیز کی رقم میرے ذمہ ہے۔ اس آدمی نے کہا آپؐ کو یاد نہیں کہ آپؐ کے سامنے سے ایک سائل گزرا تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو تین درہم دے دوں۔ آپؐ نے فرمایا اے فضل! اس کو تین درہم دیدو (ب) آپؐ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپؐ اس پر نماز پڑھیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پس آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔ پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو آپؐ نے پوچھا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا تم ان پر نماز پڑھ لو۔ حضرت ابوققادہ نے کہا اس کا قرض میرے ذمہ ہے اے اللہ کے رسول! پھر آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔

بالمال للكفيل كان له ان يلزم المكفول عنه حتى يخلصه [۱۴۳۸] (۲۱) واذا ابرأ الطالب المكفول عنه او استوفى منه برئ الكفيل [۱۴۳۹] (۲۲) وان ابرأ الكفيل لم يبرأ المكفول عنه.

گیا کفیل مال کی وجہ سے تو اس کے لئے حق ہے کہ پیچھا کرے مکفول عنہ کا یہاں تک کہ کفیل کو چھڑا دے۔

تشریح اس عبارت میں دو مسئلے ہیں ایک تو یہ ہے کہ کفیل جب تک اپنی جانب سے مکفول عنہ کا قرض ادا نہ کر دے اس وقت تک قانونی طور پر مکفول عنہ سے رقم وصول کرنے کا حقدار نہیں ہوتا۔ ہاں! مکفول عنہ اپنی مرضی سے کفیل کو رقم دیدے تو جائز ہے۔

وجہ مکفول عنہ اصل مقروض ہے اس لئے زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ خود قرض ادا کرے گا اور جب وہ خود قرض ادا کرے گا تو کفیل کو اس سے لینے کا حق کیسے ہوگا؟ ہاں! کفیل ادا کر چکا ہو تو اب قرض وصول کرنے والا کفیل ہو گیا اس لئے اب کفیل مکفول عنہ سے لے سکتا ہے (۲) اوپر کی حدیث نبیہقی میں آدمی نے حضور کے کہنے پر تین درہم دیا تھا تب جا کر حضور سے وصول کیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے ادا کرے گا تب وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مکفول عنہ کے قرض کی وجہ سے کفیل کو کوئی مصیبت آئی مثلاً مکفول لہ نے کفیل کا پیچھا کیا تو کفیل کو مکفول عنہ کے ساتھ اتنا کرنے کا حق ہے یعنی مکفول عنہ کا پیچھا کرنے کا حق ہے۔ یہاں تک کہ مکفول عنہ کفیل کے پیچھا کرنے سے اس کو چھڑا نہ لے۔

وجہ کفیل کو مکفول عنہ کی وجہ سے پریشانی ہوئی ہے اس لئے وہ یہ پریشانی مکفول عنہ پر ڈال سکتا ہے۔

نکتہ یلازم : پیچھا کرنا، ساتھ ساتھ لگے رہنا۔ تخلص چھٹکارا دلانا۔

[۱۴۳۸] (۲۱) اگر طالب نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا اس سے وصول کر لیا تو کفیل بری ہو جائے گا۔

وجہ اصل میں قرض تو مکفول عنہ پر ہے۔ کفیل تو فرع ہے اور اس سے مستفاد ہے۔ اس لئے مکفول لہ دائن نے مکفول عنہ مقروض کو دین سے بری کر دیا یا معاف کر دیا دوسری شکل ہے کہ خود مکفول عنہ نے اپنا دین ادا کر دیا تو چونکہ اصل پر دین نہیں رہا اس لئے کفیل جو فرع ہے اس پر بھی دین نہیں رہے گا اور ختم ہو جائے گا **اصول** یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل پر دین نہ رہے تو فرع سے بھی دین ختم ہو جائے گا۔

نکتہ استوفی : وئی سے مشتق ہے، وصول کر لیا۔

[۱۴۳۹] (۲۲) اگر کفیل کو بری کر دیا تو مکفول عنہ بری نہیں ہوگا۔

تشریح بری کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اصل دین ہی کفیل سے معاف کر دیا تو اس صورت میں مکفول عنہ سے بھی معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل دین ہی اصیل سے معاف ہو گیا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کفیل کو صرف کفالت سے بری کیا کہ اب میں آپ سے دین کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ اس صورت میں چونکہ اصل دین اصیل یعنی مکفول عنہ پر باقی ہے اس لئے اصیل یعنی مکفول عنہ مطالبہ سے بری نہیں ہوگا۔ مکفول لہ اس سے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

[۱۴۴۰] (۲۳) ولا يجوز تعليق البراءة من الكفالة بشرط [۱۴۴۱] (۲۴) وكل حق لا يمكن استيفاؤه من الكفيل لا تصح الكفالة به كالحقوق والقصاص [۱۴۴۲] (۲۵) واذا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کفیل کو کفالت سے بری کرنے سے اصل سے دین ساقط نہیں ہوگا اور نہ مطالبہ سے بری ہوگا۔

[۱۴۴۰] (۲۳) کفالت سے برأت کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح مکفول لہ کفیل کو کسی شرط پر معلق کر کے بری کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ کل آئے گا تو آپ کفالت سے بری ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

مذہب کفالت سے بری کرنا گویا کہ مالک بنانا ہے اور مالک بنانے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کفالت سے بری کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔

فائدہ لیکن دوسری روایت میں ہے کہ برأت کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے۔

مذہب کفیل پر اصل دین نہیں ہے اس پر تو صرف مطالبہ ہے تو اس سے بری کرنا مالک بنانا نہیں ہے بلکہ مطالبہ ساقط کرنا ہے اس لئے کفالت سے بری کرنے کو کسی مناسب شرط پر معلق کرنا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

[۱۴۴۱] (۲۴) ہر وہ حق کہ اس کا وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو اس کا کفالہ صحیح نہیں ہے۔ جیسے حدود اور قصاص۔

تشریح جو چیز کفیل سے لینا یا وصول کرنا ممکن نہیں اس کا کفیل بننا بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ مجرم پر اگر حد جاری نہ کر سکو تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں کہ مجھ پر وہ حد جاری کر دیں۔ یا مجرم سے قصاص نہ لے سکو تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں کہ مجھ سے قصاص لے لو اور میرا ہاتھ قصاص میں کاٹ دو تو یہ کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

مذہب حدود اور قصاص اصل مجرم سے ہی لئے جاتے ہیں دوسروں سے نہیں۔ اس لئے اس کی کفالت بھی درست نہیں ہے (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ حدثنی عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ قال لا كفالة فی حد (الف) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی الکفالة بدن من علیہ حق، ج ۱، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱) اس حدیث میں ہے کہ حد میں کفالت نہیں ہے۔ جس کا ایک مطلب یہ ہے کہ حد کا کوئی کفیل بن جائے کہ مجرم پر نہ کر سکو تو مجھ پر حد جاری کرو تو یہ صحیح نہیں ہے۔

نوٹ اوپر کے ایک مسئلہ میں تھا کہ حد اور قصاص میں کفالہ بالنفس لینے کے لئے مجبور کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہاں ہے کہ خود حد اور قصاص کا کفیل بننا درست نہیں ہے۔ اس لئے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

[۱۴۴۲] (۲۵) اگر مشتری کی جانب سے کفیل بنا ثمن کا تو جائز ہے۔

تشریح کفیل نے بائع کو یوں کہا کہ مشتری کو بیع دے دو اگر اس نے اس کی قیمت نہیں دی تو میں دوں گا تو جائز ہے۔

مذہب قیمت ادا کرنا یہ بھی ایک قسم کا قرض ہے اور قرض کا کفیل بن سکتا ہے تو قیمت کا بھی کفیل بن سکتا ہے (۲) قیمت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا حد میں کفالہ نہیں ہے۔

تکفل عن المشتري بالثمن جاز [۱۴۴۳] (۲۶) وان تکفل عن البائع بالبيع لم تصح [۱۴۴۴] (۲۷) ومن استأجر دابة للحمل فان كانت بعينها لم تصح الکفالة بالحمل.

بعینہ وہی رقم دے جو مشتری کے پاس ہے بلکہ اس کے مثل اپنی جانب سے بھی رقم دے سکتا ہے۔ اس لئے کفیل بننا درست ہے (۲) اثر میں ہے کہ ثمن کے کفیل بننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عن عبد الله بن عمر انه كان لا يرى بالرهن والحميل مع السلف بأسا (الف) (سنن للبیہقی، باب جواز الرهن والحميل في السلف ج سادس ص ۱۹) اس اثر میں بیع میں کفیل بننے سے عبد اللہ بن عمر کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (۳) بخاری میں بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے کسی سے ایک ہزار کا سامان مانگا تو بائع نے ثمن کے لئے کفیل مانگا تو انہوں نے کہا کہ اللہ اس کا کفیل ہے۔ حدیث کا نکتہ ا یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ ﷺ انه ذکر رجلا من بنی اسرائیل سأل بعض بنی اسرائیل ان یسلفه الف دینار فقال ائتني بالشهداء اشهدهم فقال كفى بالله شهيدا قال فأتني بالكفيل قال كفى بالله كفيلا قال صدقت (ب) (بخاری شریف، باب الکفالة فی القرض والدیون بالادان وغیرہ ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثمن کے لئے کفیل بنانا جائز ہے تب ہی تو اس بزرگ سے کفیل مانگا اور انہوں نے کہا کہ اللہ اس کا کفیل کافی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں مثل اپنی جانب سے دے سکتا ہو وہاں کفیل بن سکتا ہے۔ اور جہاں مثل اپنی جانب سے نہیں دے سکتا ہو بلکہ بعینہ وہی چیز دینا لازم ہو جو مکفول عنہ کے پاس ہے تو وہاں کفیل نہیں بن سکتا۔ [۱۴۴۳] (۲۶) اگر بائع کی جانب سے بیع کا کفیل بنے تو صحیح نہیں ہے۔

تشریح اگر یوں کفیل بنے کہ میں بائع پر زور دوں گا کہ وہ بیع آپ کے حوالے ضرور کرے تب تو کفیل بننا صحیح ہے۔ لیکن یوں کفیل بنے کہ وہ بیع نہیں دے گا تو میں اپنی جانب سے بیع دے دوں گا تو ایسا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

مذہب بیع میں ضروری ہے کہ وہی چیز دے جو طے ہوئی ہے۔ اس کی مثل دوسری چیز اپنی جانب سے دوں گا یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کفیل بھی نہیں بن سکتا۔ اتنا ہوگا کہ بائع بیع حوالے نہیں کرے گا تو بیع ختم ہو جائے گی اور بائع کو قیمت میں کچھ بھی نہیں ملے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے جس چیز کی مثل نہیں دے سکتا ہو اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔ [۱۴۴۴] (۲۷) کسی نے سواری اجرت پر لی لادنے کے لئے، پس اگر وہ معین ہو تو لادنے کا کفالہ صحیح نہیں ہے۔

تشریح ایک آدمی نے کسی سے سواری لادنے کے لئے اجرت پر لی، پس اگر وہ جانور متعین ہو کہ اسی جانور پر لادنا ہے تو اب اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن عمر بیع کے ساتھ رہن اور کفالہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (ب) حضورؐ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ کیا کہ انہوں نے بعض بنی اسرائیل کے آدمی سے کہا کہ ایک ہزار دینار کا سودا دے۔ اس نے کہا کہ گواہ لاؤ تا کہ ان کو میں گواہ بناؤں۔ کہا اللہ گواہ کے لئے کافی ہے۔ پھر کہا کہ کفیل لاؤ۔ کہا اللہ کفیل کے لئے کافی ہے۔ اس نے کہا آپ نے سچ کہا۔

[۱۴۴۵] (۲۸) وان كانت بغير عينها جازت الكفالة [۱۴۴۶] (۲۹) ولا تصح الكفالة

وجہ کفالت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر اس نے سواری نہیں دی تو میں اپنی سواری لادنے کے لئے دے دوں گا۔ اور اس صورت میں سواری متعین ہے اس لئے اپنی سواری دے نہیں سکتا اس لئے اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اسی اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے مثل نہیں دے سکتا ہو تو کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

لغت دابة : چوپایہ، سواری۔ الحمل : لادنا۔

[۱۴۴۵] (۲۸) اور اگر سواری غیر متعین ہو تو کفالہ جائز ہوگا۔

وجہ اس صورت میں اگر مکفول عنہ نے سواری لادنے کے لئے نہیں دی تو اپنی جانب سے سواری دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سواری متعین نہیں ہے اس لئے کفیل بننا درست ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے اس کی مثل دے سکتا ہو تو کفیل بننا درست ہے۔ کیونکہ کفیل اس کی مثل دے دیگا۔

[۱۴۴۶] (۲۹) نہیں صحیح ہے کفالہ مگر مکفول لہ کے قبول کرنے سے مجلس عقد میں۔

تشریح جس مجلس میں کفیل بن رہا ہو اسی مجلس میں مکفول لہ نے قبول کیا ہو کہ ہاں میں فلاں کے کفیل بننے سے راضی ہوں تب کفالت صحیح ہوگی۔ تو گویا کہ دو شرطیں ہوں گی۔ ایک مکفول لہ کا قبول کرنا اور دوسری شرط یہ ہے کہ مجلس کفالت میں قبول کرے اس سے باہر قبول کرے تو کفالت صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ کوئی شریف ہوتا ہے اور کوئی شریر ہوتا ہے۔ اب تک مکفول لہ کا واسطہ براہ راست مقروض سے تھا۔ کفالت کے بعد اس کا واسطہ کفیل سے بھی ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ شریر ہو جس کی بنیاد پر وہ کفیل سے واسطہ نہ رکھنا چاہتا ہو۔ اس لئے کفالت کی بنیاد پر کفیل سے واسطہ قائم کرنے کے لئے اس کی رضامندی اور قبول کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مکفول لہ کا مطالبہ اور واسطہ نئے آدمی سے ہوگا اس لئے اس کی رضامندی ضروری ہے۔

اور مجلس میں قبول کی ضرورت اس لئے ہے کہ کفیل ایجاب کرے گا تو مجلس میں قبول کرے ورنہ اس کا ایجاب ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد کفالت کفیل کے ایجاب اور مکفول لہ کے قبول سے منعقد ہوتا ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ کفیل بننے کے لئے مکفول لہ کے قبول کی ضرورت نہیں ہے۔ بغیر اس کے قبول کئے ہوئے بھی کفیل بن جائے گا۔

وجہ کفیل اپنی جانب سے رقم دینے کے لئے کہہ رہا ہے اور مکفول لہ کو فائدہ ہے کہ پہلے ایک سے مطالبہ کر سکتا تھا اب دو سے مطالبہ کرے گا۔ اور دونوں میں سے کسی ایک سے وصول کرے گا۔ اس لئے مکفول لہ کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۲) یہ توثق اور اعتماد کے لئے ہے کہ کفالت کی وجہ سے اس کا مال ضائع نہیں ہوگا۔ اس لئے بھی مکفول لہ کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکفول لہ کا مجلس کفالت میں قبول کرنا ضروری نہیں بلکہ مجلس سے باہر جہاں اس کو خبر ملے اور قبول کر لے تب

الا بقبول المكفول له في مجلس العقد [۱۴۲۷] (۳۰) الا في مسألة واحدة و هي ان يقول المريض لوارثه تكفل عني بما علي من الدين فتكفل به مع غيبة الغرماء جاز [۱۴۲۸] (۳۱) واذا كان الدين على اثنين و كل واحد منهما كفيل ضامن عن الآخر فما

بھی کفیل بن جائے گا۔ جیسے کہ فضولی کے نکاح کو مجلس کے علاوہ جہاں خبر ملے اور قبول کر لے تب بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مجلس کفالت کے علاوہ میں مکفول لہ قبول کر لے تب بھی کفالت درست ہو جائے گی۔

[۱۴۲۷] (۳۰) مگر ایک مسئلہ میں وہ یہ کہ بیمار اپنے وارث سے کہے کہ میری جانب سے کفیل ہو جاؤ اس چیز کا جو میرے اوپر دین ہے، پس اس کا کفیل بن گیا قرضخواہوں کی عدم موجودگی میں تو جائز ہے۔

تشریح یہ ایک مسئلہ ایسا ہے کہ مکفول لہ کفالت کو قبول نہ کرے بلکہ مکفول لہ غائب ہو تب بھی کفالت درست ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے اور اپنے وارث سے کہتا ہے کہ مجھ پر جتنا دین ہے اس کا تم کفیل بن جاؤ اور وہ مکفول لہ کی عدم موجودگی میں کفیل بن جائے تو اس صورت میں وارث کا کفیل بننا صحیح ہے۔

مذہب یہ اصل میں کفیل بننا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں قرض خواہوں کو قرض ادا کرنے کے لئے وصیت ہے۔ اور کفیل حقیقت میں وصی ہے اس لئے اس صورت میں مکفول لہ کے قبول کئے بغیر بھی کفیل بننا درست ہے (۲) یہاں مجبوری بھی ہے کیونکہ موت کے وقت تمام قرض خواہ حاضر نہیں ہوتے ہیں۔ اب اگر کفیل یا وصی نہ بنایا جائے تو قرض خواہوں کا قرض ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے مکفول لہ کے قبول کئے بغیر کفیل بننا درست ہے۔

نکتہ الغرماء : قرض دینے والے، قرض خواہ۔

[۱۴۲۸] (۳۱) اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور دونوں میں سے ہر ایک کفیل اور ضامن ہو دوسرے کا تو جو کچھ ان میں سے ایک نے ادا کیا تو وہ شریک سے وصول نہیں کرے گا یہاں تک کہ زیادہ ہو جو ادا کیا آدھے سے، پس وصول کرے گا زیادہ کو۔

تشریح دو آدمیوں پر قرض تھا۔ مثلاً دو آدمیوں نے ایک غلام ایک ہزار میں خریدا تھا اور دونوں پر آدھی آدھی قیمت قرض تھی یعنی پانچ پانچ سو درہم تھے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے کفیل بھی تھے۔ پس ایک نے اگر آدھا قرض یعنی پانچ سوا ادا کیا ہے تو یہ آدھا خود اس کے حصے کا شمار کیا جائے گا، شریک کے حصے کا شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے جب تک آدھا ادا کیا تو اس میں سے کچھ شریک سے وصول نہیں کرے گا۔ ہاں آدھا سے زیادہ ادا کرے تو اپنے شریک سے وصول کرے گا۔

مذہب آدھا قرض اصل ہے اور خود اپنے اوپر ذمہ داری ہے۔ اور کفالت فرع ہے اور مطالبہ ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل کا درجہ پہلے ہوتا ہے اور فرع کا درجہ بعد میں ہوتا ہے۔ اس لئے آدھا جو ادا کیا وہ اصل قرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنے والے کی جانب سے ادا ہوگا۔ کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا نہیں ہوگا۔ اس لئے اس میں سے شریک سے کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔ البتہ آدھا سے زیادہ جو کچھ ادا کیا وہ ادا

ادی احدهما لم يرجع به علی شریکہ حتی یزید ما یؤدیه علی النصف فیرجع بالزیادة [۱۴۴۹] (۳۲) واذا تکفل اثنان عن رجل بالف علی ان کل واحد منهما کفیل عن صاحبه فما اداہ احدهما يرجع بنصفه علی شریکہ قليلا کان او کثیرا [۱۴۵۰] (۳۳)

کرنے والے پر قرض نہیں ہے اس لئے طے ہے کہ وہ کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا کیا ہے اس لئے اب اس سے وصول کریگا۔
اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل پہلے ادا ہوگا اور فرع اور مطالبہ بعد میں ادا ہوگا۔ اپنا قرض پہلے ادا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ادا نہ کرنے پر کافی وعید آئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن محمد بن جحش ... فقال والذی نفسی بیدہ لو ان رجلا قتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم قتل ثم احیی ثم قتل و علیہ دین ما دخل الجنة حتی یقضی عنہ دینہ (الف) (نسائی شریف، باب التغلیظ فی الدین ص ۲۰۲ نمبر ۴۶۸۸) اس حدیث کی بنا پر اپنا دین پہلے ادا ہوگا (۲) حضرت ابوقحادہ کی کفالت والی حدیث میں بھی گزرا کہ آپؐ نے دین کی وجہ سے نماز جنازہ نہیں پڑھائی جب تک وہ ادا نہ ہو گیا۔

[۱۴۴۹] (۳۲) اگر دو آدمی کفیل بنے ایک آدمی کی جانب سے ایک ہزار کا اس طور پر کہ ان میں ہر ایک دوسرے کا کفیل ہوگا تو جو کچھ ان میں سے ایک ادا کرے گا اس کا آدھا شریک سے وصول کرے گا تھوڑا ہویا زیادہ۔

تشریح دو آدمی ایک آدمی کے ایک ہزار درہم کے کفیل بنے۔ پھر یہ دونوں کفیل آپس میں بھی ایک دوسرے کے کفیل بن گئے تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک کفیل جتنا ادا کرے گا اس کا آدھا اپنے شریک کفیل سے وصول کرے گا مثلاً پانچ سو ادا کیا ہو تو ڈھائی سو اپنے شریک کفیل سے لے گا۔ پھر دونوں ملکر اصل سے وصول کریں گے۔

مذہب یہاں دونوں کفیلوں پر ذاتی قرض نہیں ہے بلکہ دونوں پر کفالت ہے اور فرع ہے اس لئے دونوں فرع ہونے میں برابر ہے۔ اور چونکہ دونوں ایک دوسرے کے کفیل اور ضامن ہیں اس لئے جو کچھ ادا کیا اس کا آدھا اپنی جانب سے ادا کیا اور آدھا بطور کفالت کے شریک کی جانب سے ادا کیا۔ اس لئے آدھا اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شریک کے بجائے اصل مقروض سے وصول کرے۔ کیونکہ اصل میں تو اسی کا قرض ادا کیا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں برابر درجے کے فروغ ہوں تو آدھا شریک سے وصول کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ ادا کیا اس میں سے آدھا اپنے شریک کی جانب سے بطور کفالت ادا کیا۔

[۱۴۵۰] (۳۳) نہیں جائز ہے کفالہ مال کتابت کا چاہے آزاد اس کا کفیل بنے چاہے غلام۔

تشریح مکاتب نے کتابت کے لئے مولیٰ کا قرض اپنے سر لیا۔ اس قرض کا کوئی کفیل بننا چاہے تو کفیل نہیں بن سکتا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے پھر زندہ کیا جائے پھر شہید ہو جائے پھر زندہ کیا جائے تو اس پر قرض ہو تو اس وقت تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

ولا تجوز الكفالة بمال الكتابة سواء حر تكفل به او عبد [۱۴۵۱] (۳۴) واذا مات الرجل وعليه ديون ولم يترك شيئا فتكفل رجل عنه للغرماء لم تصح الكفالة عند ابي

مجا مکاتب پر مولیٰ کا قرض لازم نہیں ہے کیونکہ جب مکاتب مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو مکاتب سے مولیٰ کا قرض ساقط ہو جائے گا اور مکاتب دوبارہ غلام بن جائے گا۔ پس جب اصل پر ہی قرض لازم نہ ہو تو کفیل پر کیسے لازم ہوگا، کفیل کی کفالت تو توثیق اور لزوم کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہاں مکاتب پر قرض کا لزوم ہی نہیں ہے اس لئے اس کی کفالت صحیح نہیں چاہے آزاد کفیل بنے چاہے غلام کفیل بنے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن جریح قال قلت لعطاء کاتبت عبدین لی وکتبت ذلک علیہما قال لا یجوز فی عبدیک وقالہا سلیمان بن موسیٰ قال ابن جریح فقلت لعطاء لم لا یجوز؟ قال من اجل ان احدهما ان افلس رجع عبدا لم یملک منک شیئا (الف) (سنن للبیہقی، باب حمالة العید، ج ۴، ص ۵۴، نمبر ۲۱۶۳۲، مصنف عبدالرزاق، باب الحمالة عن المكاتب ج ۸، ص ۱۵، نمبر ۵۲، ۱۵۷) اس اثر میں ہے کہ مکاتب کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ عاجز ہو کر دوبارہ غلام بن جائے تو کیسے کفیل بننا درست ہوگا۔ اور دوبارہ غلام بن جانے کے لئے حضرت علیؓ کا اثر ہے۔ عن علی قال اذا تتابع علی المكاتب نجمان فدخل فی السنة فلم یؤد نسجومه رد فی الرق (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴، ۷۱، من رد المكاتب اذا عجز، ج ۴، ص ۳۹۹، نمبر ۲۱۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب قسط ادا نہ کر سکے تو دوبارہ غلام بن جائے گا اور قرض ساقط ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مکفول عنہ پر دین لازم نہ ہو تو اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔ [۱۴۵۱] (۳۴) اگر کوئی آدمی مر جائے اور اس پر دین ہو اور کچھ نہیں چھوڑا ہو، پس اس کی جانب سے ایک آدمی قرض خواہوں کے لئے کفیل بن جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفالہ صحیح نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔

مجا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفالت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ مکفول عنہ پر دین لازم ہو۔ اور دوسری بات یہ ہو کہ کفیل دین ادا کرنے کے بعد مکفول عنہ کے مال سے وصول بھی کر سکتا ہو۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو وہ کفیل بننا نہیں ہے بلکہ تبرع اور احسان کے طور پر اپنے اوپر قرض کا حوالہ کر لینا ہے۔ اس کو کفالت نہیں کہیں گے۔ اس مسئلہ میں مکفول عنہ مر چکا ہے اس لئے اس پر دین ادا کرنا لازم نہیں رہا۔ کیونکہ مرے ہوئے پر کیا لازم رہے گا؟ اور کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے کہ کفیل اس سے اپنا دیا ہوا قرض وصول کر سکے اس لئے یہ کفالت نہیں ہوگی۔

نوٹ حدیث میں جو ابوقنادہ کفیل بنے ہیں وہ تبرع کے طور پر حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اس حدیث کو باب اذا اٰ حال دین

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ میں نے دو غلاموں کو مکاتب بنایا اور دونوں پر لکھا بھی یعنی کفیل بنایا۔ حضرت عطاء نے فرمایا تمہارے غلام میں جائز نہیں ہے۔ حضرت جریح فرماتے ہیں کہ میں عطاء سے پوچھا کیوں جائز نہیں ہے؟ کہا اس وجہ سے کہ دونوں میں سے ایک مفلس بن جائے تو پھر وہ غلام ہو جائے گا تو آپ کو کچھ بھی نہیں ملے گا (ب) حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ مکاتب پر دو قسطیں جمع ہو جائیں اور اگلے سال میں داخل ہو جائیں اور قسط ادا نہ کر سکے تو واپس غلامیت میں لوٹ جائے گا۔

حنيفة رحمه الله و عندهما تصح.

المیت علی رجل جاز میں نقل کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مکفول عنہ میت پر دین تو لازم تھا اور اس کو ساقط کرنے والی کوئی چیز معاف کرنا یا ادا کرنا نہیں پایا گیا۔ اور جب دین ثابت ہے تو اس کا کفیل بھی بن سکتا ہے۔

مذہب وہ ابوقنادہ والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ میت کی جانب سے کفیل بنے ہیں۔ عن سلمة بن اکوع قال كنا جلوسا عند النبی اذ اتی بجنائزة... قال هل ترک شیئا؟ قالوا لا قال فهل علیه دین؟ قالوا ثلاثة دنائیر قال صلوا علی صاحبکم فقال ابو قتادة صل علیہ یا رسول اللہ و علی دینہ فصلی علیہ (الف) (بخاری شریف، باب اذا حال دین المیت علی رجل جاز ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۹ رتزدی شریف، باب ما جاء فی الصلوة علی المدیون ص ۲۰۵ نمبر ۱۰۶۹) اس حدیث میں حضرت ابوقنادہ نے مدیون کی جانب سے کفالت لی ہے اور انہوں نے کچھ مال چھوڑا بھی نہیں تھا اس لئے کفیل بننا صحیح ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تبرع اور احسان کے طور پر تھا جو ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت ابوقنادہ نے رقم وصول نہیں کی۔



حاشیہ : (الف) ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت ایک جنازہ لایا گیا... آپؐ نے پوچھا کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ کہا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا تین دینار۔ آپؐ نے فرمایا ان پر تم لوگ نماز پڑھ لو۔ پس ابوقنادہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! اس پر نماز پڑھئے اور مجھ پر اس کے دین کی ذمہ داری ہے۔ پھر آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

﴿ کتاب الحوالہ ﴾

[۱۴۵۲] (۱) الحوالہ جائزۃ بالدیون [۱۴۵۳] (۲) وتصح برضا المحیل والمحتال له

﴿ کتاب الحوالہ ﴾

ضروری نوٹ حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ دین اصل مقروض سے کفیل کی طرف چلا جائے اور اب صرف کفیل ذمہ دار ہو۔ چونکہ اس میں قرض دوسرے کی طرف حوالہ ہو گیا اس لئے اس کو حوالہ کہتے ہیں۔ حوالہ کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال مطل الغنی ظلم واذا احلت علی ملى فاتبعه ولا تبع بیعتین فی بیعة (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی مطل الغنی ظلم ص ۲۴۴ نمبر ۱۳۰۹ ابن ماجہ شریف، باب الحوالۃ ص ۳۴۴ نمبر ۲۴۰۴ بخاری شریف، باب الحوالۃ وهل یرجع فی الحوالۃ ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۷) اس حدیث میں حوالہ کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ کسی مالدار کی طرف حوالہ کیا تو اس کا پیچھا کرنا چاہئے۔

اس باب میں چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے (۱) جو آدمی قرض کا ذمہ دار یعنی کفیل بنے کہ اب میں قرض ادا کروں گا اس کو محتال علیہ کہتے ہیں (۲) اور جس آدمی پر قرض تھا مدیون یعنی مکفول عنہ اس کو محیل کہتے ہیں (۳) اور جس کا قرض تھا یعنی مکفول لہ اس کو محتال لہ یا محتال کہتے ہیں (۴) اور جس مال کا ضامن بنا یعنی مکفول بہ اس کو محتال بہ کہتے ہیں۔

[۱۴۵۲] (۱) حوالہ جائز ہے دین کا۔

تشریح جو قرض صحیح کسی آدمی پر ہو اس کا حوالہ کسی آدمی پر کرے تو جائز ہے۔

وجہ محتال علیہ یعنی کفیل کا اپنا مال ہے اس لئے وہ کسی کو بھی دے سکتا ہے (۲) اور حدیث گزری کہ کسی مالدار پر حوالہ کیا جائے تو اس کا پیچھا کرنا چاہئے (۳) خود حضرت ابو قتادہ نے اپنے اوپر میت کا حوالہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ فقال ابو قتادۃ صل علیہ یا رسول اللہ وعلی دینہ فصلی علیہ (ب) (بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۹) اس لئے ان احادیث کی وجہ سے حوالہ جائز ہے۔

[۱۴۵۳] (۲) حوالہ صحیح ہوتا ہے محیل اور محتال لہ اور محتال علیہ کی رضامندی سے۔

تشریح حوالہ میں تینوں آدمی راضی ہوں تو حوالہ صحیح ہوتا ہے۔ محیل یعنی مقروض محتال لہ یعنی قرض دینے والا اور محتال علیہ یعنی جو قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہو۔

وجہ محیل کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کا احسان اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا ہو اس لئے اس کی رضامندی کی ضرورت ہے۔

فائدہ بعض روایت میں ہے کہ اس کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے۔

حاشیہ (الف) حضورؐ نے فرمایا مالدار آدمی کا مال منول کرنا ظلم ہے۔ اور جب مالدار ہوتے ہوئے حوالہ کیا گیا تو اس کے پیچھے لگو اور ایک بیع میں دو بیع مت کرو (ب) حضرت ابو قتادہ نے فرمایا آپؐ اس آدمی پر نماز پڑھئے مجھ پر اس کے دین کی ذمہ داری ہے۔ پھر آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

والمحتال عليه [۱۴۵۴] (۳) واذا تمت الحوالة برئ المحيل من الديون ولم يرجع المحتال له على المحيل الا ان يتوى حقه [۱۴۵۵] (۴) والتوى عند ابى حنيفة رحمه الله

مذہب کیونکہ اس کو تو اچھا ہے کہ اپنا قرض کسی اور پر چلا گیا اور دوسرا آدمی ضامن بن گیا (۲) حضرت ابوقادہ نے میت کا قرض اپنے اوپر لیا اور بغیر میت کی رضامندی کے لیا۔ اس لئے بغیر محیل کی رضامندی کے حوالہ صحیح ہو جائے گا۔

محتال لہ کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ قرض اس کا ہے۔ اور آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ محتال لہ دوسرے آدمی یعنی محتال علیہ سے قرض وصول نہیں کرنا چاہتا ہو۔ اس لئے محتال لہ کی رضامندی کی ضرورت ہے۔ اور محتال علیہ کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس کی رضامندی کے بغیر وہ قرض کیسے ادا کرے گا؟ حضرت ابوقادہ قرض ادا کرنے پر راضی ہوئے تب ہی میت کا قرض ان پر حوالہ ہوا۔

[۱۴۵۴] (۳) اور جب حوالہ پورا ہو جائے تو محیل قرض سے بری ہو جائے گا اور محتال لہ وصول نہیں کرے گا محیل سے مگر یہ کہ اس کا حق تلف ہو جائے۔

تشریح تینوں کی رضامندی سے حوالہ مکمل ہو گیا تو محیل یعنی اصل مقرض قرض سے بری ہو جائے گا۔ اب اس پر قرض نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ اس سے قرض منتقل ہو گیا۔ اور محتال لہ یعنی قرض دینے والا اب محیل یعنی اصل مقرض سے قرض وصول نہیں کرے گا۔ ہاں! اگر محتال علیہ یعنی کفیل اور ضامن سے قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو تب محیل یعنی اصل مقرض سے قرض وصول کرے گا۔

مذہب حوالہ اس امید پر کیا تھا کہ قرض خواہ کو قرض ملے گا۔ اور جب نہیں ملا تو اصل مقرض ذمہ دار ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عثمان بن عفان قال ليس على مال امرئ مسلم توى يعنى حوالة (الف) (سنن للبيهقي، باب من قال يرجع على المحيل لا توى على مال مسلم، ج ۱، ص ۱۱، نمبر ۱۱۳۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۸۴ فی الحوالة ان يرجع فيها، ج ۱، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے مال میں ضیاع نہیں ہے یعنی حوالہ میں ضائع نہیں ہوگا بلکہ اصل مقرض سے وصول کرے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر چہ قرض محتال علیہ سے وصول نہ کر سکتا ہو پھر بھی محیل یعنی اصل مقرض سے وصول نہیں کر سکتا۔

مذہب وہ حوالہ کی وجہ سے ہر اعتبار سے بری ہو گیا (۲) اثر میں ہے۔ عن شريح في الرجل يحيل الرجل فيتوى قال لا يرجع على الاول (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۴ فی الحوالة اكره ان يرجع فيها، ج ۱، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاہے مال ضائع ہو نے کا خطرہ ہو پھر بھی اول یعنی اصل مقرض سے وصول نہیں کرے گا۔

نکتہ التوى : حلق تلف ہونا۔

[۱۴۵۵] (۴) اور حق تلف امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو معاملوں میں سے ایک سے ہوتا ہے، یا حوالے کا انکار کر دے اور قسم کھالے اور اس پر کوئی

حاشیہ : (الف) حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں ہے یعنی حوالہ میں ہلاکت نہیں ہے (وہ محیل سے بھی وصول کر سکتا ہے) (ب) حضرت شریک نے فرمایا آدمی حوالہ کرے پھر محتال علیہ پر ہلاکت آجائے تو فرمایا کہ اول سے وصول نہیں کر سکتا (یعنی محیل سے)۔

باحد الامرین اما ان یجحد الحوالة ویحلف ولا بینة علیه او یموت مفلسا [۱۴۵۶] (۵)
وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله هذان الوجهان و وجه ثالث و هو ان یحکم الحاكم
بافلاسه فی حال حیوته.

بینہ نہ ہو یا وہ مفلس ہو کر مر جائے۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو باتوں میں سے ایک ہو تو حق تلف ہونا سمجھا جائے گا۔ پہلی بات یہ ہے کہ محتال علیہ یعنی ضامن حوالہ کا انکار کر دے کہ میں نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس پر وہ قسم بھی کھالے اور قرض خواہ محتال لہ کے پاس اس پر کوئی گواہ بھی نہ ہو کہ ہاں قرض کا ذمہ دار بنا تھا۔ اب چونکہ قرض وصول کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے اس لئے اب اصل مقروض سے وصول کرے گا۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ محتال علیہ مفلس ہو کر انتقال کیا ہو۔ اب اس کے پاس کوئی چیز ہے ہی نہیں اور نہ وہ زندہ ہے کہ اس سے وصول کر سکے۔ اس لئے اب اصل مقروض یعنی مجمل سے وصول کرے گا۔

مذہب اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ مفلس مرنے سے قرض اصل مقروض کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ عن الحکم بن عتبہ قال لایرجع فی الحوالة الی صاحبه حتی یفلس او یموت ولا یدع فان الرجل یوسر مرة و یعسر مرة (الف) مصنف ابن ابی شیبہ ۸۴ فی الحوالة الدان یرجع فیہا، ج رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۱۶۷۰) اس اثر میں ہے کہ مفلس بن کر مر جائے تو قرض اصل مقروض سے وصول کیا جائیگا۔
نکتہ متحد : انکار کر جائے۔

[۱۴۵۶] (۵) امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا یہ دو وجہ اور تیسری وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ حاکم حکم لگا دے اس کی مفلسی کا اس کی زندگی میں **تشریح** دو وجہ کے علاوہ تیسری یہ بھی ہے جس کی وجہ سے محتال لہ اصل مقروض یعنی مجمل سے قرض وصول کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حاکم مقروض کی زندگی میں اس کے مفلس ہونے کا فیصلہ کر دے۔

مذہب (۱) ان کی دلیل اوپر کا اثر ہے جس میں ہے۔ قال لایرجع فی الحوالة الی صاحبه حتی یفلس۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں محتال علیہ مفلس ہو جائے تب بھی اصل مقروض سے قرض وصول کر سکتا ہے (۲) عن الحسن قال اذا احتال علی ملی ثم افلس بعد فهو جائز علیہ (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۴ فی الحوالة الدان یرجع فیہا؟ ج، رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۱۸۷۰) اس اثر میں ہے کہ اگر زندگی میں محتال علیہ مفلس ہو جائے تو محتال لہ مجمل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول کر سکتا ہے۔

اصول امام صاحبین کے نزدیک یہ قاعدہ ہے کہ حاکم کسی کی زندگی میں افلاس کا فیصلہ کر دے تو وہ مفلس بحال رہتا ہے۔ اور جب وہ مفلس ہو گیا تو اصل مقروض سے قرض لے گا۔ اور امام اعظم کی رائے یہ ہے کہ مال کبھی آتا ہے اور کبھی چلا جاتا ہے اس لئے کسی کے افلاس کے فیصلے سے

حاشیہ : (الف) حکم بن عتبہ نے فرمایا حوالہ میں صاحب حوالہ سے وصول نہیں کرے گا یہاں تک کہ محتال علیہ مفلس ہو جائے اور کچھ نہ چھوڑے۔ اس لئے کہ آدمی کبھی مالدار ہوتا ہے اور کبھی تنگدست ہوتا ہے (ب) حسن نے فرمایا اگر مالدار پر حوالہ کیا پھر وہ مفلس ہو گیا تو وہ مجمل پر جائز ہو گیا۔

[۱۴۵۷] (۶) واذا طالب المحتال عليه المحيل بمثل مال الحواله فقال المحيل احلت بدين لي عليك لم يقبل قوله وكان عليه مثل الدين [۱۴۵۸] (۷) وان طالب المحيل المحتال له بما احاله به فقال انما احلتك لتقبضه لي وقال المحتال له بل احلتني بدين لي عليك فالقول قول المحيل مع يمينه.

وہ ہمیشہ مفلس برقرار نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کے پاس مال آنے کی امید ہے اس لئے محتال لہ دائن محتال علیہ کفیل سے ہی قرض وصول کرے گا۔ [۱۴۵۷] (۶) محتال علیہ نے محیل سے مطالبہ کیا حوالہ کے مثل مال کا، پس محیل نے کہا کہ میں نے حوالہ کیا اس دین کے بدلے جو میرا آپ پر ہے تو محیل کی بات مان لی جائے گی اور اس پر دین کے برابر رقم لازم ہوگی۔

تشریح محتال علیہ نے محیل سے کہا کہ میں نے جو قرض محتال لہ کو ادا کیا ہے وہ رقم مجھے دیں۔ اس پر محیل نے کہا کہ میرا آپ پر پرانا قرض تھا اس کی وصولی کے لئے آپ پر دین کا حوالہ کیا تھا اور اس پر محیل کے پاس بینہ نہیں ہے تو محیل کی بات نہیں مانی جائے گی۔ بلکہ محتال علیہ کی بات مانی جائے گی اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے واپس لیگا۔

مذہب محتال علیہ نے قرض ادا کیا جو ظاہری ثبوت ہے کہ وہ قرض کے مطابق محیل سے رقم وصول کر لے۔ اور محیل کے پاس محتال علیہ پر قرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے بات محتال علیہ کی مانی جائے گی (۲) محیل محتال علیہ پر قرض کا دعویٰ کر رہا ہے اور محتال علیہ منکر ہے اس لئے محیل کے پاس بینہ نہ ہو تو منکر کی بات مانی جائے گی۔ اس لئے بھی محتال علیہ کی بات مانی جائے گی۔ اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ظاہری علامت جس کے لئے ہے اسی کی بات مانی جائے گی۔

[۱۴۵۸] (۷) اگر محیل نے محتال لہ سے مطالبہ کیا اس دین کا جو حوالہ کرائی تھی۔ اور محیل نے کہا میں نے اس لئے حوالہ کرائی تھی تاکہ اس قرض کو میرے قبضہ کریں۔ اور محتال لہ نے کہا کہ آپ نے حوالہ کرایا تھا اس دین کی وجہ سے جو میرا آپ پر تھا تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

تشریح محتال لہ نے محتال علیہ سے محیل پر جو قرض تھا وہ وصول کیا۔ جب وصول کر لیا تو اب محیل محتال لہ سے کہنے لگا کہ جو قرض آپ نے محتال علیہ سے وصول کتنا ہے وہ مجھے دیدو۔ کیونکہ آپ کا مجھ پر کوئی قرض نہیں تھا۔ یہ تو محتال علیہ پر میرا قرض تھا اس کو وصول کرنے کے لئے آپ کو حوالہ کیا تھا۔ تاکہ محتال علیہ سے وصول کر کے مجھے دیں۔ اور محتال لہ کہتا ہے کہ میرا آپ پر قرض تھا جس کی وجہ سے آپ نے حوالہ کیا اس لئے میں وصول کیا ہوا قرض آپ کو نہیں دوں گا۔ تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

مذہب حوالہ کرنے سے ضروری نہیں ہے کہ محتال لہ کا محیل پر قرض ہو، ہو سکتا ہے کہ محتال علیہ نے قرض وصول کرنے کے لئے حوالہ بول کر محتال لہ کو وکیل بنایا ہوتا کہ وہ وکالت کے طور پر محتال علیہ سے رقم وصول کر کے محیل کو دے۔ اس لئے محیل کی بات مانی جائے گی (۲) محتال لہ محیل پر قرض

[۱۴۵۹] (۸) ویکرہ السفاتج وهو قرض استفاد به المقروض امن خطر الطريق.

کا دعویٰ کر رہا ہے اور اس کے پاس اس پر بیہ نہیں ہے اور محیل اس کا منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی۔
[۱۴۵۹] (۸) سفاتج مکروہ ہے اور وہ قرض ہے کہ اس کا دینے والا راستے کے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔

تشریح سفاتج کی شکل یہ ہے کہ مثلاً لندن میں پونڈ قرض دیدے اور کہے کہ انڈیا میں یہ قرض فلاں آدمی کو واپس دے دینا۔ اور قرض لینے والا اس کو قبول کر لے تو یہ مکروہ ہے۔

مجموعہ قرض دینے والے کو اب یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا پونڈ ضائع ہوگا۔ کیونکہ اب جو کچھ بھی ضائع ہوگا وہ قرض لینے والے کا ہوگا۔ قرض دینے والے نے قرض دے کر یہ فائدہ اٹھایا کہ راستے کے خطرات سے محفوظ کر لیا (۲) اثر میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عن زینب قالت اعطانی رسول اللہ ﷺ خمسین وسقاً تمرًا بخیر وعشرین شعیراً قالت فجاءنی عاصم بن عدی فقال لی هل لک ان اوتیک مالک بخیر ههنا بالمدينة فاقبضه منك بکیله بخیر فقالت لا حتی اسأل عن ذلک قالت فذکرت ذلک لعمر بن الخطاب فقال لا تفعلی فکیف لک بالضمان فیما بین ذلک (الف) سنن للبیہقی، باب ماجاء فی السفاتج، ج خامس، ص ۵۷۶، نمبر ۱۰۹۴۵) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر نے خیبر میں مال دے کر مدینہ میں لینے سے منع فرمایا (۳) اثر میں ہے۔ عن فضالة بن عبيد صاحب النبی ﷺ انه قال کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا (ب) (سنن للبیہقی، باب کل قرض جر منفعة فهو ربا، ج خامس، ص ۵۷۳، نمبر ۱۰۹۳۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۷۹ من کرہ کل قرض جر منفعة ج خامس ص ۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر قرض جس سے نفع حاصل کیا گیا ہو وہ سود کی ایک قسم ہے۔ اور یہاں راستے کے خطرات سے محفوظ ہونے کا فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لئے یہ بھی سود کی ایک قسم ہوگی جس کی وجہ سے مکروہ ہے۔

نوٹ اگر بغیر شرط کے ایسا کیا کہ لندن میں قرض لیا اور ہندوستان میں ادا کیا تو مکروہ نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان عبد اللہ بن الزبیر کان يأخذ من قوم بمكة دراهم ثم یكتب بها الی مصعب بن الزبیر بالعراق فیأخذونها منه فسئل ابن عباس عن ذلک فلم یر به بأساً فقیل له ان اخذوا افضل من دراهم قال لا بأس اذا اخذوا بوزن دراهمهم (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی السفاتج، ج خامس، ص ۵۷۷، نمبر ۱۰۹۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بغیر شرط کے ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

found.

حاشیہ: (الف) حضرت زینب فرماتی ہیں کہ مجھے حضورؐ نے پچاس وسق کھجور اور بیس وسق جو خیبر میں دیئے۔ فرماتی ہیں کہ میرے پاس عاصم بن عدی آئے اور کہا کہ کیا خیبر کے بدلے میں مدینہ میں مال دے دوں؟ اور میں اس کے بدلے برابر کا کیل خیبر میں آپ سے قبضہ کر لوں۔ فرمانے لگی نہیں۔ جب تک میں اس کے بارے میں پوچھ نہ لوں۔ کہا اس کا تذکرہ عمر ابن خطاب کے سامنے کیا تو وہ فرمانے لگے ایسا مت کرو۔ اس لئے کہ کیا ہوگا اس ضمان کا جو راستے کے درمیان میں ہے (ب) حضورؐ کے صحابی فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ ہر وہ قرض جس کی وجہ سے نفع لے وہ سود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے (ج) عبد اللہ بن زبیر لوگوں سے مکہ مکرمہ میں درہم لیتے تھے۔ پھر اس کی تصدیق مصعب بن زبیر کے پاس عراق لکھتے تو لوگ مصعب بن زبیر سے رقم لے لیتے، پس اس کے بارے میں عبد اللہ بن عباس سے پوچھا تو انہوں نے کوئی حرج نہیں سمجھا۔ پھر ان سے کہا گیا اس سے افضل درہم لیتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر درہم کے وزن کے برابر ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

﴿ کتاب الصلح ﴾

[۱۴۶۰] (۱) الصلح علی ثلاثة اضرب صلح مع اقرار و صلح مع سکوت وهو ان لا یقر المدعی علیه ولا ینکر و صلح مع انکار و کل ذلک جائز.

﴿ کتاب الصلح ﴾

ضروری نوٹ صلح کے معنی مصالحت کے ہیں۔ یہ مختصمت کی ضد ہے۔ صلح جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهما صلحا والصلح خير (الف) (آیت ۲۸ سورۃ النساء ۴) اور حدیث ہے۔ عن براء بن عازب قال صالح النبی المشرکین یوم الحديبية علی ثلاثة اشياء (ب) (بخاری شریف، باب الصلح مع المشرکین ص ۳۷۱ نمبر ۲۷۰۰) اس سے بھی پتہ چلا کہ صلح جائز ہے۔ اور ابوداؤد میں ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الصلح جائز بین المسلمین، زاد احمد الا صلحا حرم حلالا او احل حراما (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الصلح ص ۱۵۸ نمبر ۳۵۹۳) اس حدیث سے بھی صلح کے جواز کا پتہ چلا۔

[۱۴۶۰] (۱) صلح تین قسم پر ہے۔ اقرار کے ساتھ صلح اور چپ رہنے کے ساتھ صلح، وہ یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار کرے اور انکار کے ساتھ صلح۔ اور یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

تشریح صلح کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں ہیں۔ لیکن ایک ہزار کے بدلے میں ایک گائے دے دیتا ہوں اس پر صلح کر لیں اور مدعی نے مان لیا تو یہ اقرار کے ساتھ صلح ہوئی۔ یا یوں کہا کہ ایک ہزار درہم ہیں لیکن آٹھ سو پر صلح کر لیں اور دوسو درہم چھوڑ دیں تو یہ بھی اقرار کے ساتھ صلح ہے اور بختہ صلح ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی دعویٰ کرے کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں، مدعی علیہ نے اس پر نہ انکار کیا اور نہ اقرار کیا خاموش رہا، پھر کہا کہ اس کے بدلے میں گائے دیتا ہوں اس پر صلح کر لیں اس پر مدعی نے مان لیا۔ یہ صلح مع السکوت ہوئی۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ نے انکار کیا کہ آپ کا مجھ پر کچھ نہیں ہے۔ بعد میں کہا کہ چلو اس کے بدلے میں ایک گائے دے دیتا ہوں۔ مدعی نے مان لیا اس کو صلح مع انکار کہتے ہیں کہ انکار کرنے کے بعد صلح کر لے۔ یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

مذہب اوپر والی حدیث الصلح جائز بین المسلمین سے معلوم ہوا کہ صلح جائز ہے اور یہ حدیث مطلق ہے اس لئے اس میں تینوں قسم کی صلح داخل ہیں۔ یعنی حدیث تینوں قسم کی صلح پر دال ہے (۲) صلح مع السکوت اور صلح مع انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیز آپ کی ہے تو نہیں لیکن میں دعویٰ کے جھیلے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اس لئے مال دے کر اپنی جان اور عزت بچانا چاہتا ہوں۔ اور مال مدعی علیہ کا ہے اس لئے وہ اس کو خرچ کر

حاشیہ : (الف) اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے نافرمانی یا اعراض کا خوف کرے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے کہ آپس میں صلح کریں۔ اور صلح خیر ہے (ب) حضور ﷺ صلح حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین باتوں پر صلح کی (ج) آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے۔

[۱۴۶۱] (۲) فان وقع الصلح عن اقرار اعتبر فيه مايعتبر في البياعات ان وقع عن مال بمال [۱۴۶۲] (۳) وان وقع عن مال بمنافع فيعتبر بالاجارات [۱۴۶۳] (۴) والصلح

سکتا ہے۔ اس لئے صلح مع السکوت اور صلح مع انکار بھی جائز ہے

[۱۴۶۱] (۲) پس اگر صلح واقع ہوا اقرار سے تو اعتبار کئے جائیں گے اس میں وہ امور کہ جو اعتبار کئے جاتے ہیں خرید و فروخت میں، اگر واقع ہو مال سے مال کے بدلے میں۔

تشریح مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ نے اقرار کر لیا۔ پھر ایک ہزار کے بدلے گائے پر صلح کر لی تو دونوں طرف مال ہیں اور مدعی علیہ نے اقرار بھی کیا ہے اس لئے گویا کہ ہزار درہم کے بدلے گائے خریدی ہے۔ اور مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان بیع کا معاملہ ہوا ہے۔ اس لئے بیع مین جن جن امور کا اعتبار ہوتا ہے اس صلح میں بھی ان ہی امور کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً اگر زمین بکتی تو اس میں شفعہ کو حق شفعہ ہوگا۔ اس صلح میں بھی حق شفعہ ہوگا۔ اگر گائے میں کوئی عیب ہو تو خیار عیب کے ماتحت گائے بائع کو واپس کر سکتا ہے۔ اگر مدعی یا مدعی علیہ میں سے کسی خیار شرط لیا ہو تو خیار شرط کے ماتحت واپس کر سکتا ہے۔ اگر مدعی نے گائے بیع کو دیکھا نہ ہو تو خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کر سکتا ہے۔ **وجہ** اقرار کے بعد صلح ہوئی ہے تو گویا کہ مدعی مشتری ہوا اور مدعی علیہ بائع ہوا۔ اور دونوں کے درمیان بیع و شراء کا معاملہ ہوا۔ اس لئے جن امور کا اعتبار بیع و شراء میں ہوتا ہے ان ہی امور کا اعتبار اس صلح میں ہوگا جس کی مثال اوپر گزر گئی (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عمر ابن سلمة عن ابيه قال صولحت امرأة عبد الرحمن من نصيبها ربع الثمن على ثمانين الفا (الف) سنن للبيهقي، باب صلح المعاوضة وانه بمنزلة البيع يجوز فيه ما يجوز في البيع ولا يجوز فيه ما لا يجوز في البيع، ج ۱۰، ص ۵۸، ۵۹، ۱۱۳۵) اس اثر میں اپنے حصے پر اسی ہزار درہم پر صلح کی جو بیع کی طرح ہے

[۱۴۶۲] (۳) اور اگر صلح واقع ہو مال سے نفع کے بدلے میں تو اعتبار کیا جائے گا اجرت کا۔

تشریح اور اگر ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف نفع ہے تو اس صلح پر اجرت کے احکام جاری ہوں گے۔ مثلاً مدعی نے دعویٰ کیا کہ میرا تم پر ایک ہزار ہے۔ مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا پھر کہا اس کے بدلے میں ایک ماہ تک آپ کا فلاں کام کروں گا۔ تو مدعی کی جانب سے ایک ہزار مال ہے اور مدعی علیہ کی جانب سے کام اور منافع ہیں تو یہ اجرت کی شکل ہوگی۔ اور اس صلح میں اجرت کے تمام امور کی رعایت کی جائے گی۔ مثلاً نفع دینے کی مدت تعیین کی جائے گی۔ دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو صلح باطل ہو جائے گی کیونکہ اجرت میں بھی ایسا ہوتا ہے **اصول** صلح عن الاقرار بیع یا اجارہ کی طرح ہوتی ہے۔

[۱۴۶۳] (۴) اور چپ رہنے کے بعد صلح اور انکار کرنے کے بعد صلح مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے کے لئے اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوتی ہے۔ اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے درجے میں ہے۔

تشریح مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ اس پر چپ رہا یا انکار کر دیا۔ پھر ایک گائے پر صلح کر لی تو یہ صلح مدعی علیہ کے حق حاشیہ : (الف) عمر بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی بیوی نے اپنے حصے چوتھائی حصے کو اسی ہزار درہم پر صلح کی۔

عن السكوت والانكار في حق المدعى عليه لافتداء اليمين وقطع الخصومة وفي حق المدعى بمعنى المعاوضة [۱۴۶۴] (۵) واذا صالح عن دار لم يجب فيها الشفعة [۱۴۶۵] (۶) واذا صالح على دار وجبت فيها الشفعة.

میں ایسا مانا جائے گا کہ مدعی علیہ پر کچھ نہیں تھا۔ البتہ مقدمہ کے جھیلے سے چھوٹنے کے لئے اور قسم کھانے سے بچنے کے لئے اپنا مال فدیہ کے طور پر دے دیا۔ حقیقت میں اس پر کچھ بھی لازم نہیں تھا۔

مج اس نے انکار کیا تھا یا چپ رہا تھا اور مدعی نے گواہ کے ذریعہ اس پر کچھ ثابت نہیں کیا ہے اس لئے حقیقت میں مدعی علیہ پر کچھ لازم نہیں ہوا۔ اور جو کچھ صلح کے طور پر دیا وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے دیا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ انکار کے باوجود دنیا میں بھائیوں سے صلح کر لینی چاہئے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من كانت له مظلمة لآخيه من عرضه او شيء فليبتحلل له منه اليوم قبل ان لا يكون دينار ولا درهم (الف) (بخاری شریف، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فخللها له هل يمين مظلمة؟ ص نمبر ۲۴۴۹) اس حدیث میں ہے کہ اس دنیا میں بھائیوں پر کئے ہوئے ظلم کو حلال کر لینا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ظلم میں آدمی انکار ہی کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس پر صلح کرنے کی ترغیب دی اس لئے انکار کے باوجود صلح کر سکتا ہے۔ اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے معنی میں ہے۔

مج کیونکہ مدعی یہ سمجھ رہا ہے کہ میری چیز مدعی علیہ پر تھی اس کے بدلے میں اس کی چیز لے رہا ہوں۔ [۱۴۶۴] (۵) اگر صلح کی گھر سے تو اس میں شفعہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح مدعی نے مدعی علیہ پر دعویٰ کیا کہ یہ گھر میرا ہے۔ مدعی علیہ نے انکار کیا یا چپ رہا۔ پھر اس گھر کے عوض میں کچھ روپیہ دے کر صلح کر لی تو اس گھر میں کسی کا حق شفعہ نہیں ہوگا۔

مج مدعی علیہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ گھر پہلے سے میرا ہی ہے۔ یہ تو جھگڑا مٹانے کے لئے روپیہ دے رہا ہوں۔ اس روپے کے بدلے گھر نہیں خرید رہا ہوں۔ تو چونکہ گھر کو خریدنا نہیں پایا گیا اس لئے اس میں شفعہ نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں خریدنا پایا جائے گا وہاں جائیداد میں حق شفعہ ہوگا۔ جہاں خریدنا نہیں پایا جائے وہاں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۴۶۵] (۶) اور اگر صلح کی گھر پر تو اس میں شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ چپ رہا یا انکار کیا پھر ایک ہزار درہم کے بدلے ایک گھر دے کر صلح کر لی تو اس گھر پر حق شفعہ ہے۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا کسی پر بھائی کی جانب سے ظلم ہو اس کی عزت کے بارے میں یا کسی اور چیز کے بارے میں تو اس کو آج حلال کر لینا چاہئے۔ اس دن سے پہلے کہ نہ دینا ہو اور نہ درہم۔

[۱۴۶۶] (۷) واذا كان الصلح عن اقرار فاستحق بعض المصالح عنه رجوع المدعى عليه بحصة ذلك من العوض [۱۴۶۷] (۸) واذا وقع الصلح عن سكوت او انكار فاستحق المتنازع فيه رجوع المدعى بالخصومة ورد العوض وان استحق بعض ذلك رد حصته

وجہ مدعی اس گھر کو اپنے ہزار درہم کے بدلے لے رہا ہے۔ اس مدعی کے حق میں گھر کو ہزار درہم کے بدلے خریدنا پایا گیا اس لئے گھر میں شفعہ ہوگا۔

اصول اوپر گزر گیا۔

[۱۴۶۶] (۷) اگر اقرار کے بعد صلح ہوئی ہو پھر مستحق نکل گیا صلح کی چیز کے بعض حصے میں تو واپس لے لے مدعی علیہ اس حصے کے موافق عوض سے۔

تشریح اس مسئلہ کو مثال سے سمجھیں۔ مثلاً عمر کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔ زید مدعی نے دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے عمر مدعی علیہ نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر ایک گائے دے کر صلح کر لی۔ پھر بعد میں مکان جو مصالح عنہ تھا یعنی جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی اس میں سے آدھا حصہ دوسرے کا نکل آیا تو عمر زید سے اپنی دی ہوئی گائے کا آدھا حصہ واپس لے گا۔

وجہ صلح کی تو یہ خرید و فروخت کی طرح ہوگئی۔ اس لئے بیع یا شمن کا مستحق نکل گیا تو سامنے والے سے وصول کرے گا۔ یہاں مکان کا آدھا حصہ مستحق نکل گیا تو گائے جو اس کی قیمت تھی اس کا آدھا زید سے واپس لے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اقرار کے بعد صلح بیع کی طرح ہے۔

[۱۴۶۷] (۸) اور اگر صلح واقع ہو چپ رہنے کے بعد یا انکار کے بعد پھر متنازع فیہ چیز کا کوئی حقدار نکل آئے تو مدعی مقدمہ کر کے وصول کرے گا۔ اور عوض واپس کرے گا۔ اور اگر اس میں سے بعض کا مستحق نکل گیا تو مقدمہ سے اس میں وصول کرے گا۔

تشریح اس مسئلہ کو بھی مثال سے سمجھیں۔ مثلاً عمر کے قبضہ میں ایک مکان تھا۔ زید نے دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے۔ عمر اس پر چپ رہا یا انکار کیا۔ بعد میں عمر مدعی علیہ نے گائے دے کر صلح کر لی۔ اس کے بعد مکان کسی اور کا مستحق نکل گیا تو عمر مدعی علیہ زید مدعی سے اپنی گائے واپس لے گا اور زید مدعی اب مستحق سے مقدمہ کر کے اس کے استحقاق کو ختم کرائے گا یا وہ حقدار کو حق دے گا۔

وجہ عمر مدعی علیہ اگر چہ چپ رہا تھا یا انکار کیا تھا لیکن اس نے زید کو مکان کے بدلے گائے اس لئے دی تھی کہ مکان کا کوئی حقدار نہ نکلے اور مکان بغیر خصومت کے اس کے پاس موجود رہے۔ یہاں تو حقدار بھی نکل گیا اور خصومت میں بھی پڑنا پڑا جس کی وجہ سے گائے دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس لئے زید سے گائے واپس لے گا۔ اور اب زید حقدار سے نمٹے گا۔ کیونکہ حقدار اب مدعی علیہ عمر کے درجے میں ہو گیا۔ اس لئے اسی سے خصومت کر کے یا اپنا حق واپس لے گا یا قاضی فیصلہ کرے گا تو اس کا حق حقدار کے پاس جائے گا (۲) یہاں بھی بیع کی طرح معاملہ ہو جائے گا اور عمر کی بیع (مکان) سالم نہیں رہا اس لئے اپنی قیمت گائے زید سے واپس لے گا۔

ورجع بالخصومة فيه [۱۴۶۸] (۹) وان ادعى حقا في دار ولم يبينه فصولح من ذلك على شيء ثم استحق بعض الدار لم يرد شيئا من العوض لان دعواه يجوز ان يكون فيما بقى [۱۴۶۹] (۱۰) والصلح جائز من دعوى الاموال والمنافع وجناية العمد والخطأ

اور آدھا مکان مستحق نکلا تھا تو آدھی گائے عمر کو واپس دے گا۔ اور آدھا مکان زید مستحق سے مقدمہ کر کے واپس لے گا۔

اصول اوپر گزر گیا۔

لغت المتنازع فيه : اس سے مراد وہ مکان ہے جس میں زید، عمر اور بعد میں مستحق جھگڑا کرتے رہے اور جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی۔ رجع المدعى بالخصومة : سے مراد زید مدعی ہے جو مستحق پر مقدمہ کر کے اپنا حصہ وصول کرے گا۔ رد العوض : مکان، مصالح عنہ کے عوض میں عمر نے جو گائے دی تھی وہ گائے زید عمر کی طرف سے واپس لے گا۔

[۱۴۶۸] (۹) اگر مدعی نے گھر میں حق کا دعویٰ کیا اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ پس صلح کی اس کے بدلے میں کسی چیز پر، پھر مستحق نکل گیا بعض گھر کا تو عوض میں سے کچھ واپس نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ اس کا دعویٰ جائز ہے کہ فیماقی مین ہو۔

تشریح مثلاً زید نے عمر سے کہا کہ تمہارے قبضے کے گھر میں میرا حق ہے۔ لیکن کتنا حق ہے یہ بیان نہیں کیا۔ پھر عمر نے زید کو گائے دے کر صلح کی۔ بعد میں اس مکان میں کسی کا کچھ حق نکل گیا تو عمر زید سے گائے واپس نہیں لے سکتا۔

مجموعہ کیونکہ جو کچھ مکان میں سے عمر کے پاس باقی رہ گیا ہے زید کہہ سکتا ہے کہ اتنا ہی حق میرا تھا جو تمہارے پاس رہ گیا ہے اور اسی پر صلح کر کے گائے لی ہے۔ ہاں اگر پورا مکان کسی کا مستحق نکل گیا تو عمر اب زید سے گائے واپس لے سکتا ہے۔ کیونکہ جب پورا مکان کسی کا حق نکل گیا تو معلوم ہوا کہ زید کا تھوڑا حصہ بھی مکان میں نہیں تھا اور اس نے عمر سے جو گائے لی تھی وہ بغیر کسی حق کے لی تھی۔ اس لئے عمر زید سے اپنی دی ہوئی گائے واپس لے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مدعی اور مدعی علیہ کی باتوں میں جوڑ پیدا ہو سکتا ہو تو کر دیا جائے گا ورنہ بعد میں فیصلہ ہوگا۔

[۱۴۶۹] (۱۰) صلح جائز ہے مال کے دعویٰ سے اور منافع کے دعویٰ سے۔ جنایت عمد اور جنایت خطا کے دعویٰ سے۔ اور نہیں جائز ہے حد کے دعویٰ سے۔

تشریح کسی نے مال کا دعویٰ کیا۔ اس کے بدلے میں کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے۔ اور یہ بیع کے درجے میں ہوگی۔ یا منافع کا کسی نے دعویٰ کیا اور اس کے بدلے میں کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے۔ اور یہ صلح اجارہ کے درجے میں ہوگی۔ ان دونوں کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔ جنایت عمد کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے جان بوجھ کر کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر عضو کاٹنے کا قصاص تھا۔ اس قصاص کے بدلے میں دونوں نے مال پر صلح کر لی تو جائز ہے۔ اور جنایت خطا کی صورت یہ ہے کہ غلطی سے کسی نے کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر دیت کا مال واجب تھا۔ لیکن بعد میں قاطع اور مقطوع نے کم مال پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے۔

ولا يجوز من دعوى حد.

مذہب قاطع کا مال ہے وہ خرچ کر کے اپنا عضو بچا سکتا ہے۔ اور مقطوع کو حق ہے کہ قصاص معاف کر کے مال پر راضی ہو جائے (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمة (الف) (آیت ۸۷-۸۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ قصاص اور جنایت عمد معاف کر سکتا ہے اور اس کے بدلے میں کچھ لے سکتا ہے۔ تو اسی پر قیاس کر کے جنایت خطا کے بدلے میں بھی کچھ لے سکتا ہے اور صلح کر سکتا ہے (۳) جنایت اور دیت کو معاف کر کے صلح کرنے پر یہ حدیث دال ہے۔ ان انسنا حدثهم ان الربیع وهی ابنة النضر کسرت ثنية جارية فطلبوا الارش وطلبوا العفو فابوا فاتوا النبی ﷺ فامرهم بالقصاص فقال انس بن النضر اتکسر ثنية الربیع یا رسول الله؟ لا والذي بعثک بالحق لا تکسر ثنیها فقال یا انس کتاب الله القصاص فرضى القوم وعفوا فقال النبی ﷺ ان من عباد الله من لوا قسم علی الله لا برأه (ب) (بخاری شریف، باب الصلح فی الدیۃ ص ۳۷۲ نمبر ۲۷۰۳) اس حدیث میں قصاص کو معاف کر کے ارش پر صلح کی۔ جس سے صلح کے جواز کا پتہ چلا۔ اور حد کو جلدی ثابت نہ کیا جائے بلکہ تھوڑے سے شبہ کی وجہ سے ساقط کر دیا جائے۔ لیکن جب حد ثابت ہو جائے تو نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ اس کے بدلے رقم لے کر صلح کر سکتا ہے۔

مذہب حاصل میں اللہ کا حق ہے۔ اور اللہ کا حق اللہ ہی معاف کر سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں۔ اس لئے نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ اس پر صلح کر سکتا ہے (۲) صلح نہ کرنے اور معاف نہ کرنے پر وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں حضورؐ کے پاس سفارش کے لئے حضرت اسامہؓ آئے تو آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہؓ بھی چراتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عائشة ان قریشا اهتمهم المرأة المخزومية التي سرقت... فقال یا ایہا الناس انما ضل من کان قبلکم انهم کانوا اذا سرق الشریف ترکوه واذا سرق الضعیف فیهم اقاموا علیه الحد وایم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد یدها (الف) (بخاری شریف، باب کراہیۃ الشفاعة فی الحد اذا رفع الی السلطان ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۸۸) اس حدیث میں حد سے سفارش کرنے پر آپؐ نے ناراضگی کا شیعہ: (الف) اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتول کے بارے میں۔ آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے، پس اگر بھائی کی جانب سے کچھ معاف کر دیا جائے تو باقی میں معروف کے ساتھ تقاضا کیا جائے گا۔ اور اس کی طرف احسان کے ساتھ ادا کرنا ہوگا۔ یہ تمہارے رب کی جانب سے تخفیف ہے اور رحمت ہے (ب) ربیع بنت نضر فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک باندی کا دانت توڑا۔ پس لوگوں نے ارش مانگا اور معافی طلب کی۔ تو انکار کیا، پس وہ حضورؐ کے پاس آئے، پس ان کو قصاص کا حکم دیا۔ پس انس بن نضر نے فرمایا اے اللہ کے رسول! کیا ربیع کا دانت توڑیں گے؟ قسم اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا، آپؐ اس کے دانت کو نہیں توڑیں گے۔ آپؐ نے فرمایا اے انس! اللہ کا فرض تو قصاص ہے۔ پھر قوم راضی ہو گئی اور معاف کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو قسم کھالے تو اللہ اس کو بری کر دیتے ہیں (ج) قریش کو بخزومیہ عورت کے بارے میں فکر ہوئی جس نے چوری کی تھی... پس آپؐ نے فرمایا اے لوگو! تم لوگوں سے پہلے جو لوگ گمراہ ہوئے ہیں ان کے یہاں یہ تھا کہ جب شریف لوگ چراتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کمزور چراتے تو اس پر حد قائم کرتے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چراتی تو محمدؐ اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔

[۱۴۷۰] (۱۱) واذا ادعى رجل على امرأة نكاحا وهي تجحد فصالحته على مال بذلته حتى يترك الدعوى جاز و كان فى معنى الخلع [۱۴۷۱] (۱۲) واذا ادعت امرأة نكاحا على رجل فصالحها على مال بذله لها لم يجز [۱۴۷۲] (۱۳) وان ادعى رجل على رجل

کا اظہار فرمایا۔ اس لئے ثابت ہونے کے بعد اس پر صلح نہیں ہو سکتی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہیں کہ حقوق انسانی پر صلح ہو سکتی ہے، حقوق اللہ پر صلح نہیں ہو سکتی۔

[۱۴۷۰] (۱۱) ایک آدمی نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور وہ انکار کرتی ہے۔ پھر عورت نے مرد سے مال پر صلح کی جس کو اس نے خرچ کیا تاکہ مرد دعویٰ چھوڑ دے تو جائز ہے اور یہ صلح خلع کے حکم میں ہے۔

تشریح ایک آدمی نے ایک عورت پر دعویٰ کیا کہ اس سے میرا نکاح ہوا تھا۔ لیکن عورت اس سے نکاح ہونے کا انکار کرتی ہے۔ بعد میں جان چھڑانے کے لئے کچھ دے کر مرد سے صلح کر لی تاکہ مرد نکاح کا دعویٰ چھوڑ دے تو عورت کا دینا جائز ہے۔

مذہب عورت مقدمہ سے جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہی ہے۔ چونکہ اس کا مال ہے۔ اس لئے جان چھڑانے کے لئے مال خرچ کر سکتی ہے (۲) عورت کی جانب سے یہی سمجھا جائے گا (۲) مرد کی جانب سے یوں سمجھا جائے گا کہ نکاح ہوا تھا اور عورت گویا کہ خلع کی اور خلع کے طور پر یہ رقم مجھے دی ہے۔ اس لئے اس کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے

[۱۴۷۱] (۱۲) اور اگر دعویٰ کیا عورت نے نکاح کا مرد پر، پس مرد نے عورت سے صلح کی مال پر جس کو مرد نے عورت کے لئے خرچ کیا تو عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

تشریح اس مسئلہ میں مسئلہ نمبر ۱۱ سے الٹا ہے۔ وہ یہ کہ عورت نے دعویٰ کیا کہ میرا اس مرد سے نکاح ہوا ہے۔ اور مرد نے اس کا انکار کیا۔ بعد میں عورت کو مال دے کر صلح کر لی تاکہ جان چھوٹ جائے تو عورت کے لئے مال لینا جائز نہیں ہے۔

مذہب مرد تو سمجھ رہا ہے کہ جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہا ہوں۔ اب عورت جو لے رہی ہے وہ کس اعتبار سے لے رہی ہے۔ اگر یہ سمجھ کر لے رہی ہے کہ نکاح ہوا تھا اور جدا ہونے اور فرقت کے لئے لے رہی ہوں تو جدا نیکی کے لئے مرد کی جانب سے کوئی مال نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہی نہیں ہوا تھا ویسے ہی مال لے رہی ہوں تو ویسے بغیر نکاح کے مال لینا جائز نہیں۔ اس لئے عورت کے لئے یہ مال لینا جائز نہیں ہے۔

نوٹ ایک نسخے میں ہے کہ عورت کے لئے مال لینا جائز ہے اور اس کی تاویل یہ ہوگی کہ عورت سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہوا ہے اور مرد صلح کے طور پر جو مال دے رہا ہے یہ مہر میں زیادتی ہے۔ یعنی مہر ہی گویا کہ زیادہ کر کے دے رہا ہے۔

[۱۴۷۲] (۱۳) اگر کسی آدمی نے کسی آدمی پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے۔ پس اس نے مال پر صلح کی جو اس کو دے دیا تو جائز ہے۔ اور یہ مدعی کے حق میں مال پر آزادی کے حکم میں ہوگا۔

انه عبده فصالحه على مال اعطاه جازو كان في حق المدعى في معنى العتق على مال [۱۴۷۳] (۱۴) وكل شيء وقع عليه الصلح وهو مستحق بعقد المداينة لم يحمل على المعاوضة وانما يحمل على انه استوفى بعض حقه واسقط باقيه كمن له على رجل الف

تشریح ایک آدمی نے ایک آدمی پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے۔ اس نے انکار کیا، بعد میں کچھ دے کر صلح کر لی تو مدعی کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے۔

مجا غلام تو یہ سمجھ کر دے رہا ہے کہ میں جان چھڑانے کے لئے دے رہا ہوں۔ اور مدعی کے حق میں یوں سمجھا جائے گا کہ یہ واقعی اس کا غلام تھا اور مدعی نے صلح کا مال لے کر اس کو آزاد کیا۔ اور مال لے کر آزاد کرنا جائز ہے۔ اس لئے مدعی کا مال لینا جائز ہے۔

اصول پہلے گزر چکا ہے کہ جہاں جہاں مدعی اور مدعی علیہ میں جوڑ ہو سکتا ہو تو بات مان لی جائے گی اور جہاں جوڑ نہ ہو سکتا ہو تو الگ فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۴۷۳] (۱۴) ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہو اور اس میں وہ دین کے عقد سے مستحق ہو تو وہ معاوضہ پر حمل نہیں کیا جائے گا بلکہ حمل کیا جائے گا اس بات پر کہ بعض حق کو لیا اور باقی کو ساقط کر دیا۔ جیسے کسی کا کسی آدمی پر ہزار درہم عمدہ ہوں، پس اس سے صلح کی پانچ سو کھوٹے پر تو جائز ہے۔ اور ہو گیا گویا کہ اس کو بری کر دیا بعض حق سے۔

تشریح عقد مداینت کا مطلب یہ ہے کہ درہم، دینار وغیرہ قرض دیا ہو یا کوئی چیز درہم، دینار کے بدلے بیچی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو۔ اب درہم یا دینار قرض کے بدلے صلح کرنا چاہتا ہے تو اگر عدد کے اعتبار سے یا صفت کے اعتبار سے یا مدت کے اعتبار سے کم اور گھٹیا پر صلح کر رہا ہو تو اس کو درہم کے بدلے درہم شمار نہیں کریں گے اور معاوضہ نہیں کہیں گے۔ کیونکہ معاوضہ کہیں گے تو برابر برابر ہونا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔ اس لئے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی نے کچھ حق لیا اور کچھ ساقط کر دیا۔ مثلاً کسی آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار عمدہ درہم قرض تھے۔ اس نے پانچ سو گھٹیا اور کھوٹا درہم پر صلح کی تو یوں سمجھا جائے گا کہ عدد کے اعتبار سے باقی پانچ سو چھوٹ دیا اور صفت کے اعتبار سے عمدہ کو ساقط کر کے گھٹیا لیا۔ یوں نہیں کہیں گے کہ ایک ہزار درہم کے بدلے پانچ سو درہم لیا۔ اگر ایسا کہیں تو سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔

مجا عدد کے اعتبار سے قرض ساقط کرنے کا ثبوت یہ حدیث ہے۔ عن کعب ابن مالک انه كان له على عبد الله بن ابي حذرد الاسلامي مال فلقيه فلزمه حتى ارتفعت اصواتها فمر بهما النبي ﷺ فقال يا كعب فاشار بیده كانه يقول النصف فاخذ نصف ماله عليه وترك نصفاً (الف) (بخاری شریف، باب هل یشری الامام بالصلح ص ۲۷۳ نمبر ۲۷۰۶) اس حدیث میں حضرت کعب نے حضورؐ کے کہنے پر آدھے دین پر صلح کر لی۔ اور حدیث میں ترک نصف سے معلوم ہوا کہ آدھا چھوڑ دیا۔

حاشیہ : (الف) کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ اس کا عبد اللہ بن حذر پر کچھ مال تھا، پس حضرت کعب نے ان سے ملاقات کی اور اس کے پیچھے لگ گئے۔ یہاں تک کہ دونوں کی آواز بلند ہو گئی۔ پس وہاں سے حضورؐ گزرے اور کہا اے کعب! اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔ گویا کہ فرما رہے ہیں کہ آدھا قرض لے لو۔ پس اس پر کا آدھا مال لیا اور آدھا چھوڑ دیا۔

درهم جیاد فصالحه علی خمس مائة زیوف جاز وصار کانه ابراه عن بعض حقه
[۱۴۷۴] (۱۵) ولو صالحه علی الف مؤجلة جاز و کانه اجل نفس الحق [۱۴۷۵] (۱۶)
ولو صالحه علی دنانیر الی شهر لم یجنز [۱۴۷۶] (۱۷) ولو کان له الف مؤجلة فصالحه

[۱۴۷۴] (۱۵) اور اگر صلح کی ہزار تاخیر پر تو یہ بھی جائز ہے۔ گویا کہ اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا۔

تشریح کسی کا کسی پر ایک ہزار جلدی والا تھا۔ لیکن تاخیر کے ساتھ دینے پر صلح کر لی تو اگر معاوضہ قرار دیتے ہیں تو ہزار پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ تو سود لازم آئے گا۔ کیونکہ ہزار ہزار کے بدلے ہو تو مجلس پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی کا حق تو جلدی کا تھا لیکن اس نے اپنا حق چھوڑ دیا اور تاخیر کے ساتھ دینے پر راضی ہو گیا۔

مج تاخیر کرنے کے لئے اس حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ عن جابر بن عبد الله انه اخبره ان اباہ توفی وتروک علیہ ثلاثین وسقاً لرجل من اليهود فاستنظره جابر فابی ان ينظره فکلم جابر رسول الله ليشفع له اليه فجاء رسول الله وکلم اليهودی لياخذ ثمر نخله بالتي له فابی (الف) (بخاری شریف، باب اذا قاض او جاز ففی الدین تترامتر او غیره ص ۳۲۲ نمبر ۲۳۹۶)
اس حدیث میں حضرت جابر نے دین کو مؤخر کرنے کی درخواست کی لیکن یہودی نے نہیں مانا جس سے معلوم ہوا کہ قرض کو مؤخر کرنے پر صلح کی جاسکتی ہے۔

[۱۴۷۵] (۱۶) اور اگر صلح کی دینار پر ایک مہینہ کی تاخیر کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

تشریح کسی آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار درہم فوری قرض تھے۔ اس نے ایک مہینہ کی تاخیر کے ساتھ کچھ دینار پر صلح کر لی تو یہ جائز نہیں ہے **مج** واجب تو درہم تھے دینار تو نہیں تھے۔ اس لئے درہم کے بدلے دینار پر صلح کی یہ اسقاط نہیں ہوا، بدلہ ہوا۔ اب درہم کے بدلے دینار ہوا تو دونوں ثمنین ہیں اس لئے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے اور صلح کر لی مہینہ کی تاخیر پر جو سود ہے۔ اس لئے اس صورت میں مہینہ کی تاخیر پر صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن شکلوں میں معاوضہ سود واقع ہو جائے وہ صلح جائز نہیں ہے۔

نوٹ اگر ایک مہینہ کی تاخیر نہ کرتا اور فوری طور پر درہم کے بدلے کچھ دینار صلح کر لیتا اور مجلس میں دینار پر قبضہ کر لیتا تو جائز ہو جاتا۔ کیونکہ درہم کے بدلے دینار کم و بیش کر کے لے سکتا ہے۔ البتہ مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے تاکہ سود نہ ہو۔

[۱۴۷۶] (۱۷) اور اگر کسی کا ہزار تاخیر کے ساتھ ہوں، پس اس سے صلح کر لی پانچ سو فوری پر تو جائز نہیں ہے۔

تشریح کسی کا کسی پر ایک ہزار درہم تھے۔ لیکن تاخیر کے ساتھ ادا کرنے کی شرط تھی۔ پھر اس نے پانچ سو درہم پر صلح کر لی۔ لیکن جلدی ادا

حاشیہ : (الف) جابر بن عبد الله فرماتے ہیں کہ ان کے والد کا انتقال ہوا اور ان پر یہودی کے ایک آدمی کا تیس وق کھجور قرض چھوڑا۔ پس حضرت جابر نے مہلت مانگی۔ پس یہودی نے انکار کیا۔ پھر حضرت جابر نے حضور سے بات کی تاکہ سفارش کرے۔ پس حضور آئے اور یہودی سے بات کی اپنے قرض کے بدلے ایک کھجور کے درخت کا پھل لے لے۔ لیکن یہودی نے انکار کیا۔

على خمس مائة حالة لم یجز [۱۴۷۷] (۱۸) ولو كان له الف درهم سود فصالحه على
خمس مائة بیض لم یجز [۱۴۷۸] (۱۹) ومن وكل رجلا بالصلح عنه فصالحه لم یلزم

کرنے کی شرط لگائی تو جائز نہیں ہے۔

وجہ تاخیر کی قیمت کم ہے اور جلدی ادا کرنے کی قیمت زیادہ ہے۔ پس جب تاخیر کے بدلے جلدی ادا کرنے کی شرط لگائی تو چاہے ہزار کے بدلے پانچ سولیا لیکن تاخیر کے بدلے جلدی لیا تو اسقاط کرنا اور معاف کرنا نہیں ہوا بلکہ بدلہ اور معاوضہ ہو گیا۔ اور درہم کے بدلے درہم ہوں تو برابر ہونا چاہئے۔ کم و بیش کرنا سود ہے اس لئے جائز نہیں ہوگا (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔ عن ابی صالح عبید مولی السفاح انه اخبره انه باع بزامن اصحاب دار بحلة الى اجل ثم اراد الخروج فسألهم ان یبقوه ویضع عنهم فسأل زید بن ثابت عن ذلک فقال لا امرک ان تأکل ذلک ولا توکلہ (الف) مدونۃ مالک ج ۳ ص ۱۹۱/اعلاء السنن نمبر ۵۲۰)۔

اصول اوپر گزر گیا کہ سود کی شکل ہو تو صلح جائز نہیں ہے۔

لغت مَوْجَلَة : تاخیر کے ساتھ۔ حالۃ : جلدی کے ساتھ، فوری طور پر، فی الحال۔

[۱۴۷۷] (۱۸) اگر کسی کا ہزار درہم کھوٹے تھے، پس پانچ سو عمدہ درہمیں پر صلح کی تو جائز نہیں ہے۔

وجہ کھوٹے درہم کی قیمت کم ہے اور عمدہ درہم کی قیمت زیادہ ہے اس لئے جب کھوٹے کے بدلے عمدہ لیا تو اسقاط نہیں کیا بلکہ بدلہ کیا اور معاوضہ کیا اور درہم کے بدلے میں درہم ہو تو برابر ہونا چاہئے ورنہ تو سود ہوگا۔ یہاں ہزار کے بدلے پانچ سو درہم ہیں اس لئے سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

اصول اوپر گزر گیا کہ سود کی شکل میں صلح جائز نہیں ہے۔

لغت سود : کالا، کھوٹا درہم۔ بیض : سفید، عمدہ درہم، کھر درہم۔

[۱۴۷۸] (۱۹) کسی نے کسی آدمی کو اپنی جانب سے صلح کرنے کا وکیل بنایا، پس وکیل نے صلح کی تو وکیل کو لازم نہیں ہوگی وہ چیز جس پر صلح ہوئی، مگر یہ کہ وکیل اس کا ضامن بن جائے اور مال موکل پر لازم ہے۔

تشریح صلح کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ صلح جس میں صلح کے ذریعہ اپنے کچھ حقوق ساقط کرنا ہے۔ جیسے ہزار روپے قرض تھے اس میں کچھ ساقط کر کے پانچ سو روپے لئے۔ یا قتل عمد کیا تھا جس کی وجہ سے قصاص لازم تھا اور اس کو ساقط کر کے کچھ رقم لینی ہے تو اسقاط کی صورتوں میں صلح کرنے کا وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور صرف موکل کی بات پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے صلح کے مال کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوگی۔ بلکہ مال کی ذمہ داری موکل پر ہوگی۔ ہاں! وکیل صلح کے مال کا ضامن ہو جائے تو ضمانت کی وجہ سے اس پر ذمہ داری آئے گی ورنہ نہیں۔ جس طرح نکاح میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور مہر اور نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہو جاتی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابوصالح عبید دار بحلہ والوں سے ایک مدت کے لئے کپڑا بیچا۔ پھر وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا، پس ان لوگوں نے کہا کہ نقد رقم دے دیں اور اس سے کچھ رقم کم کر دوں گا۔ پس اس کے بارے میں حضرت زید سے پوچھا تو فرمایا کہ میں اس کا حکم نہیں دوں گا کہ تم اس کو کھادیا کھلاؤ۔

الوکیل ما صالحه علیه الا ان یضمنه و المال لازم للموکل [۱۴۷۹] (۲۰) فان صالح عنه علی شیء بغير امره فهو علی اربعة اوجه ان صالح بمال وضمنه تم الصلح و كذلك لو

اور صلح کی دوسری قسم وہ ہے جس میں استقاط نہیں ہوتا ہے بلکہ بدل اور معاوضہ کی شکل ہوتی ہے۔ جیسے اقرار کے بعد مال کے بدلے مال پر صلح کرے تو اس صلح میں وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔

وجہ یہ بیع کی شکل ہو جاتی ہے اور بیع میں خود وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے اس صلح میں وکیل ضامن نہ بھی ہو پھر بھی صلح کرنے کی وجہ سے وکیل ضامن ہو جائے گا۔ صلح میں وکیل بنانے کا ثبوت اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ نے عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریم کو صلح کا وکیل بنا کر حضرت حسن بن علی کے پاس بھیجا۔ اور انہوں نے تمام ذمہ داری لی جس کی وجہ سے حضرت حسن اور حضرت معاویہ کے درمیان صلح ہوئی جس کے بارے میں حضورؐ نے ممبر پر خوشخبری دی تھی کہ میرا یہ بیٹا دو بڑی جماعت کے درمیان صلح کرائے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال سمعت الحسن یقول استقبل واللہ الحسن بن علی معاویہ بکتاب امثال الجبال... فبعث الیہ رجلین من قریش من بنی عبد شمس عبد الرحمن بن سمرہ و عبد اللہ بن عامر بن کریم فقال (معاویہ) اذهب الی هذا الرجل فاعرضنا علیہ و قولاً له و اطلب الیہ فاتیا ه فدخلنا علیہ فتکلمنا (الف) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ الحسن بن علی ان ابی هذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فتنین عظیمتین ص ۳۷۲ نمبر ۲۷۰) اس حدیث میں حضرت معاویہ نے دو آدمیوں کو صلح کا وکیل بنا کر حضرت حسن کے پاس بھیجا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صلح کے لئے وکیل بنا سکتے ہیں۔

[۱۴۷۹] (۲۰) پس اگر صلح کر لی اس کی جانب سے کسی چیز پر بغیر اس کے حکم کے تو وہ چار طرح پر ہیں (۱) اگر صلح کی مال پر اور اس کا ضامن بن گیا تو صلح پوری ہوگئی (۲) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے آپ سے میرے اس ہزار پر صلح کی، یا میرے اس غلام پر صلح کی تو صلح پوری ہوگئی۔ اور وکیل کو اس کی طرف مال کا سونپنا لازم ہوگا (۳) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے آپ سے صلح کی ہزار پر اور وہ ہزار اس کو سپرد کر دیا۔

تشریح ایک آدمی کو مجرم یا موکل نے صلح کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے اپنی جانب سے فضولی بن کر صلح کر لی۔ پس اگر صلح کے مال کی ذمہ داری لے لی، یا اپنا مال مدعی کے حوالے کر دیا تب تو بغیر مدعی علیہ کی اجازت کے بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔ اور اگر فضولی نے اپنے اوپر مال دینے کی ذمہ داری نہیں لی اور نہ اپنا مال دیا تو صلح موکل کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہوگی۔ اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی۔

وجہ جس صورت میں فضولی نے اپنے اوپر ذمہ داری لے لی تو رقم دینے کا معاملہ موکل پر نہیں رہا اس لئے اس کی اجازت کے بغیر بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔ کیونکہ فضولی نے صلح کر لی ہے اور رقم بھی دے دی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن بن علی فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کا استقبال اتنے خطوط سے کیا جو پہاڑ کے طرح ہو گئے تھے... پس حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے پاس قریش کے بنی عبد شمس کے دو آدمیوں کو بھیجا عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو۔ پس حضرت معاویہؓ نے فرمایا اس آدمی کے پاس جاؤ اور ان پر صلح پیش کرو، ان سے لجاجت کرو اور ان کو میرے پاس لاؤ، پس وہ دونوں حضرت حسنؓ کے پاس آئے اور ان پر داخل ہوئے اور بات کی۔

قال صالحتك على الفی هذه او على عبدی هذا تم الصلح ولزمه تسليمها اليه و كذلك
لو قال صالحتك على الف وسلمها اليه [۱۴۸۰] (۲۱) وان قال صالحتك على الف
ولم يسلمها اليه فالعقد موقوف فان اجازته المدعى عليه جاز ولزمه الالف وان لم يجزه
بطل [۱۴۸۱] (۲۲) واذا كان الدين بين الشريكين فصالح احدهما من نصيبه على ثوب

مصنف نے فضولی کی ذمہ داری لینے کی تین صورتیں بیان کی (۱) فضولی نے مال پر صلح کی اور خود مال حوالے کرنے کی ذمہ داری لے لی (۲) میرے اس ہزار پر صلح کرتا ہوں یا میرے اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو خود اپنے غلام پر صلح کی تو غلام یا ہزار دینے کی ذمہ داری لے لی، اب موکل کی اجازت پر موقوف نہیں رہے گا (۳) اور تیسری شکل یہ ہے کہ اپنے غلام یا اپنے ہزار کا نام نہیں لیا بلکہ مطلق ہزار پر صلح کی، لیکن اپنی جانب سے ہزار دے دیا تو فضولی کی ذمہ داری تو ہوگئی اس لئے بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔

اصول کوئی صلح کے مال دینے کی ذمہ داری لے لے تو موکل کی اجازت کے بغیر صلح مکمل ہو جائے گی۔

نکتہ سلمھا : سپرد کر دیا۔

[۱۴۸۰] (۲۱) اور اگر کہا کہ میں آپ سے صلح کرتا ہوں ہزار پر اور اس کو ہزار سپرد نہیں کیا تو عقد صلح موقوف رہے گا، پس اگر مدعی علیہ نے اجازت دے دی تو جائز ہو جائے گی اور مدعی علیہ کو ہزار لازم ہو جائے گا اور اگر اجازت نہیں دی تو باطل ہو جائے گی۔

تشریح اس صورت میں فضولی نے اپنا درہم نہیں کہا ہے بلکہ مطلق ہزار درہم کہا ہے اور ہزار سپرد بھی نہیں کیا اس لئے اپنی ذمہ داری پر صلح نہیں کی اس لئے اب مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہو جائے گی اور اس پر ہزار لازم ہوگا۔ اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی۔

مجاہد مدعی علیہ نے نہ فضولی کو حکم دیا تھا اور نہ بعد میں ہاں کہا۔ اس لئے اس کی ذمہ داری بھی نہیں ہوئی اس لئے صلح باطل ہو جائے گی، یہ چوتھی شکل ہے۔

[۱۴۸۱] (۲۲) اگر دین دو شریکوں کے درمیان ہو پس ان میں سے ایک نے اپنے حصے کے بدلے میں صلح کر لی کپڑے پر تو اس کا شریک کو اختیار ہے، اگر چاہے تو اس کا پیچھا کرے جس پر دین ہے اپنے آدھے دین کے لئے اور اگر چاہے تو آدھا کپڑا لے لے، مگر یہ کہ اس کا شریک جو تھائی دن کا ضامن ہو جائے۔

تشریح اس مسئلے میں تین صورتیں ہیں جن کو ایک ساتھ بیان کر دیا ہے۔ مثلاً زید اور عمر کا ایک ہزار دین خالد پر تھا، زید نے اپنے حصے پانچ سو کے بدلے میں صلح کر کے کپڑا لے لیا۔ اب عمر شریک کو دوا اختیار ہیں۔ یا تو اپنا حصہ (پانچ سو درہم) براہ راست خالد سے وصول کرے اور اس کا پیچھا کرے۔

مجاہد کیونکہ عمر کا قرض اصل میں خالد پر ہے جس نے کپڑا دیا ہے۔ اس لئے اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ اس کا جو

فشريکه بالخيار ان شاء اتبع الذی علیہ الدين بنصفه وان شاء اخذ نصف الثوب الا ان یضمن له شريکه ربع الدين [۱۴۸۲] (۲۳) ولو استوفی نصف نصيبه من الدين کان لشريکه ان یشار که فیما قبض ثم یرجع ان علی الغريم بالباقي [۱۴۸۳] (۲۴) ولو اشتری احدهما بنصيبه من الدين سلعة کان لشريکه ان یضمنه ربع الدين.

شریک زید ہے جس نے اپنے حصے کا کپڑا لیا ہے اس کپڑے میں شریک ہو جائے اور پھر دونوں ملکر پانچ سو کا مطالبہ خالد سے کرے۔
مذہب چونکہ دین شرکت کا تھا جس کو اس کے شریک زید نے قبضہ کیا ہے۔ اس لئے عمر کو اختیار ہے کہ زید کے قبضہ کئے ہوئے کپڑے میں آدھے کا شریک ہو جائے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ زید نے اپنا حصہ آدھا قرض وصول کر لیا ہے اس لئے اس کے آدھے یعنی پورے قرض کی چوتھائی کا ذمہ دار زید بن جائے اور عمر شریک سے کہے کہ تمہارا چوتھائی قرض میں دوں گا۔ اس صورت میں عمر زید کے لئے ہوئے کپڑے میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ البتہ چونکہ زید نے چوتھائی قرض عمر کو دیا اس لئے اب دونوں ملکر خالد سے آدھا قرض وصول کرینگے۔
[۱۴۸۲] (۲۳) اگر اپنا آدھا حصہ قرض وصول کیا تو شریک کے لئے جائز ہے کہ جو کچھ قبضہ کیا اس میں شریک ہو جائے۔ پھر دونوں وصول کرے مقروض سے باقی ماندہ۔

تشریح مثلاً زید اور عمر دو شریک تھے۔ زید نے اپنے حصہ کا روپیہ وصول کر لیا اور وصول قرض ہی کیا اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز صلح نہیں کی تو اس کے شریک عمر کو اختیار ہے کہ زید کے وصول کردہ قرض میں شریک ہو جائے اور آدھا روپیہ زید سے لے لے۔
مذہب عین قرض میں دونوں شریک تھے۔ اور ایک شریک نے عین قرض جو دونوں کا حق تھا وصول کیا تو دوسرے شریک کو اس میں سے آدھا لینے کا حق ہے۔ اس لئے کہ آدھا اس کا مال بھی وصول کیا۔ بعد میں دونوں ملکر مقروض سے اپنا آدھا قرض وصول کرے۔
مذہب کیونکہ دونوں کا آدھا قرض ابھی مقروض کے پاس باقی ہے اس لئے دونوں ملکر وصول کریں گے۔
[۱۴۸۳] (۲۴) اور اگر خرید لیا دونوں میں سے ایک نے اپنے قرض کے حصے سے سامان تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ اس کو چوتھائی دین کا ذمہ دار بنادے۔

تشریح مثلاً زید اور عمر خالد پر جو دین تھا اس میں شریک تھے۔ پھر زید نے اپنے حصے کے بدلے میں سامان خرید لیا تو عمر کو حق ہے کہ چوتھائی دین کا زید کو ضامن بنادے۔

مذہب صلح کرنے کی شکل میں تو معافی کا پہلو غالب تھا اس لئے وہاں عمر زید کو قرض کا ضامن نہ بنا سکا۔ لیکن اس صورت میں تو دین کے حصے کے بدلے میں سامان خریدا ہے۔ اور خریدنے میں معاملہ کرارا ہوتا ہے۔ اس لئے گویا کہ پورا پورا قرض وصول کیا۔ اور قاعدہ ہے کہ شریک اصل قرض وصول کرے تو دوسرے شریک کو اس میں سے آدھا لینے کا حق ہوتا ہے۔ یہاں دین کے بدلے میں سامان خرید لیا اس لئے یا تو سامان میں شریک ہو جائے یا چوتھائی قرض کا شریک کو ذمہ دار بنائے۔

[۱۴۸۴] (۲۵) واذا كان السلم بين الشريكين فصالح احدهما من نصيبه على رأس المال لم يجز عند ابي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى يجوز الصلح [۱۴۸۵] (۲۶) واذا كانت التركة بين ورثة فاخرجوا احدهم منها

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عین قرض وصول کیا ہو تو اس میں سے آدھا دوسرے شریک کا ہوگا۔

نکتہ سلعۃ : سامان۔

[۱۴۸۴] (۲۵) اگر بیع سلم ہو دو شریکوں کے درمیان، پس ان میں سے ایک نے اپنے حصے سے رأس المال پر صلح کر لی تو امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے۔

تشریح مثلاً زید اور عمر نے ملکر خالد سے بیع سلم کی۔ اور دونوں نے ایک سودر ہم ادا کیا یعنی پچاس درہم زید نے اور پچاس درہم عمر نے جس کو رأس المال کہتے ہیں۔ اور عقد بھی ایک ہی ہے۔ بعد میں ایک شریک مثلاً زید نے اپنے حصے کے واپس لینے پر مسلم الیہ یعنی بائع سے صلح کر لی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ان کا صلح کرنا اور اپنا حصہ واپس لینا بغیر شریک کی رضا مندی کے جائز نہیں ہے۔

وجہ دونوں نے ملکر عقد سلم کیا ہے اس لئے ایک اپنے حصے کو واپس لیکر عقد سلم کو توڑنا چاہے تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تفریق صفحہ لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے (۲) یہ ایک قسم کا دھوکہ بھی ہے کہ دونوں نے عقد سلم کیا اور اب ایک اپنی مرضی سے اس کو توڑ رہا ہے۔

اصول ان حضرات کا اصول یہ ہے کہ دوسرے کا نقصان ہو تو اپنے مال میں بھی تصرف نہیں کر سکتا۔ حضرت کی نگاہ دوسرے کے نقصان کی طرف گئی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں ایک شریک کا صلح کر کے رأس المال لینا جائز ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آدھا حصہ اس شریک کا ذاتی مال تھا تو جس طرح اور ذاتی مال میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اپنے حصے کو صلح کر کے مسلم الیہ (بائع) سے واپس لے سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ اپنے مال میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بھی تصرف کر سکتا ہے۔ اس حضرت کی نگاہ اپنے نقصان کی طرف گئی ہے۔

[۱۴۸۵] (۲۶) اگر ترکہ کچھ ورثہ کے درمیان ہو، پس انہوں نے ان میں سے ایک کو ترکہ سے نکالا کچھ مال دے کر، اور ترکہ زمین ہے یا سامان ہے تو جائز ہے، جو کچھ دیا وہ کم ہو یا زیادہ۔

تشریح ایک آدمی کا انتقال ہوا اس کے بہت سے ورثہ تھے۔ لیکن ان میں سے ایک نے کچھ نقد لے کر اپنی وراثت کا حصہ چھوڑ دیا اور صلح کر لی، تو کچھ لے کر اپنا حصہ چھوڑ دینا جائز ہے۔ پھر ترکہ مین زمین ہو یا سامان ہو اور جس پر صلح ہوئی وہ نقد ہو تو یہ نقد وراثت کے حصہ سے کم ہو یا زیادہ ہو دونوں جائز ہیں۔

وجہ چونکہ وراثت کا حصہ اور صلح کا نقد ایک جنس نہیں ہیں اس لئے کم زیادہ سے سود اور ربوا نہیں ہوگا۔ اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

بمال اعطوه اياه والتركة عقار او عروض جاز قليلا كان ما اعطوه او كثيرا [۱۴۸۶]
 (۲۷) فان كانت التركة فضة فاعطوه ذهبا او ذهبا فاعطوه فضة فهو كذلك [۱۴۸۷]
 (۲۸) وان كانت التركة ذهبا و فضة و غير ذلك فصالحوه على ذهب او فضة فلا بد ان

کچھ لے کر ترکہ چھوڑ دینے پر صلح کو خارج کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔ وقال ابن عباس لا بأس ان يتخارج الشريكان فيأخذ هذا دينا وهذا عينا فان توى لاحدهما لم يرجع على صاحبه (الف) (بخاری شریف، باب الصلح بین الغرماء واصحاب الميراث والمجازفة فی ذلک ص ۳۷۷ نمبر ۲۷۰۹) اس اثر میں ہے کہ کچھ لے کر خارج کر سکتا ہے (۲) ایک اور اثر میں ہے کہ عبد الرحمن بن عوفؓ کی بیوی نے اپنی وراثت کو چھوڑا اور اسی ہزار درہم پر صلح کی۔ عن عمر بن ابی سلمة عن ابيه قال صالحت امرأة عبد الرحمن من نصيبها ربع الثمن على ثمانين الفا (ب) (سنن البیہقی، باب صلح المعاوضة وانه بمنزلة البيع يجوز فيه ما يجوز في البيع الخ، ج ۱ ص ۱۰۷ نمبر ۱۱۳۵ مصنف عبد الرزاق، باب المرأة تصالح على ثمنها ج ۱ ص ۲۸۹ نمبر ۱۵۲۵۶) اس اثر میں حضرت عبد الرحمن کی چار بیویاں تھیں جس کی وجہ سے ایک بیوی کو پوری وراثت میں آٹھویں حصے کی چوتھائی یعنی بتیسواں حصہ ملا، اور خود وراثت میں سے خارج کر کے اسی ہزار پر صلح کی۔ لغت عقار : زمین۔

[۱۴۸۶] (۲۷) اور اگر ترکہ چاندی ہے اور اس کو سونا دیا، اور سونا ہے اور اس کو چاندی دیا تو وہ ایسا ہی ہے یعنی جائز ہے۔

تشریح ترکہ میں چاندی ہے اور خارج کرنے والے اور نکلنے والے کو سونا دے کر صلح کر لی۔ یا ترکہ میں سونا ہے اور چاندی دے کر خارج کیا تو جائز ہے۔

مذہب ترکہ میں چاندی ہے اور سونا دے کر خارج کیا تو کم و بیش ہو تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آتا ہے۔ اس لئے جائز ہو گیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آئے گا۔

[۱۴۸۷] (۲۸) اور اگر ترکہ سونا اور چاندی ہیں اور اس کے علاوہ ہے، پس صلح کی سونے پر یا چاندی پر تو ضروری ہے کہ جو کچھ دیا وہ زیادہ ہو اس کے اس جنس کے حصے سے تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور جو زیادہ ہو وہ اس کے میراث سے باقی حق کے مقابلے میں ہو جائے **تشریح** اس کو مثال سے سمجھیں۔ مثلاً جو آدمی میراث کے حصے سے نکلنا چاہتا ہے اس کا حصہ چاندی میں سے پانچ سو درہم، سونے میں بیس دینار اور جائیداد میں سے پانچ گائیں ملنے والے ہیں۔ اب وہ چاندی لے کر اپنے حصے پر صلح کرنا چاہتا ہے تو چاندی پانچ سو درہم سے زیادہ ہونا چاہئے تاکہ پانچ سو چاندی اس کے پانچ سو درہم کے برابر ہو جائے جو اس کو وراثت میں ملنے والے ہیں اور جو زیادہ چاندی ہو وہ بیس دینار اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں شریک نکل جائیں، یہ قرض لے لے اور یہ عین شیء لے لے، پس اگر ایک کے لئے کسی کا حق ضائع ہو گیا تو اپنے شریک سے وصول نہیں کرے گا (ب) حضرت عبد الرحمن بن عوف کی بیوی نے اپنے آٹھویں حصے پر صلح کی اسی ہزار پر۔

يكون ما اعطوه اكثر من نصيبه من ذلك الجنس حتى يكون نصيبه بمثله والزيادة بحقه من بقية الميراث [۱۴۸۸] (۲۹) واذا كان في التركة ديناً على الناس فادخلوه في الصلح على ان يخرجوا المصالح عنه ويكون الدين لهم فالصلح باطل [۱۴۸۹] (۳۰) فان

پانچ گایوں کے مقابلے میں ہو جائیں۔ اور دینار پر صلح کرنا ہو تو بیس دینار سے زیادہ ہونا چاہئے۔ تاکہ اس کو جو وراثت میں سے بیس دینار ملنے والے ہیں اس کے برابر بیس دینار ہو جائے اور جو زیادہ ہو وہ پانچ سو درہم اور گایوں کے مقابلے میں ہو جائے۔ بیس دینار سے کم پر صلح جائز نہیں ہے۔ تاکہ پانچ سو چاندی پانچ سو چاندی کے برابر ہو جائے، اور بیس دینار بیس دینار کے برابر ہو جائے۔ اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے سود لازم نہ آئے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک جنس ہو تو برابری ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ ہو۔ اس لئے اس کے حصے سے زیادہ پر صلح کرنا ضروری ہے۔

نوٹ جتنا سونا سونے کے بدلے میں یا چاندی چاندی کے بدلے میں ہو اس پر مجلس میں قبضہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ آئے۔ [۱۴۸۸] (۲۹) اگر ترکہ میں دین ہو لوگوں پر، پس وارثین نے اس کو صلح میں داخل کر لیا اس شرط پر کہ صلح کرنے والے کو دین سے نکال دے اور دین باقی وارثین کے لئے ہوں تو صلح باطل ہے۔

تشریح اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک قاعدہ سمجھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرض کا مالک اس کو بنا سکتے ہیں جس پر قرض ہے یعنی مقروض کو۔ کسی دوسرے کو قرض کا مالک نہیں بنا سکتے ہیں۔ اور مقروض کو قرض کا مالک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قرض معاف کر دیں۔

صورت مسئلہ : مثلاً زید کا انتقال ہوا اور اس نے پانچ لڑکے چھوڑے۔ اور زید کا خالد پر پانچ سو درہم قرض ہیں۔ اور کچھ جائیداد ہے جسکو لڑکوں کے درمیان تقسیم کرنا ہے۔ اب پانچوں لڑکوں میں سے ایک عمر وراثت سے نکلتا چاہتا ہے اور کچھ روپیوں پر صلح کرنا چاہتا ہے۔ اور دین کی ذمہ داری بھی باقی بھائیوں پر دے دینا چاہتا ہے کہ دین کے بدلے مجھے کچھ دے دو اور میرے حق کا ایک سو درہم دین بھی خالد سے تم لوگ ہی وصول کرتے رہو۔ تو فرماتے ہیں کہ دین کے بدلے میں کچھ لے لے۔ اور دین وصول کرنے کا مالک بھی باقی چار بھائیوں کو بنا دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ دین کا مالک صرف مقروض کو بنا سکتا ہے کسی اور کو نہیں بنا سکتا۔ اس لئے دین کے بدلے میں عین لے کر دین کا مالک وارثین کو بنا نا جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ دین کے مالک نہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ عین شیء کا مالک بنایا جاتا ہے دین کا نہیں، وہ تو صرف ایک وعدہ ہے۔ [۱۴۸۹] (۳۰) پس اگر ورثہ نے شرط لگائی کہ قرض لینے والے اس سے بری ہو جائیں گے اور ورثہ اس سے وصول نہیں کریں گے صلح کرنے والے کے حصے کو تو جائز ہے۔

شرطوا ان یبرئ الغرماء منه ولا یرجع علیہم بنصیب المصالح عنہ فالصلح جائز .

تشریح نکلنے والے اور تخارج کرنے والے وارث نے یوں کہا کہ دین میں سے جو میرا حصہ ہوگا میں اس کو قرض والوں سے معاف کرتا ہوں۔

میرا وہ حصہ باقی ورثہ بھی قرضداروں سے وصول نہیں کریں گے۔ اس شرط پر جو جائیداد حاضر ہے اس کے بدلے میں صلح کیا تو جائز ہے۔

مجموعہ یہاں جس پر قرض تھا اسی کو قرض کا مالک بنایا یعنی معاف کیا اس لئے یہ جائز ہو گیا۔ اثر میں ہے۔ وہب الحسن بن علی علیہما

السلام دینہ لرجل وقال النبی ﷺ من كان له عليه حق فليعطه او ليتحلله منه وقال جابر قتل ابی وعلیه دین فسأل

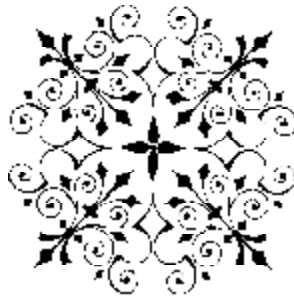
النبی غرماء ۵ ان یقبلو ثمر حائطی و یحللوا ابی (بخاری شریف، باب اذا وهب دینا علی رجل ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۱) اس حدیث میں

دین معاف کرنے کا تذکرہ ہے جو جائز ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس پر دین تھا اسی کو دین کا مالک بنادیا یعنی معاف کر دیا تو جائز ہوگا۔

حیلہ اس کا حیلہ یہ ہے کہ باقی ورثہ قرضدار کو دوبارہ قرض دے اور وہ رقم قرضدار تخارج کرنے والے وارث کو دے اور تخارج کرنے والے

وارث وہ رقم پھر باقی ورثہ کو دے دے تو اب چونکہ باقی ورثہ کا قرض براہ راست قرض والوں پر ہو گیا اس لئے وہ وصول کر سکتے ہیں۔



﴿ کتاب الہبة ﴾

[۱۴۹۰] (۱) الہبة تصح بالایجاب والقبول وتم بالقبض

﴿ کتاب الہبة ﴾

ضروری نوٹ ہبہ مفت دینے کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجکم من دیارکم ان تبروہم وتقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین (الف) (آیت ۸ سورۃ الممتحۃ ۸) اس آیت میں ہے کہ کفار کے ساتھ بھی برائی کی معاملہ کرو اور ہدیہ وغیرہ دو تو اللہ اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ پسند کرتا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس آیت سے مشرکین کو ہدیہ دینے پر استدلال کیا ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ یقبل الہدیۃ ویثیب علیہا (بخاری شریف، باب الکافات فی الہبۃ، ص ۳۵۲، نمبر ۲۵۸۵) اس حدیث سے بھی ہبہ کا ثبوت ملتا ہے (۲) عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال تہادوا تحابوا (ب) (سنن للبیہقی، باب التحریر علی الہبۃ والہدیۃ صلۃ بین الناس، ج ۶، ص ۲۸۰، نمبر ۱۱۹۳۶) اس حدیث سے بھی ہبہ کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

[۱۴۹۰] (۱) ہبہ صحیح ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے اور پورا ہوتا ہے قبضہ سے۔

تشریح ہبہ مکمل ہونے کے لئے تین اجزاء ہیں۔ ایک تو ہبہ کرنے والا ایجاب کرے اور ہبہ کرے۔

وجہ اس کا مال ہے، بغیر دیئے ہوئے کوئی کیسے لے سکتا ہے۔ اس لئے ایجاب کرنا ضروری ہے (۲) ہبہ عقد ہے اور کوئی بھی عقد ایجاب اور قبول کئے بغیر پورا نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے ایجاب کرنا ضروری ہے۔ دوسرا جز قبول کرنا۔

وجہ اوپر گزر گیا کہ ہبہ عقد ہے اس لئے اس میں قبول کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن انس قال انفجنا اربنا بمر الظهران فسعی القوم فلغبوا فادرکتھا فاحذتھا فاتیت بها ابا طلحۃ فذبجھا وبعث الی رسول اللہ بورکھا او فخذیھا، قال فخذیھا لا شک فیہ فقبلہ قلت واکل منہ؟ قال واکل منہ ثم قال بعد قبلہ (ج) (بخاری شریف، باب قبول ہدیۃ الصید ص ۳۵۰ نمبر ۲۵۷۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے خرگوش کا گوشت قبول فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ میں قبول کرنا ضروری ہے (۲) اوپر کی حدیث عائشہؓ میں تھا کان رسول اللہ یقبل الہدیۃ ویثیب علیہا جس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ میں قبول کرنا ضروری ہے۔ اور تیسرا جز ہے کہ ہبہ پر قبضہ کرے گا یعنی ہبہ پر قبضہ کرے گا تو ہبہ مکمل ہوگا اور موصوبہ کی ملکیت ہوگی۔ اور قبضہ نہیں کیا تو اس کی ملکیت نہیں ہوگی اور ہبہ باطل ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) اللہ نیکی کرنے سے نہیں روکتا ان لوگوں کے ساتھ جو دین میں تم سے قتال نہیں کرتے اور تم کو گھروں سے نکالتا نہ ہو۔ اور نہ ان کے ساتھ انصاف کرنے سے روکتا ہے، اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا یہ دو محبت بڑھ گئی (ج) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے مر الظهران میں ایک خرگوش دوڑ کر نکل رہا تھا، قوم اس کے پیچھے دوڑی اور اس کو تھکا دیا۔ میں نے اس کو پالیا اور پکڑ لیا، پس اس کو ابو طلحہ کے پاس لایا۔ انہوں نے اس کو ذبح کیا اور حضورؐ کے پاس اس کی ران بھیجی، راوی کہتے ہیں کہ کوئی شک نہیں ہے کہ فخذ ہی بولا۔ میں نے پوچھا حضورؐ نے اس کو کھایا، کہا اس کو کھایا اور اس کو قبول کیا۔

[۱۴۹۱] (۲) فان قبض الموهوب له في المجلس بغير امر الواهب جاز وان قبض بعد الافتراق لم تصح الا ان يأذن له الواهب في القبض [۱۴۹۲] (۳) وتنعقد الہبة بقوله

فتح ہبہ کے بدلے کچھ آتا نہیں ہے اس لئے موهوب لہ کے قبضہ سے پہلے واہب کی ہی ملکیت ہوگی اس لئے وہ انکار کر سکتا ہے (۲) اثر میں ہے کہ قبضہ سے پہلے موهوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی۔ عن ابی موسیٰ اشعری قال قال عمر بن الخطاب الانحال میراث مالہ یقبض وعن عثمان وابن عمر وابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتى تقبض وعن معاذ بن جبل وشريح انهما كانا لا یجیز انہا حتى تقبض (الف) (سنن للبیہقی، باب شرط القبض فی الہبة، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵) ان اقوال میں ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے موهوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی بلکہ اگر واہب مرگیا تو اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی (۳) بلکہ ہبہ کا معاملہ تو اتنا کمزور ہے کہ قبضہ کرنے کے بعد اگر موهوب لہ نے ہبہ کے بدلے واہب کو کچھ نہیں دیا اور ہبہ کی چیز بعینہ موهوب لہ کے پاس ہے تو ہبہ کی چیز موهوب لہ سے واپس لے سکتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ الواهب احق بہبته مالہ یشب منها (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۲ سنن للبیہقی، باب الکفاۃ فی الہبة ج سادس ص ۱۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے موهوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قبول کے بعد قبضہ سے پہلے بھی موهوب لہ کی ملکیت ہو جائے گی۔ جیسے بیع میں قبول کے بعد مشتری کی ملکیت ہو جاتی ہے، چاہے ابھی قبضہ نہ کیا ہو۔

[۱۴۹۱] (۲) پس اگر موهوب لہ نے قبضہ کیا مجلس میں بغیر واہب کے حکم کے تو جائز ہے۔ اور اگر قبضہ کیا جدا بیگی کے بعد تو صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ ہبہ کرنے والا اس کو اجازت دے قبضہ کرنے کی۔

تشریح جس کو ہبہ کیا اس نے قبول کی مجلس میں بغیر ہبہ کرنے والے کی اجازت کے قبضہ کر لیا تو ٹھیک ہے۔ اور مجلس ختم ہوگئی اس کے بعد موهوب لہ قبضہ کرنا چاہتا ہے تو واہب دوبارہ اجازت دے گا تو قبضہ کر سکے گا۔ اور اگر دوبارہ اجازت نہ دے تو قبضہ کرنا درست نہیں ہے۔ اس صورت میں دوبارہ اجازت کی ضرورت ہوگی۔

وجہ ایجاب کی مجلس میں ایجاب کرنا ہی قبضہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن مجلس ختم ہوگئی تو ایجاب والی اجازت مجلس ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اس لئے اب قبضہ کے لئے دوبارہ اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایجاب کی اجازت مجلس تک رہتی ہے اور مجلس ختم ہونے پر وہ اجازت ختم ہو جاتی ہے۔

[۱۴۹۲] (۳) منعقد ہو جاتا ہے ہبہ یہ کہنے سے کہ میں نے ہبہ کر دیا، میں نے دے دیا، میں نے بخش دیا، میں نے یہ کھانا تم کو کھلا دیا، میں نے

حاشیہ (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا ہبہ میراث ہوگا جب تک اس پر قبضہ نہ کرے۔ اور حضرت عثمانؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ نے فرمایا صدقہ جائز نہیں ہے جب تک کہ قبضہ نہ کرے۔ اور معاذ بن جبلؓ اور شریحؓ ہبہ جائز قرار نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا ہبہ کرنے والا ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اس کا بدلہ نہ دے دیا جائے۔

وہبت ونحلت واعطیت واطعمتک هذا الطعام وجعلت هذا الثوب لک واعمرتک

یہ کپڑا تیرے لئے کر دیا، عمر بھر کے لئے تم کو یہ چیز دے دی، اس سواری پر تم کو سوار کر دیا اگر سوار کرنے سے ہبہ کی نیت ہو۔

تشریح اس عبارت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کن کن جملوں سے ہبہ کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے مصنف نے سات جملے استعمال کئے ہیں۔ ہر جملہ کی تصریح اور دلیل پیش خدمت ہے (۱) وہبت کا جملہ ہبہ کے لئے صریح ہے۔ اس لئے اس سے ہبہ منعقد ہو جائے گا (۲) نحلت کے جملہ سے بھی ہبہ منعقد ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن نعمان بن بشیر ان اباه اتی به الی رسول اللہ ﷺ فقال انی نحلت ابنی هذا غلاما فقال اکل ولدک نحلت مثله قال لا قال فارجعه (الف) (بخاری شریف، باب المکافات فی الہبۃ ص ۳۵۲ نمبر ۲۵۸۶) اس حدیث میں نحلت کے جملہ سے لڑکے کو ہبہ کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نحلت کے لفظ سے ہبہ منعقد ہوتا ہے (۳) اعطیت کا جملہ بھی ہبہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں اعطاک اللہ وہبک اللہ کے معنی میں (۴) کھانے کے بارے میں کہتے ہیں اطعمتک هذا الطعام تو ہبہ ہوگا۔ کیونکہ کھانا کھانے میں عین شیء ہلاک ہوتی ہے۔ اس لئے اس جملہ سے عین کھانے کا مالک بنانا ہوا۔ اس لئے اس جملہ سے بھی کھانے کا ہبہ کرنا ثابت ہوگا (۵) جعلت هذا الثوب لک میں لفظ لک ملکیت کے لئے آتا ہے۔ اس لئے اس سے بھی ہبہ ثابت ہو جائے گا (۶) اعمرتک هذا الشیء سے بھی ہبہ ہو جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ کوئی اعمر عمریٰ له ولعقبہ کہے تو اگرچہ عمریٰ کے معنی عمر بھر کا ہے لیکن اس سے وہ چیز مکمل اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی اور جس کے لئے عمر بھر کے لئے دی اس کے ورثہ میں وہ چیز تقسیم ہوگی۔ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ ﷺ قال ایما رجل اعمر عمریٰ له ولعقبہ فانها للذی اعطیها لا ترجع الی الذی اعطاها لانه اعطی عطاء وقعت فیہ الموارث (ب) (مسلم شریف، باب العمری ص ۳۷ نمبر ۱۶۲۵) اس حدیث میں لفظ عمریٰ ہبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے (۷) حملک علی هذه السدابة کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ وقتی طور پر عاریت کے طور پر اس جانور کو سواری کے لئے آپ کو دے رہا ہوں۔ اور دوسرے معنی ہیں کہ مکمل اس جانور کو آپ کو حوالے کر رہا ہوں اور ہبہ کر رہا ہوں۔ اس لئے اگر دوسرے معنی کی نیت کی تو دوسرا معنی ملحوظ ہوئے۔ اور اس جملہ سے ہبہ کا انعقاد ہو جائے گا۔ لوگ حمل الامیر فلانا علی فرس بولتے ہیں اور اس سے مراد لیتے ہیں کہ امیر نے فلاں کو گھوڑا مکمل دے دیا اور ہبہ کر دیا۔ اس لئے اس جملہ سے بھی گھوڑے کا ہبہ ثابت ہو جائے گا۔ (۲) حدیث میں ہے، حملت علی فرس فی سبیل اللہ سے پورا گھوڑا صدقہ کرنا مراد لیا گیا ہے۔ قال عمر حملت علی فرس فی سبیل اللہ فرأیتہ یباع فسألت رسول اللہ ﷺ فقال لا تشتروه ولا تعد فی صدقتک (بخاری شریف، باب اذا حمل رجل علی فرس فھو کا لعمری والصدقۃ ص ۳۵۹ نمبر ۲۶۳۶) اس حدیث میں حمل علی فرس بول کر پورے گھوڑے کا صدقہ مراد لیا گیا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت بشیر حضورؐ کے پاس آئے اور کہا میں نے اس بیٹے کو غلام ہبہ کیا ہے۔ آپؐ نے پوچھا آپ نے اور بیٹے کو اسی طرح غلام ہبہ کیا ہے؟ کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر ہبہ واپس کر لو (ب) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی عمری کرے تو وہ چیز اس کے لئے ہوگی۔ اور اس کے بعد والوں کے لئے ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اس کے لئے ہے جس کو دیا۔ وہ دینے والے کی طرف واپس نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ ایسا عطیہ دیا جس میں وراثت جاری ہوگی۔

هذا الشيء وحملتک علی هذه الدابة اذا نوى بالحملان الہبة [۱۴۹۳] (۴) ولا تجوز

[۱۴۹۳] (۴) نہیں جائز ہے ہبہ قابل تقسیم چیزوں میں مگر یہ کہ حقوق سے فارغ ہوں اور تقسیم کیا ہوا ہو۔

تشریح اگلے چند مسئلوں کا مدار اس پر ہے کہ موہوب لہ ہبہ کی چیز پر مکمل قبضہ کرے تب اس کی ملکیت ہوگی ورنہ نہیں۔ اور مکمل قبضہ کرنے کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر وہ چیز مشترک ہے لیکن تقسیم ہو سکتی ہے تو تقسیم کی ہوئی ہو۔ اور دوسروں کے دین اور حقوق سے فارغ ہو تب اس پر موہوب لہ کا قبضہ مکمل شمار کیا جائے گا۔ اس لئے مصنف نے فرمایا کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس میں ہبہ جائز نہیں ہے۔ مگر حقوق سے فارغ ہو اور تقسیم شدہ ہو۔

مذہب اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز انہ لا يجوز من النحل الا ما عزل وافرد واعلم (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج ۵ ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱) اس اثر میں ہے کہ نخل یعنی ہبہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو الگ نہ کیا گیا ہو۔ علیحدہ نہ کیا گیا ہو۔ اور جان پہچان کے لئے نشان نہ لگا دیا گیا ہو (۲) عن ابن شبرمة قال ان لم يجز كل واحد منهما ما وهب له صاحبه فليس بشيء (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب حيازة ما وهب احدهما لصاحبه ج ۵ ص ۱۱۶ نمبر ۱۶۵۷) اس اثر میں بھی ہے کہ شیء موہوب کو مجوز نہیں کیا تو قبضہ نہیں ہے (۳) سنن بیہقی میں عمر بن الخطاب کا یہ قول ہے۔ لا نحلة يجوزها الولد دون الوالد (سنن للبیہقی، باب يقبض للطفل ابوه، ج ۵ ص ۲۸۲، نمبر ۱۱۹۵۳) جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ اس وقت نہیں ہے جب تک کہ اس کو حقوق سے الگ نہ کر دے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ شیء موہوب کو اپنے حصے سے الگ نہ بھی کرے اور تقسیم نہ کر دے تب بھی موہوب لہ کی ملکیت ہو جائیگی۔

مذہب ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ وقد وهب النبي ﷺ واصحابه لهوازن ما غنموا منهم وهو غير مقسوم (ج) (بخاری شریف، باب الہبة المقبوضة وغير المقبوضة والمقسومة وغير المقسومة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۳) کہ قبیلہ ہوازن کے لوگوں کو صحابہ نے قید کیا تھا اور ان سے مال غنیمت حاصل کی تھی۔ پھر وہ تمام کو قبیلہ ہوازن کی طرف واپس کیا۔ حالانکہ واپس کرتے وقت غنیمت اور قیدی مشترک تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر تقسیم شدہ ہبہ بھی ہبہ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن سهل بن سعد ان رسول الله ﷺ اتى بشارا وعن يمينه غلام وعن يساره اشياخ فقال للغلام اتأذن لي ان اعطى هؤلاء فقال الغلام لا والله لا اوثر بنصيبى منك احدا فتله فى يده (ج) (بخاری شریف، باب الہبة المقبوضة وغير المقبوضة والمقسومة وغير المقسومة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۵) اس حدیث میں شراب اور

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ ہبہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو الگ کیا جائے اور علیحدہ کیا جائے اور پہچان کے لئے نشان لگایا جائے (ب) ابن شبرمہ نے کہا کہ جو کچھ ہبہ کیا گیا وہ ایک دوسرے سے الگ نہ کیا گیا ہو تو کچھ بھی نہیں ہے یعنی ہبہ درست نہیں ہوگا (ج) جو کچھ ہوازن سے غنیمت میں ملا تھا حضورؐ اور صحابہ نے ان کو ہبہ کیا جو تقسیم شدہ نہیں تھا (ج) حضورؐ کے پاس شربت لایا گیا اور آپؐ کی دائیں جانب لڑکا تھا اور بائیں جانب بڑے بوڑھے تھے تو لڑکے سے کہا، کیا اجازت دیتے ہو کہ ان لوگوں کو دوں۔ تو لڑکے نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم آپؐ کی جانب سے حصے کو سیکو ترجیح نہیں دوں گا، پس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

الہبة فيما يقسم الا محوزة مقسومة [۱۴۹۴] (۵) و ہبة المشاع فيما لا يقسم جائزة [۱۴۹۵] (۶) ومن وهب شقصا مشاعا فالہبة فاسدة فان قسمه وسلمه جاز.

پانی تقسیم شدہ نہیں تھا پھر بھی سب کو ہبہ کیا جا رہا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قابل تقسیم چیز بھی تقسیم شدہ نہ ہو پھر بھی اس کو ہبہ کر سکتے ہیں۔

[۱۴۹۴] (۵) اور مشترک کا ہبہ اس چیز کا جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جائز ہے۔

تشریح جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی مثلاً حمام اور غسل خانہ جو تقسیم نہیں ہو سکتا ہو اور وہ تقسیم کرنے سے کسی کام کا نہیں رہے گا اس کو بغیر تقسیم کئے بھی ہبہ کرنا جائز ہے۔

مجا جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی اور تقسیم کرنے سے وہ کسی کام کی نہیں رہے گی۔ اس کو ہبہ میں تقسیم کرنے کی شرط لگائیں گے تو وہ چیز ضائع ہو جائے گی۔ اس لئے اس کے قبضے کے لئے جتنا ممکن ہو سکا اتنا ہی کریں گے۔ اور تقسیم کی شرط نہیں لگے گی (۲) حضرت ابو قتادہ نے وحشی گدھا شکار کر کے سب صحابہ کو مشترک ہبہ کیا۔ اس کو تقسیم کر کے ہبہ نہیں کیا اور حضورؐ نے اس کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ تقسیم کر کے گوشت پکانا مشکل تھا۔ اس لئے مشترک ہبہ ہی جائز قرار دیا گیا۔ حدیث کا کٹڑا یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ السلمی عن ابیہ ... فشددت علی الحمار فعقرته ثم جئت به وقد مات فوقعوا فیہ یا کلو نہ ثم انہم شکوا فی اکلہم ایاہ وہم حرم (الف) (بخاری شریف، باب من استوہب من اصحابہ شینا ص ۲۵۷) اس حدیث میں سب صحابہ کو مشترک طور گدھے کا گوشت ہبہ کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس کو مشترک ہبہ کرنا بھی جائز ہے۔ اوپر بھی کئی احادیث مشترک ہبہ کی گزری۔

[۱۴۹۵] (۶) اگر ہبہ کیا مشترک چیز کا کچھ حصہ تو ہبہ فاسد ہے۔ پس اگر اس کو تقسیم کر دیا اور سپرد کر دیا تو جائز ہے۔

تشریح مشترک چیز کو اوپر کے آثار کی بنا پر تقسیم کر کے ہبہ کرنا چاہئے۔ لیکن بغیر تقسیم کئے ہوئے ہی ہبہ کر دیا تو ہبہ فاسد ہوگا۔ لیکن اگر بعد میں تقسیم کر کے موبوب لے کر قبضہ دے دیا تب بھی جائز ہو جائے گا۔

مجا اصل یہ ہے کہ قبضہ کرتے وقت ہبہ کی چیز تقسیم شدہ ہونی چاہئے۔ چاہے اس سے پہلے تقسیم شدہ نہ ہو۔ اس لئے قبضہ کرتے وقت چیز کو تقسیم کر کے دے دیا تو ہبہ جائز ہو جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ سألت ابن شبرمة عنه فقال اذا سمی فجعل له مائة دینار من ماله فهو جائز وان سمی ثلثا او ربعا لم یجز حتی یقسمہ (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الہبات ج ۸ ص ۱۰۸) ۱۶۵۳۱ اس اثر میں اشارہ ہے کہ تقسیم کر دے تو ہبہ جائز ہو جائے گا۔

نوٹ قبضہ کے وقت بھی تقسیم نہیں کرے گا تو ہبہ فاسد ہی رہے گا۔

لغت شقصا : ایک حصہ۔ مشاعا : مشترک۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے گدھے پر حملہ کیا اور اس کو پاؤں کاٹ دیا۔ پھر اس کو لے کر آیا اس حال میں کہ وہ مر چکا تھا، پس صحابہ اس کو کھانے لگے پھر انہوں نے کھانے میں شکایت کی، اس لئے کہ وہ محرم تھے (ب) میں نے ابن شبرمہ سے پوچھا۔ کہا اگر متعین کر دے اور مال کا سودینا تو ہبہ جائز ہے اور اگر تہائی یا چوتھائی متعین کرے تو نہیں جائز ہے یہاں تک کہ اس کو تقسیم کر دے۔

[۱۴۹۶] (۷) ولو وهب دقيقا في حنطة او دهنًا في سمس فالهبة فاسدة فان طحن وسلم لم يجر [۱۴۹۷] (۸) واذا كانت العين في يد الموهوب له ملكها بالهبة وان لم يجدد فيها قبضا [۱۴۹۸] (۹) واذا وهب الاب لابنه الصغير هبة ملكها الابن بالعقد وان لم

[۱۴۹۶] (۷) اگر ہبہ کیا آٹے کا گہہوں میں یا تیل کو تلوں میں تو ہبہ فاسد ہے، پس اگر اس کو پیس دیا اور ہبہ کیا تو جائز نہیں ہوگا۔

تشریح آٹا ہبہ کیا اس حال میں کہ وہ گہہوں کے اندر ہے یا تیل کا تیل ہبہ کیا اس حال میں کہ وہ ابھی تل میں ہے تو یہ ہبہ جائز نہیں ہے۔ پس اگر گہہوں پیس کر آٹا بنا دیا اور ہبہ کیا تب بھی درست نہیں ہے یا تیل پیس کر تیل نکال لیا اور ہبہ کیا تب بھی درست نہیں ہوگا۔ ہاں دوبارہ از سر نو آٹا اور تیل ہبہ کرے تو درست ہوگا اور یہ دوسرا ہبہ ہوگا۔

مذہب یہاں آٹا اور تیل ہبہ کرتے وقت مشاع اور مشترک نہیں ہے بلکہ معدوم ہیں۔ اور یہ دونوں پینے کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور معدوم چیز کا ہبہ ہی درست نہیں ہے۔ اس لئے بعد میں پینے کے بعد بھی ہبہ درست نہیں ہوگا۔

نوٹ مسئلہ نمبر ۵ میں مشترک چیز کا ہبہ تقسیم کے بعد اس لئے جائز ہو گیا تھا کہ وہ ہبہ کے وقت موجود ہے صرف تقسیم شدہ نہیں ہے۔ اور موجودہ مسئلے میں آٹا اور تیل ہبہ کے وقت موجود ہی نہیں ہیں معدوم ہیں۔ اس لئے بعد میں آٹا اور تیل بننے کے بعد بھی ہبہ درست نہیں ہوا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ معدوم چیز کا ہبہ درست نہیں ہے۔

لغت دقیق : آٹا۔ سمس : تل۔ طحن : پیسا۔

[۱۴۹۷] (۸) اگر ہبہ کی ہوئی چیز موهوب لہ کے ہاتھ میں ہو تو وہ مالک ہو جائے گا ہبہ کرنے سے اگرچہ اس پر نیا قبضہ نہ کیا ہو۔

مذہب (۱) پہلے سے موهوب لہ کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے دوبارہ نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ قبضہ جو شرط ہے وہ پہلے سے ہے ہی (۲) عبد اللہ بن عمر مضبوط اونٹ پر سوار تھے۔ اس کو حضورؐ نے خریدا پھر حضورؐ نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور عبد اللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا۔ اور عبد اللہ بن عمر کو ہبہ مکمل کرنے کے لئے نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز موهوب لہ کے قبضہ میں پہلے سے ہو تو ہبہ کی ملکیت کے لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر قال كنا مع النبي ﷺ في سفر و كنت على بکر صعب فقال النبي ﷺ لعمر بعني فابتاعه فقال النبي ﷺ هو لك يا عبد الله (الف) (بخاری شریف، باب اذا وهب بعيرا الرجل وهو راكبه فهو جائز ص ۳۵۶ نمبر ۲۶۱۱)

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے سے قبضہ ہو تو دوبارہ قبضہ کی ضرورت نہیں۔

[۱۴۹۸] (۹) اگر ہبہ کیا باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز تو بیٹا اس کا مالک بن جائے گا عقد کرنے سے اگرچہ اس پر قبضہ نہ پایا گیا ہو۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور میں ایک مضبوط اونٹ پر سوار تھا۔ پس حضورؐ نے عمر سے کہا اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ پس حضرت عمر نے بیچ دیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا یہ اونٹ تیرا ہے اے عبد اللہ۔

یوجد فیہا قبضا [۱۴۹۹] (۱۰) فان وھب لہ اجنبی ھبۃ تمت بقبض الاب [۱۵۰۰]
(۱۱) واذا وھب للیتیم ھبۃ فقبضہا لہ ولیہ جاز۔

تشریح باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز ھبہ کی تو جیسے ہی عقد کیا تو چھوٹا بیٹا اس کا مالک ہو جائے گا، الگ سے باپ کا نیا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

وجہ چھوٹے بیٹے کی جانب سے تو خود باپ ہی قبضہ کرے گا۔ کیونکہ بچے کا ولی وہی ہے، اور باپ کے قبضے میں پہلے سے وہ چیز موجود ہے اس لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے عقد ھبہ کرتے ہی بچہ ھبہ کی چیز کا مالک ہو جائے گا (۲) اور حدیث گزر چکی ہے کہ موبہ لہ کے قبضے میں ھبہ کی چیز ہو تو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بچے کی جانب سے باپ ہی ھبہ پر قبضہ کرنے کا ولی ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن عثمان بن عفان انل قال من نحل ولدا لہ صغیرا لم یبلغ ان یحوز نحلہ فاعلن بھا واشھد علیھا فھی جائزۃ وان ولیھا ابوہ۔ دوسری روایت میں ہے۔ فشکی ذلک الی عثمان فرأی ان الوالد یحوز لولدہ اذا کانوا صغارا (الف) (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۷۲، نمبر ۱۱۹۵۲، مصنف عبدالرزاق، باب النحل، ج تاسع، ص ۱۰۳، نمبر ۱۶۵۱/۱۶۵۱) اس اثر سے پتہ چلا کہ باپ چھوٹے بیٹے کی جانب سے قبضہ کریں گے۔ اور چیز پہلے سے اسی کے قبضے میں ہے اس لئے نئے قبضے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ھبہ کا عقد کرتے ہی چھوٹا بیٹا ھبہ کا مالک ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چھوٹے بچے کی جانب سے باپ یا اس کی ولی قبضہ کرے گا۔

نوٹ بچہ کا کوئی ولی یا وصی ہو اور وہ اس بچہ کو ھبہ کرنا چاہے تو باپ کی طرح ھبہ کا عقد کرتے ہی بچہ اس چیز کا مالک بن جائے گا، دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ چیز ولی یا وصی کے ہاتھ میں ہی ہے۔

[۱۴۹۹] (۱۰) اور اجنبی نے بچے کو ھبہ کیا تو ھبہ مکمل ہو جائے گا باپ کے قبضہ کرنے سے۔

تشریح کسی اجنبی نے چھوٹے بچے کو ھبہ کیا اور بچہ باپ کی ولایت میں ہے تو باپ ہی بچے کی جانب سے قبضہ کرے گا اور اسی کے قبضہ سے بچہ مالک بن جائے گا، بچہ کو الگ سے قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ پہلے اثر میں گزر چکا ہے کہ بیٹے کی جانب سے باپ قبضہ کرے گا۔ فرأی عثمان بن عفان ان الوالد یحوز لولدہ اذا کانوا صغارا (سنن للبیہقی، ج سادس، ص ۲۸۲، نمبر ۱۱۹۵۴)

[۱۵۰۰] (۱۱) اگر یتیم کو کوئی چیز ھبہ کی گئی اور قبضہ کیا اس کو اس کے ولی نے تو جائز ہے۔

وجہ یتیم چھوٹا ہونے کی وجہ سے ھبہ پر قبضہ نہیں کر سکتا اور باپ ہی نہیں جو قبضہ کرے۔ اس لئے یتیم کا جو ولی ہے یا وصی ہے اس کا قبضہ ہی یتیم کی ملکیت کے لئے کافی ہے (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے۔ ان ولیھا ابوہ (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۸۲، نمبر

حاشیہ: (الف) حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا جس نے نابالغ چھوٹے بچے کو ھبہ کیا تو اس کے ھبہ پر قبضہ کرے، پس اگر اس کا اعلان کیا اور اس پر گواہ بنایا تو جائز ہے۔ اور بچے کا ولی اس کا باپ ہے، حضرت عثمان کو اس کی شکایت کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ والد اپنے بچے کے لئے قبضہ کرے اگر وہ چھوٹے ہوں۔

[۱۵۰۱] (۱۲) فان كان في حجر امه فقبضها له جائز [۱۵۰۲] (۱۳) وكذلك ان كان في حجر اجنبي يربيه فقبضه له جائز [۱۵۰۳] (۱۴) وان قبض الصبي الہبة بنفسه وهو يعقل جاز [۱۵۰۴] (۱۵) وان وهب اثنان من واحد دارا جاز [۱۵۰۵] (۱۶) وان وهب

(۱۱۹۵۲) جس سے معلوم ہوا کہ جو ولی ہو اس کا قبضہ کرنا ہیہ مکمل ہونے کے لئے کافی ہے۔

[۱۵۰۱] (۱۲) پس اگر یتیم ماں کی گود میں ہو تو ماں کا قبضہ کرنا یتیم کے لئے جائز ہے۔

تشریح یتیم ماں کی نگرانی اور ولایت میں ہے تو یتیم کے ہیہ پر ماں کا قبضہ کرنا ملکیت کے لئے کافی ہے۔

مذہب پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ جو ولی ہو بچے کے لئے اس کا قبضہ کرنا کافی ہے، یہاں ماں ولیہ ہے اس لئے اس کا قبضہ کرنا کافی ہے۔

[۱۵۰۲] (۱۳) ایسے ہی اگر یتیم اجنبی کی گود میں ہو جو اس کی پرورش کرتا ہو تو اس کا قبضہ یتیم کے لئے جائز ہے۔

مذہب اجنبی چونکہ ولی بن گیا اس لئے ہیہ پر اجنبی ولی کے قبضے سے یتیم کی ملکیت مکمل ہو جائے گی۔

اصول یہ سب مسئلہ اس اصول پر ہیں کہ جو بچے کا ولی ہو اس کے قبضہ کرنے سے ہیہ مکمل ہو جائے گا۔

[۱۵۰۳] (۱۴) اور اگر بچے نے خود ہیہ پر قبضہ کیا اور وہ سمجھدار ہے تو جائز ہے۔

تشریح بچہ سمجھدار ہے اور اس نے ہیہ پر قبضہ کیا تو جائز ہو جائے گا اور بچہ مالک ہو جائے گا۔

مذہب سمجھدار ہونے کی وجہ سے اس کو خرید و فروخت میں وکیل بنا سکتے ہیں اس لئے ہیہ پر اس کا قبضہ بھی ملکیت کے لئے کافی ہوگا (۲) یہ اس

کے فائدے کے لئے ہے اس لئے فائدہ کا کام وہ کر سکتا ہے (۳) حدیث میں ہے کہ سمجھدار لڑکے نے حضورؐ سے کہا میں آپؐ کے جھوٹے کو کسی

کو نہیں دے سکتا اور حضورؐ نے اس کو اپنا جھوٹا ہیہ کیا اور وہ خود قبضہ کر کے اس کا مالک بنا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سمجھدار بچہ ہیہ پر خود قبضہ کر سکتا

ہے۔ حدیث کا نکتہ ایہ ہے۔ عن سهل بن سعد ... فقال ما كنت لا وثر بنصبي منك يا رسول الله احدا فتله في يده

(الف) (بخاری شریف، باب ہبة الواحد لجماعة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۲) پوری حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سمجھدار بچے کو بھی قبضہ کا حق ہے۔

[۱۵۰۴] (۱۵) اگر ہیہ کیا دو آدمیوں نے ایک شخص کو ایک مکان تو جائز ہے۔

مذہب دو آدمیوں نے ایک آدمی کو ایک مکان ہیہ کیا تو اس میں شرکت اور شیوع نہیں پائی گئی جو ہیہ کے لئے مانع ہے اس لئے یہ ہیہ جائز ہے۔

[۱۵۰۵] (۱۶) اور اگر ہیہ کیا ایک آدمی نے دو آدمیوں کو ایک گھر تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ صحیح ہے۔

تشریح ایک آدمی کا ایک گھر ہے۔ اس نے دو آدمیوں کو مشترکہ طور پر آدھا آدھا ہیہ کیا تو جائز نہیں ہے۔

مذہب (۱) دو آدمیوں کو ایک مکان ہیہ کیا تو ان دونوں کے درمیان شیوع اور اشتراک پایا گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ شیوع کے ساتھ ہیہ درست

حاشیہ : (الف) لڑکے نے کہا آپؐ کی جانب سے میرے حصے پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا اے اللہ کے رسول! پس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

واحد من اثنين دارا لم تصح عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وقال رحمہما اللہ تعالیٰ
تصح [۱۵۰۶] (۱۷) واذا وهب لاجنبی هبة فله الرجوع فيها.

نہیں ہے۔ اس لئے یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز انہ لا يجوز من النحل الا ما عزل وافر د
واعلم (الف) مصنف عبدالرزاق، باب النحل ج ۵ ص ۱۰۴ (نمبر ۱۶۵۱۲) (۳) سألت ابن شبرمة عنه فقال اذا سمي فجعل له
مائة دينار من ماله فهو جائز وان سمي ثلثا او ربعا لم يعجز حتى يقسمه (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الهبات، ج
تاسع ص ۱۰۸ (نمبر ۱۶۵۳۱) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ مشترکہ چیز کو ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہاں چونکہ دو آدمیوں کو ایک گھر مشترکہ طور
پر ہبہ کیا تھا اس لئے جائز نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی دو آدمیوں کو ایک گھر ہبہ کرے تو جائز ہے۔

وجہ ہبہ کرتے وقت ایک ہی جائیداد ہے اور ایک ہی عقد ہے۔ البتہ تقسیم اور اشتراک ہبہ کے بعد واقع ہوئے ہیں اس لئے ہبہ درست ہے (۲)
احادیث میں اس کا ثبوت ہے۔ وقالت اسماء للقاسم بن محمد وابن ابی عتیق ورثت عن اختی عائشة بالغابة وقد
اعطانی به معاویة مائة الف فهو لكما (ج) بخاری شریف، باب هبة الواحد للجماعة ص ۳۵۴ (نمبر ۲۶۰۲) اس اثر میں حضرت اسماء نے
ایک لاکھ کو دو آدمیوں میں مشترکہ طور پر ہبہ کیا (۳) اوپر حدیث گزری کہ حضورؐ نے اپنا چھوٹا بڑوں کے درمیان اور لڑکے کے درمیان مشترکہ طور
پر ہبہ کیا اور لڑکے نے اپنا حصہ کسی اور کو نہیں دیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ اتی بشراب فشرب وعن يمينه
غلام وعن يساره الاشياخ فقال للغلام ان اذنت لي اعطيت هؤلاء فقال ما كنت لا وثر بنصيبی منك يا رسول الله
احد قتله في يده (د) (بخاری شریف، باب هبة الواحد للجماعة ص ۳۵۴ (نمبر ۲۶۰۲) اس حدیث میں مشترکہ طور پر شربت ہبہ کیا۔ جس سے
مشترکہ طور پر ہبہ کرنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے (۴) حضرت ابو قتادہ نے وحشی گدھا شکار کر کے سب صحابہ کو مشترکہ طور پر ہبہ کیا تھا جس کا ثبوت
حدیث میں ہے (بخاری شریف نمبر ۲۵۷۰)

اصول صاحبین کے نزدیک مشترکہ ہبہ کی گنجائش ہے۔

[۱۵۰۶] (۱۷) اگر ہبہ کیا اجنبی کو کوئی ہبہ تو اس کے لئے جائز ہے واپس لے لینا۔

حاشیہ : (الف) ہبہ جائز نہیں ہے مگر جو الگ کیا گیا ہو اور علیحدہ کیا گیا ہو اور نشان لگایا گیا ہو (ب) حضرت ابن شبرمہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا اگر متعین کرے
اس طرح کہ مال کا سود بینا رہے تو جائز ہے۔ اور اگر متعین کرے اس طرح کہ مال کی تہائی یا چوتھائی ہے تو جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس کو تقسیم کر دے (ج)
حضرت اسماء نے قائم بن محمد اور ابن ابی عتیق کو کہا میری بہن عائشہ کی جانب سے مقام غابہ میں وارث ہوئی ہوں۔ اور حضرت معاویہؓ نے مجھ کو ایک لاکھ درہم دیئے
ہیں یہ تم دونوں کے لئے ہیں (د) آپؐ کے سامنے پینے کی چیز لائی گئی۔ آپؐ نے پیا اور دائیں جانب لڑکا تھا اور آپؐ کے بائیں جانب بڑے بوڑھے تھے۔ آپؐ نے
لڑکے سے فرمایا اگر اجازت دو تو ان بوڑھوں کو دے دوں۔ لڑکے نے کہا آپؐ کی جانب سے میرے حصے کو کسی اور کو ترجیح نہیں دوں گا اے اللہ کے رسول! پس اس کے
ہاتھ میں پینے کی چیز دے دی۔

[۱۵۰۷] (۱۸) الا ان يعوضه عنها [۱۵۰۸] (۱۹) او يزيد زيادة متصلة.

تشریح کسی اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کی تو ہبہ کرنے والے کو حق ہے کہ اس چیز کو واپس کر لے۔ لیکن اگر وہ چیز ہلاک ہو گئی تو واپس نہیں لے سکتا، یا اس چیز کا کوئی بدلہ دیا تو واپس نہیں لے سکتا، یا وہ آدمی رشتہ دار ہے تو واپس نہیں لے سکتا۔

مجموع حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الرجل احق بهبته مالم يشب منها (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۱ سنن للبیہقی، باب الکفاۃ فی الہبۃ، ج سادس، ص ۳۰۰، نمبر ۱۲۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک ہبہ کا بدلہ نہ دیا جائے واپس لے سکتا ہے۔ البتہ ہبہ واپس لینا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال العائد فی ہبته کالعائد فی قبئہ (ب) (ابوداؤد شریف، باب الرجوع فی الہبۃ ج ثانی ص ۱۴۳ نمبر ۳۵۳۸ ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الرجوع فی الہبۃ ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لے تو سکتا ہے لیکن لینا مکروہ ہے۔ [۱۵۰۷] (۱۸) مگر یہ کہ ہبہ کا بدلہ دے دے۔

تشریح ہبہ کا کچھ بدلہ دیدے تو واپس اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔

مجموع (۱) بدلہ دینے کے بعد بیع کی صورت ہو گئی۔ اور بدلہ مل گیا تو ہبہ کیسے واپس کر سکتا ہے (۲) اوپر حدیث گزری جس میں تھا کہ مالم يشب منها کہ جب تک بدلہ نہ دے تو ہبہ واپس لے سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بدلہ دے دینے کے بعد واپس نہیں لے سکتا ہے۔ **فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ موہوب لہ بدلہ نہ بھی دے تب بھی واپس نہیں لے سکتا ہے۔

مجموع ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر وابن عباس عن النبی ﷺ قال لا يحل لرجل ان يعطى عطية او يهب هبة فيرجع فيها الا الوالد فيما يعطى ولده ومثل الذي يعطى العطية ثم يرجع فيها كمثل الكلب يأكل فاذا شبع قاء ثم عاد ففی قبئہ (ج) (ابوداؤد شریف، باب الرجوع فی الہبۃ ص ۱۴۳ نمبر ۳۵۳۹ ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الرجوع فی الہبۃ ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لینا حلال نہیں ہے۔ صرف والد کے لئے حلال ہے کہ وہ اپنے بچے کو دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لے۔

[۱۵۰۸] (۱۹) یا اس میں ایسی زیادتی کر دے جو متصل ہو۔

تشریح ہبہ کی چیز میں کوئی ایسی زیادتی ہو جائے جو ہبہ کے ساتھ متصل ہو تو اب ہبہ کی چیز کو ہبہ کرنے والا واپس نہیں لے سکتا۔

مجموع جو چیز زیادہ ہو گئی اس کو الگ کر کے واپس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ تو ہبہ کی چیز کے ساتھ متصل ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی واپس نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وہ تو واپس ہبہ کی چیز نہیں ہے۔ وہ تو موہوب لہ کے یہاں زیادہ ہوئی ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن طاؤس عن الشعبي قال لا في

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آدمی ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ دے دے (ب) آپؐ نے فرمایا ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے قے کو واپس کھا جانے والا (ج) آپؐ نے فرمایا کسی آدمی کے لئے حلال نہیں ہے کہ عطیہ دے یا ہبہ کرے پھر اس کو واپس لے۔ مگر جو کچھ اپنے لڑکے کو دے یعنی وہ واپس لے سکتا ہے۔ اور اس کی مثال جو عطیہ دے پھر واپس لے ایسی ہے جیسے کتا کھاتا ہے، پس جب پیٹ بھر جاتا ہے تو قے کرتا ہے پھر قے کو چاٹتا ہے۔

[۱۵۰۹] (۲۰) او یموت احد المتعاقدين [۱۵۱۰] (۲۱) او ینخرج الہبة من ملک

الہبة اذا استهلکت فلا رجوع منها (الف) (مصنف عبدالرزاق، نمبر ۱۶۵۵/۱ مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۱۱ فی الرجل یهب الہبة فیرید ان یرجع فیہ، ج ۵، ص ۲۵، نمبر ۲۱۷۰) اور استہلاک کی تفسیر یہ ہے۔ عن سفیان قال تفسیر استہلاک الہبة ان یرجع فیہ او ینخرج من یدہ الی غیرہ فہذا استہلاک، قال سفیان وکان بعض من یشار الیہ یقول اذا تغیرت او احدث فیہا حدثا فلا رجوع فیہا من نحو ارض وھبت لہ فزرع فیہا زرعاً او ثوبا صبغہ او دارا بناھا او جاریۃ ولدت او بیہمة ولدت (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الہبة اذا استهلکت ج ۵، ص ۱۱۲ نمبر ۱۶۵۵) اس اثر میں ہے کہ ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے پھر ہلاکت کی تفصیل میں بیان کیا کہ ہبہ کی چیز بیچ دے یا ہبہ کر دے یا کھا جائے یا ہبہ کی چیز میں کوئی تبدیلی آجائے۔ اور تبدیلی کی تفسیر میں بتایا کہ مثلاً زمین میں کھیتی لگا دے یا کپڑا رنگ دے یا زمین میں گھر بنا دے یا باندی بچہ دیدے یا جانور بچہ دے دے تو سب صورتیں ہبہ کی چیز میں تبدیلی ہونا ہے اور زیادتی ہونا ہے۔ اس لئے اگر ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے یا تبدیلی ہو جائے یا اس میں کوئی زیادتی متصل ہو جائے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔ کیونکہ اثر میں گزرا کہ ہبہ ہلاک ہو جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۰۹] (۲۰) یا متعاقدين میں سے ایک کا انتقال ہو جائے۔

تشریح یعنی ہبہ کرنے والے یا موہوب لہ میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو واہب ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

مذہب اگر موہوب لہ کا انتقال ہو گیا تو ہبہ کی چیز اس کے ورثہ کی ملکیت ہو گئی۔ اور ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور اوپر گزر گیا کہ ہبہ میں ملکیت بدل گئی تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ اس لئے موہوب لہ کے مرنے پر ہبہ کی چیز واہب واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر واہب کا انتقال ہو گیا تو اب ہبہ کو واپس اس کا ورثہ کرے گا، اور ورثہ عقد ہبہ سے اجنبی ہے، اس نے موہوب لہ کو نہیں دیا تھا کہ وہ واپس لے۔ اس لئے وہ واپس نہیں لے سکتا (۲) اثر میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ۔ عن عمر مثله یعنی مثل حدیثہ الذی ذکرنا فی الفصل الذی قبل هذا الفصل وزاد ینستہلکھا او یموت احدهما (ج) (شرح معانی الآثار (طحاوی) ج ۲، ص ۲۲۳) اس اثر میں ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۰] (۲۱) یا ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے۔

تشریح ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

حاشیہ: (الف) حضرت شعبی سے یہ منقول ہے ہبہ کے بارے میں کہ جب وہ ہلاک ہو جائے تو اس کو موہوب لہ واپس نہیں لے سکتا (ب) حضرت سفیان نے ہبہ کی ہلاکت کی تفسیر میں کہا یہ کہ ہبہ کی چیز کو بیچ دے، یا اس کو ہبہ کر دے، یا اس کو کھا لے، یا اس کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں چلی جائے تو یہ استہلاک ہے۔ حضرت سفیان نے فرمایا بعض جو اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ فرماتے تھے اگر ہبہ بدل جائے یا اس میں کوئی نئی چیز پیدا ہو جائے تو ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا۔ مثلاً زمین ہبہ کی تھی اس میں کھیتی بودی، یا کپڑا ہبہ کیا تھا اس کو رنگ دیا، یا زمین پر گھر تعمیر کر دیا، یا باندی نے بچہ دے دیا، یا چوپائے نے بچہ دے دیا (تو اس ہبہ میں گویا کئی چیز پیدا ہو گئی) (ج) حضرت عمر کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے کہ ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے یا عاقدین میں سے کوئی ایک مر جائے۔

الموہوب لہ [۱۵۱۱] (۲۲) وان وہب ہبة لذی رحم محرم منه فلا رجوع فیہا
[۱۵۱۲] (۲۳) وكذلك ما وہب احد الزوجین من الآخر [۱۵۱۳] (۲۴) واذا قال

مجا موہوب لہ کے پاس ہبہ رہا ہی نہیں تو واپس کیا کریں گے (۲) پہلے اثر میں گزر چکا ہے۔ عن طاؤس عن الشعبي قال لا فی الہبة اذا استهلكت فلا رجوع فیہا (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الہبة اذا استهلكت ج ۱۲ ص ۱۱۲ نمبر ۱۶۵۵۰) اس اثر میں ہے کہ ہبہ ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکتا۔ اور وہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی تو ہلاک ہونا ہی ہوا، یوں بھی ہلاک ہونے کی تفسیر گزر چکی ہے کہ ہبہ کی چیز کو بیچ دیا، یا ہبہ کر دیا، یا کھالیا تب بھی ہلاک ہونا ہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۱] (۲۲) اور اگر ہبہ کیا کوئی چیز ذی رحم محرم کو تب بھی اس میں رجوع نہیں ہے۔

تشریح اگر اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ہبہ کیا تب بھی اس سے واپس نہیں لے سکتا۔

مجا (۱) اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہو گئی، اس لئے واپس نہیں لے سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کرے تو واپس نہیں لے سکتا۔ عن سمرۃ عن النبی ﷺ قال اذا كانت الہبة لذی رحم لم يرجع فیہا (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۵ سنن للبیہقی، باب الکافات فی الہب، ج ۶ ص ۳۰۰، نمبر ۱۲۰۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم کو ہبہ دے تو واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۲] (۲۳) ایسے ہی اگر ہبہ کیا بیوی شوہر میں سے ایک دوسرے کو۔

تشریح اگر بیوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو ہبہ کیا تو کوئی کسی سے ہبہ واپس نہیں لے کر سکتا۔

مجا (۱) اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہو گئی اس لئے ہبہ واپس نہیں کر سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ اگر خوشی سے ہبہ کرے تو واپس نہیں لے سکتی۔ آیت میں ہے۔ وآتوا النساء صدقتهن نحله فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مریئا (ج) (آیت ۴ سورۃ النساء) اس آیت میں ہے کہ خوشی سے ہبہ کرے تو کھا سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت اس کو واپس نہیں لے سکتی (۳) اثر میں اس کا فیصلہ ہے۔ قال ابراہیم جائزۃ وقال عمر بن عبد العزیز لا يرجعان (د) (بخاری شریف، باب ہبۃ الرجل لامرأۃ والمرأۃ لزوجها ص ۲۵۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے سے ہبہ واپس نہیں لے سکتے۔ اور حضرت ابراہیم کا قول جاز کا مطلب بھی یہی ہے کہ جائز ہے کہ واپس نہ لے۔

[۱۵۱۳] (۲۴) اگر موہوب لہ نے واہب سے کہا کہ یہ اپنے ہبہ کے عوض میں لو یا بد لے میں لو یا اس کے مقابلہ میں لو، پس واہب نے اس پر قبضہ کر لیا تو حق رجوع ساقط ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت طاؤس اور شعبی سے ہبہ کے بارے میں ہے کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا (ب) آپؐ نے فرمایا اگر ہبہ ذی رحم محرم کو کرے تو اس کو واپس نہیں کر سکتا (ج) عورتوں کو اس کا مہر خوشی سے دو، پس اگر وہ کچھ خوشدلی سے دے دیں تو اس کو رچتا پچتا کھاؤ (د) ابراہیم نے فرمایا ہبہ جائز ہے، عمر ابن عبدالعزیز نے فرمایا دونوں رجوع نہیں کر سکتے۔

الموهوب له للواهب خذ هذا عوضا عن هبتك او بدلا عنها او في مقابلتها فقبضه
الواهب سقط الرجوع [۱۵۱۴] (۲۵) وان عوضه اجنبی عن الموهوب له متبرعا فقبض
الواهب العوض سقط الرجوع [۱۵۱۵] (۲۶) واذا استحق نصف الهبة رجع بنصف

تشریح موهوب لہ نے ہبہ کرنے والے کو باضابطہ کہا کہ یہ ہبہ کا بدلہ ہے اس کو لے لو۔ اور اس پر ہبہ کرنے والے نے بدلے کی چیز لے لی تو اب ہبہ واپس لینے کا حق ساقط ہو گیا۔

مذہب جب بدلہ پر قبضہ کر لیا تو واپس لینے کا حق ساقط ہو گیا (۲) اور حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الرجل احق بهبته مالم يشب منها (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ۳ ص ۳۹ نمبر ۲۹۵ سنن للبیہقی، باب الکافہ فی الہبۃ، ج ۱ ص ۳۰۰ نمبر ۱۲۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کا بدلہ دے دیا جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا۔
[۱۵۱۴] (۲۵) اور اگر موهوب لہ کی جانب سے اجنبی نے احسان کے طور پر ہبہ کا بدلہ دیا اور ہبہ کرنے والے نے عوض پر قبضہ کر لیا تو رجوع کا حق ساقط ہو گیا۔

تشریح خود موهوب لہ نے واہب کو ہبہ کا بدلہ نہیں دیا بلکہ دوسرے اجنبی آدمی نے موهوب لہ کی جانب سے تبرعا اور احسانا ہبہ کا بدلہ دیا اور واہب نے قبول کر لیا تب بھی واپس لینے کا حق ساقط ہو جائے گا۔

مذہب واہب کو ہبہ کا بدلہ چاہئے چاہے کوئی بھی دے۔ اس لئے اجنبی کے بدلہ دینے سے بھی واپس لینے کا حق ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ بدلہ تو واہب کو مل گیا۔ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ہبہ کا بدلہ کوئی بھی دے سکتا ہے، وہ حق رجوع کو ساقط کرنے کے لئے کافی ہے۔
الحاصل ہبہ واپس لینے کا حق ان سات وجہ سے ساقط ہو جائے گا (۱) بدلہ دیدے (۲) ہبہ میں زیادتی ہو جائے (۳) متعاقدین میں سے کوئی مر جائے (۴) ہبہ موهوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے (۵) ذی رحم محرم کو ہبہ کرے (۶) بیوی شوہر کو یا شوہر بیوی کو ہبہ کرے (۷) اجنبی ہبہ کا بدلہ دیدے تو حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔

[۱۵۱۵] (۲۶) اگر حقدار نکل آئے آدھے ہبہ کا تو آدھا عوض واپس لے سکتا ہے۔

تشریح موهوب لہ نے ہبہ کے بدلے میں واہب کو کچھ چیز دی تھی جو مثلاً ایک ہزار درہم کی تھی۔ بعد میں موهوب لہ کے پاس جو ہبہ تھا اس میں سے آدھا اور کا نکل گیا تو موهوب لہ کو حق ہے کہ واہب سے اپنی دی ہوئی چیز کا آدھا لے جو مثال مذکور میں پانچ سو درہم کی مقدار ہوگی۔
مذہب موهوب لہ نے ہبہ کا بدلہ دیا تو ایک قسم کی خرید و فروخت ہو گئی۔ اور اس لئے دیا تاکہ ہبہ اس کے ہاتھ میں سالم رہے اور یہاں آدھا ہبہ دوسرے کا نکل گیا اس لئے اپنا آدھا دیا ہوا عوض واپس لے سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آدمی ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ ادا کر دے۔

العوض [۱۵۱۶] (۲۷) وان استحق نصف العوض لم يرجع فی الہبۃ بشیء الا ان یرد ما بقى من العوض ثم یرجع فی کل الہبۃ [۱۵۱۷] (۲۸) ولا یصح الرجوع فی الہبۃ الا بتراضیہما او بحکم الحاکم [۱۵۱۸] (۲۹) واذا تلفت العین الموهوبۃ ثم استحقها

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بدلہ دینے کے بعد ہبہ بیع کی طرح ہو گیا۔

[۱۵۱۶] (۲۷) اور اگر آدھے عوض کا کوئی حقدار نکل گیا تو کچھ بھی واپس نہیں لے گا ہبہ سے مگر یہ کہ لوٹائے باقی عوض کو پھر کل ہبہ واپس لے لے۔

تشریح واہب نے موهوب لہ سے ہبہ کے بدلے میں مثلاً ایک ہزار درہم کی گائے لی تھی۔ بعد میں اس عوض یعنی آدھی گائے کا کوئی حقدار نکل گیا تو واہب کو یہ حق نہیں ہے کہ آدھا ہبہ موهوب لہ سے واپس لے لے، ہاں! یہ کر سکتا ہے کہ باقی آدھی گائے جو واہب کے پاس ہے اس کو موهوب لہ کی طرف واپس کرے پھر پورا ہبہ واپس لے لے۔

مجموعہ شروع میں اگر موهوب لہ آدھی گائے بھی ہبہ کے بدلے میں دیتا تب بھی ہبہ کا بدلہ ہو جاتا۔ اس لئے درمیان میں آدھی گائے ہو گئی تب بھی وہ ہبہ کا بدلہ ہے۔ اس لئے واہب آدھا ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ لیکن چونکہ عوض کی لالچ میں ہبہ کیا ہے اس لئے اس کے لئے گنجائش دی گئی کہ حقدار نکلنے کے بعد جو حصہ باقی رہ گیا وہ بھی موهوب لہ کی طرف واپس کرے، اب چونکہ ہبہ بغیر بدلے کے رہ گیا اس لئے اب پورا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کچھ بدلہ بھی واہب کے پاس موجود ہو تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ البتہ پورا عوض ہی اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو اب ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

[۱۵۱۷] (۲۸) اور ہبہ میں رجوع صحیح نہیں ہے مگر دونوں کی رضامندی سے یا قاضی کے فیصلے سے۔

تشریح واہب اور موهوب لہ دونوں ہبہ واپس کرنے پر راضی ہوں تب ہی ہبہ واپس لے سکتا ہے۔ یا پھر قاضی کے ذریعہ واپس کروانے کا فیصلہ کروا لے تب واپس لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

مجموعہ ہبہ کو واپس کرنا مختلف فیہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک واپس کر ہی نہیں سکتا ہے۔ واپس کی کراہیت کے لئے حدیث بھی گزری ہے اس لئے واپس کرنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک چاہئے، یا تو دونوں راضی ہوں یا پھر قاضی کا فیصلہ ہو تب واہب ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

[۱۵۱۸] (۲۹) اگر تلف ہو جائے ہبہ کی ہوئی چیز پھر اس کا کوئی حقدار نکل آئے اور موهوب لہ کو ضامن بنادے تو واہب سے کچھ نہیں لے سکتا

تشریح موهوب لہ کے پاس ہبہ کی چیز تھی وہ ہلاک ہو گئی بعد میں اس چیز کا کوئی حقدار نکل آیا اور موهوب لہ کو اس کا ضامن بنایا، کیونکہ وہ چیز ہلاک ہو گئی تھی تو موهوب لہ اس ضامن کو واہب سے وصول نہیں کر سکتا ہے۔

مجموعہ بنیادی طور پر ہبہ کی چیز میں بدلہ نہیں لیا جاتا بلکہ وہ تبرع اور احسان کے طور پر واہب عطا کرتا ہے۔ اس لئے واہب ہبہ کی چیز کی سلامت کا

مستحق فضمن الموهوب له لم يرجع على الواهب شيء [۱۵۱۹] (۳۰) واذا وهب بشرط العوض اعتبر التقابض في العوضين جميعا واذا تقابضا صح العقد وكان في حكم البيع يرد بالعيب وخيار الرؤية ويجب فيها الشفعة [۱۵۲۰] (۳۱) والعمرى جائزة

ذمہ دار نہیں ہے، چونکہ وہ سلامت کا ذمہ دار نہیں ہے اس لئے موهوب لہ واہب سے ضمان وصول نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف بیع میں تو بدلہ ہوتا ہے اس لئے وہاں مشتری سلامت کا ذمہ دار ہے۔ اس لئے قیمت کا کوئی حقدار نکل آئے تو مشتری سے اس کا ضمان لیا جائے گا۔ ہبہ خالص تبرع اور احسان ہے۔ اس لئے واہب سے دیا ہوا ضمان وصول نہیں کر سکے گا۔

اصول تبرع اور احسان میں چیز کی سلامت کا ذمہ دار احسان کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اس اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

لغت تلف : تلف ہو جائے، ہلاک ہو جائے۔

[۱۵۱۹] (۳۰) اگر ہبہ کیا بدلے کی شرط پر تو ضروری ہوگا دونوں عوضوں پر قبضہ ہونا، اور جب دونوں نے قبضہ کر لیا تو صحیح ہو جائے گا عقد اور ہوگا یہ بیع کے حکم میں کہ واپس ہو سکے گا خیاریع اور خیاری رویت کی وجہ سے اور واجب ہوگا اس میں شفعہ۔

تشریح واہب نے اس شرط پر ہبہ کیا کہ اس کا بدلہ دو گئے تو اس ہبہ کی دو جہتیں ہو گئیں۔ لفظ کے اعتبار سے یہ ہبہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ بیع ہے۔ اس لئے اس ہبہ میں دونوں کی رعایت ضروری ہے۔ چنانچہ ہبہ ہونے کے اعتبار سے دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے، قبضہ کرے گا تو عقد صحیح ہوگا ورنہ نہیں، اور چونکہ دونوں جانب سے ہبہ ہوئے اس لئے دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے۔

وجہ پہلے اثر میں گزرا ہے۔ عن ابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتى تقبض (الف) (سنن للبیہقی، باب شرط القبض فی الہبة، ج ۱ ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) اس سے معلوم ہوا کہ ہبہ پر قبضہ ضروری ہے۔ اور بدلے کی شرط پر ہبہ کیا ہے اس لئے معنی کے اعتبار سے یہ بیع ہے۔ اس لئے بیع کی شرطوں کی رعایت ہوگی۔ چنانچہ اس ہبہ میں خیاری رویت اور خیاریع جاری ہوں گے۔ اور ان کی وجہ سے ہبہ واپس ہو سکے گا۔ اگر ہبہ میں زمین ہو تو اس میں حق شفعہ بھی جاری ہوگا۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

اصول لفظ اور معنی دونوں کا اعتبار حتی الامکان کیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعی اور امام زفریہاں معنی کا اعتبار کرتے ہیں اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے صرف بیع ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں مجلس میں قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اصول ان کا اصول ہے کہ صرف معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔

﴿عمری کا بیان﴾

[۱۵۲۰] (۳۱) عمری جائز ہے معمر لہ کے لئے، اس کی زندگی میں ہوگا اور اس کے ورثہ کے لئے ہوگا اس کے مرنے کے بعد۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا صدقہ جائز نہیں ہے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کر دیا جائے۔

للمعمر له في حال حياته ولورثته بعد موته [۱۵۲۱] (۳۲) والرقبي باطلة عند ابي حنيفة

تشریح عمری کا لفظی معنی تو ہے کہ تمہاری زندگی تک یہ چیز تمہارے لئے دیتا ہوں لیکن تمہارے مرنے کے بعد میں اس کو واپس لے لوں گا۔ یہ چیز تمہارے ورثہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمری کا لفظ سے بہہ کر دیا تو وہ چیز مکمل موبہوب لہ جس کو معمر لہ کہتے ہیں اس کی ہو جائے گی۔ اور معمر لہ کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں یہ چیز تقسیم ہوگی۔

مجا حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال ايما رجل اعمر عمرى له ولعقبه فانها للذى اعطيتها لا ترجع الى الذى اعطاها لانه اعطى عطاء وقعت فيه الموارث (الف) (مسلم شریف، باب العمری ص ۳۷ نمبر ۱۶۲۵/۱ بوداؤد شریف، باب فی العمری ص ۱۴۴ نمبر ۳۵۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمری کرنا جائز ہے اور معمر لہ کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی (۲) اسی راوی سے دوسری حدیث میں ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ انه قال العمری میراث لاهلها (ب) (مسلم شریف، باب العمری ص ۳۷ نمبر ۱۶۲۵/۱ بخاری شریف، باب ما قبل فی العمری والرقبی ص ۳۷ نمبر ۲۶۲۵) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عمری کی چیز معمر لہ کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

[۱۵۲۱] (۳۲) رقی باطل ہے ابوحنیفہ کے نزدیک اور محمد کے نزدیک اور کہا ابو یوسف نے کہ جائز ہے۔

تشریح رقی کی صورت یہ ہے کہ واہب کہے یہ چیز بہہ کرتا ہوں اس طرح کہ اگر میں پہلے مر گیا تو یہ چیز تیری رہے گی۔ اور آپ پہلے مر گئے تو یہ چیز میری ہوگی۔ چونکہ اس صورت میں پہلے کون مرے اس کا انتظار رہتا ہے۔ اس لئے اس کو رقی کہتے ہیں۔ چونکہ اس صورت میں واہب موبہوب لہ کے پہلے مرنے کا انتظار کرتا ہے تاکہ وہ چیز اس کو مل جائے اور موبہوب لہ واہب کے پہلے مرنے کا انتظار کرتا ہے تاکہ یہ چیز موبہوب لہ کو مل جائے۔ یہ ایک دوسرے کے موت کی تمنا کا طریقہ ہے اس لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

مجا حدیث میں کراہیت کا پتہ چلتا ہے۔ عن زید بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ من اعمر شيئا فهو لمعمره محياه ومماته ولا ترقبوا فممن ارقب شيئا فهو سبيله (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الرقی ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۵۹/۱ نسائی شریف، کتاب الرقی ص ۱۱۹ نمبر ۳۸۷۳) اس حدیث میں رقی کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک رقی جائز نہیں ہے۔

نوٹ تاہم اگر رقی کر ہی دیا تو جس کے لئے رقی کیا مال اس کے لئے مکمل ہو جائے گا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک رقی جائز ہے۔

مجا ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ العمری جائزة لاهلها والرقبی جائزة لاهلها (د) (ابو

حاشیہ : (الف) کوئی آدمی عمری کرے اور اس کے بعد والوں کے لئے بھی عمری کر دے تو وہ مال اس کے لئے ہوگا جس کے لئے دیا۔ دینے والے کی طرف واپس نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ ایسا دیا جس میں معمر لہ کی وراثت جاری ہو (ب) آپؐ نے فرمایا عمری معمر لہ کا میراث ہوگا (ج) آپؐ نے فرمایا جس نے معمر لہ کے عمری کیا تو اس کی زندگی اور موت کے بعد اسی کی ہے۔ رقی مت کرو، تاہم جس نے رقی کیا تو وہ رقی میں چلا جائے گا (د) آپؐ نے فرمایا عمری معمر کے لئے جائز ہے۔ اور رقی اس کے لئے جائز ہے جس کے لئے رقی کیا۔

و محمد رحمہا اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ جائزة [۱۵۲۲] (۳۳) ومن وهب جارية الا حملها صحت الہبة وبطل الاستثناء [۱۵۲۳] (۳۴) والصدقة كالہبة لا تصح الا بالقبض [۱۵۲۴] (۳۵) ولا تجوز الصدقة فی مشاع الذی یحتمل القسمة.

داؤد شریف، باب فی الرقی ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۵۸/نسائی شریف، کتاب الرقی ص ۱۱۹ نمبر ۳۶۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رقی کرنا جائز ہے۔ اور رقی کے معنی ان کے یہاں یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز تیری ہے۔ اور یہ جائز کی صورت ہے۔

[۱۵۲۲] (۳۳) کسی نے باندی ہبہ کی مگر اس کا حمل تو ہبہ صحیح ہے اور استثناء باطل ہے۔

تشریح کسی نے باندی ہبہ کی لیکن کہا کہ اس کا حمل ہبہ نہیں کرتا ہوں تو پوری باندی کا ہبہ ہوگا اور حمل کی نفی کرنا اور اس کا استثناء کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

مجا حمل باندی کا جز ہے اور جز کل سے علیحدہ ہبہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے باندی ہبہ کی تو حمل بھی ہبہ ہو جائے گا (۲) بیع میں گزرا کہ باندی بیچے اور حمل کا استثناء کرے تو جائز نہیں ہے اسی طرح ہبہ کا معاملہ ہے۔ تاہم وہاں بیع فاسد ہو جاتی ہے لیکن ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اس لئے ہبہ درست رہے گا (۳) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن المزینة وعن المحاقلة وعن الثیاء الا ان یعلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الخیرة ص ۱۲۷ نمبر ۳۲۰۵/ترمذی شریف، باب ماجاء فی النہی عن الثیاء ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث میں مجہول استثناء سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے حمل کو ہبہ سے مستثنیٰ کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿ صدقة کا بیان ﴾

[۱۵۲۳] (۳۴) صدقہ ہبہ کی طرح ہے، نہیں صحیح ہوتا ہے مگر قبضہ کے بعد۔

تشریح جس طرح ہبہ کا حکم ہے اسی طرح صدقہ کا بھی حکم ہے۔ یعنی ہبہ قبضہ کے بعد مکمل ہوتا ہے اسی طرح صدقہ پر قبضہ کے بعد مکمل ہوگا۔

مجا صدقہ بھی ہبہ کی طرح تبرع اور احسان ہوتا ہے اور مفت لینا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر صدقہ دینے والے نے کہہ دیا کہ میں آپ کو صدقہ دوں گا تو صرف اس سے صدقہ لینے والا صدقہ کا مالک نہیں ہوگا جب تک صدقہ پر قبضہ نہ کرے (۲) اثر میں ہے کہ صدقہ پر قبضہ کئے بغیر مالک نہیں ہوگا۔ عن عثمان وابن عمر وابن عباس انہم قالوا لا تجوز صدقة حتى تقبض وعن معاذ بن جبل وشريح انہما كانا لا یجیزانہا حتی تقبض (ب) (سنن للبیہقی، باب شرط القبض فی الہبة، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) اس اثر میں ہے کہ صدقہ پر قبضہ کئے بغیر صدقہ جائز نہیں ہوگا۔

[۱۵۲۴] (۳۵) صدقہ جائز نہیں ہے مشترک چیز میں جو تقسیم ہو سکتی ہو۔

حاشیہ: (الف) حضورؐ نے مزایہ، محاقلة اور استثناء کرنے سے روکا مگر یہ کہ مستثنیٰ منہ معلوم ہو (ب) حضرت عثمان، ابن عمر اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ صدقہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرائے۔ اور حضرت معاذ اور شریح نے فرمایا کہ صدقہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ دلائے۔

[۱۵۲۵] (۳۶) واذا تصدق علی فقیرین بشیء جاز [۱۵۲۶] (۳۷) ولا یصح الرجوع

تشریح ہبہ کے بارے میں گزرا کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس کو تقسیم کئے بغیر ہبہ کرنا جائز نہیں اسی طرح صدقہ کے بارے میں ہے کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس کو تقسیم کئے بغیر صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔

مجا اثر میں ہے۔ کتب عمر ابن عبد العزیز انه لا یجوز من النحل الا ما عزل وافرء واعلم (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب النحل ج ۱ ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱) (۲) عن ابن شبرمة قال ان لم یجز کل واحد منهما ما وهب له صاحبه فلیس بشیء (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب حیاة ما وهب احدھما لصاحبه ج ۱ ص ۱۱۶ نمبر ۱۶۵۷) ان دونوں اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک تقسیم نہ کیا جائے تو ہبہ جائز نہیں ہے اور یہی حال صدقہ کا بھی ہے کہ وہ تقسیم کئے بغیر جائز نہیں۔

نوٹ اگر چیز تقسیم کرنے سے برباد ہو تو پھر مجبوری ہے۔ بغیر تقسیم کئے بھی صدقہ جائز ہوگا۔

[۱۵۲۵] (۳۶) اگر دو فقیروں پر صدقہ کیا تو جائز ہے۔

تشریح دو فقیروں پر ایک چیز صدقہ کرے گا تو دونوں کی شرکت ہوگی اور غیر تقسیم شدہ صدقہ ہوگا اس لئے قاعدے کے اعتبار سے جائز نہیں ہونا چاہئے لیکن پھر بھی جائز ہے۔

مجا صدقہ کا مال پہلے اللہ کے ہاتھ میں پڑتا ہے پھر گویا کہ وہ مال فقیر کے ہاتھ میں پڑتا ہے۔ اور اللہ ایک ہے اس لئے شرکت نہیں ہوئی۔ اس لئے صدقہ کا مال دو فقیروں کو صدقہ کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

نوٹ صاحبین کے نزدیک تو پہلے بھی دو آدمیوں کو ہبہ جائز تھا اس لئے دو آدمیوں پر صدقہ بھی جائز ہوگا۔

مجا حدیث گزر چکی ہے۔ عن سہل بن سعد ان النبی ﷺ اتی بشراب فشرب ویمینہ غلام وعن یسارہ الاشیاخ فقال للغلام ان اذنت لی اعطیت هؤلاء فقال ما کنت لا وثر بنصیبی منک یا رسول اللہ احدا فتله فی یدہ (ج) (بخاری شریف، باب ہبۃ الواحد للجماعۃ ص نمبر ۲۶۰۲) اس حدیث سے مشترک ہبہ جائز ہوا تو مشترک صدقہ بھی جائز ہوگا۔

[۱۵۲۶] (۳۷) قبضے کے بعد صدقہ کو واپس لینا صحیح نہیں ہے۔

مجا صدقہ کرنے کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اس کو ثواب حاصل ہو گیا تو گویا کہ صدقہ کا بدلہ مل گیا تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے (۲) ہبہ کو واپس لینے کے بارے میں یہ حدیث گزری۔ عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ العائد فی ہبتہ کالعائد فی قبضہ (د) (بخاری شریف، باب لا یتحل لاحد ان یرجع فی ہبتہ وصدقۃ ص نمبر ۲۶۲۱) مسلم شریف، باب تحريم الرجوع فی الصدقة بعد القبض الاما وہبہ

حاشیہ : (الف) عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو علیحدہ کیا جائے اور الگ کیا جائے اور اس پر نشان لگایا جائے (ب) حضرت ابن شبرمہ نے فرمایا اگر دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جو کچھ ہبہ کیا موبوب لہ سے تو ہبہ نہیں ہوا (ج) آپ کے سامنے پینے کی چیز لائی گئی، آپ نے پی اور دائیں جانب لڑکا تھا اور بائیں جانب بڑھے بوڑھے تھے تو لڑکے سے کہا اگر اجازت دو تو ان لوگوں کو دوں۔ لڑکے نے کہا آپ کا دیا ہوا حصہ کو کسی اور کو ترجیح نہیں دوں گا، پس اس کے ہاتھ میں دے دیا (د) آپ نے فرمایا ہبہ واپس لینے والا قے کو واپس لینے والے کی طرح ہے۔

فی الصدقة بعد القبض [۱۵۲۷] (۳۸) ومن نذر ان يتصدق بماله لزمه ان يتصدق بجنس ما تجب فيه الزکوۃ [۱۵۲۸] (۳۹) ومن نذر ان يتصدق بملكه لزمه ان يتصدق بالجميع [۱۵۲۹] (۴۰) ويقال له امسك منه مقدار ما تنفقه على نفسك وعيالك الى ان

لولدہ وان سفل ص نمبر ۱۶۲۲) اس حدیث کی بنا پر صدقہ واپس لینا جائز نہیں ہے۔ قال عمر حملت علی فرس فی سبیل اللہ فرأیتہ یباع فسألت رسول اللہ ﷺ فقال لا تشتروه ولا تعد فی صدقتک (الف) (بخاری شریف، باب اذا حمل رجل علی فرس فھو کالعمری والصدقۃ ص نمبر ۲۶۳۶) اس حدیث میں صدقہ واپس لینے سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔

[۱۵۲۷] (۳۸) کسی نے نذر مانی کہ صدقہ کرے گا اپنے مال کو تو اس پر لازم ہے کہ صدقہ کرے اس قسم کا مال جس میں صدقہ واجب ہے۔ **تشریح** کسی نے نذر مانی کہ میں اپنا مال صدقہ کروں گا تو ان مالوں کو صدقہ کرنا واجب ہوگا جن میں اس پر زکوۃ واجب تھی۔ جن مالوں میں اس پر زکوۃ واجب نہیں تھی ان کو صدقہ کرنا لازم نہیں ہوگا۔

وجہ مال تو محاورے میں کسی بھی مال کو کہتے ہیں۔ لیکن شریعت میں جب مال بولا جاتا ہے تو اس مال کو مال کہتے ہیں جن میں زکاۃ واجب ہو (۲) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بها وصل علیہم (آیت ۱۰۳ سورۃ التوبۃ ۹) دوسری آیت میں ہت۔ وفی اموالہم حق للسائل والمحروم (آیت ۱۹ سورۃ الذاریات ۵۱) ان دونوں آیتوں میں مال بول کر زکوۃ مراد لیا ہے۔ اس لئے مطلق مال سے شریعت میں مال زکوۃ مراد ہوگا اور اسی کو صدقہ کرنا ہوگا نوٹ کوئی اور علامت نہ ہو تو قضا میں یہ فیصلہ کیا جائے گا، ورنہ عموماً کوئی بھی مال مراد لیا جاسکتا ہے۔

[۱۵۲۸] (۳۹) کسی نے نذر مانی کہ صدقہ کرے گا اپنی ملکیت کو تو اس پر لازم ہے کہ صدقہ کرے تمام مال کو۔

وجہ ملکیت میں تمام ہی مال شامل ہو جاتے ہیں۔ سبھی اس کی ملکیت میں ہیں اس لئے اگر نذر مانی کہ اپنی ملکیت کو صدقہ کرے گا تو تمام مال صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

اصول ملکیت میں تمام ملکیت شامل ہے۔

[۱۵۲۹] (۴۰) نذر ماننے والے سے کہا جائے گا اتنی مقدار روک لیں جو خرچ ہوا اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر اس وقت تک کہ آپ مال کمالیں، پس جب کمالے مال تو صدقہ کرے اس کے برابر جو اپنے لئے روکا تھا۔

تشریح پوری ملکیت صدقہ کرنے کی نذر کی وجہ سے پورا مال صدقہ کرنا پڑے گا جس سے اس کے بال بچے ہلاک ہو جائیں گے۔ اس لئے اتنا مال صدقہ روک لے جس سے اس کی ذات اور بال بچے کا خرچ چل سکے۔ پھر جب مال کمائے تو اتنا مال صدقہ کر دے جتنا پہلے اپنے لئے

حاشیہ : (الف) حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے گھوڑے کو اللہ کے راستے میں وقف کیا، پس دیکھا کہ وہ بیچا جا رہا ہے۔ میں نے حضورؐ سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو مت خریدو اور صدقہ واپس مت لو۔

تکسب مالا فاذا اکتسبت مالا تصدقه بمثل ما امسکت لنفسک.

روکے رکھا تھا۔

وجہ کیونکہ نذر کی وجہ سے پورا مال صدقہ کرنا لاز تھا۔



﴿ کتاب الوقف ﴾

[۵۳۰] (۱) لا يزول ملك الواقف عن الوقف عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى الا ان

﴿ کتاب الوقف ﴾

ضروری نوٹ وقف کا معنی روکنا ہے۔ وقف میں زمین، جائیداد غریبوں کے لئے روکتے ہیں اس کے اس کو روکنا کہتے ہیں۔ وقف کا اشارہ آیت میں ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا شہادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم (آیت ۱۰۶ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں ﷺ وصیت کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس میں وقف کرنا بھی ہے اس لئے یہ آیت وقف کی طرف اشارہ ہے۔ اور حدیث میں یہ ہے۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیر فاتی النبی ﷺ یستامرہ فیہا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیر لم اصب مالا قط انفس عندی منہ فماتأمرنی؟ بہ قال ان شئت حبست اصلہا وتصدقت بہا قال فتصدق بہا عمر انہ لا یباع ولا یوہب ولا یورث وتصدق بہا فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیہا ان يأکل منها بالمعروف ویطعم غیر ممتول (الف) (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳ مسلم شریف، باب الوقف ص ۱۶۳ نمبر ۱۶۳۲) اس حدیث سے وقف جائز ہونے کا پتہ چلا۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ کن کن شرطوں کے ساتھ وقف کیا جاسکتا ہے۔

[۵۳۰] (۱) نہیں زائل ہوگی واقف کی ملک وقف سے ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے یا اپنی موت پر معلق کر دے اور یوں کہے کہ جب میں مر جاؤں تو اپنا گھر فلاں پر وقف کر دیا۔

تشریح وقف کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور وقف کرنے سے وقف ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ یہ جائیداد ہے اس لئے واقف کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب وقف کرنے پر حاکم کا فیصلہ ہو جائے، یا وقف کو موت پر معلق کر دے، یوں کہے کہ اگر میں مر گیا تو میرا گھر فلاں کے لئے وقف ہے۔

مذہب موت پر آدمی کی ملکیت تمام چیز سے ختم ہو جاتی ہے اس لئے واقف کی ملکیت موت سے ختم ہوگئی۔ اب چونکہ موقوف علیہ کے لئے دے چکا ہے اس لئے ورثہ کے بجائے موقف علیہ مالک بن جائے گا (۲) اسی طرح قاضی کے فیصلے سے کسی کی بھی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے وقف کے مال سے بھی ملکیت ختم ہو جائے گی (۳) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ ان سعد بن عبادۃ اخا بنی ساعدۃ توفیت امہ وهو غائب فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ان امی تفویت وانا غائب عنہا فهل ینفعہا شیء ان تصدقت بہ عنہا

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطاب نے خیبر میں زمین حاصل کی تو حضورؐ کے پاس مشورہ کے لئے آئے۔ پس کہا یا رسول اللہ مجھے خیبر میں زمین ملی ہے، اتنی اچھی زمین کبھی نہیں ملی تھی تو آپؐ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اصل کو روک لو اور اس کا نفع صدقہ کر دو۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس کو صدقہ کیا اس طرح کہ نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی نہ وارث بنائی جائے گی۔ اور نفع فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرنے، اللہ کے راستے میں، مسافر کے لئے، مہمانوں کے لئے خرچ کیا جائے۔ کوئی حرج نہیں ہے اس پر جو گرائی کرے کہ اس سے مناسب انداز میں کھائے۔ اور بغیر مالدار بنائے کھلائے۔

یحکم به الحاکم او یعلقه بموته فیقول اذا مت فقد وقفت داری علی کذا [۱۵۳۱] (۲)
وقال ابو یوسف رحمہ اللہ یزول الملك بمجرد القول [۱۵۳۲] (۳) وقال محمد
رحمہ اللہ تعالیٰ لا یزول الملك حتی یجعل للوقف ولیا ویسلمہ الیہ.

قال نعم قال فانی اشهدک ان حائطی المخراف صدقة علیہا (الف) (بخاری شریف، باب الاشهاد فی الوقف والصدقة ص ۳۸۷ نمبر ۶۲۷) اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ نے وقف پر گواہ بنایا اور حضور گواہ بنایا گویا کہ حتمی وقف کے لئے فیصلہ بھی کروانا ہے۔ اس لئے اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ قاضی یا والی کے فیصلہ کے بعد وقف کی چیز واقف کی ملکیت سے نکلے گی (۳) حضرت عمر کے اثر سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ وقف لکھوانا چاہئے۔ عن یحییٰ ابن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب قال نسخها لی عبد الحمید بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا ما کتب عبد اللہ عمر فی ثمنغ فقص من خبره نحو حدیث نافع (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف ص ۲۲ نمبر ۹۷۸) اس اثر میں حضرت عمر نے وقف کو باضابطہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ لکھنے کے بعد واقف کی ملکیت ختم ہوگی۔ [۱۵۳۱] (۲) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا زائل ہو جائے گی ملک صرف کہنے ہی سے۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف صرف کہہ دے کہ میں نے وقف کیا تو اس کی ملکیت وقف کے مال سے ختم ہو جائے گی، چاہے حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو یا موت پر وقف معلق نہ کیا ہو۔

وجہ ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں واقف نے موت پر معلق کیا ہے اور نہ فیصلہ کروایا ہے۔ مثلاً حدیث میں ہے۔ عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا ولله لا نطلب ثمنه الا الی اللہ (ج) (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعة ارضا مشاعاً فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۷۷۷) اس حدیث میں قضاء قاضی کا تذکرہ ہے نہ موت پر معلق کیا ہے، اور زمین کی ملکیت صرف واقف کے کہنے سے ختم ہوگی ہے۔

[۱۵۳۲] (۳) اور امام محمدؒ نے فرمایا نہیں زائل ہوگی ملکیت یہاں تک کہ وقف کے لئے کسی کو ولی بنائے اور اس کو اس کی طرف سپرد کر دے **تشریح** امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت اس وقت زائل ہوگی جب وقف کے لئے کسی کو ولی بنائے اور وقف اس کو سپرد کر دے تب ملکیت زائل ہوگی۔

حاشیہ : (الف) سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہوا اس حال میں کہ وہ غیر حاضر تھے۔ پس حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہوا اور میں غائب تھا۔ کیا اگر میں صدقہ کچھ ان کو نفع دے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! سعد نے فرمایا میں آپؐ کو گواہ بناتا ہوں کہ مخراف کا باغ ماں کے لئے صدقہ ہے (ب) عمر بن خطاب نے ثمنغ کے صدقے کے بارے میں یوں لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ لکھا اللہ کے بندے عمر نے مقام ثمنغ کے بارے میں، پھر حضرت نافع کی حدیث کی طرح بیان کیا (ج) آپؐ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو آپؐ نے فرمایا بنی نجار مجھ سے اس باغ کا بھاؤ کرو۔ ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم اس کی قیمت نہیں چاہتے ہیں مگر اللہ سے۔

[۱۵۳۳] (۴) واذا صح الوقف على اختلافهم خرج من ملك الوقف ولم يدخل في الموقوف عليه [۱۵۳۴] (۵) ووقف المشاع جائز عند ابی یوسف رحمه الله۔

مذہب اوپر کی حدیث میں بنونجار نے حضور کو زمین کا ولی بنایا اور اس کو سپرد کر دیا تب ان کی ملکیت وقف سے ختم ہوئی۔ اس لئے ولی بنائے اور اس کے سپرد کرے تب ملکیت ختم ہوگی۔

[۱۵۳۳] (۴) جب وقف صحیح ہو جائے ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور نہیں داخل ہوگا موقوف علیہ کی ملکیت میں۔

تشریح اوپر جو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف گزر اس اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہو جائے تو یہ ہوگا کہ واقف کی ملکیت سے وقف کی چیز نکل جائے گی۔ لیکن جن پر وقف کیا ہے وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی مال وقف پہنچایا ہبہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتے۔

مذہب وقف کا مطلب یہی ہے کہ واقف کی ملکیت میں نہ رہے۔ اس لئے اس کی ملکیت سے نکل جائے گی۔ البتہ وہ وقف کی نگرانی کر سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی مطلب یہ ہے کہ موقوف علیہ اس کے فوائد سے مشفع ہوتا رہے۔ یہ نہیں ہے کہ اس کو بیچ دے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخيبر فاتي النبي ﷺ يستامرہ فيها فقال يا رسول الله اني اصب ارضا بخيبر لم اصب مالا قط انفس عندی منه فمات امرنی به قال ان شئت حبست اصلها وتصدق بها قال فتصدق بها عمر انه لا يباع ولا يوهب ولا يورث وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف لا جناح على من وليها ان يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول (الف) (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳) اس حدیث میں آپؐ نے یوں فرمایا کہ حبست اصلها جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اصل کو روک رکھے یعنی موقوف کسی کی ملکیت نہ ہو۔ اور آگے جملہ ہے کہ وقف بیچا بھی نہ جائے، ہبہ بھی نہ کیا جائے اور وارث بھی کوئی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ نہ وہ واقف کی ملکیت رہی نہ موقوف علیہ کی۔ ورنہ جس کی ملکیت میں ہو وہ اس کو بیچ سکتا، ہبہ کر سکتا اور اس کے وارث اس کو وراثت میں تقسیم بھی کرتے۔ لیکن ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کی ملکیت میں نہیں رہا۔

[۱۵۳۴] (۵) مشترک کا وقف جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔

تشریح کوئی چیز مشترک ہو اور تقسیم ہو سکتی ہو پھر بھی بغیر تقسیم کے اس کا وقف جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطاب نے خیبر میں زمین حاصل کی تو حضورؐ کے پاس مشورہ کے لئے آئے۔ پس کہا یا رسول اللہ مجھے خیبر میں زمین ملی ہے، اتنی اچھی زمین کبھی نہیں ملی تھی تو آپؐ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اصل کو روک لو اور اس کا نفع صدقہ کر دو۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس کو صدقہ کیا اس طرح کہ نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی نہ وارث بنائی جائے گی۔ اور نفع فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرنے، اللہ کے راستے میں، مسافر کے لئے، مہمانوں کے لئے خرچ کیا جائے۔ کوئی حرج نہیں ہے اس پر جو نگرانی کرے کہ اس سے مناسب انداز میں کھائے۔ اور بغیر مالدار بنائے کھلائے۔

[۱۵۳۵] (۶) وقال محمد رحمه الله لا يجوز [۱۵۳۶] (۷) ولا يتم الوقف عند ابي

وجہ (۱) امام ابو یوسف کے نزدیک وقف پورا ہونے کے لئے موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے۔ صرف کہنے سے وقف ہو جاتا ہے۔ اور جب قبضہ دلانا ضروری نہیں تو مشترک چیز کا بھی وقف ہو سکتا ہے (۲) ان کی دلیل اوپر کی حدیث عمر ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو مشترک طور پر وقف کیا (۳) بنی نجار نے لوگوں کو مشترک طور پر مسجد کی زمین وقف کی۔ حدیث میں ہے۔ عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الى الله (الف) (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعة ارضا مشاعا فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱) اس حدیث میں کئی بنو نجار نے مشترک طور پر لوگوں پر مسجد کی زمین وقف کی۔ جس سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

نوٹ البتہ اس طرح مسجد اور مقبرے کی زمین وقف کرنا جائز نہیں کہ کچھ حصہ مشترک طور پر مسجد کو دے اور کچھ حصہ خود رکھے۔ کیونکہ مالک کبھی اپنے مصرف میں استعمال کرے گا اور کبھی مسجد کے لئے ہوگی۔ اس طرح مسجد کی توہین ہوگی، نیز مسجد ہونے کے بعد اس کو کسی اور مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اس طرح مقبرہ میں ایک سال مردہ دفن کیا جائے گا اور دوسرے سال مالک کا حصہ ہونے کی وجہ سے اس کو اصطبل بنائے گا تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے مالک اور مسجد یا مقبرے دونوں کا مشترک حصہ ہو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی درست نہیں ہے۔ [۱۵۳۵] (۶) امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک مشترک چیز کا وقف جائز نہیں جب تک کہ اس کو تقسیم نہ کر دے۔

وجہ (۱) ان کے یہاں موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری ہے اور بغیر تقسیم کئے ہوئے پورا قبضہ نہیں ہو سکتا اس لئے تقسیم کرنا ضروری ہے (۲) جس طرح ہبہ اور صدقہ میں تقسیم کر کے قبضہ دینا ضروری ہے (۳) حدیث میں اشارہ ہے۔ حضرت ابو طلحہ نے اپنے باغ کو وقف کیا تھا اس کے لئے ایک لمبی حدیث ہے جس کا ٹکرا یہ ہے۔ انہ سمع انس بن مالک يقول كان ابو طلحة اكثر الانصار بالمدينة مالا من نخل ... قال ابو طلحة افعل ذلك يا رسول الله فقسما ابو طلحة في اقاربه وبنی عمه (ب) (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحد ودفنوا جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث میں ہے کہ ابو طلحہ نے اپنے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں کے درمیان تقسیم کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔

نوٹ جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام اور پن چکی تو ان کو بغیر تقسیم کئے ہوئے بھی وقف کرنا جائز ہے۔ کیونکہ مجبوری ہے۔

[۱۵۳۶] (۷) امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک وقف پورا نہیں ہوگا یہاں تک کہ کر دے اس کا آخر کہ کبھی منقطع نہ ہو۔

تشریح طرفین کے نزدیک وقف اسی وقت پورا ہوگا جبکہ وقف کا مال آخر کار ہمیشہ کے لئے غرباء و مساکین کے لئے ہو جائے۔ اور واقف کو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو آپؐ نے فرمایا بنی نجار مجھ سے اس باغ کا بھاؤ کرو۔ ان لوگوں نے کیا خدا کی قسم اس کی قیمت نہیں چاہتے ہیں مگر اللہ سے (ب) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ مدینہ میں انصار میں سب سے زیادہ کھجور کے درخت والے تھے... ابو طلحہ نے فرمایا میں یہ کروں گا اے اللہ کے رسول! پس ابو طلحہ نے اپنے رشتہ دار اور چچا زاد بھائیوں میں باغ تقسیم کر دیا۔

حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى حتى يجعل آخره بجهة لا تنقطع ابدا [۱۵۳۷] (۸)
وقال ابو يوسف رحمه الله اذا سمي فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وان لم

اس کی تصریح کرنی ہوگی کہ یہ مال آخر ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہی ہوگا اور میرے اور میرے ورثاء کے پاس واپس نہیں آئے گا۔
منہج حضرت عمر نے مقام شمع کی جائداد وقف کی تھی اس میں لکھا تھا کہ اس کا نگران حضرت حفصہ ہوگی۔ اور اس کے بعد اہل رائے ہوں گے اور اس کا فائدہ غریب و مساکین کو ہمیشہ کے لئے پہنچتا رہے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ اخبرنی لیث عن یحییٰ بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذى بخير ورقيقه الذى فيه والمائة التى اطعمه محمد بالوادى تليه حفصة ماعاشت ثم يليه ذو الرأى من اهلها ان لا يباع ولا يشتري ينفعه حيث رأى من السائل والمحروم وذى القربى ولا حرج على من وليه ان اكل او اكل او اشتري رقيقا منه (الف) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فى الرجل يوقف الوقف ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۲۸۷ دارقطنی، کتاب الاحباس ج رابع ص ۱۱ نمبر ۴۳۷) اس حدیث میں حضرت عمر نے پہلے حفصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اور اس کی تصریح کر دی کہ یہ ہمیشہ کے

لئے فقراء اور مساکین کے استفادے کے لئے رہے گا۔ اور بیچا اور خریدا نہیں جائے گا۔
[۱۵۳۷] (۸) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر ایسی جہت کا نام لیا جو منقطع ہو جائے گی تب بھی جائز ہے۔ اور اس کے بعد فقراء کے لئے ہو جائے گا اگرچہ اس کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف کو ہمیشہ کے لئے فقراء کی تصریح کر دینی چاہئے۔ لیکن اس نے فقراء کا نام وقف میں نہیں لیا صرف ایسے لوگوں پر وقف کیا جو کچھ سالوں کے بعد مر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، پھر بھی وقف صحیح ہو جائے گا۔ البتہ جن لوگوں کا نام لے کر وقف کیا ہے ان کے مرنے کے بعد لوٹ کر واقف کے ورثہ کی طرف نہیں آئے گا بلکہ خود بخود ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہو جائے گا۔

منہج وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے۔ البتہ یہ قربت کبھی مخصوص لوگوں پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی ہمیشہ کے لئے فقراء اور مساکین پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اس لئے دونوں طرح کے وقف کرنے سے وقف ہوگا۔ البتہ وقف کا مقصد ہمیشہ کے لئے قربت حاصل کرنا ہے اس لئے مخصوص لوگوں کے مرنے کے بعد خود بخود ہمیشہ کے لئے فقراء و مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

نوٹ تینوں اماموں کے نزدیک ہمیشہ کے لئے فقراء و مساکین کے لئے ہو جائے گا۔ البتہ طرفین کے نزدیک وقف صحیح ہونے کے لئے اس کا تصریح کرنا ضروری ہے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی تصریح کرنا ضروری نہیں خود بخود مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

لغت جہت منقطع : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاص لوگوں پر وقف کیا جس کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) عمر بن خطاب نے فرمایا وہ سو حصے جو خیبر میں ہیں اور غلام جو اس میں ہیں اور وہ حصے جو حضورؐ نے کھانے کے لئے دیئے وادی میں، ان کی نگرانی حضرت حفصہ کرے گی جب تک زندہ رہے گی۔ اس کے بعد اس کے اہل کے اہل رائے نگرانی کریں گے۔ اس طرح کہ نہ وہ بیچی جائے اور نہ خریدی جائے۔ اس کو خرچ کریں سائل اور محروم میں سے جہاں مناسب سمجھیں۔ اور کوئی حرن نہیں کہ جو اس کی نگرانی کرے وہ کھائے یا کھلائے یا اس کے نفع سے غلام خریدے۔

یسمہم [۱۵۳۸] (۹) ویصح وقف العقار ولا يجوز وقف ما ينقل ويحول
[۱۵۳۹] (۱۰) وقال ابو يوسف رحمه الله اذا وقف ضیعة بقرها واکرتها وهم عبیدہ
جاز [۱۵۴۰] (۱۱) وقال محمد رحمه الله يجوز حبس الكراع والسلاح.

[۱۵۳۸] (۹) صحیح ہے زمین کا وقف کرنا اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا وقف کرنا جو منتقل ہوتی ہو اور بدلتی ہو۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین اور غیر منقول چیزوں کا وقف ہوتا ہے۔ اور منقول چیز وقف کرے تو وقف کے بجائے صدقہ ہو جائے گا۔
مذہب اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز موجود رہے اور اس کے نفع سے غرباء فائدہ اٹھاتے رہیں۔ اور غرباء اصل وقف کا مالک نہ بنے۔ اور یہ بات جائداد اور غیر منقول چیزوں میں ہوگی۔ منقول چیزوں کا تو اصل ہی کا غرباء مالک ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ وقف نہیں ہوا صدقہ ہو گیا۔

مذہب اوپر کی احادیث میں زمین اور جائداد کے وقف کا تذکرہ ہے۔ اور جو منقول جائداد کے وقف کا تذکرہ حدیث میں ہے وہ اصل میں صدقہ ہے کہ پوری چیز ہی کا مالک بن گیا۔

[۱۵۳۹] (۱۰) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر وقف کرے زمین اس کے بیلوں کے ساتھ اور بلواہوں کے ساتھ، اور وہ بلواہ اس کے غلام تھے تو جائز ہے۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زمین کو وقف کرنا اصل ہے لیکن اس کے لوازمات اور تابع چیزیں جتنی ہیں وہ سب چاہے منقول ہوں زمین کے ساتھ ان کو بھی وقف کرے تو جائز ہے۔

مذہب وہ فرماتے ہیں کہ بیل اور بلواہ مستقل طور پر تو وقف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ منقول چیز ہیں۔ لیکن زمین کے تابع ہو کر وقف ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بعض چیز اصل طور پر جائز نہ ہو لیکن تابع کے طور پر جائز ہو سکتی ہے۔ جیسے پانی سیراب کرنے کا حق اصل طور پر بیچنا جائز نہیں لیکن تابع ہو کر بک سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ تابع ہو کر منقول چیزوں کا وقف جائز ہے۔

نکتہ ضیعة : کھیتی کی زمین۔ اکرۃ : کھیت میں کام کرنے والے مزدور، بلواہ۔

[۱۵۴۰] (۱۱) امام محمدؒ نے فرمایا گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز ہے۔

مذہب حدیث میں اللہ کے راستے میں گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کرنے کا تذکرہ موجود ہے (۲) عن ابی ہریرۃ قال امر رسول اللہ بصدقۃ فقیل منع ابن جمیل و خالد بن ولید و العباس بن عبد المطلب فقال النبی ما یمنع ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ واما خالد فانکم تظلمون خالد اقد احتبس ادراعه واعتدہ فی سبیل اللہ (الف) (بخاری شریف، حاشیہ : (الف) حضورؐ نے صدقے کا حکم دیا تو کہا گیا کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس بن عبد المطلب نے منع کر دیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا ابن جمیل کو غور نہیں ہے مگر یہ وہ فقیر تھا مگر اللہ اور اس کے رسول نے اس کو مالدار بنا دیا۔ بہر حال خالد تو تم نے اس پر ظلم کیا۔ انہوں نے اپنا زرہ اور ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کر دیا۔

[۱۵۴۱] (۱۲) واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تملكه.

باب قول اللہ فی الرقاب والغارمین فی سبیل اللہ، کتاب الزکوۃ، ۱۹۸ نمبر ۱۴۶۸ / مسلم شریف، باب تقدیم الزکوۃ ومنعها ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۳ (۹۸۳) اس حدیث میں حضرت خالد نے ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کرنا جائز ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے گھوڑا اللہ کے راستے میں وقف کیا۔ ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل اللہ اعطاها رسول اللہ فحمل علیہا رجلا فاخبر عمر انہ وقفہا یبیعہا فسأل رسول اللہ ان یتناعہا فقال لا یتناعہا ولا ترجع فی صدقتک (الف) (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۷) اس حدیث میں گھوڑا وقف کیا گیا ہے۔

نوٹ امام محمد فرماتے ہیں جن چیزوں کے وقف کرنے کا لوگوں میں رواج ہو جائے ان کا وقف کرنا بھی جائز ہوگا۔

مذہب لوگوں کے تعامل سے بھی وقف کا جواز ہوگا۔ مثلاً قرآن کریم لوگ مسجدوں میں وقف کرتے ہیں، کھانسی، جنازہ کی چارپائی لوگ وقف کرتے ہیں اس لئے اس کا وقف کرنا بھی جائز ہے (۲) حدیث میں ہے کہ اونٹ وقف کیا گیا ہے۔ عن ابن عباس قال اراد رسول اللہ الحج ... فقلت ما عندی ما احجک علیہ قالت احجنی علی جملک فلاں فقلت ذاک حبیس فی سبیل اللہ عزوجل قال اما انک لو احججتہا علیہ کان فی سبیل اللہ (ب) (ابوداؤد شریف، باب العرۃ ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۹۰) اس حدیث سے اونٹ کے وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا (۳) حضرت زہری کے قول سے دوسری چیزوں کے وقف کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ وقــال الزہری فیمن جعل الف دینار فی سبیل اللہ ودفعہا الی غلام له تاجر یتجر بہا وجعل ربحہ صدقۃ للمساکین والاقربین (ج) (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۷) اس قول سے معلوم ہوا کہ درہم اور دینار بھی وقف کر سکتا ہے کہ اس سے تجارت کر کے جو نفع آئے وہ مساکین کے لئے وقف ہو۔

نکتہ کراع : گھوڑے۔ حبس : روکنا، وقف کرنا۔

[۱۵۴۱] (۱۲) جب وقف صحیح ہو جائے تو اس کا بیچنا صحیح نہیں اور نہ کسی کو اس کا مالک بنانا۔

تشریح وقف مکمل ہونے کے بعد اب وقف کی جائداد کا کسی کو نہ مالک بنایا جاسکتا ہے نہ اس کو بیچ سکتا ہے۔

مذہب پہلے حضرت عمرؓ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ فقال النبی ﷺ تصدق باصلہ لایباع ولا یوہب ولا یورث ولكن

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے گھوڑے کو اللہ کے راستے میں وقف کیا جس کو حضورؐ نے دیا تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے خبر دی کہ اس کے وقف کا مال فروخت ہو رہا ہے، پس حضور کو پوچھا کہ کیا اس کو خرید لوں، پس آپؐ نے کہا اس کو مت خرید و اور اپنے صدقے کو واپس مت لو (ب) حضورؐ نے حج کا ارادہ کیا... میں نے کہا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر حج کروں۔ آپؐ نے فرمایا اپنے فلاں اونٹ پر حج کرو۔ میں نے کہا وہ اللہ کے راستے میں وقف ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس پر حج کرو تو وہ بھی اللہ کے راستے میں ہی ہے (ج) اس کے بارے میں جو ہزار دینار اللہ کے راستے میں دیا اور اس کو ایک غلام دیا تاکہ اس سے تجارت کرے اور اس کا نفع مسکینوں اور رشتہ داروں کے لئے صدقہ ہو۔

[۱۵۴۲] (۱۳) الا ان يكون مشاعا عند ابي يوسف رحمه الله فيطلب الشريك القسمة فتصح مقاسمته [۱۵۴۳] (۱۴) والواجب ان يبتدئ من ارتفاع الوقف بعمارته شرط ذلك الوقف او لم يشترط.

ينفق ثمره (الف) (بخاری شریف، باب وما للوصی ان یعمل فی مال الیتیم وما یأکل منه بقدر عمارته ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۴) جس سے معلوم ہوا کہ وقف مال کو نہ بیچا جاسکتا ہے نہ وارث بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہیہ کیا جاسکتا ہے۔

[۱۵۴۲] (۱۳) مگر یہ کہ مشترک ہو امام ابو یوسف کے نزدیک اور شریک طلب کرے تقسیم کرنے کو تو صحیح ہے اس کو تقسیم کرنا۔

تشریح امام ابو یوسف کے نزدیک مشترک جائداد وقف ہو سکتی ہے اس لئے اگر وہ مشترک ہو اور شریک اس کی تقسیم چاہتا ہو تو تقسیم کرنا جائز ہے۔

مجا یہ اس کا اپنا حق ہے اور یہ بدلہ نہیں ہے بلکہ اپنے حصے کو الگ کرنا ہے اس لئے جائز ہوگا۔

[۱۵۴۳] (۱۴) واجب ہے کہ شروع کرے وقف کے منافع سے اس کی مرمت، واقف نے شرط لگائی ہو اس کی یا نہ لگائی ہو۔

تشریح وقف کرنے والے نے چاہے یہ شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو کہ اس جائداد کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کی جائے گی۔ پھر بھی وقف کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کرنا ضروری ہے۔

مجا واقف کا مقصد ہے کہ وقف کی چیز ہمیشہ رہے۔ اور یہ اسی شکل میں ممکن ہے جب وقف کے ٹوٹ پھوٹ کو مرمت کرتا رہے ورنہ وہ جلدی ختم ہو جائے گا۔ اس لئے وقف کے منافع سے پہلے مرمت کا کام کرنا ضروری ہے (۲) حضرت عمر کے وقف کرنے کی لمبی حدیث میں اس کا

اشارہ موجود ہے۔ عن ابن عمر ... لا جناح علی من ولیها ان يأکل منها بالمعروف او یطعم صدیقا غیر متمول (ب)

(بخاری شریف، باب الوقف کیف یکتب ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۴) اس حدیث میں ہے کہ نگران مناسب انداز سے کھا سکتا ہے کیونکہ وہ کام کرتا

ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نفع سے مرمت بھی کرائے گا (۳) حضور کے چھوڑے ہوئے وراثت کے سلسلے میں حدیث یہ ہے۔ عن ابی

هريرة ان رسول الله ﷺ لا تقسم ورثتی دینارا ولا درهما ما ترک بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة (ج)

(بخاری شریف، باب نفقة التیم للوقف ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۶) اس حدیث میں ہے کہ میرے کام کرنے والے کے خرچ کے بعد صدقہ ہے تو

معلوم ہوا کہ وقف پر کام کرنے والے کا خرچ نفع میں سے نکالا جائے گا تو اس پر قیاس کرتے ہوئے مرمت کا خرچ بھی نفع سے نکالا جائے گا

ورنہ تو وقف ہمیشہ نہیں رہ سکے گا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اصل کو صدقہ کر دے اس طرح کہ اس کو بیچا نہ جائے، نہ ہیہ کیا جائے اور نہ وارث بنایا جائے لیکن اس کے بچوں کو خرچ کیا جائے

(ب) ابن عمر سے روایت ہے کہ... حرج کی بات نہیں ہے اس پر جو نگران بنے یہ کہ کھائے مناسب انداز سے یا بغیر مالدار بنائے دوستوں کو کھلائے۔ (ج) میری

وراثت کے درہم اور دینار تقسیم نہ کرنا جو کچھ میری بیوی کے نفقے اور نگران کے خرچ کے بعد چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

[۱۵۴۴] (۱۵) واذا وقف دارا علی سکنی ولده فالعمارة علی من له السکنی [۱۵۴۵] (۱۶) فان امتنع من ذلك او كان فقیرا آجرها الحاکم وعمرها باجرتها فاذا عمرت ردها الی من له السکنی [۱۵۴۶] (۱۷) وما انهدم من بناء الوقف آلتہ صرفه الحاکم فی

[۱۵۴۴] (۱۵) اگر وقف کیا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لئے تو مرمت کرنا اس پر ہے جس کے لئے رہائش ہے۔

تشریح کسی مخصوص آدمی کی رہائش کے لئے گھر وقف کیا تو گھر کا کرایہ وغیرہ تو نہیں آئے گا اس لئے اس گھر کی مرمت کی ذمہ داری رہنے والے کے اوپر ہے۔ وہ اپنی آمدنی سے اس کی مرمت کروائے۔

مجموعہ جب وہ رہ رہا ہے تو الخراج بالضممان کے تحت اس پر ہی مرمت کی ذمہ داری ہوگی (۲) جس طرح خدمت کا غلام ہو تو اس غلام کا کھانا خرچ خدمت کرانے والے پر ہوتا ہے اسی طرح گھر کی مرمت رہنے والے پر ہوگی۔ اور رشتہ داروں پر گھر وقف کرنے کی حدیث یہ ہے۔ سمع انس بن مالک ... قال ابو طلحة افعل ذلك يا رسول الله! فقسمها ابو طلحة فی اقاربہ وبنی عمہ (الف) (بخاری شریف، باب اذواق ارضاء لم بین الحد ودفھو جائز وکذا لک الصدقة ص ۳۸۸ نمبر ۶۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لئے بھی وقف کر سکتا ہے۔

لغت سکنی : رہائش۔

[۱۵۴۵] (۱۶) اگر مرمت کرنے سے رک جائے یا فقیر ہو تو اجرت پردے گا اس کو حاکم اور اس کی مرمت کرائے گا اس کی اجرت سے، پس جب مرمت ہوگئی تو اس کو واپس کر دے اس کی طرف جس کی رہائش ہے۔

تشریح جس کو رہنے کے لئے دیا ہے وہ مرمت نہیں کرارہا ہے۔ یا فقیر ہے جس کی وجہ سے مرمت کرانا مشکل ہے تو اس کی صورت یہ کی جائے گی کہ اس مکان کو دوسرے کو کرائے پر حاکم دے گا اور کرایہ سے اس کی مرمت کرائے گا، پس جب مرمت کرا کر پہلی حالت پر مکان آجائے تو دوبارہ اس مکان کو اس فقیر کو دے دیگا جس پر واقف نے وقف کیا تھا۔

مجموعہ رہنے والا آدمی مرمت نہیں کرارہا ہے اور اس کی مرمت کرانا بھی ضروری ہے تو یہی شکل نکل سکتی ہے کہ دوسروں کو کرایہ پر دیدے اور اس سے جو آمدنی آئے اس سے مرمت کرائے۔ اور مرمت کرانے کے بعد کرایہ پر دینے کی ضرورت نہیں رہی اور موقوف علیہ کا حق مقدم ہے اس لئے دوبارہ اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

لغت آجر : اجرت پر دینا۔

[۱۵۴۶] (۱۷) جو کچھ گرجائے وقف کی عمارت سے اور اس کے آلے سے تو حاکم اس کو صرف کرے گا وقف کی مرمت کرانے میں اگر اس کی ضرورت ہو۔ اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو رکھ لے یہاں تک کہ اس کی مرمت کی ضرورت ہوتا کہ اس میں اس کو صرف کرے۔ اور نہیں جائز

حاشیہ : (الف) ابوطلحہ نے فرمایا یہ کروں گا یا رسول اللہ! پس ابوطلحہ نے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

عمارة الوقف ان احتاج اليه وان استغنى عنه امسكه حتى يحتاج الى عمارته فيصرفه فيها

ہے کہ اس کو وقف کے مستحقوں کے درمیان تقسیم کرے۔

تشریح اگر وقف کی عمارت سے اینٹ، لکڑی وغیرہ گر کر الگ ہو جائے تو ان کو اسی وقف کی مرمت میں استعمال کرے۔ اور اگر ابھی استعمال کی ضرورت نہ ہو تو اس کو رکھے رہے تاکہ جب اس کی ضرورت ہو اس وقت یہ گری ہوئی چیزیں استعمال کرے، تاہم وقف کے مستحقین کے درمیان اس کو تقسیم نہ کرے۔

مجہ مستحقوں کا حق نفع میں ہے، عین شیء میں نہیں ہے۔ اور یہ عین شیء ہے اس لئے اس کو ان کے درمیان تقسیم نہ کرے۔ اور گری ہوئی چیز کو برباد بھی نہیں کر سکتے اس لئے اس کو ضرورت کے موقع کے لئے محفوظ رکھے (۲) احادیث میں ہے کعبہ کے باقی ماندہ چیزوں کو مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ اس کی مرمت کے لئے محفوظ رکھا۔ عن ابی وائل قال جلست الى شيبه في هذا المسجد قال جلس الى عمر في مجلسك هذا فقال هممت ان لا ادع فيها صفراء ولا بيضاء الا قسمتها بين المسلمين قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم يفعله صاحبك قال هما المرآن يقتدى بهما (الف) (بخاری شریف، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ ص ۱۰۸۰ نمبر ۷۲۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة) اس حدیث میں کعبہ کا ہدیہ جو وقف میں سے تھا لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ وقف کی عمارت سے گری ہوئی لکڑی وغیرہ بھی مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا (۳) دخل شيبه بن عثمان الحجبي على عائشة فقال يا ام المؤمنين ان ثياب الكعبة تجتمع علينا فتكثر فنعمد الى ابار فنحتفرها فنعمقها ثم ندفن ثياب الكعبة فيها كيلا يلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثياب الكعبة اذا نزعتم منها لم يضرها ان يلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها في المساكين وفي سبيل الله قالت فكان شيبه بعد ذلك يرسل بها الى اليمن فتباع هناك ثم يجعل ثمنها في المساكين وفي سبيل الله وابن السبيل (ب) (سنن للبيهقي، باب ما جاء في مال الكعبة وكسوتها، ج خامس، ص ۲۶۰، نمبر ۹۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابی وائل فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیبہ کے پاس اس مسجد میں بیٹھا۔ کہا کہ حضرت عمر آپ ہی کی طرح بیٹھے۔ پس انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں کوئی سونا اور چاندی کعبہ میں نہ چھوڑوں مگر اس کو مسلمان میں تقسیم کر دوں۔ تو میں نے کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں تقسیم نہیں کر سکتے؟ حضرت شیبہ نے کہا آپ کے دونوں ساتھی یعنی حضور اور ابو بکر نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمر کہنے لگے وہی دونوں مقتدا ہیں (ب) حضرت شیبہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا ام المؤمنین! کعبہ کے کپڑے جمع ہو جاتے ہیں اور بہت ہو جاتے ہیں، پس میں بہت بڑا گڈھا کھودتا ہوں پھر اس میں کعبہ کے کپڑے دفن کر دیتا ہوں تاکہ اس کو جنبی اور حائضہ نہ پہننے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم نے اچھا نہیں کیا، برا کیا۔ کیونکہ کعبہ کا کپڑا جب نکال دیا جائے تو کوئی نقصان نہیں کہ اس کو جنبی اور حائضہ پہننے۔ لیکن اس کو بیچو اور اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضرت شیبہ ان کپڑوں کو یمن بھیجتے۔ وہاں اس کو بیچا جاتا پھر اس کی قیمت مسکینوں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرتے۔

ولا يجوز ان يقسمه بين مستحقى الوقف [۱۵۴] (۱۸) واذا جعل الوقف غلة الوقف

[۱۵۴] (۱۸) اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی اپنے لئے کر لے یا اس کی نگرانی اپنے لئے کر لے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

شرح واقف نے وقف تو کیا لیکن یہ بھی شرط لگائی کہ اس کی کچھ آمدنی میں بھی استعمال میں لاؤں گا تو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اسی طرح اس نے یہ شرط لگائی کہ اس کی ولایت میں کروں گا اور میں خود اس کا نگران ہوں گا تو یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

مجا ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن انس ان النبی ﷺ رأى رجلا يسوق بدنة فقال له اربكها فقال يا رسول الله انها بدنة فقال في الثالثة او في الرابعة ويلك او ويحك (الف) (بخاری شریف، باب هل ينفع الوقف بوقفه ص ۳۸۵ نمبر ۲۷۵) اس حدیث میں وقف کے اونٹ پر مالک کو سوار ہونے کی ترغیب دی جس سے معلوم ہوا کہ وقف کے مال کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے (۲) فقال رسول الله ﷺ من يشتريها من خالص ماله فيكون دلوها فيها كدلاء المسلمين وله خير منها في الجنة (ب) (دارقطنی، باب وقف المساجد والسقايات ج رابع ص ۱۲۳ نمبر ۴۳۹ بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا او بئرا او اشترى لنفسه مثل دلاء المسلمين ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۸) اس حدیث میں کہا کہ کنواں خریدے اور خریدنے والا بھی عام مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ ڈول نکالے جس سے معلوم ہوا کہ وقف کرنے والا وقف کے مال کو استعمال کر سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وقف کی نگرانی اپنے ذمہ لے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لے سکتا ہے۔

مجا ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ اخبرني غير واحد من آل عمر و آل علي ان عمر و لي صدقته حتى مات وجعلها بعده الى حفصة وان عليا ولي صدقته حتى مات ووليها بعده حسن بن علي وان فاطمة بنت رسول الله وليت صدقتها حتى ماتت وبلغني عن غير واحد من الانصار انه ولي صدقته حتى مات قال في القديم وولي الزبير صدقته حتى قبضه الله وولي عمر بن العاص صدقته حتى قبضه الله وولي المسور بن مخرمة صدقته حتى قبضه الله (ج) (سنن البيهقي، باب جواز الصدقة المحرمة وان لم تقبض، ج سادس، ص ۲۶۷، نمبر ۱۱۹۰۲) اس اثر میں اتنے سارے صحابہ نے اپنے وقف کی نگرانی خود کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وقف کا اونٹ ہانک رہا ہے تو آپؐ نے اس سے کہا سوار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ بدنتہ ہے۔ آپؐ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ میں کہا تیرا ناس ہو یعنی ویک یا ویک کہا (ب) آپؐ نے فرمایا کون خریدے گا اپنے خالص مال سے؟ تاکہ اس کا ڈول اس کنواں میں مسلمان کے ڈول کی طرح ہو جائے۔ اور اس کو جنت میں اس سے بہتر بدلہ ملے (ج) آل عمر اور آل علی کے بہت سے لوگوں نے خبر دی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صدقے کی نگرانی موت تک کی اور اس کے بعد حفصہ کے لئے کیا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے صدقے کی نگرانی کی موت تک۔ اس کے بعد حسن بن علیؓ نے نگرانی کی۔ اور فاطمہؓ نے اپنے صدقے کی نگرانی کی۔ اور انصار کے بہت سے لوگوں سے خبر ملی ہے کہ انہوں نے موت تک صدقے کی نگرانی کی۔ حضرت زبیرؓ نے موت تک صدقے کی نگرانی کی۔ عمرو بن عاصؓ نے موت تک اپنے صدقے کی نگرانی کی۔ مسور بن مخرمہؓ نے موت تک اپنے صدقے کی نگرانی کی۔

لنفسه او جعل الولاية اليه جاز عند ابی یوسف رحمه الله وقال محمد لا يجوز [۱۵۴۸] (۱۹) واذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویأذن للناس بالصلوة فيه فاذا صلی فيه واحد زال ملکه عنه عند ابی حنیفة رحمه الله [۱۵۴۹] (۲۰) وقال ابو یوسف یزول ملکه عنه بقوله جعلت مسجدا [۱۵۵۰] (۲۱) ومن بنی سقایة

ہیں۔ اس لئے خود وقف کی نگرانی کرنا چاہئے تو کر سکتا ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف اپنے استعمال کے لئے شرط لگائے تو نہیں لگا سکتا۔

مجمع وقف کے بعد یہ مال اللہ کا ہو گیا اس لئے اب اپنے استعمال کرنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں صدقہ کو واپس کرنے سے منع کیا ہے۔ اور وقف کا مال ایک قسم کا صدقہ ہے اس لئے اس کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل اللہ اعطاها رسول اللہ فحمل علیہا رجلا فاخبر عمر انه قد وقفها بیعہا فسأل رسول اللہ ان یبتاعہا فقال لا یتباعہا ولا ترجعن فی صدقتک (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں صدقہ واپس کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا۔ اس لئے وقف کو خود استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ اور خود نگرانی کی شرط اس لئے نہیں کر سکتا کہ امام محمدؒ کے نزدیک وقف کے مال کو کسی دوسرے نگران اور ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے۔ اس لئے خود نگرانی کرنے کی شرط نہیں لگا سکتا۔

[۱۵۴۸] (۱۹) اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ کر دے اس کے راستے کے ساتھ اور لوگوں کو اجازت دے اس میں نماز پڑھنے کی، پس اس میں ایک آدمی نے نماز پڑھی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہوگئی **تشریح** مسجد بنا کر اس کو باضابطہ اپنی ملکیت سے الگ کرے اور اس میں آنے کا راستہ بھی دے اور سپرد کرنے کے لئے کم از کم ایک آدمی اس میں نماز پڑھے تب مسجد کا وقف مکمل ہوگا۔

مجمع ان کے یہاں ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے اور یہاں کوئی مخصوص ولی نہیں ہے اس لئے ملکیت سے الگ کر کے ایک آدمی کا نماز پڑھوانا کافی ہوگا۔

لغت یفرزه : ملکیت سے علیحدہ کرنا۔

[۱۵۴۹] (۲۰) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اس کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اس کے کہنے سے کہ میں نے مسجد بنادی۔

تشریح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی ولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد بنادی اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔

[۱۵۵۰] (۲۱) کسی نے پینے کی سبیل بنائی مسلمانوں کے لئے یا سرائے بنائی مسافروں کے لئے یا مسافر خانہ بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو

للمسلمین او خانایسکنہ بنو السبیل او رباطا او جعل ارضہ مقبرۃ لم یزل ملکہ عن ذلک عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ حتی یحکم بہ حاکم وقال ابو یوسف رحمہ اللہ یزول ملکہ بالقول وقال محمد اذا استقی الناس من السقایۃ وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرۃ زال الملک۔

زائل نہیں ہوگی اس کی ملک امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں تک کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے۔ اور کہا امام ابو یوسفؒ نے صرف اس کے کہنے سے ملک زائل ہو جائے گی۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر کوئی آدمی پیاؤ سے پانی پی لے اور سرائے خانے اور مسافر خانے میں ٹھہر جائے اور قبرستان میں دفن کرنے لگیں تو ملک زائل ہو جائے گی۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافر خانہ وغیرہ کو وقف کے لئے فیصلہ کرنے کے بعد وقف ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہنے سے وقف ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کوئی مسافر یا مسکین استعمال کر لے تو وقف مکمل ہوگا۔

اصول امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہو تب وقف مکمل ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ صرف کہہ دینے سے کہ وقف کیا اس سے وقف ہو جائے گا۔ اور امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ کہنے بعد جس پر وقف کیا وہ قبضہ کرے مثلاً مسافر خانہ میں مسافر رہے یا سبیل سے پانی پی لے تب وقف مکمل ہوگا۔



کتاب الغصب

[۱۵۵۱] (۱) ومن غصب شیئا مما له مثل فهلك فی یدہ فعلیہ ضمان مثله وان کان مما

ضروری نوٹ غصب کے معنی ہیں زبردستی کسی کے مال کو لے لینا، یہ حرام ہے۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل (الف) (آیت ۱۸۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ کسی کے مال کو باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ اس میں غصب بھی شامل ہے (۲) حدیث میں ہے عن یزید انه سمع النبی ﷺ من ایأخذ احدکم متاع اخیه لاعبا ولا جادا... ومن اخذ عصا اخیه فلیبردها (ب) (ابوداؤد شریف، باب مایأخذ اشیء من مزاج، کتاب الادب ج ثانی ص ۳۳۵ نمبر ۵۰۰۳/ترمذی شریف، باب ماجاء لا تحل لمسلم ان یروع مسلما ج ثانی ص ۳۹ نمبر ۲۱۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو کسی کی چیز غصب نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر کر لیا تو اس کو واپس دینا چاہئے۔

[۱۵۵۱] (۱) اگر کسی نے غصب کیا کسی چیز کو جس کا مثل ہے، پس ہلاک ہوگئی اس کے ہاتھ میں تو اس پر اس کے مثل ضمان ہے۔ اور اگر اس میں سے ہے جس کا مثل نہ ہو تو اس پر اس کی قیمت ہے۔

تشریح اگر کسی نے کسی چیز کو غصب کیا تو یہ حرام ہے۔ تاہم اس کو وہی چیز واپس کر دینا چاہئے۔ اور اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو اگر اس کا مثل ہے تو اس کا مثل واپس کرنا چاہئے۔ مثلاً ایک کو نیکل گےہوں غصب کیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو یہ مثلی چیز ہے اس لئے ایک کو نیکل گےہوں واپس کر دے۔ اور اگر وہ چیز مثلی نہ ہو مثلاً گائے غصب کی اور وہ ہلاک ہوگئی تو اب گائے کی قیمت واپس کرے گا۔ کیونکہ گائے کا مثل گائے نہیں ہوتی۔ وہ ذوات القیم ہے اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی۔

دلائل : عین مغضوب کو واپس کرنے کی دلیل اوپر کی حدیث ہے۔ ومن اخذ عصا اخیه فلیبردها (ابوداؤد شریف، نمبر ۵۰۰۳) کہ کسی نے بھائی کی لاٹھی غصب کی تو وہی چیز واپس کرنی چاہئے (۲) دوسری حدیث میں ہے عن سمرۃ بن جندب قال قال النبی ﷺ علی الید ما اخذت حتی تؤدیه (ج) (سنن للبیہقی، باب رد المغضوب اذا کان باقیاً، ج سادس، ص ۱۵۸، نمبر ۱۱۵۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عین چیز موجود ہو تو اس کو واپس کرنا چاہئے۔

اور چیز مثلی ہو تو مثل واپس کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم (د) (آیت ۱۹۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جتنا ظلم کیا گیا ہو اتنا تم کر سکتے ہو۔ اسی پر قیاس کر کے جتنا غصب کر کے ہلاک کیا ہو اس کے مثل دینا واجب ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے پیالہ توڑا تو حضورؐ نے اس کے مثل پیالہ مالک کو دیا۔ حدیث یہ ہے عن انس ان النبی ﷺ کان عند بعض نسائه فارسلت احدی امہات المؤمنین مع خادم بقصعة فیہا طعام فضربت ببیدھا فکسرت

حاشیہ : (الف) تمہارے مال آپس میں باطل طریقے پر مت کھاؤ (ب) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھائی کا سامان مذاق کے طور پر یا حقیقت کے طور پر نہ لے... اور جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی کو لیا اس کو اسے واپس کرنا چاہئے (ج) آپؐ نے فرمایا جو کچھ لیا وہ تمہارے ہاتھ پر ہے یہاں تک کہ اس کو ادا کر دو (د) جس نے تم پر ظلم کیا تو تم اسی کے مثل ظلم کرو یعنی بدلہ لو جتنا تم پر ظلم کیا۔

لا مثل له فعليه قيمته [۱۵۵۲] (۲) وعلى الغاصب رد العين المغصوبة [۱۵۵۳] (۳) فان ادعى هلاكها حبسه الحاكم حتى يعلم انها لو كانت باقية لاطهرها ثم قضى عليه

القصة فضمها وجعل فيها الطعام وقال كلوا وحبس الرسول والقصة حتى فرغوا فدفعت القصة الصحيحة وحبس المكسورة (الف) (بخاری شریف، باب اذا كسر قصعة او شيئا لغيره اس ۳۳۷ نمبر ۲۳۸۱) اس حدیث میں پیالے کے مثل حضور نے پیالہ دیا جس سے مثل دینا واجب ہوا۔

اور اگر مغصوب چیز کا مثل نہ ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

وجہ جب مثل نہیں ہے تو آخر قیمت دے کر ہی مکافات کی جائے (۲) قیمت دینے کا ثبوت اس حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال من اعتق شقیصا من مملو کہ فعليه خلاصه فی ماله فان لم یکن له مال قوم المملوک قيمة عدل ثم استسعی غیر مشقوق علیه (ب) (بخاری شریف، باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمۃ عدل، ص ۳۳۹ نمبر ۲۴۹۲، کتاب الشرکۃ) اس حدیث میں غلام کی قیمت لگا کر فیصلہ کیا گیا ہے جس سے مغصوب چیز کی قیمت دینے کا ثبوت ہوا۔

[۱۵۵۲] (۲) اور غاصب پر مغصوب چیز کے عین کو واپس کرنا واجب ہے۔

تشریح عین مغصوب موجود ہو تو عین مغصوب کو واپس کرنا واجب ہے۔

وجہ اس لئے کہ وہی چیز مالک سے غصب کی ہے اس لئے اسی کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اس کا مثل یا اس کی قیمت کو واپس کرنا تو مجبوری کے درجے میں ہے (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے جس میں عین چیز کو واپس کرنے کا حکم تھا۔ فمن اخذ عصا اخیه فلیردھا الیہ (ترمذی شریف، نمبر ۲۱۶۰/۱ ابوداؤد شریف، نمبر ۵۰۰۳)

[۱۵۵۳] (۳) اگر غاصب نے دعویٰ کیا مغصوب چیز کے ہلاک ہونے کا تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ باقی ہو تی تو ضرور ظاہر کر دیتا پھر اس پر فیصلہ کیا جائے گا اس کے بدلے کا۔

تشریح غاصب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مغصوب چیز ہلاک ہو گئی تو حاکم فوری طور پر اس کی بات نہ مانے بلکہ اس پر علامت طلب کرے اور وہ نہ ہو تو اس کو قید کرے۔ اور اتنی دیر قید میں رکھے کہ اگر واقعی وہ چیز غاصب کے پاس موجود ہوتی تو وہ اس کو ظاہر کر دیتا۔ لیکن ابھی تک ظاہر نہیں کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز واقعی ہلاک ہو گئی ہے۔ اب اس کے مثل یا قیمت کا حاکم فیصلہ کرے۔

وجہ عین چیز واپس کرنا اصل ہے اس لئے اس کو ظاہر کرنے اور واپس دلوانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) آپ بعض بیوی کے پاس تھے (حضرت عائشہؓ کے پاس) ام المؤمنین میں سے کسی ایک نے خادم کے ساتھ پیالہ بھیجا اس میں کھانا تھا۔ پس اس کے ہاتھ کو مارا پس پیالہ ٹوٹ گیا۔ پس آپ نے اس کو ملایا اور اس میں کھانا رکھا اور آپ نے فرمایا کھاؤ۔ اور حضورؐ نے قاصداً اور پیالے کو روکے رکھا یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو گئے پھر صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹے ہوئے پیالے کو رکھ لیا (ب) کسی نے غلام کے حصے کو آزاد کیا تو اس پر اپنا مال دیکر چھڑانا لازم ہے۔ پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی قیمت عدل لگائی جائے گی۔ پھر غلام پر مشقت نہ ہو اس طرح اس سے سعی کرائی جائے گی۔

بدلہا [۱۵۵۴] (۴) والغصب فيما ينقل ويحول [۱۵۵۵] (۵) واذا غصب عقارا فهلك في يده لم يضمنه عند ابي حنيفة و ابي يوسف رحمهما الله وقال محمد يضمنه.

اصول حقیقت حال کو ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

نکتہ جس کسی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے جو وقتی طور پر قید کرتے ہیں اس کو جس کہتے ہیں۔

[۱۵۵۴] (۴) اور غصب ہے اس چیز میں جو منقول ہوتی ہو اور تبدیل ہوتی ہو۔

تشریح جو چیز منتقل ہوتی ہو وہ غصب ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور جائیداد جو منتقل نہیں ہو سکتی اس پر کوئی غصب کرے تو اس کو غصب شمار نہیں کیا جائے گا۔

مذہب اس پر مکمل قبضہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کو منتقل کر کے اپنی ملکیت میں کر سکتا ہے۔ جبکہ زمین اور جائیداد کو منتقل کر کے کہاں لے جاسکے گا؟ اس لئے اس پر غصب کا اطلاق نہیں ہوگا۔

[۱۵۵۵] (۵) اور اگر زمین غصب کی اور اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا اور امام محمد نے فرمایا ضامن ہوگا۔

تشریح امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زمین پر قبضہ کرنے سے غصب کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اس لئے اگر زمین ہلاک ہو جائے تو غاصب پر ضمان نہیں ہے۔

مذہب زمین کو اٹھا کر کہاں لے جائے گا؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ زمین کو نقصان دے گا اور اس کو خراب کرے گا۔ یا مکان ہے تو اس کو خراب کرے گا۔ تو اس نقصان کا ضمان غاصب پر لازم ہو جائے گا لیکن غصب کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا (۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احيا ارضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم حق (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات ص نمبر ۳۰۷ / ترمذی شریف، باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات ص نمبر ۱۳۷۸) اس میں عرق ظالم کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی زمین غصب کر کے اس میں پودا بویا تو اس کو کوئی حق نہیں ملے گا یعنی غصب شمار نہیں ہوگا۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ زمین پر بھی غصب کرے تو اس پر غصب کا اطلاق ہوتا ہے۔

مذہب کیونکہ اس کے قبضے کے بعد مالک بے دخلی ہو جاتا ہے۔ اور اسی بے دخلی کا نام غصب ہے۔ چاہے اس کو منتقل کر کے دوسری جگہ نہ لے جا سکتا ہو (۲) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ زمین پر قبضہ کرنے سے غصب کا اطلاق ہوگا۔ حدیث یہ ہے عن سالم عن ابيه انه قال قال النبی ﷺ من اخذ من الارض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة الى سبع ارضين (ب) (بخاری شریف، باب اثم من ظلم شيئا من الارض ص نمبر ۲۴۵۴ / مسلم شریف، باب تحريم الظلم وغصب الارض وغيرها ص نمبر ۱۶۱۰) اس حدیث میں ہے کہ کسی نے کسی کی حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا جس نے بجز زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے اور ظالم کی جڑ کے لئے کوئی حق نہیں یعنی غصب کر کے آباد کیا تو اس کو وہ زمین نہیں ملے گی (ب) آپ نے فرمایا کسی نے زمین میں سے کچھ ناحق لیا تو قیامت تک سات زمین تک دھنسیا جائے گا۔

[۱۵۵۶] (۶) وما نقص منه بفعله او سکناه ضمنه فی قولهم جميعا [۱۵۵۷] (۷) واذا

هلك المغصوب فی يد الغاصب بفعله او بغير فعله فعليه ضمانه [۱۵۵۸] (۸) وان نقص

زمین کو ناحق لے لیا تو قیامت کے دن تک سات زمینوں تک دھنسا یا جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ زمین کو لینا اور غصب کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے غصب کرنے کے بعد ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

اصول امام محمد کے نزدیک غصب کے لئے چیز کا منتقل ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے زمین بھی مغصوب ہو سکتی ہے۔

لغت : عقار : زمین

[۱۵۵۶] (۶) اور جو نقص آجائے غاصب کے فعل سے اور اس کی رہائش سے تو سب کے قول میں وہ ضامن ہوگا۔

تشریح غاصب کے فعل کی وجہ سے یا غاصب کے رہنے کی وجہ سے زمین میں نقص آگیا تو اس نقص کا ضمان تینوں اماموں کے نزدیک غاصب پر لازم ہوگا۔

وجہ نقص کیا ہے اس لئے اس کا ضمان لازم ہوگا (۲) اوپر حدیث میں گزرا کہ پیالہ توڑ دیا تو اس کے بدلے میں صحیح پیالہ آپؐ نے دیا۔ عن انس ... فدفع القصعة الصحيحة وحسب المكسورة (الف) (بخاری شریف، باب اذا كسر قصعة او شيئا لغيره ص ۳۳۷ نمبر ۲۳۸۱) جس سے معلوم ہوا کہ زمین یا گھر میں جو نقصان ہوا ہو اس کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

[۱۵۵۷] (۷) اگر ہلاک ہو جائے مغصوب چیز غاصب کے ہاتھ میں غاصب کے فعل سے یا بغیر اس کے فعل سے تو اس کے اوپر اس کا ضمان ہے۔

تشریح غاصب کے قبضے میں مغصوب چیز تھی اور اس دوران مغصوب چیز غاصب کی حرکت کی وجہ سے یا کسی اور کی حرکت کی وجہ سے ہلاک ہوگئی تو غاصب پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔

وجہ چونکہ مغصوب چیز غاصب کے حوالے ہے اس لئے چاہے وہ ہلاک کرے یا اس کے قبضے میں رہتے ہوئے کسی اور نے ہلاک کی، دونوں صورتوں میں غاصب ہی ضمان کا ذمہ دار ہوگا (۲) پیالے والی حدیث میں حضرت عائشہؓ نے پیالہ توڑا تھا لیکن حضورؐ نے اس کا بدلہ دیا۔ کیونکہ حضورؐ کی ذمہ داری میں پیالہ تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ غاصب کی ذمہ داری میں کوئی بھی ہلاک کرے تو غاصب ہی ضمان کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۵۵۸] (۸) اور اگر اس کے قبضے میں نقصان ہو جائے تو اس پر نقصان کا ضمان ہوگا۔

تشریح غاصب کے قبضے میں مغصوب چیز تھی تو اس دوران مغصوب چیز ہلاک تو نہیں ہوئی البتہ اس میں کچھ نقصان ہو گیا تو نقصان کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکی ہے اور پیالے والی حدیث بھی اوپر گزر گئی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔

فی یدہ فعلیہ ضمان نقصان [۱۵۵۹] (۹) ومن ذبح شاة غیرہ بغير امرہ فمالکها بالخيار ان شاء ضمنہ قیمتها وسلمها اليه وان شاء ضمنہ نقصانها [۱۵۶۰] (۱۰) ومن خرق ثوب غیرہ خرقا يسيرا ضمن نقصانہ [۱۵۶۱] (۱۱) وان خرق خرقا كثيرا يبطل عامة منافعه

[۱۵۵۹] (۹) کسی نے دوسرے کی بکری بغیر اس کے حکم کے ذبح کر دی تو بکری کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو بکری کی قیمت کا ضامن بنادے اور بکری ذبح کرنے والے کو سپرد کر دے۔ اور چاہے تو اس کے نقصان کا ضامن بنادے۔

تشریح بکری ذبح کرنے کے بعد اس کی دو حیثیتیں ہوجاتی ہیں۔ ایک اعتبار سے وہ ہلاک ہوگئی کیونکہ وہ زندہ نہیں رہی۔ اور دوسرے اعتبار سے اس کا گوشت کھانے کے قابل ہے اس لئے مکمل ہلاک نہیں ہوئی۔ بلکہ اس میں نقصان ہوا۔ اس لئے مالک کو دو اختیار ہوں گے چاہے تو بکری کو ہلاک شمار کر کے پوری بکری کی قیمت غاصب سے وصول کرے اور ذبح شدہ بکری غاصب کو دیدے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ بکری کا گوشت رکھ لے اور زندہ اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جو فرق ہے وہ ذبح کرنے والے سے وصول کرے۔

اصول جہاں ہلاکت اور نقصان دونوں حیثیتیں ہوں وہاں دونوں کی رعایت کی جاسکتی ہے۔

نوٹ اگر جانور غیر ماکول اللحم ہو اور ذبح کے بعد کسی قیمت کے نہ رہے تو وہ ہلاک شمار کیا جائے گا اور غاصب کو پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جرجہ کا گر جا توڑا تو لوگوں نے ان کا گر جانیہ بنا دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ کان رجل فی بنی اسرائیل یقال لہ جرجیح... فاتوہ وکسروا صومعتہ فانزلوہ وسبوا فتوضاً وصلی ثم اتی الغلام فقال من ابوک یا غلام؟ قال الراعی قالوا بنی صومعتک من ذہب، قال لا الا من الطین (الف) (بخاری شریف، باب اذا اهدم حائط فلیمین مثله ص ۳۳۷ نمبر ۲۴۸۲) اس حدیث میں گر جا منہدم کر دیا تو اس کے مثل بنادیا۔

[۱۵۶۰] (۱۰) کسی نے دوسرے کا کپڑا تھوڑا سا پھاڑا تو اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔

وجہ چونکہ تھوڑا سا پھاڑا ہے اس لئے وہ ابھی قابل استفادہ ہے اس لئے کپڑا مکمل ہلاک نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں نقصان ہوا۔ اس لئے مالک پھاڑنے والے سے نقصان کا ضامن لے سکتا ہے۔

[۱۵۶۱] (۱۱) اور اگر بہت زیادہ پھاڑ دیا جس سے اکثر منافع ختم ہو گئے تو اس کے مالک کے لئے جائز ہے کہ اس کی پوری قیمت کا ضامن بنادے۔

تشریح کپڑے کو اتنا زیادہ پھاڑا کہ وہ کسی کام کا نہیں رہا تو اب یہ نقصان نہیں ہے بلکہ کپڑے کی ہلاکت ہے اس لئے مالک کو اس کی پوری قیمت لینے کا اختیار ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک آدمی کا نام جرجیح تھا... لوگوں نے ان کا گر جا توڑ دیا اور ان کو نکالا اور گالیاں دی۔ جرجیح نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر لڑکے کے پاس آکر پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ کہا چرواہا۔ لوگوں نے کہا ہم لوگ سونے کا گر جانیہ بنادیں گے۔ جرجیح نے کہا نہیں، مٹی کا بنادو۔

فلما لکه ان یضمنه جمیع قیمته [۱۵۶۲] (۱۲) واذا تغیرت العین المغصوبة بفعل الغاصب حتی زال اسمها واعظم منافعتها زال ملک المغصوب منه عنها وملكها الغاصب

ترجمہ اور حدیث اوپر گزر گئی (بخاری شریف، نمبر ۲۳۸۲)

لغت خرق : پھاڑا، لیسرا : تھوڑا۔

[۱۵۶۲] (۱۲) اگر بدل جائے عین مغصوب غاصب کے فعل سے یہاں تک کہ اس کا نام زائل ہو جائے یا اعلیٰ منافع ختم ہو جائے تو مغصوب منہ کی ملک اس سے زائل ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن اس کے لئے اس چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ مغصوب کا بدلہ ادا کر دے۔

تشریح اس عبارت میں کئی باتیں بیان کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ غاصب نے مغصوب چیز کے ساتھ ایسی حرکت کی جس سے مغصوب چیز موجود تو ہے لیکن اب اس کا نام بدل کر کچھ اور ہو گیا مثلاً گیہوں تھا اس کو غصب کر کے پیس لیا اب اس کا نام آٹا ہو گیا۔ پہلا نام گیہوں باقی نہیں رہا۔ البتہ معنوی طور پر گیہوں موجود ہے۔ اسی طرح گیہوں کی منفعت بونا ختم ہو گئی اب آٹے کی منفعت روٹی پکانا ہو گئی۔ ایسی صورت میں مصنف فرماتے ہیں کہ چیز کا نام زائل ہوتے ہی مالک کی ملکیت اس سے ختم ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن جب تک اس کا ضمان ادا نہ کر دے غاصب کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں ہے۔

ترجمہ جب مغصوب چیز کا نام بدل گیا یا منافع ختم ہو گئے تو اب غاصب کے ضمان میں داخل ہو گئی۔ اس لئے اب غاصب اس کا مالک ہو جائے گا (۲) ایک حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ آپ ایک صحابی کو دفن کر کے قبرستان سے تشریف لائے۔ ایک عورت نے آپ کی دعوت کی اور بکری ایک پڑوسن کے پاس سے لائی۔ پڑوسن کا شوہر گھر میں نہیں تھا جس کی وجہ سے بغیر اس کی اجازت کے لائی اور ذبح کر کے حضورؐ اور صحابہ کی دعوت کی تو آپؐ نے نوش نہیں فرمایا اور فرمایا کہ اس کو قیدیوں کو کھلا دو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کو ذبح کرنے کے بعد دعوت کرنے والی عورت مالک ہو گئی اس لئے بکری کو مالک کی طرف واپس نہیں کیا۔ لیکن چونکہ ابھی اس کا عوض واپس نہیں کیا تھا اس لئے اس کا استعمال کرنا حلال نہیں تھا۔ اس لئے آپؐ نے نہیں کھایا بلکہ قیدیوں کو کھلا دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ اخبرنا عاصم بن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله ﷺ فی جنازة... ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلها فارسلت المرأة قالت یا رسول الله انی ارسلت الی البقیع یشتری لی شاة فلم اجد فارسلت الی جار لی قد اشتری شاة ان ارسل الی بها بثمانیہ فلم یوجد فارسلت الی امرأته فارسلت الی بها فقال رسول الله ﷺ اطعمیہ الاساری (الف) (ابوداؤد

حاشیہ : (الف) انصار کے راوی نے فرمایا کہ ہم حضور کے ساتھ جنازے میں نکلے... پھر آپؐ نے فرمایا ایسا لگتا ہے کہ بکری کا گوشت بغیر اس کے مالک کی اجازت سے لیا ہے۔ پس دعوت کرنے والی عورت کو بلایا۔ کہنے لگی اے اللہ کے رسول میں نے مقام بقیع کی طرف بکری خریدنے کے لئے بھیجا پس نہیں پایا۔ پس اپنے پڑوسی کو خبر بھیجی جس نے بکری خریدی تھی کہ مجھ کو قیمت کے بدلے بکری بھیج دے پس وہ نہیں ملے۔ پھر میں نے اس کی بیوی کو خبر بھیجی تو انہوں نے بکری بھیج دی تو حضورؐ نے فرمایا قیدیوں کو یہ گوشت کھلا دو۔

وضمنها ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها [۱۵۶۳] (۱۳) وهذا كمن غصب شاة فذبحها وشواها او طبخها او غصب حنطة فطحنها او حديدا فاتخذه سيفاً او صفراً فعمله آنية [۱۵۶۴] (۱۴) وان غصب فضة او ذهباً فضربها دراهم او دنانيراً وآنية لم يزل

شریف، باب فی اجتناب الشبهات ج ثانی ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۳۲ رد دارقطنی، کتاب الاثریہ وغیرہا ج رابع ص ۱۸۹ نمبر ۴۷۱۸ اس حدیث میں بکری دعوت کرنے والی عورت کی ملکیت ہوگئی اسی لئے اس کو واپس نہیں کیا۔ لیکن استعمال کرنا اچھا نہیں تھا اس لئے آپؐ نے نوش نہیں فرمایا **اصول** شیء مغضوب کی ہلاکت سے غاصب مالک ہو جائے گا چاہے ابھی بدلہ نہ دیا ہو۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ غاصب مالک ہو جائے گا اور ضمان دینے سے پہلے اس سے استفادہ بھی کر سکتا ہے۔

مجب کیونکہ غاصب اس کا مالک ہو گیا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مغضوب کے ضمان دینے سے پہلے غاصب اس چیز کا مالک نہیں ہوگا۔

مجب کیونکہ مالک دینے پر راضی نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ابھی اس کا بدلہ ادا کیا ہے۔

لغت المغضوب منه : اس سے مراد مالک ہے کیونکہ اسی سے چیز غصب کی ہے۔

[۱۵۶۳] (۱۳) یہ جیسے کہ بکری غصب کر کے اس کو ذبح کر لیا اور اس کو بھون لیا یا اس کو پکا لیا یا گیہوں غصب کیا اور اس کو پیس لیا یا لوہا غصب کیا اور اس کو تلوار بنا لیا یا پیتل غصب کیا اور اس کو برتن بنا لیا۔

تشریح اس عبارت میں شیء مغضوب کے نام بدل جانے اور اس کے اعظم منافع کے ختم ہو جانے کی چار مثالیں دی ہیں۔ اور اوپر کے اصول پر متفرع کی ہیں۔ مثلاً بکری غصب کی اور اس کو ذبح کر کے بھون لیا یا پکا لیا تو اس کا نام اب بکری نہیں رہا بلکہ سالن اور گوشت ہو گیا تو چونکہ نام بدل گیا اس لئے مالک کی ملکیت زائل ہو گئی اور غاصب اس کا مالک بن گیا۔ یا گیہوں غصب کیا اور پیس کر آٹا بنا دیا یا لوہا غصب کر کے تلوار بنا لیا یا پیتل غصب کر کے اس کو برتن بنا لیا تو ان کے نام زائل ہو گئے اور اعظم منافع زائل ہو گئے اور اب دوسرے منافع ہو گئے اس لئے غاصب مالک ہو گیا۔ البتہ اس کا بدلہ دیئے بغیر اس کو استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔

مجب اوپر گزر گئی ہے۔

لغت شواہا : بھون لیا، طحن : پیس دیا، صفر : پیتل، آمیہ : برتن۔

[۱۵۶۴] (۱۴) اور اگر چاندی یا سونا غصب کیا اور ان کو درہم یا دینار ڈھال لیا یا برتن بنا لیا تو ان سے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی چاہے ڈلی کی حالت میں ہوں چاہے سکوں کی حالت میں ہوں اور چاہے برتن کی حالت میں ہوں پھر بھی وہ سونا اور چاندی ہی ہیں اور ان کو ٹخن ہی گنے جائیں گے۔ اس لئے سونا چاندی غصب کر کے غاصب ان کو کسی حال میں بھی ڈھال لے ان کا اصل نام ٹخن باقی ہے اور اعظم منافع یعنی ثمنیت باقی ہے اس لئے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔ اور غاصب ان کا مالک نہیں ہوگا۔ یہ امام

ملک مالکھا عنھا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ [۱۵۶۵] (۱۵) ومن غصب ساجۃ فبنی علیہا زال ملک مالکھا عنھا ولزم الغاصب قیمتھا [۱۵۶۶] (۱۶) ومن غصب ارضا فغرس فیہا او بنی قیل لہ اقلع الغرس والبناء وردھا الی مالکھا فارغۃ فان كانت الارض

ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں بھی ایسی تبدیلی کر دے کہ ان کا نام بدل جائے تو اس سے مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

مذہب اس لئے کہ اب نہ اس کا وہ نام باقی رہا اور نہ اس کی وہ منفعت باقی رہی۔

اصول سونے اور چاندی کے بھی نام بدل جائے تو مالک کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

نکتہ ضرب : ڈھال دیا، مارا۔

[۱۵۶۵] (۱۵) کسی نے شہتیر غصب کیا اور اس پر عمارت بنائی تو مالک کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اور غاصب کو اس کی قیمت لازم ہوگی۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مغضوب چیز نہ ہلاک ہوئی ہے اور نہ اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے البتہ وہ غاصب کے مال کے ساتھ چپک گئی ہے کہ اب اگر مغضوب چیز کو غاصب کے مال سے الگ کرتے ہیں تو غاصب کا بہت بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس صورت میں بھی مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

مذہب مالک کو اس کی چیز واپس دیتے ہیں تو غاصب کی دیوار گر جائے گی اور اس کا نقصان ہوگا اور مالک کو اس کی قیمت دلوائیں تو اس کا نقصان نہیں ہے بلکہ شہتیر کی مکافات ہو جائے گی اس لئے شہتیر کی قیمت دلوانا بہتر ہے۔

اصول ممکن ہو تو غاصب کو بھی نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہتیر مالک کی ہے اور وہ ہلاک بھی نہیں ہوئی ہے اور نہ اس کا نام بدلا ہے اس لئے مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لئے وہ واپس لینا چاہے تو غاصب کی دیوار توڑوا کر لے سکتا ہے۔

نکتہ ساجۃ : شہتیر، درمیان کی وہ موٹی اور لمبی لکڑی جس پر چھپر کھڑی کرتے ہیں۔

[۱۵۶۶] (۱۶) کسی نے زمین غصب کی اور اس میں پودا بویا یا عمارت بنادی تو اس سے کہا جائے گا کہ پودے کو اکھاڑ دے اور عمارت توڑ دو اور خالی کر کے زمین کو مالک کی طرف واپس کر دو۔ پس اگر زمین میں نقص ہوتا ہو ان کے اکھاڑنے سے تو مالک کے لئے جائز ہے کہ اس کو اکھڑی ہوئی عمارت اور پودوں کی قیمت کا ضامن بنائے۔

تشریح کسی نے کسی کی زمین غصب کر لی اور اس میں پودا بویا یا عمارت بنائی تو چونکہ زمین غاصب کی نہیں ہے اس لئے غاصب سے کہا جائے

تنقص بقلع ذلك فللمالك ان يضمن له قيمة البناء والغرس مقلوعا [۱۵۶] (۱)

ومن غصب ثوبا فصبغه احمر او سويقا فالثب بسمن فصاحبه بالخيار ان شاء ضمنه قيمة

گا کہ اپنا پودا اکھاڑ لو اور عمارت منہدم کر لو اور زمین مکمل خالی کر کے مالک کے حوالے کرو۔ کیونکہ تم نے خالی زمین ہی مالک سے لی تھی اس لئے جیسی لی تھی ویسی ہی بحال کر کے زمین مالک کے حوالے کرو۔ اور اگر دیوار توڑنے میں یا درخت کاٹنے میں زمین کا نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور ٹوٹی ہوئی عمارت کی قیمت لگا کر غاصب کو دی جائے گی جو بہت کم ہوگی۔

مجموعہ کیونکہ اس کے ذمے درخت کو کاٹنا اور عمارت کو توڑنا ضروری تھا اس لئے کہ اس نے مالک کی بغیر اجازت کے درخت لگایا تھا اور عمارت تعمیر کی تھی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احيا ارضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم حق (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات ج ثانی ص ۸۱ نمبر ۳۰۷۷ رتزدی شریف، باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات ص ۲۵۶ نمبر ۱۳۷۸) اس حدیث میں لیس لعرق ظالم حق کا ترجمہ ہے کہ کسی نے زمین غصب کر کے پودا پودیا تو اس کو اس کا حق نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اوپر کے مسئلے میں غاصب نے پودا پودیا یا عمارت بنادی تو اس کو توڑ کر واپس کرنا ہوگا (۳) دوسری حدیث میں ہے عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله ﷺ انه من زرع في ارض قوم بغير اذنهم فليس لي من الزرع شيء وله نفقته (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۳ رتزدی شریف، باب ما جاء فی زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۶) اس حدیث سے پتہ چلا کہ غصب کر کے کھیتی کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا صرف اس کی مزدوری ملے گی (۴) زمین خالی کر کے سپرد کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن یحیی بن عروہ عن ابیه ... ان رجلین اختصما الی رسول الله ﷺ غرس احدهما نخلا فی ارض الآخر فقضى لصاحب الارض بارضه وامر صاحب النخل ان يخرج نخله منها قال فلقد رأيتها وانها لتضرب اصولها بالفؤس وانها لنخل عم حتى اخرجت منها (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات، ص ۸۱ نمبر ۳۰۷۷ سنن للبیہقی، باب من بنی او غرس فی ارض غیره، ج سادس، ص ۱۵۰، نمبر ۱۱۴۸۸) اس حدیث میں کھجور کے درخت کو اکھاڑ کر زمین خالی کر کے مالک کو سپرد کرنے کے کو کہا ہے۔

نعت غرس : پودا لگانا، قلع : اکھیڑنا۔

[۱۵۶] (۱) کسی نے کپڑا غصب کیا اور اس کو سرخ رنگ میں رنگ دیا یا ستون غصب کیا اور اس میں گھی ملا دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو سفید کپڑے کا ضامن بنائے اور ستون کے مثل کا ضامن بنائے اور ان کو غاصب کو سپرد کر دے۔ اور اگر چاہے تو دونوں کو لے لے

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے مردہ زمین کو زندہ کیا یعنی آباد کیا تو وہ زمین اسی کی ہے۔ لیکن ظالم کی جڑ کے لئے کوئی حق نہیں ہے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے دوسرے کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کی تو اس کو کھیتی میں سے کچھ نہیں ملے گی۔ اس کو کھیتی کرنے کا خرچ ملے گا (ج) دو آدمی حضورؐ کے پاس جھگڑالے کر گئے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کی زمین میں کھجور کا درخت بویا تھا۔ تو آپ نے زمین والے کے لئے زمین کا فیصلہ کیا اور کھجور والے کو حکم دیا کہ اپنے درخت کو اکھاڑ لے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس کی جڑوں میں کلہاڑی مار رہے ہیں اور وہ بڑا درخت تھا یہاں تک کہ اس درخت کو نکال دیا۔

ثوب ابيض ومثل السويق وسلمه للغاصب وان شاء اخذهما وضمن ما زاد الصبغ
والسمن فيهما [۱۵۶۸] (۱۸) ومن غصب عينا فغيبها فضمنه المالك قيمتها ملكها
الغاصب بالقيمة.

اور دونوں میں جو رنگنے اور گھی لگانے سے زیادہ ہوا ہے اس کا ضمان دیدے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ چیز غصب کر کے اس میں صفات کی زیادتی کر دی، نقص نہیں کیا تو مالک کو دو اختیار ہیں یا تو اپنی اصل چیز کی قیمت لیکر غاصب کو چیز دیدے یا اپنی چیز غاصب سے لے لے اور صفات کی جو زیادتی ہوئی ہے اس کی قیمت غاصب کے حوالے کر دے۔
وجہ غاصب کی زیادتی کی قیمت غاصب کے حوالے کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن رافع بن خدیج قال قال رسول اللہ ﷺ من زرع فی ارض قوم بغير اذنهم فليس له من الزرع شيء وله نفقته (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغير اذن صاحبها ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۳ ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن زرع فی ارض قوم بغير اذنهم ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۶) اس حدیث میں فرمایا کہ بغیر اجازت کے کھیتی کرنے والے کو اس کے کام کرنے کا خرچ ملے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کو رنگنے والے اور ستو میں گھی ملانے والے کو رنگ اور گھی کی قیمت مل جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مالک اور غاصب دونوں کو نقصان نہ ہو بلکہ حتی الامکان دونوں کو ان کا حق مل جائے۔
صورت مسئلہ : صورت مسئلہ یہ ہے کہ کپڑا غصب کر کے لال رنگ میں رنگ دیا، یا ستو غصب کر کے اس میں گھی ملا دیا تو مالک کو دو اختیار ہیں۔ یا سفید کپڑا اور خالص ستو کی قیمت لیکر غاصب کو کپڑا اور ستو حوالہ کر دے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ رنگ اور گھی کی قیمت غاصب کو دیدے اور اپنا کپڑا اور ستو مالک سے واپس لے لے۔

نکتہ صبغ : رنگا۔ سويق : ستو۔ لت : ملایا، لپیٹا۔ سمن : گھی۔
[۱۵۶۸] (۱۸) کسی نے عین چیز کو غصب کیا اور اس کو غائب کر دیا اور مالک نے اس کی قیمت کا ضمان بنایا تو غاصب اس کی قیمت دے کر مالک ہو جائے گا۔

تشریح کسی نے کسی کی چیز کو غصب کیا اور اس کو غائب کر دیا اور مالک نے اس کی قیمت وصول کر لی تو غاصب اس چیز کا مالک بن جائے گا۔
وجہ اگرچہ غصب سبب محذور ہے لیکن قیمت ادا کرنے کی وجہ سے مالک کی ملکیت سے غاصب کی ملکیت کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قیمت جوادا کر دیا (۲) پیالے والی حدیث میں صحیح پیالہ دینے کے بعد ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پیالے کا مالک بن گئے۔ فدفع القصعة الصحيحة وحبس المكسورة (ب) (بخاری شریف، نمبر ۲۴۸)

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ غصب سبب محذور ہے اس لئے قیمت ادا کرنے کے بعد بھی وہ اس چیز کا مالک نہیں بنے گا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے بغیر اجازت کے کسی کی زمین میں کھیتی کی تو اس کھیتی میں کچھ نہیں ملے گا اور اس کو اس کا خرچ ملے گا (ب) آپ نے صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔

[۱۵۶۹] (۱۹) والقول فی القيمة قول الغاصب مع یمینه الا ان یقیم المالك البینه باكثر من ذلك [۱۵۷۰] (۲۰) فاذا ظهرت العین و قیمتھا اكثر مما ضمن وقد ضمنھا بقول المالك او ببینه اقامھا او بنكول الغاصب عن اليمين فلا خيار للمالك وهو للغاصب [۱۵۷۱] (۲۱) وان كان ضمنھا بقول الغاصب مع یمینه فالمالك بالخيار ان

[۱۵۶۹] (۱۹) اور قول قیمت میں غاصب کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ گریہ کہ مالک بینہ قائم کر دے اس سے زیادہ کا۔

تشریح غصب کی چیز غائب ہوگئی۔ اب مالک اور غاصب کے درمیان اس کی قیمت میں اختلاف ہو گیا تو اگر مالک کے پاس بینہ ہے تو اس کے ذریعہ زیادہ قیمت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر اس کے پاس بینہ نہیں ہے تو غاصب کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ یہاں مالک زیادہ قیمت کا مدعی ہے اور غاصب اس کا منکر ہے اس لئے مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔ [۱۵۷۰] (۲۰) پس اگر عین چیز ظاہر ہو جائے اور اس کی قیمت زیادہ ہے اس سے جو ضمان دیا اور حال یہ تھا کہ اس کا ضمان دیا مالک کے کہنے سے یا گوہ قائم کرنے سے غاصب کے قسم کھانے سے انکار کرنے سے تو مالک کو اختیار نہیں ہوگا اور وہ چیز غاصب کی ہوگی۔

تشریح مغضوب چیز غائب تھی اس درمیان اس کی قیمت مالک کو دلوادی گئی، بعد میں وہ چیز ظاہر ہوئی اور پتہ چلا کہ اس کی قیمت زیادہ تھی۔ پس اگر ان تین صورتوں میں قیمت کا فیصلہ کیا گیا تھا تو مالک کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔ اور نہ مالک کو وہ چیز لینے کا اختیار ہوگا۔ مثلاً مالک کے کہنے پر کہ اس چیز کی قیمت اتنی ہے اس کو قیمت دلوادی گئی تھی تو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔

وجہ خود مالک نے اس کی قیمت اتنی ہی لگائی ہے۔ اس نے اس وقت زیادہ قیمت کیوں نہیں لگائی یہ اس کی غلطی ہے اس لئے زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔ یا مالک نے اتنی قیمت پر بینہ قائم کر کے فیصلہ کروایا تھا تو چونکہ خود ہی اس نے اسی قیمت پر گوہی دے کر فیصلہ کروایا ہے اس لئے وہ پہلے سے کم قیمت پر راضی ہے۔ اس لئے اس کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔ یا مالک کے پاس بینہ نہیں تھا اس لئے غاصب کو قسم کھانے کے لئے کہا۔ غاصب نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے مالک نے جتنی قیمت بتائی اسی پر فیصلہ کر دیا گیا تو اب مالک کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔

وجہ یہ فیصلہ مالک کے قیمت بتانے پر ہوئے ہیں اس لئے چیز کی قیمت زیادہ نکل جائے پھر بھی اس کو زیادہ نہیں دلوائی جائے گی (۲) کیونکہ مالک اتنی ہی قیمت پر راضی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مالک جتنی قیمت پر پہلے راضی ہو چکا ہو تو اس سے زیادہ نہیں دلوائی جائے گی اور نہ مالک کو وہ چیز واپس لینے کا اختیار ہوگا۔

لغت نکول : قسم کھانے سے انکار کرنا۔

[۱۵۷۱] (۲۱) اور اگر چیز کی قیمت دلوائی تھی غاصب کے کہنے سے اس کی قسم کے ساتھ تو مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ضمان کو برقرار رکھے

شاء امضى الضمان وان شاء اخذ العين ورد العوض [۱۵۷۲] (۲۲) وولد المغصوبة ونماؤها وثمره البستان المغصوب امانة في يد الغاصب ان هلك في يده فلا ضمان عليه الا ان يتعدى فيها او يطلبها مالکها فيمنعها اياه [۱۵۷۳] (۲۳) وما نقصت الجارية بالولادة فهو في ضمان الغاصب فان كان في قيمة الولد وفاء به جبر النقصان بالولد

اور چاہے تو مغصوب چیز کو لے لے اور عوض واپس کر دے۔

تشریح مالک کے پاس بتائی ہوئی قیمت پر گواہ نہیں تھا اس لئے غاصب کے لئے قسم کے ساتھ اس کی بات پر قیمت کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ مغصوب چیز کی قیمت اس سے زیادہ ہے تو اب مالک کو دو اختیارات ہیں۔ یا تو پچھلی قیمت کو بحال رکھے اور چیز کو غاصب کے پاس رہنے دے، یا چونکہ مغصوب چیز مل گئی ہے اس لئے اس کو واپس لے لے اور قیمت غاصب کو واپس لوٹا دے۔

وجہ چونکہ اس صورت میں مالک کے کہنے پر قیمت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کو واپس لینے کا حق ہے۔

لغت امضى الضمان : ضمان کو بحال رکھے، العین : اس سے مراد مغصوب چیز ہے۔

[۱۵۷۲] (۲۲) مغصوبہ چیز کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل غاصب کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ اگر اسکے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں تعدی کرے یا مالک اس کو طلب کرے پھر بھی اس کو نہ دے۔

تشریح اس عبارت میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مغصوب چیز کو غصب کیا تو وہ مغصوب ہے لیکن غاصب کے ہاتھ میں جو بڑھوتر ہوئی یا بچہ پیدا ہوا یا باغ غصب کیا پھر اس میں پھل آ گیا تو یہ تمام بڑھوتری غاصب کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہیں۔

وجہ غصب کا مطلب ہے مالک کو بے دخل کرنا اور یہ معنی اصل چیز میں ہوگا۔ بڑھوتری پر تو مالک کا شروع میں دخل ہی نہیں ہے وہ تو غاصب کے ہاتھ میں پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے بڑھوتری غاصب کے ہاتھ میں امانت ہوگی۔ اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مالک بڑھوتری کو غاصب سے مانگے اور غاصب دینے سے انکار کر دے تو اب وہ بڑھوتری امانت کے طور پر نہیں رہی بلکہ انکار کرنے کی وجہ سے گویا کہ غصب کے طور پر ہو گئی۔ اس لئے اب بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہوگی تو غاصب کو ضمان دینا ہوگا۔

اصول بڑھوتری غاصب کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔

لغت نماء : بڑھوتری۔

[۱۵۷۳] (۲۳) اور باندی میں جو کچھ کی آئے ولادت کی وجہ سے تو وہ غاصب کے ضمان میں ہے۔ پس اگر بچے کی قیمت سے نقصان پورا ہو سکے تو بچہ کی وجہ سے نقصان پورا کیا جائے گا اور غاصب سے اس کا ضمان ساقط ہو جائے گا۔

تشریح باندی کی ولادت میں نفع بھی ہے کہ مالک کا ایک غلام بڑھ گیا لیکن ولادت کی وجہ سے باندی میں نقصان بھی ہو گیا تو چونکہ ایک ہی چیز

وسقط ضمانه عن الغاصب [۱۵۷۴] (۲۴) ولا یضمن الغاصب منافع ما غصبه الا ان ینقص باستعماله فیغرم النقصان.

سے فائدہ اور نقصان دونوں ہیں اس لئے بچے کی قیمت سے باندی کا نقصان پورا کیا جائے گا۔ اور جب پورا ہو جائے تو غاصب سے نقصان کا ضمان ساقط ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فائدہ اور نقصان دونوں ہوں تو نقصان کو فائدہ سے پورا کر دیا جائے گا اور غاصب پر نقصان کا ضمان نہیں ہوگا۔

نکتہ وفاء : (پورا ہونا، جبر : نقصان کی مکافات کرنا۔

[۱۵۷۴] (۲۴) نہیں ضامن ہوگا غاصب اس منافع کے جن کو غصب کیا مگر یہ کہ اس کے استعمال سے نقص پیدا ہو جائے تو نقصان کا تاوان دے گا۔

تشریح مثلاً گھر غصب کیا اور ایک مہینے تک اپنے پاس رکھے رہا نہ خود اس میں رہا اور نہ کسی اور کو رہنے دیا تو ایک مہینے کی رہائش کے منافع کی جو اجرت ہوگی غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ ہاں! غاصب کے رہنے کی وجہ سے گھر میں کوئی نقص پیدا ہوتا تو غاصب کو نقصان کا تاوان دینا پڑتا۔

مذہب جب تک کہ منافع عقد اجرت نہ ہو ہمارے یہاں وہ مقوم نہیں ہے۔ اور یہاں عقد اجرت ہوا نہیں اس لئے یہ مقوم نہیں ہے۔ اس لئے غاصب پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ ہاں! رہنے کی وجہ سے گھر کا نقصان ہو جائے تو چونکہ عین چیز کو نقصان کیا اور ہلاک کیا اس لئے اس کی قیمت دینی ہوگی (۲) حضرت علیؑ کے اثر سے پتہ چلتا ہے کہ منافع کی قیمت لازم نہیں ہوگی۔ عن عامر الشعبي في رجل وجد جاريتة في يد رجل قد ولدت منه فاقام البينة انها جاريتة واقام الذی فی یدہ الجارية البينة انه اشتراها قال فقال علیؑ یاخذ صاحب الجارية جاريتہ ویؤخذ البائع بالخلاص، قال سمعت الشعبي يقول ليس الخلاص بشيء من باع مالا یملک فهو لصاحبه ویبتع المشتري البائع بما اعطاه وليس علی البائع اکثر من ان یرد ما اخذ ولا یؤخذ غیره (الف) (سنن للبیہقی، باب من غصب جارية فباعها ثم جاء رب الجارية، ج سادس، ۱۶۶، نمبر ۱۱۵۴۸) اس اثر میں حضرت علیؑ نے مالک کی طرف صرف باندی لوٹانے کا حکم دیا اور مشتری کو کہا کہ بائع کو جتنی قیمت دی ہے وہ واپس لے لے۔ لیکن مشتری نے باندی سے جو فائدہ اٹھایا ہے اس کی کوئی اجرت مشتری پر لازم نہیں کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ منافع کی جب تک اجرت متعین نہ کرے اس وقت تک اس کی اجرت لازم

حاشیہ : (الف) حضرت عامر شعبی نے فرمایا ایک آدمی نے اپنی باندی ایک آدمی کے پاس پائی۔ اس نے اس سے بچہ دیا تھا۔ پس اس نے بینہ قائم کیا کہ اس کی باندی ہے۔ اور جس کے قبضے میں باندی تھی اس نے بینہ قائم کیا کہ اس نے اس کو خریدا ہے۔ پس حضرت علیؑ نے فرمایا کہ باندی والا باندی لے گا اور بائع سے بیع توڑنے کے لئے کہا جائے گا... شعبی سے سنا وہ فرماتے تھے خلاص کوئی چیز نہیں ہے۔ کسی نے کوئی ایسی چیز بیچی جو اس کی نہیں ہے تو وہ اس کے مالک کے لئے ہوگی۔ اور مشتری بائع سے اتنا لے گا جتنا اس کو دیا ہے۔ اور بائع پر اس سے زیادہ لوٹانا ضروری نہیں ہے جتنا لیا ہے۔ اور نہ اس کے علاوہ لے سکتا ہے۔

[۱۵۷۵] (۲۵) واذا استهلك المسلم خمر الذمی او خنزیره ضمن قيمتها وان استهلكهما المسلم لمسلم لم یضمن.

نہیں ہوتی ہے۔

[۱۵۷۵] (۲۵) مسلمان نے ذمی کے شراب کو یا اس کے سور کو ہلاک کر دیا تو دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور اگر ان دونوں کو مسلمان نے مسلمان کا ہلاک کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

مجموعہ ذمی کے حق میں شراب اور سور قیمتی چیز ہیں اس لئے مسلمان نے جب ان کو ضائع کیا تو ان کا ضمان دینا ہوگا۔ البتہ شراب ذواۃ الامثال ہے لیکن مسلمان اس کو خرید نہیں سکتا اس لئے اس کی بھی قیمت ادا کرے گا۔ اور سور ذواۃ القیم ہے ہی اس لئے اس کی تو قیمت دے گا۔ اور مسلمان نے مسلمان کے شراب یا سور کو ہلاک کر دیا تو ان کا ضمان نہیں ہے۔

مجموعہ کیونکہ مسلمان کے حق میں دونوں چیزیں قیمتی نہیں ہے۔ اس لئے ان کو ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ ان چیزوں کو توڑا ہے بلکہ توڑنے کا حکم دیا۔ عن سلمة بن اکوع ان النبی ﷺ رای نیرانا توقد یوم خیبر قال علام توقد هذه النیران قالوا علی الحمر الانیسة قال اکسروها وهریقوها (الف) (بخاری شریف، باب هل تکسر الدنان التی فیہا الخمر اتحرق الزقاق ص ۳۳۶ نمبر ۲۴۷) اس حدیث میں گدھے کے گوشت کو پھینکنے اور اس کے برتن کو توڑنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ ناجائز چیزوں کو توڑنے کا ضمان نہیں ہے (۳) عن انس بن مالک قال کنت اسقی ابا عبیدہ و ابا طلحہ و ابی بن کعب شرابا من فضیح و تمر فجاءهم آت فقال ان الخمر قد حرمت فقال ابو طلحہ یا انس قم الی هذه الجرار فاکسرها قال انس فقمتم الی مہر اس لنا فضربتہا باسفلہ حتی تکسرت (ب) (سنن للبیہقی، باب من اراق مالا تکل الانتفاع به من الخمر وغیرھا وکسرو عانھا، ج ۶ ص ۱۶۷، نمبر ۱۱۵۵۲) اس اثر میں شراب کا برتن توڑا گیا اور کوئی ضمان لازم نہیں کیا اس لئے حرام چیزوں کو توڑنے سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔



حاشیہ : (الف) آپؐ نے آگ دیکھی کہ خیبر کے دن جلانی جارہی ہے تو آپؐ نے فرمایا یہ آگ کس چیز کے لئے جلا رہی ہے؟ کہا ابلی گدھے کے لئے۔ آپؐ نے فرمایا ہانڈی توڑ دو اور گوشت بہادو (ب) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوعبیدہ، ابوطلحہ اور ابی بن کعب کو خشک کھجور اور ترکھور کا شراب پلا رہا تھا۔ پس ایک آنے والے آئے اور کہا کہ شراب حرام ہو گیا ہے۔ تو حضرت ابوطلحہ نے فرمایا اے انس ان مشکوں کو جاؤ توڑ دو۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں کلباڑی کے پاس گیا اور اس سے منکے کے نیچے مارا یہاں تک کہ اس کو توڑ دیا۔

﴿ کتاب الودیعة ﴾

[۱۵۷۶] (۱) الودیعة امانة فی ید المودع اذا هلکت فی یده لم یضمنها [۱۵۷۷] (۲)
وللمودع ان یحفظها بنفسه وبمن فی عیاله.

﴿ کتاب الودیعة ﴾

ضروری نوٹ ودیعت کے معنی امانت رکھنا ہے۔ کوئی اپنا سامان کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے تو اس کو امانت رکھنا کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ ان اللہ یا مرم ان تودوا الامانات الی اهلها (الف) (آیت ۵۸ سورۃ النساء) اس آیت میں امانت کو واپس لوٹانے کی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ من اودع وديعة فلا ضمان عليه (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الودیعة ص ۳۴۳ نمبر ۲۴۰۱ رد القطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۶ نمبر ۲۹۳۸) اس حدیث میں ہے کہ کوئی چیز امانت پر رکھے تو امانت رکھنے والے پر ضمان نہیں ہے۔ اس سے امانت کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہونے پر ضمان نہیں ہے۔

اس باب میں تین الفاظ ہیں (۱) امانت رکھنے والا جس کو مودع کہتے ہیں (وال کے سرہ کے ساتھ) (۲) جس کے پاس امانت رکھی جائے اس کو مودع کہتے ہیں (وال کے فتح کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ) (۳) جو چیز امانت رکھی جائے اس کو ودیعت کہتے ہیں۔

[۱۵۷۶] (۱) ودیعت امانت ہوتی ہے امانت رکھنے والے کے ہاتھ میں۔ اگر اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان نہیں ہوگا **تشریح** جس کے ہاتھ میں امانت رکھی گئی ہے وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا تاوان نہیں ہے۔

وجہ (۱) ابن ماجہ کی حدیث اوپر گزری من اودع وديعة فلا ضمان عليه (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۴۰۱) (۲) رد القطنی میں ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ قال لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان ولا علی المستودع غیر المغل ضمان (ج) (رد القطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۶ نمبر ۲۹۳۹) (۴) قال عمر بن الخطاب العاریة بمنزلة الودیعة ولا ضمان فیہا الا ان یتعدی (د) (مصنف عبدالرزاق، باب العاریة، ج ثامن، ص ۷۹ نمبر ۱۴۷۸۵) اس حدیث اور اوپر کے اثر سے معلوم ہوا کہ امانت بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو امانت پر ضمان نہیں ہے۔

[۱۵۷۷] (۲) امانت رکھنے والے کے لئے جائز ہے کہ خود حفاظت کرے اور ان سے حفاظت کرائے جو اس کے عیال میں ہیں۔

تشریح امانت کے مال کی خود حفاظت کر سکتا ہے اور ان لوگوں سے بھی حفاظت کروا سکتا ہے جو اس کے بال بچے ہیں یا جس کی وہ کفالت کرتا حاشیہ : (الف) اللہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانت امانت والوں کو ادا کرے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے امانت رکھی اس پر ضمان نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا عاریت رکھنے والے پر جو زیادتی نہ کرتا ہو ضمان نہیں ہے، اور امانت رکھنے والے پر جو زیادتی نہ کرتا ہو ضمان نہیں ہے (د) حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا عاریت ودیعت کی طرح ہے اور اس میں ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ تعدی کرے۔

[۱۵۷۸] (۳) فان حفظها بغيرهم او اودعها ضمن الا ان يقع في داره حريق فيسلمها الى جاره او يكون في سفينة وهو يخاف الغرق فيلقبها الى سفينة اخرى [۱۵۷۹] (۴) وان

ہے۔

مجا آدمی ہر وقت گھر میں نہیں رہتا، کبھی باہر بھی جانا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر اپنے اہل و عیال سے امانت کی حفاظت نہ کرائے گا تو کس سے کرائے گا؟ (۲) حضورؐ نے ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ سے امانت کی حفاظت کروائی ہے۔ بلکہ انہیں کے ذریعہ امانت ادا کروائی ہے۔ عن عائشة فی ہجرة النبى ﷺ قالت امر تعنى رسول الله ﷺ عليا ان يتخلف عنه بمكة حتى يؤدى عن رسول الله ﷺ الودائع التى كانت عنده للناس (الف) (سنن للبيهقي، باب ما جاء في الترغيب في اداء الامانات، ج ۱ ص ۴۷۲، نمبر ۱۲۶۹۶) اس حدیث میں حضرت علیؓ نے حضورؐ کی امانت کی حفاظت کی اور اس کو لوگوں کو ادا بھی کیا اور حضرت علیؓ آپؐ کے عیال میں سے تھے۔ اس لئے اہل و عیال سے بھی حفاظت کروا سکتا ہے۔

[۱۵۷۸] (۳) پس اگر اس کی حفاظت کروائی اہل و عیال کے علاوہ سے تو ضامن ہو جائے گا مگر یہ کہ اس کے گھر میں آگ لگ جائے تو اس کو اپنے پڑوسی کے سپرد کر دے یا امانت کشتی میں ہو اور اس کو ڈوبنے کا خوف ہو تو اس کو دوسری کشتی میں ڈال دے۔

تشریح امانت کی چیز کو اپنے اہل و عیال کے علاوہ سے حفاظت کروائی تو مودع اس کا ضامن بن جائے گا۔

مجا مالک مودع کی حفاظت سے راضی ہے اس کے علاوہ کی حفاظت سے راضی نہیں ہے۔ اس لئے دوسروں سے حفاظت کروائی اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔ اس اثر میں ہے عن شريح قال من استودع وديعة فاستودعها بغير اذن اهلها فقد ضمن (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الودیعة، ج ۱ ص ۱۸۲، نمبر ۱۴۸۰۰) اس اثر میں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر امین نے دوسرے کے پاس امانت رکھی اور ہلاک ہوئی تو وہ ضامن ہوگا۔ البتہ ایسی مجبوری ہو جائے کہ پڑوسی کو دینا ضروری ہو جائے اور اس کو دینے میں حفاظت کا زیادہ امکان ہو تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔ مثلاً گھر میں آگ لگ گئی ایسے موقع پر امانت کی چیز حفاظت کی نیت سے پڑوسی کے گھر میں پھینک دی اور امانت ضائع ہو گئی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح امانت کی چیز کشتی میں تھی اور اندیشہ ہوا کہ وہ چیز ڈوب جائے گی جس کی وجہ سے حفاظت کی نیت سے دوسری کشتی میں ڈال دی اور وہ ہلاک ہو گئی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ مجبوری ہو اور حفاظت کی غرض سے عیال کے علاوہ سے حفاظت کروائی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔

نکتہ حریق : آگ لگنا، سفینہ : کشتی۔

[۱۵۷۹] (۴) اگر امانت رکھنے والے نے اپنے مال کے ساتھ ایسے ملا دی کہ الگ نہ ہو سکتی ہو تو اس کا ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ کی ہجرت کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ان کی نیابت کریں۔ یہاں تک کہ حضورؐ کی امانت کو ادا کر دیں جو ان کے پاس لوگوں کی ہے (ب) قاضی شریحؒ نے فرمایا کسی نے امانت رکھی پس اس نے مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے پاس امانت رکھ دی تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

خلطها المودع بماله حتى لا تتميز ضمنها [۱۵۸۰] (۵) فان طلبها صاحبها فحبسها عنه وهو يقدر على تسليمها ضمنها [۱۵۸۱] (۶) وان اختلطت بماله من غير فعله فهو شريك لصاحبها.

تشریح امانت رکھنے والے نے امانت کی چیز کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ اس کو الگ الگ بھی نہیں کر سکتے تو امانت رکھنے والا اس امانت کا ضامن ہو جائے گا اور اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی۔

مجا ملانے کی وجہ سے اب وہ امین نہیں رہا بلکہ ضامن ہو گیا اس لئے اس کو ضمان دینا ہوگا (۲) مالک اب اپنے حق تک نہیں پہنچ سکتا اسلئے یہی صورت ہے کہ اس کو اس کی قیمت مل جائے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن انس بن مالک قال استودعت مالا فوضعتہ مع مالی فہلک من بین مالی فرفعت الی عمر فقال انک لامین فی نفسی ولکن ہلکت من بین مالک فضمنتہ (الف) (سنن للبیہقی، باب الاضمان علی موتہن، ج ۱ ص ۴۷۲، نمبر ۱۲۷۰۴) اس اثر میں امانت کو اپنے مال کے ساتھ ملا دیا اور وہ ہلاک ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے انس بن مالک کو ضامن بنایا۔

لغت خلط : ملا دیا۔

[۱۵۸۰] (۵) پس اگر امانت کو مانگا اس کے مالک نے پس روک لیا امانت رکھنے والے نے مالک سے حالانکہ وہ اس کے دینے پر قدرت رکھتا تھا تو اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح مالک نے امین سے امانت کا مال مانگا اور امین اس کو سپرد کرنے پر قدرت رکھتا تھا پھر بھی سپرد نہیں کیا اور امانت ہلاک ہو گئی تو امین اس مال کا ضامن ہوگا۔

مجا طلب کرنے کے باوجود نہ دینا تعدی ہے اور پہلے اثر میں گزر چکا ہے کہ تعدی کرے گا تو امین ضامن ہو جائے گا۔ قال عمر بن الخطاب العارية بمنزلة الودیعة ولا ضمان فیہا الا ان یتعدی (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب العاریۃ ج ۱ ص ۹۷ نمبر ۱۴۷۸۵) اس اثر کی وجہ سے تعدی کرنے پر امین پر ضمان لازم ہوگا۔ [۱۵۸۱] (۶) اور اگر مل گیا مال بغیر امین کے کچھ کئے تو وہ مالک کے ساتھ شریک ہوگا۔

تشریح اگر امین کے کچھ کئے بغیر امانت کا مال امین کے مال کے ساتھ خلط ملط ہو گیا تو امین مالک کے ساتھ شریک ہو جائے گا ضمان نہیں ہوگا **مجا** امین نے ملایا نہیں ہے خود بخود ملا ہے اس لئے ان کی جانب سے تعدی نہیں ہوئی۔ اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔ البتہ دونوں کا مال مل گیا ہے اس لئے دونوں شریک ہو جائیں گے۔

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کی امانت رکھی پس اس کو اپنے مال کے ساتھ رکھ دیا۔ پس وہ میرے مال کے ساتھ ہلاک ہو گئی، پس اس معاملے کو حضرت عمر کے پاس لے گیا تو انہوں نے فرمایا تم ذات کے اعتبار سے امین ہو لیکن اپنے مال کے ساتھ ہلاک کیا اس لئے تم ضامن ہو گے (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا عاریت و ودیعت کی طرح ہے اور اس میں ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ تعدی کرے۔

[۱۵۸۲] (۷) وان انفق المودع بعضها وهلك الباقي ضمن ذلك القدر [۱۵۸۳] (۸)

فان انفق المودع بعضها ثم رد مثله فخلطه بالباقي ضمن الجميع [۱۵۸۴] (۹) واذا تعدى المودع في الوديعة بان كانت دابة فركبها او ثوبا فلبسه او عبدا فاستخدمه او اودعها

[۱۵۸۴] (۷) اگر خرچ کیا امانت رکھنے والے نے بعض کو اور ہلاک ہوگئی باقی تو اس مقدار ضامن ہو جائے گا۔

تشریح مثلاً ایک ہزار درہم امانت پر رکھے تھے اس میں سے چھ سو درہم امین نے خرچ کر دیئے اور باقی چار سو ہلاک ہو گئے تو وہ امانت کے ہلاک ہوئے۔ کیونکہ اس پر تعدی نہیں کی۔ اور چھ سو درہم جو خرچ کئے اس پر تعدی کی اس لئے اس کا ضمان لازم ہوگا۔ **اصول** یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جتنے پر تعدی کی اس کا ضمان لازم ہوگا اور جتنے پر تعدی نہیں کی وہ امانت کا شمار کیا جائے گا۔

[۱۵۸۳] (۸) اگر امانت رکھنے والے نے اس کے بعض کو خرچ کیا پھر اس کے مثل واپس کیا پھر اس کو باقی کے ساتھ ملا دیا تو تمام کا ضامن ہو جائے گا۔

تشریح اوپر کی مثال میں ایک ہزار امانت پر رکھا۔ اس میں سے چھ سو درہم امین نے خرچ کر دیئے پھر اپنی جانب سے چھ سو درہم واپس لایا اور باقی درہم کے ساتھ ملا دیا اور تمام درہم ہلاک ہو گئے تو امین اب پورے ایک ہزار کا ضامن ہوگا۔

مجا امین نے جو چھ سو خرچ کئے تھے وہ جب تک مالک کے حوالے نہ کرے وہ امین کا ہی درہم ہے۔ اور پہلے قاعدہ گزر گیا کہ امین اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملائے گا تو امانت کا ضمان ہو جائے گا۔ یہاں چھ سو اپنے مال کے ساتھ چار سو امانت کا ملا یا اس لئے اب پورے ایک ہزار کا ضامن ہو جائے گا (۲) پہلے حضرت عمر کا قول گزر چکا ہے۔ حضرت حسن کا ایک قول بھی ہے۔ عن الحسن في الرجل يودع الوديعة فيحر كها يأخذ بعضها قال كان يقول اذا حر كها فقد ضمن (الف) (سنن للبيهقي، باب الاضمان على مؤتمن ج، سادس، ص ۴۷، ۴۸، نمبر ۱۲۷۰۵) اس اثر میں اپنے مال کو امانت کے مال کے ساتھ ملا دیا تو امین کو ضامن بنایا۔ اسی طرح اپنے مال کو امانت کے مال کے ساتھ ملایا اس لئے اپنے پورے مال کا ضامن ہوگا۔ پہلے چھ سو درہم کا تھا اور اب چار سو درہم کا بھی ہو گیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امین کے خرچ کرنے کے بعد جب تک وہ مال مالک کے ہاتھ میں سپرد نہ کرے امین ہی کا شمار کیا جائے گا۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملا دیا تو امانت کا ضامن ہوگا۔

[۱۵۸۴] (۹) اگر امانت رکھنے والے نے امانت میں زیادتی کی اس طرح کہ جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا کپڑا تھا اس کو پہن لیا یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا اس کو دوسرے کے پاس امانت رکھ دیا پھر تعدی زائل کر دی اور اپنے پاس رکھ لیا تو ضمان زائل ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ امین نے امانت میں زیادتی کی لیکن ہلاک کئے بغیر دوبارہ زیادتی ختم کر دی اور امانت کو امانت کی طرح رکھنے لگا تو چونکہ زیادتی ختم ہوگئی اس لئے ضمان بھی زائل ہو جائے گا۔ اب اگر ہلاک ہوئی تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔ مصنف نے اس کی چار

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی امانت رکھے پھر اس کو حرکت دے کر ہلاک کر دے اور کچھ لے لے تو فرماتے تھے کہ جب حرکت دیا تو ضامن ہو جائے گا۔

عند غیرہ ثم ازال التعدی وردھا الی یدہ زال الضمان [۱۵۸۵] (۱۰) فان طلبھا صاحبھا فجددھا ایھا ضمنھا فان عاد الی الاعتراف لم یرأ من الضمان [۱۵۸۶] (۱۱) وللمودع

مثالیں دی ہیں (۱) جانور امانت کا تھا اس لئے اس پر سوار نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن اس پر سوار ہو گیا اس لئے اس پر ہلاک ہونے پر ضمان لازم تھا لیکن اب سوار ہونا چھوڑ دیا اور امانت کی طرح رکھنے لگا تو اب جانور امانت کا شمار کیا جائے گا اور اب ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) کپڑا امانت کا تھا اس کو پہن لیا (۳) غلام تھا اس سے خدمت لینے لگا پھر چھوڑ دیا (۴) یا اپنے پاس امانت رکھنے کے بجائے دوسرے کے پاس امانت پر رکھ دیا پھر واپس کر لیا تو ضمان ساقط ہو جائے گا۔

اصول تعدی کے بعد تعدی ختم کر دے اور امانت کی چیز صحیح سالم ہو تو ضمان ساقط ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں تعدی ختم کرنے کے باوجود ضمان ساقط نہیں ہوگا۔

مذہب وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موجب ضمان ہو گیا تو اب وہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۵۸۵] (۱۰) اگر اس کے مالک نے امانت کو مانگا پس امین نے اس کا انکار کیا تو وہ ضامن ہو جائے گا۔ پھر اگر اعتراف کی طرف لوٹ آیا تو ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح مالک نے اپنی امانت مانگی اس پر امین نے انکار کر دیا کہ آپ کی کوئی امانت میرے پاس نہیں ہے۔ پھر بعد میں اعتراف کر لیا کہ آپ کی امانت میرے پاس ہے۔ اس کے بعد چیز ہلاک ہو گئی تو امین ضامن ہوگا اور اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

مذہب مطالبہ کے بعد امین کے انکار کرنے کی وجہ سے امین کی امانت ہی ختم ہو گئی۔ اب جب تک کہ مالک دوبارہ اس کو امین نہیں بنائے گا وہ امین نہیں ہوگا۔ اور دوبارہ بنایا نہیں ہے اس لئے اعتراف کے باوجود وہ ضامن رہے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امین ہونا ختم ہونے کے بعد دوبارہ باضابطہ امین نہیں بنایا تو وہ امین نہیں ہوگا ضامن ہی ہوگا۔

نکتہ محمد: انکار کیا، اعتراف: اقرار کرنا، لم یرأ: بری نہیں ہوگا۔

[۱۵۸۶] (۱۱) امین کے لئے جائز ہے کہ سفر کرے ودیعت کے ساتھ اگرچہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو۔

تشریح امین امانت کی چیز کو سفر میں لے جانا چاہے تو لے جاسکتا ہے بشرطیکہ مالک نے منع نہ کیا ہو۔ اور راستے میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ اگر مالک نے سفر کرنے سے منع کیا ہو یا سفر میں مال کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کو لیکر سفر نہیں کر سکتا۔ اور اگر سفر کیا اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔

مذہب امین ہر وقت گھر میں تو رہے گا نہیں کبھی سفر بھی کرے گا۔ اور مطلق حفاظت حضر اور سفر دونوں کو شامل ہے اس لئے وہ سفر کر سکتا ہے۔ منع کرنے پر سفر کرے اور ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان حکیم بن حزام صاحب رسول اللہ ﷺ کان یشرط علی الرجل اذا اعطاه مالا مقارضة یضرب له به ان لا تجعل مالی کبد رطبة ولا تحمله فی بحر ولا تنزل به فی بطن سیل فان فعلت شیئا من ذلک فقد ضمنت مالی (دارقطنی، کتاب البیوع ج ۳ ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۴ سنن للبیہقی، کتاب

ان يسافر بالوديعة وان كان لها حمل و مؤنة [۱۵۸۷] (۱۲) واذا اودع رجلا عند رجل وديعة ثم حضر احدهما طلب نصيبها منها لم يدفع اليه شيئا عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى حتى يحضر الآخر وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى يدفع اليه

القراض، ج سادس، ص ۱۸۴، نمبر ۱۱۶۱)

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ معروف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور معروف یہ ہے کہ حضر میں حفاظت کرے سفر میں حفاظت نہ کرے اس لئے امانت کے اٹھانے میں بوجھ اور تکلیف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں سفر میں نہیں لے جاسکتا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر امانت کے اٹھانے کا بوجھ اور تکلیف ہو تو سفر میں نہیں لے جاسکتا۔ کیونکہ اٹھانے کی اجرت مالک پر خواہ مخواہ پڑے گی۔ اس لئے بغیر مالک کی اجازت کے سفر میں نہیں لے جاسکتا۔

نکتہ مؤنة : اٹھانے کی اجرت۔

[۱۵۸۷] (۱۲) اگر امانت پر رکھا دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کچھ امانت پھر ان میں سے ایک آیا اور اس سے اپنا حصہ طلب کیا تو اس کو کچھ نہیں دیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب تک کہ دوسرا نہ آجائے۔ اور فرمایا صاحبین نے اس کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔

تشریح دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کوئی چیز امانت پر رکھی پھر ایک آدمی نے آکر کہا کہ میرا حصہ مجھے دیدیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ جب دونوں شامل ہو کر آئیں گے تب دونوں کو پوری چیز دے دی جائے گی۔

وجہ دونوں نے مشترک طور پر چیز امانت رکھی ہے اب ایک آدمی اپنا حصہ تقسیم کروا کر لینا چاہتا ہے اور تقسیم کرنے کا حق امین کو نہیں ہے اس لئے وہ اس کو نہیں دے سکتا (۲) ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی کچھ چمکا دے کر لینا چاہتا ہے اس لئے اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ عن حنش ان رجسین استودعا امرأة من قريش مائة دينار على ان لا تدفعها الي واحد منها دون صاحبه حتى يجتمعا. فاتاها احدهما فقال ان صاحبي توفي فادفعي الي المال فابت فاختلف البيها ثلاث سنين واستشفع عليها حتى اعطته ثم ان الآخر جاء فقال اعطيني الذي لي فذهب بها الي عمر بن الخطاب فقال له عمر هل بينة؟ قال هي بينتي فقال ما اظنك الا ضامنة (الف) (سنن للبيهقي، باب لاضمان على مؤتمن، ج سادس، ص ۴۷۳، نمبر ۱۲۷۰) اس اثر میں ایک شریک کو دینے سے حضرت عمرؓ نے عورت کو ضامن بنایا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک شریک کو نہیں دے سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ شریک کو اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) دو آدمیوں نے قریش کی ایک عورت کے پاس سود بنا امانت پر رکھے اس شرط پر کہ دونوں میں سے صرف ایک کو نہیں دے گی جب تک کہ دونوں جمع ہو کر نہ آئیں۔ بعد میں عورت کے پاس ایک آیا اور کہا میرا شریک انتقال کر گیا ہے اس لئے مال مجھے دیدیں تو اس نے انکار کیا۔ پس تین سال تک وہ آتے رہے اور سفارش کروا تے رہے۔ یہاں تک کہ عورت نے اس کو امانت دیدی۔ پھر دوسرا شریک آیا اور کہا کہ مجھ کو دو جو میرا مال ہے۔ پس عورت کو حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا گواہ ہے؟ آدمی نے کہا عورت ہی میری گواہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا گمان ہے کہ وہ ضامن بنے گی۔

نصیبہ [۱۵۸۸] (۱۳) وان اودع رجل عند رجلین شیئاً مما یقسم لم یجز ان یدفعه
احدهما الی الآخر ولكنهما یقتسمانه فیحفظ کل واحد منهما نصفه [۱۵۸۹] (۱۴) وان
کان مما لا یقسم جاز ان یحفظ احدهما باذن الآخر [۱۵۹۰] (۱۵) واذا قال صاحب

وجہ وہ اپنا مال مانگ رہا ہے جو اس نے دیا تھا اس لئے مانگنے پر اس کی امانت اس کو سپرد کر دی جائے گی (۲) آیت ہے ان اللہ یا مکرہم ان
تؤدوا الامانات الی اهلها (آیت ۵۸ سورۃ النساء ۴) اس لئے امانت والے کو امانت دے دی جائے گی۔

[۱۵۸۸] (۱۳) اگر امانت پر رکھا ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس کوئی ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو تو جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک
دوسرے کو دے۔ لیکن دونوں تقسیم کرے اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے آدمی کی حفاظت کرے۔

تشریح ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایک ایسی چیز امانت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہو۔ مثلاً ایک ہزار درہم امانت پر رکھا تو امام ابوحنیفہ کی
راے یہ ہے کہ پورے ایک ہزار ایک آدمی کو حفاظت کے لئے نہ دے بلکہ تقسیم کر کے آدھا آدھا دونوں حفاظت کرے۔

وجہ مالک نے دونوں آدمیوں کی حفاظت پر اعتماد کیا ہے ایک آدمی پر نہیں۔ اور مال ایسا ہے کہ تقسیم ہو سکتا ہے اس لئے ایک جگہ رکھنے کی مجبوری
بھی نہیں ہے اس لئے دونوں تقسیم کر کے آدھا آدھا مال حفاظت کرے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ دونوں پر اعتماد کیا ہے اس لئے ایک کے پاس نہ رکھے۔ کیونکہ ایک پر مکمل اعتماد نہیں ہوا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب دونوں پر اعتماد کیا ہے تو ایک آدمی پر بھی مکمل اعتماد ہے اس لئے ایک کی اجازت سے دوسرے کے پاس پورا
ہزار امانت پر رکھ سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ امین دونوں پر اعتماد کرنا ایک پر بھی مکمل اعتماد کرنا ہے۔

[۱۵۸۹] (۱۴) اور اگر امانت ایسی ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو تو جائز ہے کہ ان میں سے ایک حفاظت کرے دوسرے کی اجازت سے۔

وجہ مثلاً ایک گائے ہے اور دو آدمیوں کے پاس امانت پر رکھی تو چونکہ گائے تقسیم نہیں ہو سکتی اس لئے مجبوری کے طور پر ایک امین کی اجازت
سے دوسرے امین کی حفاظت میں رکھ سکتا ہے۔

اصول مجبوری کے درجے میں ایک امین پر مکمل اعتماد کرنے کی ضرورت ہے۔

[۱۵۹۰] (۱۵) اور اگر امانت پر رکھنے والے نے امین سے کہا کہ امانت اپنی بیوی کو سپرد نہ کرنا، پس اس نے اس کو سپرد کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ امانت کی چیز اہل وعیال سے حفاظت کروا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی مجبوری ہے۔ اب ایسی شرط لگانا جس پر عمل کرنا مشکل
ہو وہ شرط باطل ہے۔ اس لئے بیوی کو سپرد کیا اور امانت کی چیز ہلاک ہو گئی تو امین پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

نوٹ اگر ایسی چیز ہو جو اہل وعیال کو دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کو دینے سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو مالک کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کو نہ
دیں صحیح ہے۔ اور اس صورت میں بیوی کو دینے سے ضامن ہوگا۔

الودیعة للمودع لا تسلمها الی زوجتک فسلمها الیها لم یضمن [۱۵۹۱] (۱۶) وان قال له احفظها فی هذا البیت فحفظها فی بیت آخر من الدار لم یضمن وان حفظها فی دار اخرى ضمن.

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اہل وعیال کو حفاظت کے لئے نہ دینے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مجبوری ہے۔

[۱۵۹۱] (۱۶) اور اگر کہا کہ اس کی حفاظت کریں اس کمرے میں، پس اس کی حفاظت کی گھر کے دوسرے کمرے میں تو ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کی حفاظت کی دوسرے گھر میں تو ضامن ہوگا۔

تشریح مالک نے کہا کہ اس گھر کے فلاں کمرے میں امانت کی حفاظت کریں۔ امین نے اسی گھر کے دوسرے کمرے میں اس کی حفاظت کی اور ہلاک ہوگئی تو ضامن نہیں ہوگا۔

مجب ایک گھر کے سارے کمرے حفاظت کے اعتبار سے ایک ہی طرح ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسرے کمرے میں رکھنا حفاظت کے خلاف نہیں ہے اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ حفاظت میں دونوں برابر ہوں تو شرط کے قریب قریب کرنا شرط کی مخالفت نہیں ہے۔ ہاں اگر دوسرا کمرہ حفاظت

کے اعتبار سے پہلے سے کم ہو۔ مثلاً دوسرا کمرہ چور دروازے کے قریب ہو تو پھر اس میں رکھنے سے ضامن بنے گا۔ اور دوسرے گھر میں رکھ دیا تو ضامن ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں اس لئے دوسرے گھر میں رکھنے کی وجہ سے ضامن ہوگا

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ ہر گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں۔



﴿ کتاب العاریۃ ﴾

[۱۵۹۲] (۱) العاریۃ جائزۃ وہی تملیک المنافع بغير عوض [۱۵۹۳] (۲) وتصح بقوله اعرتک واطعمتک هذه الارض ومنحتک هذا الثوب وحملتک علی هذه الدابة اذالم

﴿ کتاب العاریۃ ﴾

ضروری نوٹ عاریت کے معنی ہیں کسی چیز کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے۔ اس کا ثبوت آیت میں ہے ویمنعون الماعون (آیت ۷ سورۃ الماعون ۱۰۷) اس آیت میں کافروں کی صفت بیان کی ہے کہ وہ ماعون یعنی عاریت کی چیز سے بھی روکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ابو طلحہ سے گھوڑا عاریت پر لیا اور سوار ہوئے۔ قال سمعت انساً یقول کان فزع بالمدينة فاستعار النبی ﷺ فرسا من ابی طلحة یقال له المندوب فركبه فلما رجع قال مارینا من شیء وان وجدناه لبحرا (الف) (بخاری شریف، باب من استعار من الناس الفرس ص ۳۵۷ نمبر ۲۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو عاریت پر لینا جائز ہے۔

اس میں جو شخص مالک بنائے اس کو معیر، کہتے ہیں۔ اور جس کو مالک بنایا گیا اس کو مستعیر اور منفعت کو عاریت اور مستعار کہتے ہیں۔ [۱۵۹۲] (۱) عاریت جائز ہے اور وہ منافع کا مالک بنانا ہے بغیر عوض کے۔

تشریح بغیر کسی عوض کے کسی چیز کو دیدیں کہ اس سے فائدہ اٹھا کر چیز مجھے واپس دیدیں اس کو عاریت کہتے ہیں۔

مجا اوپر کی حدیث میں گھوڑے کی منفعت سے فائدہ اٹھا کر آپؐ نے گھوڑا واپس دیدیا (۲) اثر میں ہے۔ عن عبد اللہ قال کنا نعد الماعون علی عهد رسول اللہ ﷺ عاریۃ الدلو والقدر (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی حقوق الممال ص ۲۴۱ نمبر ۱۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کسی کو ڈول اور ہانڈی استعمال کے لئے دے دینا حضورؐ کے زمانے میں ماعون یعنی عاریت سمجھی جاتی تھی۔

[۱۵۹۳] (۲) اور صحیح ہوتی ہے عاریت ان الفاظ کے کہنے سے، میں نے تم کو عاریت پر دیا۔ اور میں نے تم کو یہ زمین کھانے کے لئے دی۔ اور میں نے تم کو یہ کپڑا بخش دیا۔ اور میں نے تم کو اس جانور پر سوار کیا جب کہ وہ اس سے ہبہ کی نیت نہ کرے۔ اور تم کو یہ غلام خدمت کے لئے دیا۔ اور میرا گھرتیرے رہنے کے لئے ہے۔ اور میرا گھرتیرے عمر بھر رہنے کے لئے ہے۔

تشریح مصنفؒ نے یہاں سات الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے کہنے سے عاریت ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں جن سے عاریت کا مفہوم سمجھ میں آئے تو ان سے بھی عاریت منعقد ہوگی۔ ہر ایک جملے کی تشریح پیش خدمت ہے۔ اعرتک کا لفظ صریح استعمال ہوا ہے۔ اطمعتک هذه الارض زمین کھانے کے لئے نہیں دی جاتی بلکہ اس کا غلہ کھانے کے لئے دیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ زمین

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں گھبراہٹ ہوئی تو حضورؐ نے ابو طلحہ سے عاریت پر گھوڑا لیا جس کو مندوب کہتے تھے۔ پس آپؐ اس پر سوار ہوئے۔ پس جب واپس ہوئے تو آپؐ نے فرمایا مجھے تو کوئی نظر نہیں آیا۔ اور اس گھوڑے کو سمندر کی لہروں کی طرح پایا (ب) حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے زمانے میں ماعون کو عاریت شمار کرتے تھے۔ جیسے ڈول اور ہانڈی عاریت پر لینا۔

یرد بہ الہیۃ واخدمتک هذا العبد ودارى لك سکنی ودارى لك عمری سکنی
[۱۵۹۴] (۳) وللمعیر ان یرجع فی العاریۃ متى شاء [۱۵۹۵] (۴) والعاریۃ امانة فی ید

کے غلے سے تم کو استفادہ کرنے کا حق ہے۔ منحتک هذا الثوب کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کپڑے کو مکمل دے دیا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کپڑے کو وقتی طور پر پہننے کے لئے دیا۔ اس لئے اگر ہبہ کی نیت نہ ہو تو عاریت ہی مراد ہوگی۔ اسی طرح حملتک علی هذه الدابة کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب ہے پورا گھوڑا ہبہ کر دیا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وقتی طور پر یہ گھوڑا سوار ہونے کے لئے دے رہا ہوں۔ اس لئے مکمل طور پر گھوڑا دینے کی نیت نہ ہو تو عاریت مراد ہوگی۔ اخدمتک هذا العبد میں تو صاف ہے کہ یہ غلام وقتی طور پر خدمت کے لئے عاریت پر دے رہا ہوں۔ دارى لك سکنی میں بھی میرا گھر تمہارے رہنے کے لئے ہے اس میں عاریت ہے۔ اور دارى لك عمری سکنی میں اگر صرف دارى لك عمری کا جملہ ہوتا تو اس سے ہبہ مفہوم ہوتا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن سکنی کے لفظ نے واضح کر دیا کہ گھر ہبہ نہیں ہے بلکہ صرف عمر بھر رہنے کے لئے عاریت ہے۔ اس لئے ان جملوں سے عاریت ہو جائے گی۔
[۱۵۹۴] (۳) عاریت پر دینے والے کو حق ہے کہ عاریت کو واپس کر لے جب چاہے۔

ترجمہ چونکہ چیز مالک کی ہے اس لئے جب چاہے اس کو واپس لے سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن سمرۃ عن النبی ﷺ قال علی الید ما اخذت حتی تؤدی (نمبر ۳۵۶۱) اور دوسری حدیث میں ہے۔ عن صفوان بن یعلی عن ابیہ قال قال لی رسول اللہ ﷺ اذا اتتک رسلی فاعطهم ثلاثین درعا وثلاثین بعیرا قال قلت یا رسول اللہ اعاریۃ مضمونۃ او عاریۃ مؤداة قال بل مؤداة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص ۱۳۵ نمبر ۳۵۶۶ ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان العاریۃ مؤداة ص ۲۳۹ نمبر ۲۲۶۶ ارداقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۴ نمبر ۲۹۲۸) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عاریت ادا کی جائے گی اس لئے مالک اس کو جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

نکتہ معیر : عاریت پر دینے والا مالک

[۱۵۹۵] (۴) عاریت لینے والے کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہوگا **تشریح** جس شخص کو چیز عاریت پر دی اس کے قبضہ میں عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے۔ اور امانت کا قاعدہ گزر چکا ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

ترجمہ مسئلہ نمبر ۳ میں حدیث گزری۔ قلت یا رسول اللہ اعاریۃ مضمونۃ او عاریۃ مؤداة (ابوداؤد شریف، نمبر ۳۵۶۶) جس سے معلوم ہوا کہ عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے ضمانت نہیں ہوتی۔ عن علی قال لیست العاریۃ مضمونۃ انما هو معروف الا ان یخالف فیضمن (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب العاریۃ، ج ثامن، ص ۷۹ نمبر ۱۲۷۸۸) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے عاریت

حاشیہ : (الف) حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا اگر تمہارے پاس میرا قاصد آئے تو اس کو تیس زرہ اور تیس اونٹ دینا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! عاریت مضمون ہے یا عاریت صرف ادا کرنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا بلکہ عاریت ادا کرنا ہے (ب) حضرت علیؑ نے فرمایا کہ عاریت کا ضمان نہیں ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

المستعیر ان هلك من غير تعد لم يضمن المستعير [۱۵۹۶] (۵) وليس للمستعير ان
يوجر ما استعاره فان آجره فهلك ضمن [۱۵۹۷] (۶) وله ان يعيره اذا كان المستعار

امانت ہے بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مستعیر پر ضمانت نہیں ہے۔

فائدہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عاریت مضمون ہے بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم ہوگا۔ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

وجہ عن صفوان بن امیة ان رسول الله استعار منه ادرعا يوم حنين فقال اغضب يا محمد؟ فقال لا بل عارية مضمونة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۲ رد المحتار، کتاب البیوع ج ۳ ص ۳۵ نمبر ۲۹۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاریت بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان لازم ہوگا کیونکہ وہ مضمون ہے۔

[۱۵۹۶] (۵) عاریت پر لینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اجرت پر رکھے اس چیز کو جس کو عاریت پر لیا۔ پس اگر اجرت پر رکھا اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔

تشریح جس چیز کو عاریت پر لیا اس کو اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔ اور اگر اجرت پر رکھ دیا اور ہلاک ہو گئی تو عاریت پر لینے والا اس کا ضامن ہو جائیگا۔

وجہ اجرت دینے میں الزام ہے اور متعین مدت تک دینا لازم ہو جاتا ہے۔ جبکہ عاریت میں کوئی لزوم نہیں ہے۔ اس لئے اجرت اعلیٰ درجہ کا معاملہ ہوا اور عاریت ادنیٰ درجہ کا معاملہ ہے اس لئے ادنیٰ درجہ کا معاملہ اعلیٰ درجے کو شامل نہیں ہوگا (۲) مثلاً عاریت کو تین دن کے لئے اجرت پر رکھ دیا تو وہ تین دن سے پہلے واپس نہیں دے گا اور عاریت والا مثلاً ابھی فوراً واپس مانگ لے گا تو تین دن تک کیسے رکھ سکے گا۔ اس لئے بھی عاریت والا اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔

[۱۵۹۷] (۶) اور عاریت پر لینے والے کے لئے جائز ہے کہ اس کو دوسرے کو عاریت پر دے دے جبکہ استعمال کرنے والے کے استعمال کرنے سے مستعار چیز متغیر نہ ہوتی ہو۔

تشریح اگر استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے چیز میں خرابی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو تو عاریت لینے والا دوسرے کو استعمال کرنے کے لئے دے سکتا ہے۔

وجہ جیسے کو دال یا تلوار اس کے استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے کوئی زیادہ نہیں فرق پڑتا اس لئے خود استعمال کرے یا مزدور کو استعمال کرنے کے لئے دے کوئی فرق نہیں پڑے گا (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت صفوان سے جنگ حنین کے وقت تیس سے چالیس زرہ عاریت پر لیا اور ان کو صحابہ کو عاریت کے طور پر استعمال کرنے کے لئے دیا۔ حدیث کا کٹرا یہ ہے عن اناس من آل عبد الله

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) یہ تو ایک احسان ہے مگر یہ مخالفت کرے تو ضامن ہو جائے گا (الف) آپؐ نے حنین کے دن زرہ عاریت پر لی تو حضرت صفوان نے پوچھا اے محمدؐ! کیا غضب کے طور پر لے رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت لے رہا ہوں ضمان کے طور پر۔

مما لا یختلف باختلاف المستعمل [۱۵۹۸] (۷) وعاریۃ الدراهم والدنانیر والمکیل والموزون قرض [۱۵۹۹] (۸) واذا استعار ارضا لیبنی فیها او یغرس جاز [۱۶۰۰] (۹) وللمعیر ان یرجع عنها ویكلفه قلع البناء والغرس فان لم یکن وقت العاریۃ فلا ضمان

بن صفوان ... فاعاره مابین الثلاثین الی الاربعین درعا وغز رسول اللہ حنینا فلما ہزم المشرکون جمعت دروع صفوان ففقد منها ادراعا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۳) اس حدیث میں حضرت صفوان سے زرہ لیکر صحابہ کو عاریت پر استعمال کرنے کے لئے آپؐ نے دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عاریت لینے والا دوسروں کو عاریت پر دے سکتا ہے۔
نوٹ اگر استعمال کرنے والے کے بدلنے سے چیز کے خراب ہونے کا خطرہ ہو اور استعمال کے لئے آدمی متعین کیا ہو تو دوسرے کو استعمال کے لئے نہیں دے سکتا ورنہ ضامن ہوگا۔

[۱۵۹۸] (۷) درہم، دینار اور کیلی چیز اور روزنی چیز کی عاریت قرض ہے۔

تشریح عاریت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز بحال ہی رہے اور عاریت پر لینے والا صرف اس کے نفع سے فائدہ اٹھائے پھر وہ چیز بعینہ واپس کر دے۔ جیسے تلوار سے قتال کر لے اور تلوار بعینہ واپس کر دے۔ لیکن درہم اور دینار اور کیلی چیز روزنی چیز سے فائدہ اٹھانے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ چیز ہی ختم ہو جائے گی۔ مثلاً درہم اور دینار خرچ ہو جائیں گے اور گہبوں اور کھجور کھا جائیں گے۔ اور اس کے مثل واپس کریں گے اس لئے یہ چیزیں عاریت کہہ کر لے تو وہ قرض ہوں گی۔

مجا کیونکہ قرض میں عین چیز ہلاک کر کے اس کا مثل واپس کرتے ہیں۔

[۱۵۹۹] (۸) اگر زمین عاریت پر لی تاکہ اس پر عمارت بنائے یا درخت لگائے تو جائز ہے۔

تشریح زمین کو عاریت پر لے کر اس پر عمارت بنانا یا درخت لگانا جائز ہے۔

مجا کیونکہ مالک کی اجازت سے عمارت بنا رہا ہے اور درخت لگا رہا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال لان یمنح الرجل اخاه ارضه خیر له من ان يأخذ علیہا خرجا معلوما (ب) (مسلم شریف، باب الارض تمنح ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۰ ابوداؤد شریف، باب فی المزاعۃ ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۹) اس حدیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ زمین بونے کے لئے عاریت پر دینا چاہئے۔

[۱۶۰۰] (۹) اور عاریت پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ اس کو واپس لے لے اور مستعیر کو مکلف بنائے گا عمارت توڑنے کا اور درخت اکھاڑنے کا۔ پس اگر عاریت متعین نہیں کیا تو معیر پر ضمان نہیں ہے۔ اور اگر عاریت کا وقت متعین کیا اور واپس لیا وقت سے پہلے تو عاریت پر

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حضرت صفوان سے تیس سے چالیس زرہیں عاریت پر لی اور حضورؐ نے جنگ حنین میں غزوہ کیا۔ پس جب مشرکین شکست کھا گئے تو حضرت صفوان کی زرہیں جمع کی گئیں۔ پس ان میں سے کئی زرہں گم پائی گئیں (ب) آپؐ نے فرمایا کہ آدمی اپنے بھائی کو زمین عاریت پر دے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ اس سے معلوم اجرت لیکر دے۔

علیہ وان کان وقت العاریۃ ورجع قبل الوقت ضمن المعیر للمستعیر ما نقص البناء و
الغرس بالقلع [۱۶۰۱] (۱۰) واجرة رد العاریۃ علی المستعیر [۱۶۰۲] (۱۱) واجرة رد
العين المستأجرة علی المؤجر .

دینے والا عاریت پر لینے والے کا ذمہ دار ہوگا جتنا نقصان ہو ادیوارٹوٹنے کا اور درخت اکھیڑنے کا۔

تشریح اگر عاریت پر دینے والے نے عاریت کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا تو اپنی زمین کسی بھی وقت واپس لینے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور کہہ سکتا ہے کہ اپنی عمارت توڑ لو اور اپنا درخت اکھیڑ لو اور بالکل خالی کر کے میری زمین واپس کرو۔ اور چونکہ کوئی وقت متعین نہیں تھا اس لئے توڑنے اور درخت اکھیڑنے کے نقصان کا ضمان بھی زمین والے پر لازم نہیں ہوگا۔

مذہب کیونکہ کوئی وقت متعین نہیں تھا اس لئے زمین والے نے مکان بنانے والے یا درخت لگانے والے کو دھوکا نہیں دیا۔ اس لئے زمین والے پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر وقت متعین تھا اور وقت متعین سے پہلے عمارت توڑنے اور درخت کاٹنے کے لئے کہا تو چونکہ دھوکا دیا اس لئے زمین والا عمارت ٹوٹنے کے نقصان کا ضمان دے گا اور درخت کاٹنے کے نقصان کا ضمان ادا کرے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر زمین والے نے دھوکا نہیں دیا ہے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر دھوکا دیا ہو تو اس پر ضمان لازم ہوگا۔

نکتہ معیر : عاریت پر دینے والا، قلع اکھیڑنا، وقت : وقت متعین کرنا۔

[۱۶۰۱] (۱۰) عاریت کے لوٹانے کی اجرت عاریت لینے والے پر ہے۔

مذہب مستعیر نے اپنے فائدے کے لئے مفت عاریت کی چیز لایا تھا اب اس کو لوٹانا اور مالک کو سپرد کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے اس لئے واپس لوٹانے میں اجرت لگتی ہو تو یہ اجرت عاریت پر لینے والے پر ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کی ذمہ داری ہے اجرت اسی پر لازم ہوگی۔

[۱۶۰۲] (۱۱) اور اجرت پر لی ہوئی چیز کی اجرت اجرت پر دینے والے پر ہوگی۔

مذہب اجرت پر لینے والے پر اجرت کی چیز واپس کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف تخلیہ کر دینا کافی ہے تاکہ مالک اس کو خود واپس لے جائے۔ کیونکہ اس نے مفت میں چیز استعمال کرنے نہیں دی ہے بلکہ اجرت پر دی ہے۔ اس لئے واپس لے جانا بھی مالک ہی کے ذمہ ہے۔ اس لئے مالک ہی پر واپس کرنے کی اجرت لازم ہوگی۔

اصول اوپر گزر گیا کہ جس کی ذمہ داری ہے اسی پر اجرت لازم ہوگی۔

نکتہ المؤجر : اجرت پر دینے والا۔

نوٹ شرط کر لے تو مستاجر پر بھی اس کی اجرت ہوگی۔

[۱۶۰۳] (۱۲) واجرة رد العين المغصوبة على الغاصب [۱۶۰۴] (۱۳) واجرة رد العين المودعة على المودع [۱۶۰۵] (۱۴) واذا استعار دابة فردها الى اصطل مالکها فهلکت لم یضمن [۱۶۰۶] (۱۵) وان استعار عینا وردھا الى دار المالك ولم یسلمھا اليه لم یضمن [۱۶۰۷] (۱۶) وان رد الودیعة الى دار المالك ولم یسلمھا اليه ضمن والله اعلم بالصواب۔

[۱۶۰۳] (۱۲) اور غصب شدہ چیز کے لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

مجا غاصب زبردستی سامان لے کر گیا ہے اس لئے مالک تک پہنچانا اسی کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے واپس لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

[۱۶۰۴] (۱۳) ودیعت کے لوٹانے کی اجرت ودیعت رکھنے والے پر ہے۔

تشریح ودیعت مالک کی طرف لوٹانا ہے تو مالک ہی پر اس کی اجرت لازم ہوگی کیونکہ امین نے مفت میں اس کو امانت پر رکھا ہے۔ اور یہ اس کا احسان ہے۔ اور مالک کو اس کی ضرورت ہے کہ اپنی چیز امین کے یہاں سے واپس لائے۔ اس لئے مالک ہی پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔

[۱۶۰۵] (۱۴) اگر جانور عاریت پر لیا پھر اس کو اس کے مالک کے اصطبل تک لوٹا دیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح جانور کو عموماً اصطبل کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اصطبل میں لوٹانا مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے عاریت لینے والے نے جانور کو مالک کے اصطبل کی طرف لوٹایا اور جانور ہلاک ہو گیا تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایسی جگہ عاریت رکھ دیا جہاں مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے تو اس سے وہ بری ہو جائے گا۔

[۱۶۰۶] (۱۵) اگر کوئی عاریت پر لی اور اس کو مالک کے گھر پہنچا دی اور اس کے مالک کو سپرد نہیں کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

مجا عاریت کی چیز مثلاً کودال، بل وغیرہ عموماً گھر ہی پہنچا دیتے ہیں اور مالک نہ بھی ہو تو گھر والوں کو دے دیتے ہیں اور اسی سے مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے مالک کو نہ دیا اور اس کے گھر پہنچا دیا تب بھی مستعیر ضامن نہیں ہوگا۔ (اصول اوپر گزر گیا۔)

[۱۶۰۷] (۱۶) اور اگر امانت کی چیز مالک کے گھر پہنچائی اور مالک کو سپرد نہیں کیا تو ضامن ہوگا۔

مجا اگر مالک کو گھر والوں پر اتنا اعتماد ہوتا تو دوسرے کے پاس امانت کیوں رکھتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے پاس امانت رکھا ہی اس لئے ہے کہ گھر والے کے ہاتھ میں وہ چیز نہ چلی جائے۔ اور امانت رکھنے والے نے مالک کے بجائے گھر والوں کو دے دیا تو خلاف مقصد کیا

اس لئے امین ضامن ہوگا۔ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ ان الله يأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها (الف) (آیت ۵۸ سورۃ النساء) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ امانت مالک کو پہنچاؤ۔ اس لئے گھر والوں کو پہنچانے سے بری نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امانت کی چیز پر گھر والوں کا قبضہ امانت کی ادائیگی شمار نہیں کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے اہل کے پاس واپس کرو۔

﴿ کتاب اللقیط ﴾

[۱۶۰۸] (۱) اللقیط حر ونفقته من بیت المال [۱۶۰۹] (۲) وان النقطة رجل لم یکن
غیره ان یأخذہ من یدہ [۱۶۱۰] (۳) فان ادعی مدع انه ابنہ فالقول قوله مع یمینہ۔

ضروری نوٹ لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہو اور اس کی جان بچانے کے لئے کوئی اس کو اٹھالے اور اس کی پرورش کرنے لگے۔ لقیط کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ فالتقطہ آل فرعون لیکون لہم عدوا و حزنا (الف) (آیت ۸ سورۃ القصص ۲۸) اور اس آیت میں بھی ہے۔ قال قائل منهم لا تقتلوا یوسف والقوہ فی غیابت الحب یلتقطہ بعض السیارة ان کنتم فاعلین (ب) (آیت ۱۰ سورۃ یوسف ۱۲) ان دونوں آیتوں میں دو عظیم نبیوں کے لقطے اور اٹھانے کا ذکر ہے۔
[۱۶۰۸] (۱) لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

مذ دارالاسلام ہے اس لئے گمان یہی کیا جائے گا کہ یہ بچہ کسی آزاد ہی کا بچہ ہوگا۔ اس لئے یہ بچہ آزاد شمار ہوگا (۲) یوں بھی اس پر غلامیت کی کوئی علامت نہیں ہے اس لئے اس کو آزاد ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ بنی آدم آزاد ہوتا ہے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ حدثنی ابو جمیلہ انہ وجد منبوا علی عہد عمر بن الخطاب فاتاہ بہ فاتمہ عمر فانی علیہ خیرا فقال عمر فہو حر وولاءہ لک ونفقته من بیت المال (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب ولای اللقیط ج ۲ ص ۱۴ نمبر ۱۶۱۸۲) (۴) ان علیا سئل عن لقیط فقال ہو حر عقلہ علیہم وولاءہ لہم (مصنف عبدالرزاق، ج ۲ ص ۱۵ نمبر ۱۶۱۸۲ سنن للبیہقی، باب التقات المنبوا ذوانہ لا یجوز ترکہ ضائعاً، ج ۳ ص ۳۳۲، نمبر ۱۲۱۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

مذ کیونکہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو بیت المال ایسے آدمی کے نفقے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

[۱۶۰۹] (۲) اگر بچے کو کسی آدمی نے اٹھالیا تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اس کے ہاتھ سے لے لے۔

مذ جب ایک کا قبضہ ہو گیا تو دوسرے کا قبضہ ساقط ہو گیا اس لئے بغیر کسی وجہ اور بغیر اٹھانے والے کی اجازت کے دوسرا اس کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا (۲) اوپر حضرت عمرؓ کے قول میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا وولاءہ لک کہ جس نے اٹھایا ہے بچے کا ولاء اسی کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اٹھانے والے کو ہی حق ہے دوسرے کو نہیں۔

[۱۶۱۰] (۳) پس اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی قسم کے ساتھ۔

تشریح اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو اگرچہ اس میں اٹھانے والے کا حق مارا جائے گا لیکن بیٹا بننے میں بچے کا فائدہ ہے اس لئے

حاشیہ : (الف) آل فرعون نے حضرت موسیٰ کو اٹھالیا تا کہ اس کے لئے دشمن اور غمگینی کی چیز بن جائے (ب) کہنے والے نے کہا کہ حضرت یوسفؑ کو قتل مت کرو، ان کو گہرے کنویں میں ڈال دو، کوئی مسافر ان کو اٹھالے جائے گا اگر تم کرنے والے ہو (ج) ابو جلیلہ نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں پھینکے ہوئے بچے کو پایا۔ اس کو حضرت عمرؓ کے پاس لیکر آیا۔ پس حضرت عمرؓ نے اس کو تمہم کیا تو لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا بچہ آزاد ہے اور تم کو اس کی ولاء ملے گی۔ اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

[۱۶۱۱] (۴) وان ادعاه اثنان ووصف احدهما علامة في جسده فهو اولی

به [۱۶۱۲] (۵) واذا وجد في مصر من امصار المسلمين او في قرية من قراهم فادعی

اس کو ترجیح دی جائے گی اور بچے کا نسب دعویٰ کرنے والے سے ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ کوئی علامت نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی گواہی ہے اس لئے قسم کے ساتھ بات مانی جائیگی۔

[۱۶۱۱] (۴) اگر بیٹے کا دعویٰ کیا دو آدمیوں نے اور ایک نے اس کے جسم میں علامت بیان کی تو وہ بیٹے کا زیادہ حقدار ہے۔

تشریح دو آدمیوں نے لقیط کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان میں سے ایک نے بیٹے ہونے کی علامت بیان کی اور کہا کہ جسم میں فلاں علامت ہے جس کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس علامت بیان کرنے کی وجہ سے اس آدمی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

مجموعہ علامت بیان کرنا بیٹے ہونے کی ترجیح ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو علامت بیان کرے چیز اس کو دی جائے گی۔ جاء اعرابی الى النبي ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها منه ثم اعراف عفاصها وو كائها فان جاء احد يخبرك بها والا فاستنقها (الف) (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷) اس حدیث میں فرمایا کوئی آکر علامت کی خبر دے تو اس کو دیدو۔ جس سے معلوم ہوا کہ علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

نوٹ اگر کسی نے بیٹے ہونے کا پہلے دعویٰ کیا تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت اور کسی کا دعویٰ نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ پہلے جس نے دعویٰ کیا اس کا حق ہے۔ عن حميد بن عبد الرحمن الحميري عن رجل من اصحاب النبي ﷺ ان النبي ﷺ قال اذا اجتمع الداعيان فاجب اقربهما بابا فان اقربهما بابا اقربهما جوارا وان سبق احدهما فاجب الذي سبق (ب) (ابوداؤد شریف، باب اذا اجتمع داعيان ابهما الحق ص ۱۷۱ نمبر ۵۶۳۷) اس حدیث میں جن کا گھر قریب تھا اس کی دعوت قبول کی کیونکہ وہ قبول کرنے کی علامت ہے۔ اور کسی نے پہلے دعوت دی تو چونکہ مزاحم نہیں ہے اس لئے اس کی دعوت قبول کی۔

[۱۶۱۲] (۵) اگر لقیط پایا گیا مسلمان کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا اس کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں۔ پھر کسی ذمی نے دعویٰ کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط مسلمان ہوگا۔

تشریح چاہے مسلمان کے شہر میں پایا جائے پھر بھی ذمی دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو بچے کا نسب ذمی سے ثابت کر دیا جائے گا۔

مجموعہ کیونکہ نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بچہ حرامی شمار ہوگا۔ اور اس کی پرورش کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوگا۔ اس لئے ذمی بھی نسب کا دعویٰ کرے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ اسلامی شہر ہے اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا۔ اس لئے اس کو مسلمان ہی شمار کریں گے کیونکہ اسی میں بچے کا فائدہ ہے۔

حاشیہ : (الف) دیہاتی نے حضورؐ سے پوچھا کہ کس طرح لقطہ اٹھائے تو فرمایا ایک سال تک اس کا تعارف کراتے رہو پھر اس کے باندھنے کی چیز اور اس کی علامت یاد رکھو۔ پس اگر کوئی ان علامتوں کی خبر دے تو اس کو دے دو ورنہ اس کو خرچ کر دو (ب) آپؐ نے فرمایا دو دعوت دینے والے جمع ہو جائیں تو جن کا قریب دروازہ ہو اس کی دعوت قبول کی جائے۔ اس لئے کہ جن کا دروازہ قریب ہو وہ قریب کا پڑوسی ہوگا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پہلے آگیا تو پہلے والے کی دعوت قبول کریں۔

ذمی انه ابنه ثبت نسبه منه و كان مسلماً [۱۶۱۳] (۶) وان وجد فی قرية من قری اهل الذمة او فی بیعة او كنيسة كان ذمياً [۱۶۱۴] (۷) ومن ادعى ان اللقیط عبده او امته لم یقبل منه و كان حراً [۱۶۱۵] (۸) وان ادعى عبد انه ابنه ثبت نسبه منه و كان حراً [۱۶۱۶] (۹) وان وجد مع اللقیط مال مشدود علیه فهو له [۱۶۱۷] (۱۰) ولا یجوز تزویج الملتقط.

[۱۶۱۳] (۶) اور اگر ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا مندر یا گرجا میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا۔

وجہ ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا گرجا یا مندر میں بچہ پایا گیا تو یہ علامت ہے اور غالب گمان ہے کہ بچہ کسی کافر کا ہوگا اس لئے وہ ذمی شمار ہوگا **اصول** کوئی مزاحم نہ ہو تو غالب گمان اور علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

نکتہ بیعتہ : یہود کا عبادت خانہ، کنیستہ : نصاریٰ کا عبادت خانہ۔

[۱۶۱۴] (۷) اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا باندی ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آزاد ہوگا۔

وجہ غلام یا باندی ہونا بچہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور ظاہری کوئی علامت نہیں ہے اس لئے بچہ کو کسی کا غلام یا باندی شمار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں گواہی پیش کر دے تو غلامیت کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اثر میں گزرا کہ لقیط آزاد ہوگا اس لئے صرف دعویٰ پر غلامیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

[۱۶۱۵] (۸) اگر غلام نے دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہوگا اور لقیط آزاد ہوگا۔

وجہ چاہے غلام سے نسب ثابت ہو پھر بھی بچے کے لئے فائدہ ہے۔ اس لئے غلام دعویٰ کرے تو اس سے ہی نسب ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ غلام آدمی آزاد عورت سے شادی کرے تو اس سے آزاد بچہ پیدا ہوتا ہے اس لئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ غلام کا بچہ غلام ہی ہو۔ اس لئے نسب تو غلام سے ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے کہ لقیط آزاد ہوگا۔

[۱۶۱۶] (۹) اگر لقیط کے ساتھ مال باندھا ہوا پایا گیا تو وہ مال اسی کا ہے۔

وجہ لقیط کے ساتھ باندھا ہوا ہونا دلیل ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔ اس لئے اس علامت ظاہرہ کی وجہ سے مال لقیط کا ہوگا۔

اصول پہلے گزر گیا ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

[۱۶۱۷] (۱۰) نہیں جائز ہے پانے والے کا شادی کرنا۔

تشریح بچہ پانے والا بچے کی شادی خود اپنے سے کرائے یا کسی دوسرے سے کرائے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ شادی کرانے کا حق تین وجہ سے ہوتا ہے (۱) یا رشتہ دار ہو (۲) یا اس پر ملکیت ہو جیسے غلام یا باندی کا مولیٰ (۳) ملک کا بادشاہ اور حاکم

[۱۶۱۸] (۱۱) ولا تصرفه فی مال اللقیط [۱۶۱۹] (۱۲) ویجوز ان یقبض له الهبة ویسلمه فی صناعة ویواجره.

ہو۔ اور پانے والا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے اس لئے لقیط کی شادی کرانے کا حق اس کو نہیں ہے (۲) بچے کی شادی کرانے میں ابھی فائدہ بھی نہیں ہے کہ اس کی اس کو اجازت دی جائے۔
[۱۶۱۸] (۱۱) اور نہیں جائز ہے لقیط کے مال میں تصرف کرنا۔

تشریح لقیط کے لئے لقیط کے مال سے کھانا، کپڑا اور ضروریات زندگی ملنا خرید سکتا ہے۔ لیکن اس کے مال کو خرید و فروخت میں ڈال کر خود بردہ نہیں کر سکتا **وجہ** اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور بلا وجہ کی چیز میں لقیط کے مال کو ڈالنے کی ملحقہ کو ولایت نہیں ہے۔
[۱۶۱۹] (۱۲) اور جائز ہے کہ ملحقہ قبضہ کرے لقیط کے لئے ہبہ کو اور سپرد کرے اس کو پیشے میں اور اس کو مزدوری پر لگائے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ لقیط کے فائدے کے لئے ملحقہ کام کر سکتا ہے۔ مثلاً لقیط کے لئے جو ہبہ آئے اس پر قبضہ کرے یا لقیط کو کسی ہنر میں لگائے تاکہ اس سے نفع آئے۔ یا خود لقیط کو مزدوری پر لگائے تاکہ اس کی اجرت آئے اور لقیط پر خرچ کی جاسکے۔ یہ سب کام لقیط کے فائدے کے لئے ہیں اس لئے یہ سب کام پانے والا کر سکتا ہے۔

اصول لقیط کے لئے فائدے کا کام پانے والا کر سکتا ہے۔ نقصان کا کام نہیں کر سکتا۔

لغت صناعة : پیشہ، کاریگری، یواجر : اجرت پردے، مزدوری پردے۔



﴿ کتاب اللقطة ﴾

[۱۶۲۰] (۱) اللقطة امانة في يد الملتقط اذا اشهد الملتقط انه يأخذها ليحفظها ويردها

على صاحبها.

﴿ کتاب اللقطة ﴾

ضروری نوٹ کسی گھرے ہوئے مال کو اٹھالینے کو لقطہ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ سمعت سويد بن غفلة قال لقيت ابي بن كعب فقال اصبت صرة فيها مائة دينار فاتيت النبي ﷺ فقال عرفها حولاً فعرفتها فلم اجد من يعرفها ثم اتيتہ فقال عرفها حولاً فعرفتها فلم اجد ثم اتيتہ ثلاثاً فقال احفظها وعانها وعددها ووكاءها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقيته بعد بمكة فقال لا ادري ثلاثة احوال او حولاً واحداً (الف) (بخاری شریف، باب اذا انجر رب اللقطة بالعلامة دفع اليه ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والا بل ص ۸۷ نمبر ۱۷۲۳) اس حدیث سے لقطہ کا حکم بھی معلوم ہوا اور اس کا ثبوت بھی۔

[۱۶۲۰] (۱) لقطہ امانت ہے اٹھانے والے کے ہاتھ میں جبکہ اٹھانے والے نے گواہ بنایا کہ اس کو اٹھایا تاکہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کے پاس لوٹا دے۔

تشریح لقطے کا مال اٹھایا اور گواہ بنایا کہ اس کو حفاظت کے لئے اٹھا رہا ہوں تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا۔ اور اگر حفاظت کرنے اور مالک کی طرف لوٹانے پر گواہ نہیں بنایا تو بعض صورتوں میں وہ ضمانت کا مال ہو جائے گا۔

مجا حفاظت پر گواہ بنانے کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عياض بن حمار قال قال رسول الله من وجد لقطة فليشهد ذا عدل او ذوى عدل ولا يكتُم ولا يغيب فان وجد صاحبها فليرد عليه والا فهو مال الله يؤتیه من يشاء (ب) (ابوداؤد شریف، باب التعريف باللقطة ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۹ ابن ماجہ شریف، باب اللقطة ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) اس حدیث میں لقطے پر گواہ بنانے کا حکم ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں عرفہا حولاً سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ اٹھانے پر گواہ بنانا چاہئے۔

اور لقطہ ملتقط کے ہاتھ میں امانت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمع زيد بن خالد الجهني صاحب رسول الله ﷺ يقول سئل رسول الله عن اللقطة الذهب او الورق فقال اعرف وكاءها وعفاصها ثم عرفها سنة فان لم تعرف فاستنفقها

حاشیہ : (الف) حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک تھیلی پائی اس میں سودینار تھے۔ پس میں حضورؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔ تو میں نے اس کی تشہیر کی۔ پس اس کا مالک نہیں ملا۔ میں پھر آیا فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔ پس میں نے اس کی تشہیر کی۔ پس نہیں پایا۔ پھر تیسری مرتبہ آیا تو آپؐ نے فرمایا اس کا برتن یاد رکھو اور اس کی عدد یاد رکھو۔ پس اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے فائدہ اٹھا لو۔ پس میں نے فائدہ اٹھالیا۔ پھر ان سے کہ میں ملاقات کی تو مجھے یاد نہیں ہے کہ تین سال یا ایک سال کہا (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے لقطہ پایا تو عادل آدمی کو گواہ بنانا چاہئے اور چھپانا نہیں چاہئے اور غائب نہیں کرنا چاہئے۔ پس اگر اس کا مالک آئے تو اس پر لوٹا دینا چاہئے ورنہ تو وہ اللہ کا مال ہے جس کو چاہے دے۔

[۱۶۲۱] (۲) فان كانت اقل من عشرة دراهم عرفها اياما وان كان عشرة فصاعدا عرفها حولا كاملا [۱۶۲۲] (۳) فان جاء صاحبها والا تصدق بها.

ولتكن وديعة عندك فان جاء طالبها يوما من الدهر فادها اليه (الف) (مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحکم ضالة الغنم والابل ج ثانی ص ۸۷ نمبر ۲۲/۱۷۵۰۲/۱ بخاری شریف، باب ضالة الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸) اس حدیث میں فرمایا کہ لقطہ پانے والے کے پاس امانت ہوگا۔

[۱۶۲۱] (۲) پس اگر دس درہم سے کم کی ہو تو اس کی تشہیر کرے گا چند دن، اور اگر دس یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی تشہیر کرے گا پورے سال۔
تشریح لقطہ کا مال دس درہم سے کم ہو تو چند دنوں تک اس کی تشہیر کرے کہ یہ مال میرے پاس ہے جس کا ہو علامت بتا کر لے لو۔ اور دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کی ہو تو ایک سال اس کی تشہیر کرے۔

مجمع دس درہم ہو تو چند دنوں تک تشہیر کرنے پر دلیل یہ حدیث ہے۔ عن یعلی بن مرة قال قال رسول الله ﷺ من التقط لقطه يسيره حبلا او درهما او شبه ذلك فليعرفه ثلاثة ايام فان كان فوق ذلك فليعرفه ستة ايام (ب) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی قليل اللقطة، ج سادس، ص ۳۲۳، نمبر ۱۲۱۰۰/ مصنف عبد الرزاق، باب احلت اللقطة اليسيرة ج ثامن ص ۱۴۲ نمبر ۱۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تھوڑی بہت قیمت کی چیز ہو تو دس روز سے کم تشہیر کرے اور زیادہ کی چیز ہو تو ایک سال تشہیر کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) اور بخاری کی حدیث گزری جس میں تھا عرفہا حولا جس سے معلوم ہوا کہ ایک سال تشہیر کرے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن زید بن خالد الجهني قال جاء اعرابي الى النبي ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها ووکاءها (ج) (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۲/ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۸۷ نمبر ۱۷۵۰۲) اس حدیث میں قیمتی چیز کے لئے ایک سال تشہیر کرنے کا حکم ہے۔

اصول یہاں اصول یہ ہے کہ مال جتنا قیمتی ہو اور مالک کے تلاش کرنے کا امکان ہو اتنی دیر مالک کو تلاش کرتا رہے۔

[۱۶۲۲] (۳) پس اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو صدقہ کر دے۔

تشریح اگر لقطہ کا مالک ایک سال میں مل جائے تو اس کو یہ مال دیدے اور اگر نہ ملے تو اس کو صدقہ کر دے۔

مجمع حدیث میں ہے کہ تلاش کرنے کے باوجود مالک نہ ملے تو یہ اللہ کا مال ہے ملتقط جہاں چاہے رکھ دے۔ عن عیاض بن حمار قال قال رسول الله ﷺ ... فان وجد صاحبها فليبردها عليه والا فهو مال الله يؤتيه من يشاء (د) (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپ سے سونا اور چاندی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس کے بندھن کو یاد رکھیں، پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کریں۔ پس اگر نہ ملے تو اس کو خرچ کر لیں۔ اور یہ اس کے پاس امانت ہوگی۔ پھر طالب کبھی بھی آئے تو اس کو دیدے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے تھوڑا سا لقطہ پایا رسی یا درہم یا اس کے مشابہ تو اس کی تین دن تشہیر کرنی چاہئے اور اس سے زیادہ کی ہو تو چھ دن تشہیر کرنی چاہئے (ج) ایک دیہاتی حضور کے پاس آئے اور لقطے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی ایک سال تشہیر کریں پھر اس کی بندھن اور رسی یاد رکھیں (د) آپ نے فرمایا... اگر لقطے کا مالک مل جائے تو اس کو واپس کر دو ورنہ آئے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۶۲۳] (۴) فان جاء صاحبها وهو قد تصدق بها فهو بالخيار ان شاء امضى الصدقة

التعريف باللقطة ص ۲۳۸ نمبر ۱۷۰۹ ابن ماجہ شریف، باب اللقطة ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵ اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دیدے ورنہ اس مال کو صدقہ کر دے (۲) ان رجلا من بنی راس وجد صرة فاتى بها عليا ... قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضى كان له الاجر وان لم يرض غرمتها وكان لك الاجر (الف) (سنن للبيهقي، باب اللقطة يكلف الغني والفقر اذا لم تحترف بعد تعريف سنة، ج ۶ ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ مصنف عبد الرزاق، كتاب اللقطة ج ۶ ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۲۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقطہ صدقہ کرنا پڑے گا (۳) مالک کو یا اصل چیز پہنچائے اور وہ ممکن نہ ہو تو صدقہ کر کے اس کا ثواب پہنچائے۔

نوٹ اگر محتاج ہو تو لقطہ کا مال خود بھی کھا سکتا ہے۔

مجا ضروری نوٹ کی لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا گزرا ہے فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت (ب) (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطة بالعلامة دفع اليه ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶) دوسری روایت میں ہے والا فاستنفقها (بخاری شریف، نمبر ۲۴۲۷ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۸ نمبر ۷۲۲۷۱ ابوداؤد شریف، باب التعريف باللقطة ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اٹھانے والا بھی کھا سکتا ہے۔

[۱۶۲۳] (۴) پس اگر اس کا مالک آئے حالانکہ وہ لقطہ صدقہ کر چکا ہے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ بدستور رکھے اور چاہے تو اٹھانے والے سے ضمان لے لے۔

تشریح لقطہ اٹھانے والے نے لقطہ صدقہ کر دیا اس کے بعد مالک آیا اور پوری علامت بیان کی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ بدستور رکھے اور اٹھانے والے سے مال کا تاوان نہ لے اور چاہے تو اٹھانے والے سے مال کا تاوان لے لے۔

مجا اٹھانے والے نے بغیر مالک کی اجازت کے صدقہ کیا ہے اس لئے اٹھانے والے سے مالک ضمان لے سکتا ہے (۲) اوپر اثر گزرا ان رجلا من بنی راس وجد صرة فاتى بها عليا فقال انى وجدت صرة فيها درهم وقد عرفتها ولم اجد من يعرفها وجعلت اشتهى ان لا يجيبى من يعرفها قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضى كان له الاجر وان لم يرض غرمتها وكان لك الاجر (ج) (سنن للبيهقي، باب اللقطة يكلف الغني والفقر اذا لم تحترف بعد تعريف سنة، ج ۶ ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ مصنف عبد الرزاق، كتاب اللقطة ج ۶ ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۲۹) (۳) دوسرے اثر میں ہے عن عمر بن الخطاب قال فى اللقطة يعرفها سنة

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) تو اللہ کا مال ہے جس کو چاہے دیدیں (الف) قبیلہ راس کے ایک آدمی نے تھیلی پائی پس وہ حضرت علی کے پاس آئے... حضرت علی نے فرمایا اس کو صدقہ کر دو۔ پس اگر اس کا مالک آئے اور راضی ہو جائے تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر راضی نہ ہو تو اس کا تاوان دے دیں اور آپ کو اجر ملے گا (ب) پس اگر لقطہ کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ پس میں نے فائدہ اٹھا لیا (ج) بنی راس کے ایک آدمی نے ایک تھیلی پائی۔ پس وہ حضرت علی کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک تھیلی پائی ہے۔ اس میں درہم ہیں اور میں نے اس کی تشہیر کی اور کوئی نہیں ملا جو اس کو پہچانتا ہو۔ اور میں چاہتا تھا کہ پہچاننے والے نہ ملے۔ حضرت علی نے فرمایا اس کو صدقہ کر دو۔ پس اگر مالک آیا اور صدقہ سے راضی ہو گیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر راضی نہ ہو تو اس کا تاوان دے دینا اور تم کو اس کا ثواب ملے گا۔

وان شاء ضمن الملتقط [۱۶۲۴] (۵) ويجوز الالتقاط في الشاة والبقر والبعير.

فان جاء صاحبها والا تصدق بها فان جاء صاحبها بعد ما يتصدق بها خيره فان اختار الا جر كان له وان اختار المال كان له ماله (الف) (مصحف عبدالرزاق، كتاب اللقطة ج ۱ ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۳) ان دونوں اثروں میں ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو دونوں اختیار ہیں۔ صدقہ بدستور رکھنے کا اور پانے والے سے ضمان لے لینے کا بھی۔ [۱۶۲۴] (۵) جائز ہے بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا۔

تشریح حضورؐ کے زمانے میں لوگ اچھے تھے اس لئے اونٹ کو لفظ بنانے سے آپؐ نے منع فرمایا تھا، کیونکہ وہ ضائع نہیں ہوگا۔ اور اس کا مالک خود اس کو لے جائے گا۔ لیکن بعد میں لوگ اچھے نہیں رہے اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو پکڑ لیا جائے اور تشہیر کی جائے۔ بعد میں اس کو بیچ کر اس کی قیمت رکھ لی جائے تاکہ اس کے مالک کو دیا جائے۔

مجا اثر میں ہے۔ سمع ابن شهاب يقول كانت ضوال الابل في زمان عمرؓ ابلا مؤبلة تنائج لا يمسها حتى اذا كان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعريفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطى ثمنها (ب) (سنن للبيهقي، باب الرجل يسجد ضالته يريد ردّها على صاحبها لا يريد اكلها، ج ۱ ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸ / مصنف عبدالرزاق، كتاب اللقطة، ج ۱ ص ۱۳۲، نمبر ۱۸۶۰) اس اثر میں اونٹ پکڑ لینے کا فتویٰ ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ نہ پکڑے۔

مجا (۱) اس کو جانور نہیں کھائے گا اور اس کے ساتھ کھانے پینے کی چیز ہے اس لئے غیر کے مال کو بلا وجہ نہ پکڑا جائے (۲) حدیث میں پکڑنے کی ممانعت ہے۔ عن زيد بن خالد الجهني قال جاء اعرابي الى النبي ﷺ فسأله عما يلتقطه... قال يا رسول الله فضالة الغنم؟ قال لك او لا خيك او للذئب قال ضالة الابل؟ فتمعر وجه النبي ﷺ فقال مالک ولها؟ معها حذاؤها وسقاؤها ترد الماء وتأكل الشجر (ج) (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۴۷ / مسلم شریف، باب معرفة العفاس والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۸۷ نمبر ۱۷۲۲) اس حدیث میں بکری پکڑنے کی ترغیب دی اور اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔

حاشیہ : (الف) عمر بن خطابؓ نے لفظ کے بارے میں فرمایا کہ اس کی ایک سال تشہیر کرے۔ پس اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو صدقہ کر دے۔ پس اگر اس کا مالک صدقہ کے بعد آئے تو اس کو اختیار ہے چاہے تو ثواب اختیار کرے تو اس کو ثواب ملے گا اور اگر مال اختیار کرے تو اس کے لئے مال ہوگا (ب) حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ گم شدہ اونٹنی حضرت عمرؓ کے زمانے میں ادھر ادھر پھرتی رہتی اور بچہ دیتی۔ اس کو کوئی چھوٹا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو اس کے پیچانے اور اس کی تشہیر کا حکم دیا۔ پھر بیچی جاتی۔ پس جب اس کا مالک آتا تو اس کی قیمت دی جاتی (ج) ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آیا اور لفظ کے بارے میں پوچھا... انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! گمشدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ہے، یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے۔ پھر پوچھا گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ تو آپؐ کا چہرہ مبارک رنگ گیا اور فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب؟ اونٹ کے ساتھ اس کا جوتا ہے، پینے کا پانی ہے، خود پانی پینے آتا ہے اور درختوں کے پتوں کو کھاتا ہے۔

[۱۶۲۵] (۶) فان انفق الملتقط عليها بغير اذن الحاكم فهو متبرع وان انفق باذنه كان ذلك دينا على صاحبها [۱۶۲۶] (۷) واذا رفع ذلك الى الحاكم نظر فيه فان كان للبهيمة منفعة آجرها وانفق عليها من اجرتها [۱۶۲۷] (۸) وان لم يكن لها منفعة وخاف

[۱۶۲۵] (۶) پس اگر پانے والے نے لقطہ پر خرچ کیا حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ احسان کرنے والا ہوگا۔ اور اگر اس کی اجازت سے خرچ کیا تو یہ اس کے مالک پر قرض ہوگا۔

تشریح لقطہ اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ اس پر احسان ہوگا۔ یعنی مالک سے مقدمہ کر کے وہ خرچ نہیں لے سکے گا۔ البتہ مالک خود دیدے تو ہو سکتا ہے۔ اور اگر حاکم کے فیصلہ سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے ذمہ قرض ہوتا جائے گا۔ جب مالک آئے گا تو اس سے یہ قرض وصول کرے گا۔

جہ (۱) حاکم کو ولایت عامہ ہے اس لئے ان کے فیصلے کے بعد لقطہ کا خرچ مالک پر قرض ہوگا ورنہ نہیں (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابراہیم قالوا لو ان رجلا التقط ولد زنا فاراد ان ينفق عليه ويكون له عليه دين فليشهد وان كان يريد ان يحتسب عليه فلا يشهد قال ابو حنيفة اقول انا ليس بشيء الا ان يقرضه له عليه السلطان (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ولاء الملقط ج ۹ ص ۱۶ نمبر ۱۶۱۸۸) اس اثر میں ہے کہ بادشاہ طے کرے گا تب ملتقط کو خرچ ملے گا ورنہ تبرع ہوگا۔

[۱۶۲۶] (۷) جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس آئے تو اس میں غور کرے۔ پس اگر جانور کے لئے منفعت ہو تو اس کو اجرت پر رکھے اور اس پر اس کی اجرت خرچ کرے۔

تشریح مثلاً گائے کو لقطہ کیا اور ہر روز تین درہم کا دودھ دیتی تھی اور دو درہم کا چارہ کھاتی تھی تو حاکم اس میں غور کر کے گویا کہ دو درہم روزانہ چارے کا پانے والے کو دلوائے گا اور روزانہ ایک درہم مالک کے لئے بچتا رہے گا۔

وجہ اس صورت میں لقطہ بھی زندہ رہے گا اور نہ مالک پر بوجھ پڑے گا اور نہ ملتقط پر بوجھ پڑے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سب کے لئے جو زیادہ نفع بخش ہو وہ کام کیا جائے۔

لغت آجرھا : اجرت پردے، بھیمہ : جانور، چوپایہ۔

[۱۶۲۷] (۸) اور اگر لقطہ کے لئے منفعت نہ ہو اور خوف ہو کہ خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو بیچے اور حکم دے اس کی قیمت کی حفاظت کا۔

تشریح لقطہ مال کی کوئی آمدنی نہیں ہے اور چارہ وغیرہ خرچ اتنا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد چارے کا خرچ اس کی قیمت سے بڑھ جائے گا اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر کوئی آدمی ولد الزنا کو اٹھائے اور اس پر خرچ کرنا چاہے تاکہ اس پر قرض ہو تو اس پر گواہ بنالینا چاہئے۔ اور اگر چاہتا ہے کہ اس پر احسان کرے تو گواہ نہ بنائے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں ہوگا مگر یہ کہ بادشاہ اس پر قرض لگائے۔

ان تستغرق النفقة قيمتها باعها الحاكم وامر بحفظ ثمنها [۱۶۲۸] (۹) وان كان الاصلح الانفاق عليها اذن في ذلك وجعل النفقة دينا على مالکها [۱۶۲۹] (۱۰) فاذا حضر مالکها فللملتقط ان يمنعه منها حتى يأخذ النفقة [۱۶۳۰] (۱۱) ولقطة الحل والحرم

مالک کے لئے جانور لینے کے بجائے چارے کا خرچ زیادہ دینا پڑ جائے گا۔ ایسی صورت میں حاکم لقطے کے مال کو بچوا دے گا۔ اور اس کی قیمت کسی امین کے پاس محفوظ رکھے گا تاکہ مالک آئے تو جانور کے بجائے اس کی قیمت اس کو حوالہ کر دی جائے۔

مجم مسئلہ نمبر ۶ میں حضرت عثمانؓ کا لمبا اثر گزرا جس میں تھا کہ انہوں نے اونٹ کو لقطہ قرار دیا اور اس کو بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھواتے تھے۔ تاکہ جب اس کا مالک آئے تو اس کی قیمت حوالہ کر دی جائے۔ اثر کا ٹکڑا یہ ہے سمع ابن شہاب یقول ... حتی اذا كان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتھا وتعريفھا ثم تبع فاذا جاء صاحبھا اعطی ثمنھا (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالۃ یرید ردھا علی صاحبھا لا یرید اکلھا، ج ۱ ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸ مصنف عبدالرزاق، کتاب اللقطة، ج ۱ ص ۱۳۲، نمبر ۱۸۶۰) اس اثر میں اونٹ بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھوانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مناسب سمجھے تو قیمت محفوظ رکھوا سکتا ہے۔

[۱۶۲۸] (۹) اور اگر لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہو تو اس کی اجازت دیدے اور خرچ اس کے مالک پر قرض کر دے۔

تشریح حاکم اگر یہ مناسب سمجھے کہ اس لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہے تو خرچ کرنے کی اجازت دیدے اور جتنا خرچ کیا وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوتا رہے گا۔

[۱۶۲۹] (۱۰) پس جب اس کا مالک آئے تو ملتقط کے لئے جائز ہے کہ اس سے روک دے یہاں تک کہ خرچ لے لے۔

تشریح مالک آنے کے بعد ملتقط کو حق ہے کہ جب تک اپنا خرچ نہ لے لے اس وقت تک لقطہ کو اپنے پاس روک رکھے۔

مجم چونکہ حاکم کے فیصلے سے خرچ کیا ہے اور اس کی رقم خرچ ہوئی ہے اس لئے اس کو وصول کرنے کا حق ہے۔

[۱۶۳۰] (۱۱) حل اور حرم کے لقطے برابر ہیں۔

تشریح یعنی دونوں کے احکام برابر ہیں کہ جس طرح حل کا لقطہ ایک سال تشبیر کے بعد اس کو خرچ کر سکتا ہے اسی طرح حرم کا لقطہ کی تشبیر کے بعد خرچ کر سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ حرم کے لئے ہمیشہ تشبیر کرتا ہی رہے۔

مجم حضرت عائشہ کا اثر ہے۔ ان امرأة سألت عائشة فقالت انی اصبت ضالة فی الحرم وانی عرفتها فلم اجد احدا یعرفها فقالت لها عائشة استنفعی بها (ب) (طحاوی شریف، باب اللقطة والضوال ج ۲ ص ۲۵۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کا لقطہ بھی تشبیر کے بعد خرچ کیا جاسکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ ... یہاں تک کہ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو اونٹنی کے پہنچانے اور اس کی تشبیر کا حکم دیا۔ پھر اس کو بیچی جاتی۔ پس جب اس کا مالک آتا تو اس کو اس کی قیمت دے دی جاتی (ب) ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ میں نے حرم میں گمشدہ لقطہ پایا ہے۔ اور میں نے اس کی تشبیر کی اور کسی کو نہیں پایا جو اس کو جانتا ہو۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

سواء [۱۶۳۱] (۱۲) واذا حضر الرجل فادعی ان اللقطة له لم تدفع اليه حتى يقيم البينة.

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مالک نہ آجائے اس وقت تک حرم کے لقطے کی تشہیر کرتا رہنا ہی پڑے گا۔

مجا ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں حرم کے لقطے کی تشہیر ہمیشہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا يلتقط لقطتها الا معرف (الف) (بخاری شریف، باب کیف تعرف لقطته اہل مکة ص ۳۲۸ نمبر ۲۴۳۳) اور ابوداؤد میں ہے۔ عن عبد الرحمن بن عثمان التیمی ان رسول الله ﷺ نهى عن لقطة الحاج قال احمد قال ابن وهب يعني في لقطة الحاج يترکها حتى يجدها صاحبها (ب) (ابوداؤد شریف، باب التعرف باللقطة ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۱۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لقطے کی ہمیشہ تشہیر کرتا رہے۔

[۱۶۳۱] (۱۲) اگر آدمی حاضر ہوا اور دعویٰ کیا کہ لقطہ اس کا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ بینہ قائم کرے۔

تشریح اگر آدمی حاضر ہوا اور لقطہ کی علامت بیان کرے تو اس پر دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک کہ لقطہ اس کے ہونے پر بینہ قائم نہ کرے۔

مجا یہ دوسرے کا مال ملتقط کے پاس امانت ہے اس لئے اس کے دینے کے لئے بینہ ضروری ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال لو يعطى الناس بدعواهم لادعى ناس دماء رجال واموالهم ولكن اليمين على المدعى عليه (ج) (مسلم شریف، باب اليمين على المدعى عليه ص ۷۲ نمبر ۱۷۱۹) اور مدعی کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرة عن النبی ﷺ قال البينة على من ادعى واليمين على من انكر الا في القسامة (د) (دارقطنی، کتاب الحدود والديات وغیرہ ج ثالث ص ۸ نمبر ۳۱۶۵) اس لئے مالک کے لئے بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔

نوٹ دل گواہی دے اور حالات اچھے ہوں تو صرف علامت بتانے سے ملتقط دے سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی دوسرا آدمی مزاحم نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مالک اگر صرف علامت بیان کر دے تو ملتقط پر دینا واجب ہے۔

مجا ان کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں مالک کے آنے پر دینے کا حکم ہے۔ عن زید ابن خالد الجهنی ان رجلا سأل رسول الله ﷺ عن اللقطة قال عرفها سنة ثم اعرف وكاءها وعفاصها ثم استنفق بها فان جاء ربها فادها اليه (ه) (بخاری شریف، باب اذا جاء صاحب اللقطة بعد سنة ردھا عليه لانھا وديعة عنده ص ۳۲۹ نمبر ۲۴۳۶) مسلم شریف، باب معرفة العفاص والكاء وحكم ضالة الغنم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کہ کالقطہ نہ اٹھائے مگر تشہیر کرنے والے (ب) حضورؐ نے حاجیوں کے لقطے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن وہبؒ نے فرمایا حاجیوں کے لقطے کو چھوڑ دے تاکہ اس کا مالک پالے (ج) آپؐ نے فرمایا اگر آدمی کو صرف اس کے دعویٰ سے دے دیا جائے تو لوگ آدمیوں کے خون اور مالوں کا مطالبہ کرنے لگیں۔ لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے (د) آپؐ نے فرمایا جس نے دعویٰ کیا اس پر بینہ ہے۔ اور انکار کرنے والے پر قسم ہے مگر قسمت میں (ه) ایک آدمی نے حضورؐ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔ پھر اس کا بندھن اور اس کا برتن یاد رکھو۔ پھر اس کو خرچ کرو۔ پس اگر اس کا مالک آئے تو اس کو ادا کر دو۔

[۱۶۳۲] (۱۳) فان اعطی علامتها حل للملتقط ان يدفعها اليه ولا يجبر على ذلك في

القضاء [۱۶۳۳] (۱۴) ولا يتصدق باللقطة على غني [۱۶۳۴] (۱۵) وان كان الملتقط

والابل ص ۸ نمبر ۲۲/۱۷۵۰۲) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دے دو اور بینہ پیش کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لئے بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[۱۶۳۲] (۱۳) پس اگر بتایا اس کی علامت تو حلال ہے پانے والے کے لئے کہ لقطہ اس کو دے دے لیکن قضاء کے طور پر اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح قضاء کے طور پر تو اسی وقت مجبور کیا جائے گا جبکہ مالک اس کے ہونے پر بینہ پیش کر دے۔ لیکن اگر صرف علامت بتاتا ہے تو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ ملتقط کے لئے دینا حلال ہو جائے گا۔

مذہب (۱) اوپر حدیث گزر چکی ہے فان جاء بها فادها اليه (بخاری شریف نمبر ۲۴۳۶ / مسلم شریف نمبر ۱۷۲۲) (۲) کی حدیث میں یہ زیادتی ہے۔ فان جاء احد يخبرك بعددها ووعاءها ووكاءها فاعطها اياه (الف) مسلم شریف، باب معرفة العفاس والوكاء ص ۸ نمبر ۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت بتائے تو اس کے حوالے کرنا جائز ہے۔ [۱۶۳۳] (۱۴) اور لقطہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

مذہب حدیث میں ہے کہ صدقہ کرے اور صدقہ غریب پر ہوتا ہے۔ اس لئے پتہ چلتا ہے کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔ حدیث میں ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله وسئل عن اللقطة فقال لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة فان جاء صاحبها فليرد لها اليه وان لم يأت صاحبها فليصدق بها (ب) (دارقطنی، کتاب الرضاع ج ۱ ص ۱۰۸ نمبر ۴۳۴۳ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة ج ۱ ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۳۰) مصنف میں حضرت عمر کا قول ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرے اور صدقہ فقیر پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

[۱۶۳۴] (۱۵) اور اگر ملتقط مالدار ہو تو جائز نہیں ہے کہ لقطہ سے فائدہ اٹھائے۔

مذہب کچھ حدیث اور اثر تو مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزر گئے (۲) ایک اثر یہ بھی ہے۔ عن نافع ان رجلا وجد لقطه فجاء الى عبد الله بن عمر فقال له انى وجدت لقطه فماذا ترى فقال له ابن عمر عرفها قال قد فعلت قال زد قال قد فعلت قال لا امرک ان تأكلها ولو شئت لم تأخذها (ج) (سنن للبيهقي، باب اللقطة ياكلها الغني والفقير اذ لم تعترف بعد تعريف سنة، ج ۱ ص ۳۱۲، نمبر

حاشیہ : (الف) پس اگر کوئی آدمی اس کی تعداد اور برتن اور بندھن کے بارے میں خبر دے تو لقطہ اس کو حوالہ کر دے (ب) لقطہ کے بارے میں آپ کو پوچھا تو آپ نے فرمایا لقطہ اٹھانا حلال نہیں ہے۔ جس نے کچھ اٹھایا تو اس کو ایک سال تک تشہیر کرنی چاہئے۔ پس اگر اس کا مالک آئے تو اس کو لوٹا دو۔ اور اگر اس کا مالک نہ آئے تو اس کا صدقہ کر دو (ج) ایک آدمی نے لقطہ پایا اور عبد اللہ بن عمر کے پاس آیا اور ان سے کہا میں نے لقطہ پایا ہے۔ پس آپ کی کیا رائے ہے؟ اس سے حضرت ابن عمر نے کہا اس کی تشہیر کرو۔ اس نے کہا میں کر چکا ہوں۔ ابن عمر نے فرمایا تم کو یہ حکم نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

غنيا لم یجز ان ینتفع بها [۱۲۳۵] (۱۶) وان کان فقیرا فلا بأس بان ینتفع بها [۱۲۳۶] (۱۷) ویجوز ان یتصدق بها اذا کان غنيا علی ابیه وابنه وامه وزوجته اذا کانوا فقراء۔

(۱۲۰۶۳) لفظ پانے والی عورت نے تین مرتبہ اصرار کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا تھا۔ فقالت (عائشة) اتریدین ان آمرک بذبحها (الف) (مصنف عبدالرزاق، کتاب اللقطة ج ۱ ص ۱۴۰ نمبر ۱۸۶۳۴) ان آثار سے معلوم ہوا کہ خود مالدار ہو تو لفظ کا مال استعمال نہ کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خود مالدار ہو پھر بھی لفظ کا مال تشہیر کرنے کے بعد استعمال کر سکتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ملقط کو استعمال کرنے کا حضورؐ نے حق دیا ہے۔ حدیث کا کٹرا یہ ہے۔ عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعراف عفاصها وو کائھا فان جاء احد یخبرک والا فاستنفعھا (ب) (بخاری شریف، باب ضالة الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷/۲۴۲۸ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وکلم ضالة الغنم والابل ص ۸ نمبر ۲۲۷۱/۲۲۷۲) اس سے معلوم ہوا کہ ملقط خود بھی کھا سکتا ہے چاہے وہ مالدار ہو یا غریب۔

[۱۲۳۵] (۱۶) اور اگر ملقط فقیر ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائے۔

تشریح اگر لفظ پانے والا خود فقیر ہے تو تشہیر کے بعد اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

وجہ اوپر کی امام شافعیؒ والی حدیث ہمارے نزدیک اسی پر محمول ہے کہ آدمی غریب ہو تو خود استعمال کر سکتا ہے۔ الا فاستنفعھا (بخاری شریف نمبر ۲۴۲۷/۲۴۲۸ مسلم شریف نمبر ۱۷۲۲)

[۱۲۳۶] (۱۷) اور جائز ہے کہ صدقہ کرے لفظ کو جبکہ خود مالدار ہو اپنے باپ اور بیٹے اور اپنی ماں اور اپنی بیوی پر اگر یہ لوگ فقیر ہوں۔

تشریح پانے والا خود مالدار ہے لیکن اس کا باپ، بیٹا، ماں اور بیوی غریب ہیں تو یہ ان لوگوں پر لفظ کا مال صدقہ کر سکتا ہے۔

وجہ زکوٰۃ کا اپنا مال اپنے باپ، بیٹا، ماں اور بیوی پر خرچ نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن یہ مال تو ملقط کا نہیں ہے بلکہ اجنبی کا ہے اس لئے اجنبی کا مال ملقط کے فقیر باپ یا بیٹے یا ماں یا بیوی پر لگ سکتا ہے۔ اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور جب خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے تو ان لوگوں پر کیوں خرچ نہیں کر سکتا جبکہ وہ فقیر ہوں۔



حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) دوں گا کہ تم اس کو کھا لو اگر تم ایسا چاہتے تو اس کو اٹھاتے ہی نہیں (الف) حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ تم کو بکری ذبح کرنے کا حکم دے دوں؟ (ب) ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آئے اور اپنے لفظ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال تک اس کی تشہیر کرو۔ پھر اس کا برتن اور بندھن یاد رکھو۔ پس کوئی آئے اور آپؐ کو خبر دے اس کے بارے میں تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو خرچ کر لو۔

﴿ کتاب الخنثی ﴾

[۱۶۳۷] (۱) اذا كان للمولود فرج وذكر فهو خنثى [۱۶۳۸] (۲) فان كان يبول من الذكر فهو غلام وان كان يبول من الفرج فهو انثى [۱۶۳۹] (۳) وان كان يبول منهما

﴿ کتاب الخنثی ﴾

ضروری نوٹ جس آدمی کے مرد ہونے یا عورت ہونے کا پتہ نہ چلے اس کو خنثی کہتے ہیں۔ اس کو مرد قرار دیں یا عورت، اس کے مسائل اس باب میں ہیں۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی علامت قوی ہو وہی شمار کیا جائے گا۔ مرد ہونے کی علامت قوی ہو تو مرد ہونے کو ترجیح دیں گے۔ اور عورت ہونے کی علامت قوی ہو تو عورت قرار دیں گے۔ اس کی دلیل حدیث ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو اور کوئی اور صورت نہ ہو تو علامت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ فان جاء احد يخبرك بعددها ووعاءها ووكاءها فاعطها اياه (مسلم شریف، باب معرفۃ العفاس والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۸۷ نمبر ۱۷۲۳) اس حدیث میں علامت بتانے پر لقطہ کا مال دے دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی صورت نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۶۳۷] (۱) جب بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثی ہے۔

تشریح بچہ کو عورت جیسی شرمگاہ بھی ہے اور مرد جیسا ذکر بھی ہے تو وہ خنثی کہلائے گا۔

[۱۶۳۸] (۲) پس اگر ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکا ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرتی ہو تو وہ لڑکی ہے۔

تشریح علامت تو دونوں قسم کی ہیں تو جن عضو سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا۔

مجموعہ حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ سئل عن مولود ولد له قبل وذكر من اين يورث فقال النبي ﷺ يورث من حيث يبول (الف) (سنن للبيهقي، باب ميراث الخنثى، ج ۶ ص ۴۲۸، نمبر ۱۲۵۱۸، مصنف عبدالرزاق، باب خنثى ذكر ج عاشر ص ۳۰۸ نمبر ۱۹۲۰) اس حدیث اور اثر میں ہے کہ جس سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا۔

[۱۶۳۹] (۳) پس اگر پیشاب دونوں سے کرے۔ اور پیشاب ان میں سے ایک سے پہلے آتا ہو تو ان دونوں میں سے پہلے والے کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

تشریح دونوں سوراخوں سے پیشاب آتا ہو تو جس سوراخ سے پہلے پیشاب آئے گا وہی شمار ہوگا۔ مثلاً ذکر سے پہلے پیشاب آتا ہو تو لڑکا شمار کیا جائے گا اور فرج سے پہلے پیشاب آتا ہو تو لڑکی شمار کی جائے گی۔

مجموعہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن قتادة قال سألت سعيد بن مسيب عن الذي يخلق خلق المرأة وخلق الرجل كيف

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے ایسے بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کو فرج بھی ہو اور ذکر بھی ہو تو کیسے وارث ہوگا تو حضورؐ نے فرمایا جس سوراخ سے پیشاب کرتا ہو اس اعتبار سے وارث ہوگا۔

والبول يسبق من احدهما نسب الى الاسبق منهما [۱۶۴۰] (۴) وان كانا في السبق سواء فلا يعتبر بالكثرة عند ابی حنیفة وقالوا رحمهما الله تعالى ينسب الى اكثرهما بولا [۱۶۴۱] (۵) واذا بلغ الخنثی وخرجت له لحية او وصل الى النساء فهو رجل [۱۶۴۲] (۶) فان ظهر له ثدی كثنی المرأة او نزل له لبن في ثديه او حاض او حبل او امکن

یورث؟ فقال من ايهما بال ورث قال فقال ابن المسيب ارايت ان كان ببول منهما جميعا؟ فقلت لا ادری فقال انظر من ايهما يخرج البول اسرع فعلى ذلك یورث (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب خنثی ذکر، ج ۸ ص ۳۰۹، نمبر ۱۹۲۰۵ سنن للبیہقی، باب میراث الخنثی، ج ۶ ص ۴۲۷، نمبر ۱۲۵۱۶) اس اثر میں ہے کہ جس سوراخ سے پیشاب پہلے نکلے وہی شمار کیا جائے گا۔

[۱۶۴۰] (۴) اور اگر نکلنے میں دونوں برابر ہوں تو کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا منسوب کیا جائے گا اس کی طرف جس سے زیادہ آتا ہو۔

تشریح ذکر اور فرج دونوں سوراخوں سے بیک وقت پیشاب نکلتا ہے لیکن ایک سوراخ سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے اور دوسرے سے کم نکلتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک زیادہ اور کم نکلنے سے مذکر یا مؤنث کی ترجیح نہیں دی جائے گی۔

مجموعہ یہ مذکر یا مؤنث ہونے کی علامت نہیں ہے بلکہ سوراخ کے وسیع ہونے کی وجہ سے زیادہ آ رہا ہے اور تنگ ہونے کی وجہ سے پیشاب کم آ رہا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ترجیح کا کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے پیشاب کے کم اور زیادہ نکلنے کو مذکر اور مؤنث بنانے کی علت قرار دی جائے گی۔ یعنی اگر ذکر سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے تو مذکر ہے۔ اور فرج سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے تو مؤنث ہے۔

[۱۶۴۱] (۵) اگر خنثی بالغ ہو جائے اور اس کی ڈاڑھی نکل جائے یا وہ عورت سے صحبت کر لے تو وہ مرد ہے۔

مجموعہ یہ دونوں علامتیں مرد ہونے کی ہیں۔ اس لئے وہ مرد شمار ہوگا۔

[۱۶۴۲] (۶) پس اگر عورت کی طرح اس کو پستان ظاہر ہوں یا اس کے پستان سے دودھ اتر آئے یا حیض آجائے یا حمل رہ جائے یا فرج کی جانب سے اس سے صحبت ممکن ہو تو وہ عورت ہے۔

تشریح خنثی کو عورت کی طرح پستان ظاہر ہو جائے، یا اس کے پستان سے دودھ آنے لگے، یا حیض آجائے، یا حمل ٹھہر جائے، یا اس کی شرمگاہ

حاشیہ: (الف) میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا ایسا آدمی جس میں عورت کی تخلیق ہو اور مرد کی تخلیق ہو وہ کیسے وارث ہوگا؟ فرمایا جہاں سے پیشاب کرتا ہو اس اعتبار سے وارث ہوگا۔ ابن مسیب کہنے لگے اگر دونوں سوراخوں سے پیشاب کرتا ہو؟ میں نے کیا مجھے معلوم نہیں۔ فرمایا دیکھو کس سوراخ سے پیشاب جلدی نکلتا ہے۔ پس اس اعتبار سے وارث ہوگا۔

الوصول اليه من جهة الفرج فهو امرأة [۱۶۴۳] (۷) فان لم يظهر له احدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل [۱۶۴۴] (۸) واذا وقف خلف الامام قام بين الصف الرجال والنساء [۱۶۴۵] (۹) وتبتاع له امة من ماله تختنه ان كان له مال فان لم يكن له مال ابتاع له الامام من بيت المال امة فاذا ختنته باعها ورد ثمنها الى بيت المال.

کی جانب سے صحبت کرنا ممکن ہو جائے تو اس خنثی کو عورت شمار کریں گے۔

وجہ اس لئے کہ یہ علامتیں عورت کی ہیں۔ اس لئے عورت کے حکم میں ہوگی۔

اصول علامتوں پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۶۴۳] (۷) پس اگر ان علامتوں میں سے کچھ ظاہر نہ ہوں تو وہ خنثی مشكل ہے۔

تشریح مرد یا عورت کی علامتوں میں سے کچھ پتہ نہ چلے تو اب کسی جانب اس کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے اب وہ خنثی مشكل ہے۔

وجہ مرد یا عورت میں سے کسی کی علامت نہ ہو تو اب کیا کرے۔

[۱۶۴۴] (۸) اور اگر امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مرد اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔

تشریح اگر علامت کی وجہ سے کسی ایک جانب ترجیح دے دی جاتی تب تو اسی کے احکام جاری ہوتے۔ لیکن علامت نہ ہونے کی وجہ سے کسی

ایک جانب ترجیح نہ دی جاسکتی اس لئے اب عورت اور مرد کے درمیان ہوگا اور اس پر درمیانی احکام جاری ہوں گے۔ اس کی وجہ سے یہ امام کے

پیچھے کھڑا ہو تو مردوں کی صف اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔

وجہ کیونکہ یہ نہ مرد ہے اور نہ عورت۔ اگر مرد کے ساتھ کھڑا ہو تو عورت ہونے کی وجہ سے ان کی نماز مکروہ ہوگی۔ اور اگر عورت کے ساتھ کھڑا

ہو تو مرد ہونے کی وجہ سے ان کی نماز خراب ہوگی۔ اس لئے دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔

[۱۶۴۵] (۹) خنثی کے لئے باندی خریدی جائے گی اس کے مال سے جو اس کی ختنہ کرے اگر اس کے پاس مال ہو۔ پس اگر اس کے پاس مال

نہ ہو تو اس کے لئے امام خریدے گا باندی بیت المال سے، پس جب اس کا ختنہ کر چکے تو باندی کو بیچ دے اور اس کی قیمت بیت المال کی طرف

واپس کرے۔

تشریح خنثی بڑا ہو چکا ہو اور اس کے ختنہ کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے ستر کو مرد کے لئے دیکھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ عورت ہے۔ اور عورت کے

لئے دیکھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ مرد ہے۔ اس لئے آخری شکل یہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہو تو اس سے اس کے لئے باندی خریدے۔ اور وہ

باندی اس کی ختنہ کر دے۔ یا اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو امام بیت المال سے اس کے لئے باندی خریدے اور وہ باندی ختنہ کر دے۔ اور ختنہ

کرنے کے بعد باندی بیچ دے اور اس کی قیمت بیت المال میں دوبارہ جمع کروادے۔

اصول کوشش کی جائے کہ اس کا ستر کوئی نہ دیکھے۔

[۱۶۴۶] (۱۰) وان مات ابوه وخلف ابنا وخنثی فالمال بينهما عند ابی حنیفة علی ثلاثة اسهم للابن سهمان وللخنثی سهم وهوانثی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالى فی المیراث الا ان یثبت غیر ذلك [۱۶۴۷] (۱۱) وقالوا للخنثی نصف میراث الذکر ونصف میراث الانثی وهو قول الشعبي [۱۶۴۸] (۱۲) واختلفا فی قیاس قوله فقال ابو یوسف رحمه الله

[۱۶۴۶] (۱۰) اگر خنثی کے والد کا انتقال ہو جائے اور ایک لڑکا اور ایک خنثی چھوڑے تو مال دونوں کے درمیان امام ابوحنیفہ کے نزدیک سہام پر ہوگا۔ لڑکے کے لئے دو سہام اور خنثی کے لئے ایک سہام۔ اور وہ خنثی مؤنث ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک میراث میں مگر یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے۔

تشریح حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک میراث کے سلسلے میں خنثی مؤنث کے حکم میں ہے۔ اس لئے باپ مر اور ایک لڑکا اور خنثی چھوڑا تو لڑکے کو پورے مال کے دو حصے ملیں گے اور خنثی کو ایک حصہ ملے گا۔ اور مال تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

وجہ خنثی عورت ہو یہ کم درجہ ہے اور یقینی ہے اس لئے اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۶۴۷] (۱۱) اور صاحبین نے فرمایا خنثی کے لئے مذکر کی میراث کا آدھا اور مؤنث کی میراث کا آدھا ہوگا۔ اور یہی قول ہے شععی کا۔

تشریح صاحبین کے نزدیک خنثی کو میراث میں بھی مذکر اور مؤنث کے درمیان رکھیں گے۔ اس لئے مؤنث سے آگے اور مذکر کے حصے سے کم ملے گا۔ اور اس کا حساب اس طرح کیا جائے گا کہ مذکر کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور مؤنث کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور دونوں حصوں کو ملا کر خنثی کو دیا جائے۔ جس سے مؤنث سے آگے اور مذکر سے کم ہو جائے گا۔ اور دونوں کے درمیان میں جو حصہ ہوگا وہ مل جائے گا۔

[۱۶۴۸] (۱۲) اور اختلاف کیا ان کے قول کے قیاس میں۔ پس امام ابو یوسف نے فرمایا مال دونوں کے درمیان سات حصوں پر ہوگا۔ بیٹے کے لئے چار اور خنثی کے لئے تین۔

تشریح یہ حضرت امام شععی کے قول کی تشریح ہے کہ خنثی کو مذکر اور مؤنث کے درمیان رکھا جائے۔ اور مثال مذکور میں باپ کا انتقال ہوا اور ایک لڑکا اور ایک خنثی چھوڑا تو مسئلہ سات حصوں سے بنائیں گے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ باپ مرنے کے بعد تنہا خنثی موجود ہوتا تو اس کو کس طرح حصہ ملتا۔ اس اعتبار سے سہام کی تقسیم کی جائے گی۔ جبکہ امام محمد کے نزدیک لڑکا اور خنثی دونوں ایک ساتھ موجود ہو تو کس طرح ان کو حصے ملیں گے اس کا اعتبار کیا ہے۔

مسئلہ کی تشریح اس طرح ہے کہ ایک لڑکا ہو تو اس کو پورا مال ملتا ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ خنثی کو لڑکے کا آدھا ملے گا اور لڑکی کا بھی آدھا ملے گا۔ اور دونوں حصوں کو ملا کر جو ہوگا وہ خنثی کو دیا جائے گا۔ اس لئے پورے مال کے چار حصے بنائیں تو خنثی کو پورے چار حصے کا آدھا دو حصے ملیں گے۔ اور ایک لڑکی ہو تو پورے مال کا آدھا ملے گا یعنی چار حصوں کا آدھا دو حصے ملیں گے۔ اور خنثی کو لڑکی کے حصوں کا بھی آدھا ملتا ہے۔ اس

تعالی المال بینہما علی سبعة اسهم للابن اربعة وللخنثی ثلثة [۱۶۲۹] (۱۳) وقال محمد المال بینہما علی اثنا عشر سہما للابن سبعة وللخنثی خمسة.

لئے دو حصوں کا آدھا ایک حصہ ہوا تو گویا کہ خنثی کو چار حصوں میں سے تین حصے ملیں گے اور لڑکے کو چار حصے ملے اور دونوں کو ملا کر مجموعہ سات حصہ سے باپ کا مال تقسیم ہوگا۔ ان میں سے خنثی کو تین حصے ملیں گے اور لڑکے کو چار حصے ملیں گے۔

آج کل تمام حساب کلکیو لیٹر سے ہوتے ہیں اس لئے اس سے اوپر کا مسئلہ اس طرح ہوگا۔ کلکیو لیٹر میں تمام حساب سو سو چلتے ہیں اور عشراریہ اور پوائنٹ سے حساب کرتے ہیں۔ اس لئے لڑکے کو پورے مال سے سو فی صد 100% ملیں گے۔ اور خنثی کو لڑکے کے پورے حصے یعنی سو فی صد 100% میں آدھا یعنی 50% (پچاس فی صد) ملیں گے۔ اور لڑکی کو آدھا ملتا ہے یعنی پورے مال کا 50% (پچاس فی صد) ملتا ہے۔ اس لئے اس کا بھی آدھا 25% (پچیس فی صد) ملیں گے۔ اب 50% اور 25% دونوں کو ملا کر 75% خنثی کو ملے۔ اب لڑکے کے حصے 100% اور خنثی کے حصے 75% دونوں کو ملائیں تو مجموعہ 175% ہوئے۔ ان کو 100 میں تقسیم کریں تو یہ نکلے گا 0.5714285% یہ ایک حصہ ہوا۔ اب اس کو 75 میں ضرب دیں جو خنثی کا حصہ ہے تو 42.857137 حصے نکلیں گے۔ جو مثلاً سودرہم باپ کی جائداد ہو تو ان میں سے خنثی کو 42 درہم اور 85 پیسے ملیں گے۔ اور لڑکے کے حصے 100 کو 0.5714285 میں ضرب دیں تو 57.14285 حصے نکلیں گے۔ یعنی خنثی کے ساتھ لڑکا ہوا اور باپ کی جائداد سودرہم ہوں تو لڑکے کو ان میں سے 57 درہم اور 14 پیسے ملیں گے۔

[۱۶۲۹] (۱۳) اور امام محمد نے فرمایا مال ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر ہوگا۔ بیٹے کے لئے سات اور خنثی کے لئے پانچ حصے ہوں گے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک لڑکے اور خنثی کو ملا کر کس طرح حصے ملیں گے اس کا اعتبار ہوگا۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی دونوں کو لڑکے کا مال تو دونوں کو آدھا ملے گا۔ اور خنثی کو اس کا بھی آدھا ہوگا۔ اور ایک کو لڑکا کا مال تو لڑکے کو دو تہائی اور خنثی کو ایک تہائی ملے گا۔ اور اوپر گزر گیا کہ اس ایک تہائی کا بھی آدھا کر کے اس میں خنثی کو دیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے کے آدھے کا آدھا اور دوسرے کے تہائی کا آدھا دونوں کو ملا کر جو مجموعہ ہوگا وہ خنثی کو ملے گا اور باقی لڑکے کو ملے گا۔ صورت مسئلہ اگلے صفحہ پر دیکھئے۔

(صورت مسئلہ)

| (۱) | | (۲) | |
|------|---------------------|------|---------------------|
| لڑکا | خنثی (لڑکا مان لیں) | لڑکا | خنثی (لڑکی مان لیں) |
| ۱ | ۱ | ۲ | ۱ |
| ۳ | ۳ | ۴ | ۲ |
| ۶ | ۶ | ۸ | ۴ |

خنثی کا حصہ

$$\begin{array}{rcl} & \text{پہلے سے} & ۶ \\ & \text{دوسرے سے} & ۴ \\ ۱۰ & \div ۲ = & ۵ \end{array}$$

لڑکے کا حصہ

$$\begin{array}{rcl} & \text{پہلے سے} & ۶ \\ & \text{دوسرے سے} & ۸ \\ ۱۴ & \div ۲ = & ۷ \end{array}$$

تفصیل یہ ہے کہ اس حساب کو غور سے دیکھیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لڑکے کے ساتھ پہلے نمبر میں خنثی کو لڑکا مانا اس لئے دونوں کو آدھا آدھا ملا۔ اور اصل مسئلہ ۲ سے چلایا اور دونوں کو ایک ایک دے دیا۔ اور مسئلہ نمبر دو میں لڑکے کے ساتھ خنثی کو لڑکی مانا اور لڑکے کو دو تہائی اور لڑکی کو ایک تہائی دیا اور اصل مسئلہ ۳ سے چلایا۔ اب پہلا مسئلہ ۲ سے چلائے اور دوسرا مسئلہ ۳ سے چلائے۔ اس لئے دونوں میں موافقت نہیں ہے اس لئے ۲ کو ۳ میں ضرب دیا اور ۶ سے اصل مسئلہ چلایا۔ اب پہلے مسئلہ میں لڑکا اور خنثی کو تین تین مل گئے۔ اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو ۶ میں سے ۴ اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۶ میں سے ۲ ملے۔ اس صورت میں خنثی کو پہلے مسئلے میں ۳ ملے اس کا آدھا کریں گے ڈیڑھ ہوگا اور پچھلے زمانے میں کسر سے حساب نہیں کرتے تھے اس لئے اس کو صحیح عدد پر لانے کے لئے اور پورے عدد پر لانے کے لئے اصل مسئلہ ۶ کو ۲ سے ضرب دیا اور اصل مسئلہ ۱۲ سے چلایا۔ اس صورت میں پہلے مسئلے میں لڑکے کو ۱۲ میں سے ۶ ملے اور خنثی کو لڑکا ماننے کی وجہ سے ۶ ملے۔ اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو ۱۲ میں سے دو تہائی یعنی ۸ ملے اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۴ ملے۔ اب لڑکے کے لئے پہلے مسئلے میں سے ملے ہوئے حصے ۶ اور دوسرے مسئلے میں ملے ہوئے حصے ۸ کو جمع کریں تو ۱۴ حصے ہوئے اس کا آدھا کریں گے۔ اور ۱۴ کو ۲ سے تقسیم کریں گے تو ۷ حصے نکلیں گے۔ جو لڑکے کو ملیں گے۔ اور خنثی کو پہلے مسئلے میں ۶ اور دوسرے مسئلے میں ۴ ملے ہیں۔ اس لئے دونوں کو جمع کریں گے تو ۱۰ ہوں گے۔ اور ۱۰ کا آدھا کریں گے اور ۲ سے تقسیم کریں گے تو ۵ نکلیں گے۔ جو خنثی کے حصے ہوں گے۔ کیونکہ اس کو لڑکا کا آدھا اور لڑکی کا آدھا ہی ملتا ہے۔ کلکیو لیٹر سے کیا ہوا حساب اگلے صفحہ پر دیکھئے۔

(کلکیو لیٹر کا حساب)

| | | | |
|---------------------|--------|---------------------|------|
| 100 | (۲) | 100 | (۱) |
| خنثی (لڑکی مان لیں) | لڑکا | خنثی (لڑکا مان لیں) | لڑکا |
| 33.333 | 66.666 | 50 | 50 |

خنثی کا حصہ

$$\begin{array}{rcl} & \text{پہلے مسئلہ میں} & 50 \\ & \text{دوسرے مسئلہ میں} & 33.333 \\ 83.33 & \div 2 = & 41.66 \end{array}$$

لڑکے کا حصہ

$$\begin{array}{rcl} & \text{پہلے مسئلہ میں} & 50 \\ & \text{دوسرے مسئلہ میں} & 66.666 \\ 116.666 & \div 2 = & 58.33 \end{array}$$

نوٹ کلکیو لیٹر کا حساب سمجھنے کے لئے یہ باتیں ملحوظ رکھیں۔

کلکیو لیٹر میں اصل مسئلہ 100 سے چلے گا۔ اس سے کم بھی نہیں اور زیادہ بھی نہیں۔ اس کو ہم فیصد کہتے ہیں۔ پوری دنیا میں اب 100 کا حساب ہے۔ اس لئے اس طریقہ کار کو اہمیت حاصل ہے۔

اس حساب میں آدھا کو 50%، چوتھائی کو 25% اور آٹھواں کو 12.50% کہتے ہیں۔ اور تہائی کو 33.33%، دو تہائی کو 66.66% اور چھٹے حصے کو 16.66% (فیصد) کہتے ہیں۔

اب صورت مسئلہ غور سے دیکھیں۔ پہلے مسئلے میں لڑکے کو 100% میں سے 50% ملے ہیں۔ اور خنثی کو لڑکا ماننے کی وجہ سے اس کا آدھا یعنی 100% میں سے 50% ملے ہیں۔ اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو دو تہائی یعنی 100% میں سے 66.66% یعنی چھیا سٹھ عشاریہ چھیا سٹھ ملے ہیں۔ اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے 100% میں سے ایک تہائی یعنی 33.33% ملے ہیں۔

اب لڑکے کے حصے کو پہلے مسئلے میں سے 50% اور دوسرے مسئلے میں سے 66.66% کو جمع کریں تو مجموعہ 116.66 ہوئے۔ اور اس کا آدھا کریں یعنی 2 سے تقسیم کریں تو 58.33% نکلیں گے یعنی والد کی جائداد مثلاً 100 درہم ہوں تو لڑکے کو ان میں سے 58.33% ملیں گے۔ یعنی 58 درہم اور 33 پیسے ملیں گے۔

اور خنثی کو پہلے میں مسئلے میں لڑکا ماننے کی وجہ سے 50% ملے تھے۔ اور دوسرے مسئلے میں لڑکی ماننے کی وجہ سے 33.33% ملے تھے۔ ان دونوں حصوں کو جمع کریں تو 50% اور 33.33% تو مجموعہ 83.33% ہوئے۔ اور چونکہ لڑکے اور لڑکی دونوں کا آدھا آدھا خنثی کو ملتا ہے۔ اس لئے 83.33 کو 2 سے تقسیم کر دیں جس سے دونوں کا آدھا ہو جائے گا تو 41.66% نکلیں گے۔

یعنی اگر باپ کی جائداد 100 درہم ہو تو لڑکے کے ساتھ خنثی کو اس میں سے 41 درہم اور 66 پیسے ملیں گے۔

دونوں اماموں کے درمیان تقسیم میں فرق یہ ہے۔

| خنثی کو | لڑکے کو | |
|----------------|-------------------|-------------------------|
| 42.857 | 57.142 | امام ابو یوسفؒ کے نزدیک |
| 41.666 | 58.333 | امام محمدؒ کے نزدیک |
| 1.191 (کم ملا) | 1.191 (زیادہ ملا) | |



﴿ کتاب المفقود ﴾

[۱۶۵۰] (۱) اذا غاب الرجل فلم يعرف له موضع ولا يعلم احي هو ام ميت نصب القاضى من يحفظ ماله ويقوم عليه [۱۶۵۱] (۲) ويستوفى حقوقه [۱۶۵۲] (۳) وينفق

﴿ کتاب المفقود ﴾

ضروری نوٹ کوئی آدمی گھر سے بالکل غائب ہو جائے تو اس کو مفقود کہتے ہیں۔ اس کی بیوی اور اس کے مال کے کیا احکام ہیں اس کے بارے میں اس باب میں بیان ہے۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امراته حتى يأتيها الخبر (الف) (دارقطني، کتب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰ سنن للبیہقی، باب من قال امرأة المفقود امراته حتى يأتيها يلقين وفاته، ج سابع ص ۳۱۷، نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے مفقود کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ موت کے یقین ہونے سے پہلے وہ مفقود کی بیوی ہے۔

[۱۶۵۰] (۱) اگر آدمی غائب ہو جائے اور اس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو، اور نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ تو متعین کرے گا قاضی کسی شخص کو جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور انتظام رکھے۔

تشریح کوئی آدمی اس طرح غائب ہو گیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو اب قاضی کسی آدمی کو متعین کرے تاکہ وہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس کی نگرانی کرے اور اس کے مال کا انتظام کرے۔

مجب ایسے آدمی کے لئے قاضی ہی منتظم ہوتا ہے۔ اس لئے قاضی ہی کسی آدمی کو متعین کرے گا تاکہ اس کے مال کی حفاظت کرے۔ [۱۶۵۱] (۲) اس کے لئے حقوق وصول کرے۔

تشریح مفقود کا کسی پر فرض ہو یا کوئی حق ہو تو متعین کردہ آدمی وہ فرض وصول کرے گا اور دیگر حقوق بھی وصول کرے گا اور ان کو مفقود کے لئے محفوظ رکھے گا۔

[۱۶۵۲] (۳) اور خرچ کرے گا اس کی بیوی پر اور اس کے چھوٹے بچوں پر اس کے مال میں سے۔

تشریح مفقود کا جو مال ہے وہ مال اس کی بیوی اور اس کے چھوٹے اولاد پر وصی خرچ کرے گا۔

مجب اس لئے کہ بیوی مفقود کے لئے مجبوس ہے۔ اور چھوٹی اولاد کا خرچ بھی ابھی اس کے ذمے ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر مفقود کے مال سے خرچ کیا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن عباس وابن عمر قالوا جميعا في امرأة المفقود تنتظر اربع سنين قال ابن عمر ينفق عليها فيها من مال زوجها لانها حسبت نفسها عليه (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يغيب عن امراته فلا ينفق عليها،

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا مفقود کی بیوی اس کی بیوی رہے گی جب تک واضح خبر نہ آجائے (ب) عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ بن عمر نے فرمایا مفقود کی عورت چار سال تک انتظار کرے۔ ابن عمر نے فرمایا اس پر خرچ کیا جائے گا اس کے شوہر کے مال سے۔ اس لئے کہ اپنے آپ کو اس کے لئے مجبوس کیا ہے۔

علی زوجته واولاده الصغار من ماله [۱۶۵۳] (۴) ولا یفرق بینہ و بین امرأته.

ج سابع ص ۹۴، نمبر ۱۲۳۴ سنن للبیہقی، باب من قال تنظر اربع سنین ثم اربعة اشهر وعشرا ثم حل، ج سابع ص ۳۳، نمبر ۱۵۵۶۹ اس اثر سے معلوم ہوا کہ مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جائے گا۔

[۱۶۵۳] (۴) مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

تشریح جب تک کہ کوئی حتمی بات نہ ہو جائے مثلاً موت کی خبر آجائے یا طلاق نہ ہو جائے اس وقت تک مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

وجہ اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزری۔ عن المغيرة بن شعبه قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها الخبر (الف) (دارقطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰ سنن للبیہقی، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها یقین وفاته، ج سابع ص ۳۱، نمبر ۱۵۵۶۵) (۲) عن علی فی امرأة المفقود اذا قدم وقد تزوجت امرأته هی امرأته ان شاء طلق وان شاء امسک ولا تسخیر (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها یقین وفاته، ج سابع ص ۳۱، نمبر ۱۵۵۶۲) مصنف عبد الرزاق، باب التي لا تعلم مهلك زوجها ج سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۳۰ اس اثر سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے۔ کیونکہ وہ مفقود کی بیوی ہے (۳) عن ابن جریح قال بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انها تنتظره ابدا (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب التي لا تعلم مهلك زوجها ج سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ مفقود کا انتظار کرے گی۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبر نہ آئے تو چار سال کے بعد مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر عورت کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہاں ہے۔ عن ابی عثمان قال اتت امرأة عمر بن الخطاب قال استهوت الجن زوجها فامرها ان تبرص اربع سنین ثم امر ولی الذی استهوتہ الجن ان یطلقها ثم امرها ان تعتد اربعة اشهر وعشرا (د) (دارقطنی، کتاب النکاح، ج ثالث ص ۲۱۷، نمبر ۳۸۰ سنن للبیہقی، باب من قال تنظر اربع سنین ثم اربعة اشهر وعشرا ثم حل، ج سابع ص ۳۲، نمبر ۱۵۵۶۶) مصنف عبد الرزاق، باب التي لا تعلم مهلك زوجها ج سابع ص ۸۵ نمبر ۱۲۳۱۷ اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار سال گزار کر موت کا فیصلہ دیا جائے گا۔

نوٹ زمانہ خراب ہونے کی وجہ سے جوان عورت کے لئے آج کل اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مفقود کی عورت اس کی بیوی ہے جب تک کہ واضح خبر نہ آجائے (ب) حضرت علیؑ نے مفقود کی بیوی کے بارے میں بتایا۔ اگر مفقود آجائے اور اس کی بیوی شادی کر چکی ہو تب بھی وہ اس کی بیوی ہے۔ اگر چاہے طلاق دے اور چاہے تو روک لے۔ اور عورت کو اختیار نہیں ہوگا (ج) عبد اللہ بن مسعود نے حضرت علیؑ کی موافقت کی اس بات پر کہ مفقود کی بیوی ہمیشہ انتظار کرے گی (د) ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی، اس کے شوہر کو جن اڑا لے گیا تھا تو اس کو حکم دیا کہ چار سال تک انتظار کرے۔ پھر حکم دیا اس کے ولی کو جس کو جن اڑا کر لے گیا کہ اس کو طلاق دے دے۔ پھر اس کو حکم دیا کہ چار ماہ دس دن گزارے۔

[۱۶۵۴] (۵) فاذا تم له مائة وعشرون سنة من يوم ولد حکمنا بموته واعتدت امرأته وقسم ماله بين ورثته الموجودين في ذلك الوقت [۱۶۵۵] (۶) ومن مات منهم قبل ذلك لم يرث منه شيئاً [۱۶۵۶] (۷) ولا يرث المفقود من احد مات في حال فقده.

[۱۶۵۴] (۵) پس جبکہ اس کے لئے ایک سو بیس سال پورے ہو جائیں جس دن سے پیدا ہوا ہے تو حکم لگا دیں گے اس کی موت کا۔ اور عدت گزارے گی اس کی عورت اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال اس وقت میں موجود ورثہ کے درمیان۔

تشریح زیادہ سے زیادہ آدمی ایک سو بیس سال زندہ رہتا ہے اس لئے پیدائش سے لیکر ایک سو بیس سال گزار جائے تو اب حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس وقت اس کی بیوی عدت وفات گزارے گی۔ اور اس وقت جو ورثہ موجود ہوں ان کے درمیان اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔
مذہب ایسا سمجھا جائے گا کہ ابھی وفات ہوئی ہے۔ اس لئے اس وقت جتنے ورثہ موجود ہوں گے ان میں اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔ اور جو لوگ اس سے پہلے مر چکے ہیں ان میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا (۲) موت کے فیصلے کے بعد مال تقسیم کرنے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن قتادة قال اذا مضت اربع سنين من حين ترفع امرأة المفقود امرها انه يقسم ماله بين ورثته (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب التي لا تعلم مهلك زوجها سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۲۹) اس اثر میں اگرچہ یہ ہے کہ چار سال کے بعد مفقود کے لئے موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ تاہم یہ پتہ چلا کہ موت کے فیصلے کے بعد اس کا مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ چاہے جب بھی موت کا فیصلہ ہو۔

نوٹ ایک سو بیس سال کے پہلے غالب گمان کی کوئی بات سامنے آجائے تو اس وقت بھی موت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

[۱۶۵۵] (۶) ورثہ میں سے جو اس سے پہلے مر جائے تو مفقود کے کسی چیز کے وارث نہیں ہوں گے۔

تشریح مفقود کی موت کے حکم لگانے سے پہلے جو ورثہ مر جائے وہ مفقود کے کسی مال کے وارث نہیں ہوں گے۔

مذہب مفقود پر موت کے حکم سے پہلے گویا کہ وہ زندہ ہے۔ اور زندہ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس لئے مفقود کے مال کا وارث نہیں ہوگا۔

[۱۶۵۶] (۷) اور مفقود ان میں سے کسی کا وارث نہیں ہوگا جو مر گئے ہوں اس کے گم ہونے کی حالت میں۔

تشریح مثلاً ۲۰۰۰ء کی پہلی تاریخ کو مفقود گم ہوا اور چار سال بعد اس پر موت کا حکم لگایا تو دو ہزار سے دو ہزار چار تک جو لوگ مفقود کے مورث میں سے انتقال ہوں گے ان میں سے کسی کا وہ وارث نہیں ہوگا۔

مذہب استحقاق کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ وہ دو ہزار کی پہلی تاریخ ہی کو مر گیا ہے۔ کیونکہ اس کی موت اسی وقت سے مشتبہ ہے۔ بس اس طرح سمجھیں گے کہ لوگ اس کے مال کے وارث ہوں گے مفقود پر موت کے فیصلے کے بعد۔ اور وہ خود لوگوں کی وراثت سے محروم ہوگا بھاگنے ہی کے دن سے۔

حاشیہ : (الف) حضرت قتادہ نے فرمایا جب مفقود کی بیوی کے معاملہ اٹھانے کے بعد چار سال گزار جائے تو اس کو حکم دیں گے کہ اس کا مال ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔

﴿ کتاب الابق ﴾

[۱۶۵۷] (۱) اذا ابق المملوک فردہ رجل علی مولاه من مسیرة ثلثة ايام فصاعدا فله

علیه جُعلہ وهو اربعون درهما وان ردہ لاقل من ذلک فبحسابہ [۱۶۵۸] (۲) وان کانت

ضروری نوٹ غلام مولیٰ کے قبضے سے بھاگ جائے اس کو ابق کہتے ہیں۔ جو آدمی اس کو لائے گا اس کو لانے کا انعام ملے گا جس کو جعل کہتے

ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال قضی رسول اللہ ﷺ فی العبد الابق یوجد فی الحرم بعشرة

دراهم (الف) (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج ۶ ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳ مصنف عبدالرزاق، باب الجعل فی الابق، ج ۸ ص ۲۰۸،

نمبر ۱۴۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا بھاگے ہوئے غلام کو حرم سے لائے تو دس درہم ملیں گے۔ اس سے جعل کا ثبوت ہوا۔

[۱۶۵۷] (۱) اگر مملوک بھاگ جائے اور کوئی آدمی اس کے مولیٰ کے پاس تین دن کی مسافت سے لائے یا اس سے زائد سے لائے تو اس کے

لئے اس کی مزدوری ہے اور وہ چالیس درہم ہے۔ اور اگر اس سے کم مسافت سے واپس کیا تو اس کے حساب سے ہوگا۔

تشریح اثر میں اختلاف ہے۔ بعض اثر سے پتہ چلتا ہے کہ چالیس دیئے جائیں اس لئے حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ تین دن کی مسافت یا اس

سے زائد سے لائے تو چالیس درہم دیئے جائیں۔ اور اس سے کم سے لائیں تو اس کے حساب سے دیئے جائیں۔

مجا دس درہم دینے کی حدیث ضروری نوٹ میں گزری۔ قال قضی رسول اللہ فی العبد الابق یوجد فی الحرم بعشرة دراهم

(ب) (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج ۶ ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳) اور چالیس درہم کے لئے یہ اثر ہے۔ عن ابی عمرو والشیبانی قال اصبت

علمانا اباقا بالعين فأتیئت عبد الله بن مسعود فذكرت ذلك له فقال الاجر والغنیمة قلت هذا الاجر فما الغنیمة ؟

قال اربعون درهما من کل رأس (ج) (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج ۶ ص ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲۵ مصنف عبدالرزاق، باب الجعل فی

الابق ج ۸ ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۹۱) اس اثر میں چالیس درہم دینے کا تذکرہ ہے۔ اور حساب سے دینے کا ذکر اس اثر میں ہے۔ ان عمر بن

عبد العزیز قضی فی یوم بدینار وفی یومین دینارین وفی ثلاثة ايام ثلاثة دنانیر فما زاد علی الاربعة فلیس له الا اربعة

(مصنف عبدالرزاق، باب الجعل فی الابق ج ۸ ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۹۱) اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا

اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ اس لئے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔ اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔ اور تین دن

کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

[۱۶۵۸] (۲) اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو لوٹانے والے کے لئے فیصلہ کریں گے اس کی قیمت کا مگر ایک درہم۔

تشریح مثلاً غلام کی قیمت تیس درہم تھی اور واپس لانے والے نے تین دن کی مسافت سے واپس لایا ہے اس لئے اس کو چالیس درہم ملنے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فیصلہ کیا کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پائے تو اس کے لئے دس درہم ہیں (ب) حضورؐ نے فیصلہ کیا کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پایا جائے تو دس

درہم ہوگا (ج) ابی عمرو شیبانی نے فرمایا مقام عین پر بھاگا ہوا غلام پایا۔ پس عبد اللہ بن مسعود کے پاس آیا اور اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اجر اور غنیمت ہوں گے۔ میں

نے کہا یہ اجر ہے تو غنیمت کیا ہے؟ فرمایا چالیس درہم ہر آدمی کا۔

قیمتہ اقل من اربعین درهما قضی له بقيمتہ الا درهما [۱۶۵۹] (۳) وان ابق من الذی ردہ فلا شیء علیہ ولا جُعل له [۱۶۶۰] (۴) وینبغی ان یشہد اذا اخذہ انه یأخذ لیرد علی صاحبہ [۱۶۶۱] (۵) فان کان العبد الآبق رهنًا فالجعل علی المرتہن.

چاہئے۔ اب اگر مالک پر چالیس درہم لازم کرتے ہیں تو تیس درہم کے غلام کے بدلے چالیس درہم دینا پڑ رہا ہے جو مالک پر بوجھ ہوگا۔ اس لئے غلام کی جتنی قیمت ہے اس سے ایک درہم کم کر کے فیصلہ کریں گے۔ مثلاً انتیس درہم دلوائیں گے تاکہ واپس لانے والے کو بھی مزدوری مل جائے اور مالک کو بھی غلام کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اثر میں چالیس درہم کا تذکرہ ہے اس لئے تین دن کی مسافت سے لایا ہے تو چالیس درہم ہی لازم کریں گے۔

[۱۶۵۹] (۳) اور اگر بھاگ گیا اس سے جو واپس لوٹا رہا تھا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مزدوری ہے۔

تشریح جو آدمی غلام کو واپس لا رہا تھا اس کے ہاتھ سے بھی غلام بھاگ گیا اور واپس لانے والے کے بغیر تعدی کے بھاگ گیا تو اس پر غلام کا ضمان نہیں ہے۔ لیکن اس کو مزدوری بھی نہیں ملے گی۔ کیونکہ اس نے واپس نہیں لایا تو مزدوری کیسی؟

وجہ اثر میں ہے عن علی فی الرجل یجد الآبق فیأبق منه لا یضمنہ وضمنہ شریح ونحن نقول بقول علی ان کان الآبق ابق من دون تعدیہ (الف) (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج سادس، ص ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲ / مصنف عبدالرزاق، باب العبد الآبق یا بقی من اخذہ ج ثامن ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۹۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ واپس لانے والے سے بھاگ جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

[۱۶۶۰] (۴) اور مناسب ہے کہ گواہ بنائے جب غلام کو لے کہ اس کو پکڑا ہے تاکہ اس کے مالک کو لوٹائے۔

وجہ گواہ بنانے سے یہ تہمت نہیں رہے گی کہ اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مزدوری کا مستحق ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر اپنے لئے پکڑا ہو تو پکڑنے والا مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا۔

[۱۶۶۱] (۵) پس اگر بھاگنے والا غلام رہن پر ہو تو مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

وجہ مرتہن یعنی جس کے پاس غلام رہن پر رکھا ہوا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ غلام کو حفاظت سے رکھے۔ اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی (۲) مرتہن کا مال پھنسا ہوا ہے اور غلام واپس کر کے اس کے مال کو بچایا اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

اصول جس پر حفاظت لازم ہے اس پر مزدوری ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا کوئی آدمی بھاگے ہوئے غلام کو پائے اور اس سے بھی بھاگ جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور حضرت شریح نے اس کو ضامن بنایا تھا۔ اور حضرت علیؓ کے قول کو لیتے ہیں اگر بھاگا ہو غلام بغیر تعدی کے بھاگ جائے۔

﴿ کتاب احیاء الموات ﴾

[۱۶۶۲] (۱) الموات مالا ینتفع به من الارض لانقطاع الماء عنه او لغلبة الماء علیه او ما اشبه ذلك مما یمنع الزراعة [۱۶۶۳] (۲) فما كان منها عادیا لا مالک له او كان مملوکا فی الاسلام لا یعرف له مالک بعینه وهو بعید من القرية بحيث اذا وقف انسان

﴿ کتاب احیاء الموات ﴾

ضروری نوٹ جوزمین ویسے ہی پڑی ہوئی ہو اور کوئی آدمی کاشت نہ کر رہا ہو اس کو مردہ زمین کہتے ہیں۔ اس زمین کو آباد کرنے کو احیاء الموات کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن عائشة عن النبی ﷺ قال من اعمار ارضا لیست لاحد فهو حق قال عروة قضی به عمر فی خلافتہ وقال عمر من احیا ارضا میتة فهي له (الف) (بخاری شریف، باب من احیا ارضا میتة ص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۵ رتزدی شریف، باب ذکر فی احیاء ارض الموات ص نمبر ۱۳۷۸) اس حدیث میں ہے کہ کوئی مردہ زمین آباد کر لے تو وہ اس کی ہو جائے گی۔

[۱۶۶۲] (۱) موات وہ زمین ہے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکتا ہو۔ اس سے پانی منقطع ہونے کی وجہ سے یا اس پر پانی کے غلبہ کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے جو کاشتکاری کو روکتا ہو۔

تشریح موات اس زمین کو کہتے ہیں جس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہو۔ یا اس وجہ سے کہ وہاں پانی کی رسائی نہیں ہے۔ یا اس وجہ سے کہ اس پر بار بار سیلاب آتا ہے اور پانی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یا اور کوئی وجہ ہو جس کی وجہ سے کاشتکاری کرنا دشوار ہو تو اس زمین کو مردہ زمین، بنجر زمین اور موات زمین کہتے ہیں۔

نکتہ الزراعة : کاشتکاری۔

[۱۶۶۳] (۲) اور جوزمین اس میں سے پرانی ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا زمانہ اسلام میں مملوک ہو لیکن اس کا کوئی خاص مالک کا علم نہ ہو اور وہ گاؤں سے اتنی دور ہو کہ کوئی آدمی کھڑا ہو آخری آبادی میں اور چلائے تو اس زمین میں آواز نہ سنائی دے تو وہ موات ہے۔ جس نے اس کو آباد کر لیا امام کی اجازت سے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

تشریح موات زمین کی یہ دوسری اور تیسری تعریف ہے کہ موات زمین کس کو کہیں گے۔ جو زمانہ عادی طرح پرانی لگتی ہو اور اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو۔ یا زمانہ اسلام میں اس کا کوئی مالک تو بنا تھا لیکن مالک کا دور دور تک سراغ نہیں مل سک رہا ہو۔ اور ساتھ ہی آبادی سے اتنی دور ہو کہ آبادی کے آخری حصے پر کھڑا ہو کر کوئی زور سے چلائے تو اس مردہ زمین تک آواز نہ جاتی ہو تو ایسی زمین کو موات کہتے ہیں۔ ایسی زمین کو

حاشیہ: (الف) کسی نے کسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت نہیں تھی تو وہ زیادہ حقدار ہے، حضرت عروہ نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اسی کا فیصلہ کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین آباد کیا تو وہ اسی کی ہے۔

فی اقصى العامر فصاح لم يسمع الصوت فيه فهو موات من احياه باذن الامام ملكه [۱۶۶۴] (۳) وان احياه بغير اذنه لم يملكه عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ وقالوا رحمہما اللہ يملكه [۱۶۶۵] (۴) ويملك الذمی بالاحیاء كما يملكه المسلم.

امام کی اجازت سے آباد کرے گا تو آباد کرنے والا اس کا مالک ہو جائے گا۔ آبادی سے دو میل دور ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ آبادی سے قریب والی زمین آباد نہ بھی ہو تو وہ گاؤں والے کی چراگاہ بنے گی، قبرستان بنے گی، اس میں گھوڑ دوڑ کا میدان ہوگا، اور گاؤں والے کی بہت سی ضروریات میں کام آئے گی۔ اس لئے اس زمین کو موات قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ اس کو آباد کرنے سے کوئی اس کا مالک ہوگا۔

مجا عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ من احيا ارضا دعوة من المصر او رمية من المصر فهي له (الف) (مسند احمد، مسند جابر بن عبد الله، ج رابع، ص ۳۳۷، نمبر ۱۴۴۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین گاؤں سے تیر پھینکنے کے مطابق دور ہو تب اس کو آباد کرے تو مالک ہوگا۔ اور وہ زمین موات قرار دی جائے گی۔

[۱۶۶۴] (۳) اگر زمین کو آباد کیا بغیر امام کی اجازت کے تو مالک نہیں ہوگا امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک ہوگا **تشریح** بجز زمین کو امام کی اجازت کے بغیر آباد کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مالک نہیں ہوگا۔ مالک ہونے کے لئے دوبارہ امام سے اجازت لینی ہوگی۔

مجا جس زمین کو فتح کیا وہ مال غنیمت کے درجے میں ہوئی۔ اور مال غنیمت بغیر امام کے تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے موات زمین بھی بغیر امام کی اجازت کے مالک نہیں ہو سکتا (۲) اسی طرح آدمی زمین پر قبضہ کرے گا تو مشکل ہوگا۔ اس لئے امام کی اجازت کے بغیر مالک نہیں ہوگا۔ اس دور میں حکومت کی رجسٹریشن کے بغیر لوگ زمین اور جائیداد کے مالک نہیں ہوتے ہیں وہ اسی قاعدے پر ہے۔

فائدہ امام صاحبین فرماتے ہیں کہ بغیر امام کی اجازت کے مردہ زمین آباد کر لیا تو مالک ہو جائے گا۔

مجا وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے عن سعید بن زید عن النبي ﷺ قال من احيا ارضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم حق (ب) (ترمذی شریف، باب ما ذکر فی احیاء الارض الموات ص ۲۵۶ نمبر ۸۱۳۷۱ ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات ص ۸۱ نمبر ۳۷۰ بخاری شریف، باب من احيا ارضا ميتة ص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۵) اس حدیث میں ہے کہ جو بھی مردہ زمین کو آباد کرے گا وہ مالک ہو جائے گا۔ اس حدیث میں مالک ہونے کے لئے امام کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔ اس لئے امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نوٹ ان کے یہاں انتظام اور انصرام کے لئے امام کی اجازت لے تو بہتر ہے۔

[۱۶۶۵] (۴) موات کا ذمی مالک ہوگا آباد کرنے سے جیسے مسلمان مالک ہوتا ہے۔

تشریح مسلمان مردہ زمین کو آباد کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح ذمی امام کی اجازت سے مردہ زمین آباد کر لے تو وہ بھی مالک ہو جائے گا۔ (الف) کسی نے شہر سے تیر پھینکنے کی دوری پر زمین آباد کیا تو وہ زمین اسی کی ہوگی (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے مردہ زمین آباد کیا تو وہ اسی کے لئے ہے۔ اور ظالم کے آباد کرنے والے کے لئے حق نہیں ہے۔

[۱۶۶۶] (۵) ومن حجر ارضا ولم يعمرها ثلث سنين اخذها الامام منه ودفعها الى غيره [۱۶۶۷] (۶) ولا يجوز احياء ما قرب من العامر ويترك مرعى لاهل القرية و

جائے گا۔

مجا دارالاسلام میں ٹیکس ادا کرنے کے بعد ذمی کا حق بھی مسلمان کی طرح ہوتا ہے اس لئے وہ بھی مسلمان کی طرح زمین کا مالک ہو جائے گا۔ اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ قال (ابن عباس) انهم اذا ادوا الجزية لم تحل لكم اموالهم الا بطيب انفسهم (مصنف عبد الرزاق، ماتحل من اموال اهل الذمة ج سادس ص ۹۱ نمبر ۱۰۲)

[۱۶۶۶] (۵) کسی نے زمین میں پتھر کا نشان لگایا اور اس کو تین سال آباد نہیں کیا تو امام اس کو اس سے لے لے گا اور دوسرے کو دے دے گا **تشریح** کسی نے مردہ زمین پر چاروں طرف سے پتھر کا نشان لگایا اور گویا کہ اس پر قبضہ کیا لیکن تین سال تک اس کو باضابطہ آباد نہیں کیا بلکہ ویران رکھا تو امام اب اس کو لیکر دوسرے کو دے دے گا۔

مجا حضورؐ نے بلال ابن حارث کو مردہ زمین دی تھی۔ انہوں نے اس کو کئی سال آباد نہیں کیا تو جتنی زمین آباد نہیں کر رہے تھے اتنی زمین ان سے لیکر دوسرے کو دے دیا۔ عن الحارث بن بلال بن الحارث عن ابيه ان رسول الله ﷺ اخذ من المعادن القبيلة الصدقة وانه اقطع بلال بن الحارث العقيق اجمع فلما كان عمر قال لبلال ان رسول الله ﷺ لم يقطعك لشجره عن الناس لم يقطعك الا لتعمل قال فاقطع عمر بن الخطاب للناس العقيق (الف) (سنن للبيهقي، باب من اقطع قطيعة او تجر ارضا ثم لم يمر بها ولم يمر بعضه، ج سادس ص ۲۳۶، نمبر ۱۱۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف نشان لگائے اور آباد نہ کرے تو ان سے لے لیا جائے گا (۲) اور تین سال کی قید اس اثر میں ہے۔ قال عمر من احيا ارضا ميتة فهي له وليس لمحتجر حق بعد ثلاث سنين (ب) (الضب الراية ج رابع ص ۲۹۰ / اعلاء السنن نمبر ۵۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین سال کے بعد اس کو حق نہیں رہے گا (۳) یہ زمین صرف نشان لگانے کے لئے نہیں دی ہے بلکہ آباد کرنے کے لئے دی ہے۔ اس لئے تین سال میں اندازہ ہو جائے گا کہ وہ آباد کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اس لئے تین سال کے بعد واپس لے کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

[۱۶۶۷] (۶) اور نہیں جائز ہے آباد کرنا اس کا جو آبادی کے قریب ہو، اور چھوڑ دی جائے گی گاؤں والے کی چراگاہ کے لئے اور ان کی کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے کے لئے۔

تشریح آبادی اور گاؤں کے قریب جو خالی زمین ہے اس کو کسی کو آباد کرنے کے لئے نہ دی جائے۔

مجا وہ گاؤں والوں کے فائدے کے لئے ہے۔ مثلاً ان کے جانور چرانے کے لئے، اور کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے اور سکھانے کے لئے ہے۔ اس

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے معادن قبیلہ کو صدقہ کے طور پر لیا اور بلال بن حارث کو پورا مقام عقیق عطا کیا، پس جب حضرت عمر کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضرت بلال سے کہا حضورؐ نے آپ کو لوگوں سے صرف نشان لگا کر رکھنے کے لئے نہیں دی تھی۔ بلکہ آباد کرنے کے لئے دی تھی۔ پس حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کو لوگوں کو دیا (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کے لئے ہے۔ اور صرف نشان لگانے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔

مطر حاً لحصائدهم [۱۶۲۸] (۷) ومن حفر بئراً فی برية فله حریمها [۱۶۲۹] (۸) فان كانت للعتن فحریمها اربعون ذراعاً وان كانت للناضح فحریمها ستون ذراعاً وان كانت

لئے اس کو کسی کو نہ دیا جائے (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ عن النبی ﷺ من احيا ارضا دعوة من المصر او رمية من المصر فهي له (الف) (مسند احمد، مسند جابر بن عبد اللہ، ج الرابع، ص ۳۳۷، نمبر ۱۴۴۹۶) اس حدیث میں ہے کہ گاؤں سے ایک عنوہ یا تیر گہرنے کی دوری پر مردہ زمین آباد کرے۔ سمعت عكرمة يقول قال رسول الله ﷺ ان الله جعل للزرع حرمة غلوة بسهم. قال يحيى قالوا: والغلوة ما بين ثلث مائة ذراع وخمسين الى اربع مائة (سنن للبيهقي، باب ما جاء في حریم الابار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۷۳) اس حدیث میں ایک غلوہ یعنی ساڑھے تین سو ہاتھ کی دوری تک آباد کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ تاکہ گاؤں کے لوگ اس زمین کو رفاہ عام میں استعمال کریں۔

نوٹ اس سے قریب میں بھی زمین آباد کرے گا اور امام اجازت دیدے تو مالک ہو جائے گا۔

اصول بہتر یہ ہے کہ رفاہ عام کی جگہ کو کسی کی ملکیت قرار نہ دے۔

لغت مرعی: چرنے کی جگہ، رعی سے مشتق ہے، حصائد: کٹی ہوئی کھیتی، العامر: آبادی۔

[۱۶۲۸] (۷) کسی نے جنگل میں کنواں کھودا تو اس کے لئے اس کا حریم ہے۔

تشریح کنواں کے چاروں طرف جو جگہ چھوڑ دیتے ہیں تاکہ اس میں کوئی دوسرا کنواں نہ کھودے اس کو کنواں کا حریم کہتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ پہلے کنویں کے قریب کوئی کنواں کھودے تو اس کا پانی دوسرے میں نہ چلا جائے اور پہلا کنواں سوکھ نہ جائے۔ یا دوسرے کنویں کی گندگی پہلے کنواں میں نہ پہنچ جائے۔ اس لئے اس کے قریب بغیر اجازت کے دوسرا کنواں کھودنے نہیں دیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے، لا ضرر ولا ضرار۔

لغت برية: جنگل۔

[۱۶۲۹] (۸) پس اگر وہ کنواں پانی پلانے کے لئے ہو تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے۔ اور اگر کھیت سیراب کرنے کے لئے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے۔ اور اگر چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے۔ پس اگر کوئی اس کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اس سے روکا جائے گا۔

تشریح اگر کنواں اونٹ کو پانی پلانے کے لئے ہے تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے۔ اور اگر کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے ہے تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے۔ اور اگر چشمہ ہے تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے۔ کیونکہ چشمہ کا پانی پھسلتا ہے۔

وجہ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عبد اللہ بن مغفل ان النبی ﷺ قال من حفر بئراً فله اربعون ذراعاً عطناً لماشيتہ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب حریم البئر، ص ۳۵۶، نمبر ۲۴۸۶) اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو پانی پلانے والے کنویں کے لئے حریم

حاشیہ: (الف) آپ سے مروی ہے کسی نے تیر پھینکنے کے مطابق کی دوری پر زمین آباد کی تو وہ زمین اسی کی ہے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے کنواں کھودا تو اس کے لئے چالیس ہاتھ حریم ہے جانور کو پانی پلانے کے لئے۔

عینا فحریمها خمس مائة ذراع فمن اراد ان يحفر بئرا في حریمها منع منه [۱۶۷۰] (۹)
وما ترك الفرات او الدجلة وعدل عنه الماء فان كان يجوز عوده اليه لم يجز
احياؤه [۱۶۷۱] (۱۰) وان كان لا يمكن ان يعود اليه فهو كالموات اذا لم يكن حریمًا

چالیس ہاتھ ہوگا۔ اور یہ چاروں طرف چالیس چالیس ہاتھ ہوگا۔ اور کھیتی سیراب کرنے والے کنویں کے لئے پچاس ہاتھ حریم ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ حریم البئر البدی خمسة و عشرون ذراعا و حریم البئر العادیۃ خمسون ذراعا و حریم العین السائحة ثلاث مائة ذراع و حریم عین الزرع ست مائة ذراع (الف) (دارقطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام وغیر ذلک، ج رابع، ص ۱۴۱، نمبر ۳۴۷ سنن للبیہقی، باب ماجاء فی حریم الآبار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۶۹) اس سے معلوم ہوا کہ ہر عادیۃ یعنی کھیتی میں پانی پلانے والے کنویں کے لئے حریم پچاس ہاتھ ہوگا۔ اور نہایتی کے اثر میں یہ بھی اضافہ ہے نواحیہا کلہا جس سے معلوم ہوا کہ کنویں کے چاروں طرف پچاس پچاس ہاتھ حریم ہونا چاہئے (۲) یوں بھی کھیتی سیراب کرنے کے لئے اونٹ چاروں طرف گھومتا ہے۔ اس لئے چاروں طرف پچاس پچاس ہاتھ حریم چاہئے اور چشمے کا حریم پانچ سو ہاتھ ہو اس کی ایک دلیل اوپر کی حدیث گزری حریم عین الزرع ست مائة ذراع اور دوسرا اثر یہ ہے وقال الزہری و سمعت الناس یقولون حریم العیون خمس مائة ذراع (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی حریم الآبار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چشمے کے لئے پانچ سو ہاتھ حریم ہونا چاہئے۔

لغت عطن : اونٹ کو پانی پلانے کا کنواں، ناضح : کھیتی سیراب کرنے کا کنواں، یادہ اونٹ جس سے کھیتی سیراب کی جاتی ہے۔

[۱۶۷۰] (۹) جوزمین فرات اور دجلہ نہر نے چھوڑ دی اور پانی اس سے ہٹ گیا۔ پس اگر اس کا اس طرف لوٹنا ممکن ہو تو اس کا آباد کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح فرات یا دجلہ ندی مثلاً ایک جگہ سے بہہ رہی تھی۔ اور وہاں چھوڑ کر دوسری جگہ بہنا شروع کر دیا تو اندازہ لگائے کہ دوبارہ اپنی جگہ پر آنے کا انداز ہے یا نہیں۔ اگر دوبارہ اپنی جگہ پر آنے کا انداز ہے تو اس جگہ کو آباد کرنے کے لئے دینا جائز نہیں ہے۔

مجتہد نہر بہنے کے لئے چاہئے ورنہ اتنا پانی کس راستے سے جائے گا۔ اس لئے یہ عوام کے فائدے کی جگہ ہے اس لئے اس کو آباد کرنے نہ دی جائے۔ اور اگر دوبارہ اس جگہ پر آنے کا امکان نہ ہو تو وہ زمین موات کی طرح ہے۔ اگر کسی کا اس کے ساتھ حق متعلق نہ ہو اور امام کی اجازت سے اس کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

[۱۶۷۱] (۱۰) اور اگر نہیں ممکن ہے کہ اس کی طرف لوٹے تو وہ موات کی زمین کی طرح ہے۔ اگر کسی آباد کرنے والے کا حریم نہ ہو تو اس کا مالک

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دیہاتی کنویں کا حریم پچیس ہاتھ اور جنگل کے کنویں کا حریم پچاس ہاتھ، زمین پر بہنے والے چشمے کا حریم تین سو ہاتھ اور کھیتی کے چشمے کا حریم چھ سو ہاتھ ہے (ب) حضرت زہری نے فرمایا کہ لوگوں کو کہتے ہوئے سنا ہے چشمے کا حریم پانچ سو ہاتھ ہونا چاہئے۔

لعامر یملکہ من احیاء باذن الامام [۱۶۷۲] (۱۱) ومن کان له نہر فی ارض غیرہ فلیس له حریم عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ الا ان یکون له البینۃ علی ذلک وعندہما له مسنۃ النہر یمشی علیہا ویلقى علیہا طینہ۔

ہو جائے گا اگر اس کو آباد کیا ہو امام کی اجازت سے۔

تشریح دجلہ یا فرات جیسی ندی کا پانی ہٹ گیا تھا اور دوبارہ اس جگہ پر آنے کا امکان نہیں ہے تو وہ موات زمین کی طرح ہے۔ جو اس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن اس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جگہ کسی آباد کرنے والے کا حریم نہ ہو۔ مثلاً کسی کا باندھ وغیرہ نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ امام کی اجازت سے آباد کیا ہو۔

وجہ امام کی اجازت کی شرط پہلے گزر چکی ہے۔ اور دوسرے کا حریم نہ ہو اس لئے کہا کہ اس پر کسی کا قبضہ ہو تو وہ زمین موات کے حکم میں نہیں ہوئی۔

[۱۶۷۲] (۱۱) جس کی نہر ہو دوسرے کی زمین میں تو اس کے لئے حریم نہیں ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مگر یہ کہ اس پر بینہ ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لئے نہر کی پٹری ہوگی جس پر چل سکے اور اس پر مٹی ڈال سکے۔

تشریح ایک تو یہ ہے کہ موات زمین میں نہر کھودے۔ اس وقت نہر کے ساتھ حریم بھی لازمی ہوگا ورنہ نہر کی مٹی کہاں ڈالے گا۔ یہاں یہ مسئلہ ہے کہ دوسرے کی زمین میں کسی کی نہر کا ثبوت ہوا تو نہر کی ثبوت کی وجہ سے کیا اس کو حریم کی جگہ بھی مل جائے گی یا نہیں؟ تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بغیر بینہ کے حریم کی جگہ نہیں ملے گی۔

وجہ دوسرے کی زمین ہے اس لئے نہر کے ثبوت سے حریم کا ثبوت ہونا ضروری نہیں جب تک کہ اس کے لئے بینہ نہ ہو (۲) اور چونکہ حدیث میں کنوئیں اور چشمے کے لئے حریم کا ثبوت ہے، نہر کے لئے حریم کا ثبوت نہیں ہے اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کر کے دوسرے کی زمین میں حریم کا ثبوت نہیں کریں گے۔

اصول اس اصول پر ہے کہ دوسرے کی زمین پر بغیر بینہ کے حریم ثابت نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہر کا ثبوت ہو گیا تو پتلی سی پٹری کا ثبوت اس کے لوازم میں سے ہے۔ ورنہ نہر والا پانی پلانے کے لئے چلے گا کہاں؟ نہر کی مٹی کھودنی ہوگی تو کہاں ڈالے گا۔ اس لئے پتلی پٹری اور بند تو لازمی طور پر دینا ہوگا جو اس کی ضرورت کی ہو۔

وجہ کسی چیز کا ثبوت اس کے لوازم کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے پٹری دینا ہوگا (۲) حدیث گزر چکی ہے وحریم العین السائحة ثلاث مائة ذراع وحریم عین الزرع ست مائة ذراع (الف) (دارقطنی، کتاب الاقضية والا حکام ج ۴ ص ۴۳ نمبر ۴۳۷) کہ چشمے کے لئے تین سو ہاتھ اور چھ سو ہاتھ حریم ہے۔ تو نہر بھی چشمے کی قسم ہے اس لئے اس کے لئے بھی حریم کا ثبوت ہوگا۔

حاشیہ : (الف) زمین پر بننے والے چشمے کا حریم تین سو ہاتھ ہے۔ اور کاشتکاروں کے چشمے کا حریم چھ سو ہاتھ ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ کوئی چیز ثابت ہوگی تو اس کے لوازم بھی خود بخود ثابت ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ ضروری ہیں۔

لغت مسناة : سیلاب اور پانی روکنے کے لئے بند۔



﴿ کتاب الماذون ﴾

[۱۶۷۳] (۱) اذا اذن المولى لعبده اذنا عاما جاز تصرفه في سائر التجارات [۱۶۷۴] (۲)

وله ان يشتري ويبيع ويبرهن ويسترهن.

﴿ کتاب الماذون ﴾

ضروری نوٹ ایسا غلام جس کو مولیٰ نے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اب اسکو تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اسکو ماذون غلام کہتے ہیں۔ یا بچے کو ولی نے تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اس کو ماذون بچہ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالک قال قال حمم ابو طيبة النبي ﷺ فامر له بصاع او صاعين من طعام و كلم موالیه فخفف عن غلته او ضربيته (الف) (بخاری شریف، باب ضربیه العبد وتعاہد ضرائب الاماء ص..... نمبر ۲۲۷۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوطیبہ غلام تھے اور مولیٰ نے اس کو اجرت پر کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور اسی ضمن میں تجارت کی اجازت کا معاملہ بھی آئے گا۔

اصول اس باب کے مسائل اس اصول پر طے ہوں گے کہ مولیٰ کو غلام کی تجارت یا کاموں سے نقصان نہ ہو۔ البتہ چونکہ وہ عاقل بالغ ہے اس لئے تجارت کے درمیان کسی چیز کا اقرار کر لیا یا کوئی ایسی حرکت کی جس سے غلام پر جرمانہ لازم ہوتا ہو تو وہ اس کے آزاد ہونے کے بعد وصول کیا جائے گا تاکہ مولیٰ کو نقصان نہ ہو (۲) یہ اصول بھی کارفرما ہوگا کہ تجارت کے درمیان معاون رواداری اور کھانا پلانا کر سکتا ہے جو تجارتی معاشرے میں رائج ہیں۔

[۱۶۷۳] (۱) اگر مولیٰ نے غلام کو عام اجازت دی تو اس کا تصرف تمام تجارتوں میں جائز ہے۔

تشریح مولیٰ نے غلام کو تجارت کی اجازت دیتے وقت کسی خاص چیز کے خریدنے یا بیچنے کی تخصیص نہیں کی تو اس سے عام اجازت ہوگی اور غلام تمام تجارتوں میں آزاد ہوگا۔ یعنی تمام تجارتوں کی اہلیت حاصل ہو جائے گی۔ البتہ تجارت وہی کرے جو مولیٰ کی مرضی ہو۔

وجہ اثر میں ہے۔ قال سفیان ونحن نقول اذا بعته بمال كثير يبتاع به قلنا اذن له في التجارة وغر الناس منه وان كان انما بعث بالدرهم والدرهمین فلیس بشيء (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب العبد المأذون ما وقت اذنه، ج ثامن، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۲۳۰)

[۱۶۷۴] (۲) اس کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور رہن پر رکھنے دے اور رہن پر رکھے۔

تشریح چونکہ مولیٰ کی جانب سے تمام تجارتوں کی اہلیت ہوگئی ہے اس لئے وہ آزاد آدمی کی طرح کسی بھی چیز کو خرید سکتا ہے، اپنا مال رہن پر رکھ سکتا ہے، اور کسی کے مال کو اپنے پاس رہن پر رکھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابوطیبہ نے حضور کو بچھنا لگایا اور آپ نے ان کے لئے ایک صاع یا دو صاع کھانا دینے کا حکم دیا اور ان کے آقا سے بات کی تو اس کے غلے یا تاوان میں سے تخفیف کر دی (ب) حضرت سفیان نے فرمایا اگر غلام کو بہت سال لیکر بیچنے کے لئے بھیجا تو ہم کہیں گے اس کو تجارت میں اجازت ہے۔ اور لوگ اس سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ اور اگر اس کو بھیجا ایک درہم اور دو درہم لیکر تو کچھ نہیں ہے یعنی تجارت کی اجازت نہیں ہے۔

[۱۶۵] (۳) وان اذن له فی نوع منها دون غیره فهو ماذون فی جمیعها [۱۶۷] (۴)

فاذا اذن له فی شیء بعینه فلیس بماذون [۱۶۷] (۵) و اقرار الماذون بالدیون والمغصوب جائز.

مجا یہ سب کام تجارت کے معاون ہیں اور تجارت میں ان کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے یہ سب کام غلام کر سکتا ہے۔

[۱۶۵] (۳) اگر اس کو اجازت دی اس میں سے ایک قسم کی نہ کہ دوسرے کی تو اس کو اجازت ہوگی اس کے تمام میں۔

تشریح مولیٰ نے کسی ایک قسم کی چیز میں تجارت کرنے کی اجازت دی تو تمام چیزوں کی تجارت کی اہلیت ہو جائے گی۔ تجارت کی اہلیت ہونا اور چیز ہے۔ البتہ تجارت اسی چیز کی کرے گا جس کی مولیٰ نے کہا ہے۔

مجا اصل یہ ہے کہ مولیٰ کی اجازت سے پہلے غلام میں تجارت کرنے کی اہلیت نہیں تھی۔ جب اس نے ایک قسم میں تجارت کی اجازت دی تو تمام قسموں کی تجارت کی اہلیت ہو گئی اور وہ تمام قسموں میں ماذون سمجھا جائے گا۔ اور اس کی خرید و فروخت کرے گا تو نافذ ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ مصلحت کے خلاف ہو یا مولیٰ کا نقصان ہو تو متعینہ چیز کے علاوہ کی تجارت نہ کرے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اجازت مولیٰ کی جانب سے موصول ہوتی ہے اس لئے وہ جس خاص چیز کی تجارت کی اجازت دی ہے اسی میں ماذون ہوگا باقی چیزوں میں ماذون نہیں ہوگا۔

[۱۶۷] (۴) پس اگر اس کو اجازت دی کسی متعین چیز میں تو وہ ماذون نہیں ہے۔

تشریح مولیٰ نے غلام سے مثلاً کہا کہ فلاں کپڑا خرید کر لے آؤ تو اس صورت میں تجارت کی اجازت نہیں ہوئی بلکہ خدمت کے لئے کوئی خاص چیز خرید کر لانا ہے۔ اس لئے اس سے تجارت کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ غلام ماذون ہوگا۔

مجا اگر اس تھوڑی سی چیز کے خریدنے سے غلام ماذون ہو جائے تو خدمت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس لئے یہ تجارت کی اجازت نہیں ہے (۲) عام معاشرے میں بھی تجارت کرنا اور چیز ہے جس کو دکانداری کہتے ہیں، اور سودا سلف خرید لانا اور چیز ہے۔ یہ اجازت سودا سلف خرید کر لانے کی ہے (۲) اثر میں ہے۔ ان شریحا اذا جعل عبده فی صنف واحد ثم عداھا الی غیره فلا ضمان علیہ (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب العبد الماذون ما وقت اذ نہ رج ثامن ص ۲۸۳ نمبر ۱۵۲۲۸) اس سے معلوم ہوا کہ جس میں اجازت دی اسی کی اجازت ہوگی (۳) اثر نمبر ۱۵۲۳۰ میں تھا کہ ایک درہم دے کر خریدنے کے لئے بھیجنے سے عام اجازت نہیں ہوگی۔

[۱۶۷] (۵) ماذون کا اقرار دین کا اور غصب کا جائز ہے۔

تشریح ماذون غلام اقرار کرے کہ مجھ پر فلاں کا دین ہے یا میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے جس کا ادا کرنا مجھ پر لازم ہے تو ایسا اقرار کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) اگر غلام کو ایک چیز کی تجارت کرنے کی اجازت دی پھر اس سے تجاوز کر گیا تو مولیٰ پر ضمان نہیں ہے۔

[۱۶۷۸] (۶) ولیس له ان يتزوج ولا ان يزوج ممالیکه [۱۶۷۹] (۷) ولا یکاتب ولا یعتق علی مال [۱۶۸۰] (۸) ولا یهب بعوض ولا بغير عوض [۱۶۸۱] (۹) الا ان یهدی الیسیر من الطعام او یضیف من یطعمه [۱۶۸۲] (۱۰) و دیونه متعلقه برقبته یباع فیها

وجہ یہ سب تجارت کے لوازمات ہیں۔ اس لئے تجارت کی اجازت کی وجہ سے ان چیزوں کی اجازت ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک چیز کی اجازت سے اس کے لوازم کی اجازت ہو جائے گی۔

[۱۶۷۸] (۶) ماذون کے لئے جائز نہیں ہے کہ شادی کرے اور نہ یہ کہ اپنے مملوک کی شادی کرائے۔

وجہ غلام کی شادی کرنے سے نقصان ہے۔ کیونکہ نان نفقہ ادا کرنا ہوگا۔ نیز یہ تجارت میں سے نہیں ہے اس لئے خود کی شادی نہیں کر سکتا۔ اور یہی نقصان مملوک کی شادی کرانے میں ہے۔ اس لئے اپنے مملوک غلام باندی کی بھی شادی نہیں کر سکتا۔ نیز یہ تجارت کے لوازمات یا معاون نہیں ہے اس لئے بھی نہیں کر سکتا۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں باندی کی شادی کرانے سے بچہ ہوگا جو باندی اور غلام ہوں گے اور باندی کا بھی مہر آئے گا جو فائدے کی چیز ہے اس لئے ماذون غلام اپنی باندی کی شادی کر سکتا ہے۔

[۱۶۷۹] (۷) اور نہ مکاتب بنائے اور نہ مال پر آزاد کرے۔

تشریح ماذون غلام اپنے غلام کو مکاتب نہیں بنا سکتا اور نہ مال کے بدلے آزاد کر سکتا ہے۔

وجہ اگرچہ اس صورت میں مال آئے گا لیکن چونکہ مکاتب بنانا اور مال کے بدلے آزاد کرنا تجارت کے لوازم یا معاون میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے ماذون غلام یہ نہیں کر سکتا۔

[۱۶۸۰] (۸) اور نہ ہبہ کرے عوض سے اور نہ بغير عوض کے۔

وجہ بغير عوض کے ہبہ کرنا مولیٰ کو سراسر نقصان دینا ہے اس لئے بغير عوض کے ماذون ہبہ نہیں کر سکتا۔ اور عوض کے بدلے کرے تو اس میں ابتداءً مفت ہے اور انتہاءً بدلہ ہے اس لئے یہ بھی نہیں کر سکتا۔ نیز ہبہ کرنا لوازم تجارت میں سے نہیں ہے اس لئے نہیں کر سکتا۔

[۱۶۸۱] (۹) مگر یہ کہ تھوڑا سا کھانا ہدیہ کرے یا اس کی مہمانداری کرے جس نے اس کو کھلا لیا ہے۔

تشریح ماذون کو جو روزانہ کا کھانا ملتا ہے اس میں سے کسی کی مہمانداری کرنا چاہے یا تحفہ دینا چاہے جو عام معاشرے میں دیتے ہیں تو دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے تجارت بڑھے گی اور گاہک آئیں گے یا جو آدمی اس کو کبھی کبھار کھانا کھلاتا ہے اس کی مہمانداری کر دی تو یہ جائز ہے۔

وجہ یہ تھوڑی بہت چیز معاشرتی اجازت کے تحت ہے اس لئے اس کی اجازت ہوگی۔

[۱۶۸۲] (۱۰) اور اس کے قرض متعلق ہوں گے ماذون کی گردن کے ساتھ، وہ قرض خواہوں کے لئے بیچا جائے گا مگر یہ کہ مولیٰ اس کا بدلہ دے دے۔ اور اس کی قیمت تقسیم کی جائے گی ان کے درمیان حصوں کے مطابق۔

للغرماء الا ان يفديه المولى ويقسم ثمنه بينهم بالحصص [۱۶۸۳] (۱۱) فان فضل من ديونه شيء طوب به بعد الحرية [۱۶۸۴] (۱۲) وان حجر عليه لم يصير محجورا عليه حتى يظهر الحجر بين اهل السوق [۱۶۸۵] (۱۳) فان مات المولى او جن او لحق بدار

تشریح تجارت کی وجہ سے جو کچھ قرض آیا یہ ماذون غلام کی گردن پر ہوگا۔ جس کی وجہ سے پہلے غلام کے پاس جو کمایا ہوا مال ہے اس سے قرض ادا کیا جائے گا۔ اس سے بھی پورا نہ ہو تو غلام کو بیچ دیا جائے گا اور اس کی قیمت سے قرض والوں کا قرض ادا کیا جائے گا۔ اور وہ بھی قرض والوں کے حصے کے مطابق یعنی مثلاً چار آدمیوں کے پانچ پانچ سو درہم قرض ہیں۔ اور قیمت میں ایک ہزار درہم آئے تو ہر ایک کو اس کے قرض کے آدھے حصے ملیں گے یعنی ہر ایک کو ڈھائی ڈھائی سو دیئے جائیں گے۔ ایک ہی قرض خواہ کو سب نہیں دے دیا جائے گا۔ اسی کو 'بالحصص' کہتے ہیں۔ تاکہ قرض والوں کا نقصان نہ ہو۔ ہاں مولیٰ اپنی جیب سے قرض ادا کر دے تو اب غلام نہیں بیچا جائے گا۔ کیونکہ قرض والوں کو قرض مل گیا۔ عن ابراہیم قال یباع العبد فی دین وان کان اکثر من قیمته (مصنف عبدالرزاق، باب ہل یباع العبد فی دین؟، ج ثامن، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۲۳) اس اثر میں ہے کہ غلام کو دین میں بیچا جائے گا۔

فائدہ امام شافعی اور امام زفر ماتے ہیں کہ قرض میں غلام نہیں بیچا جائے گا۔

وجہ کیونکہ اس سے مولیٰ کا فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔

[۱۶۸۳] (۱۱) پس اگر اس کے قرض میں سے کچھ بیچ جائے تو اس کا مطالبہ کیا جائے گا آزادی کے بعد۔

تشریح قرض اتنا تھا کہ غلام کو بیچنے کے بعد جو قیمت آئی اس سے بھی قرض ادا نہیں ہوا بلکہ کچھ قرض باقی رہ گیا تو یہ قرض مولیٰ سے وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس نے نہیں لیا ہے۔ اور اس کا غلام تو ایک مرتبہ بک چکا ہے۔ اور قرض والوں کا نقصان نہ ہو اس لئے یہی صورت باقی رہی کہ جب یہ ماذون غلام آزاد ہوا اس وقت اس سے بقیہ قرض کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اس سے وصول کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حتی الامکان قرض دینے والے کو نقصان نہ ہو۔

[۱۶۸۴] (۱۲) اگر اس پر حجر کیا تو اس پر حجر نہیں ہوگا یہاں تک کہ حجر ظاہر ہو جائے بازار والوں کے درمیان۔

تشریح مولیٰ نے غلام ماذون کو تجارت کرنے سے روک دیا اور حجر کر دیا تو بازار کے اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو تب حجر ہوگا۔ اگر ایک دو آدمی کو حجر کا علم ہوا تو ابھی حجر نہیں ہوگا۔ اس درمیان غلام نے تجارت کر لی تو نافذ ہو جائے گی۔

وجہ اگر اکثر لوگوں کو علم نہ ہو تو ممکن ہے کہ یہ سمجھ کر کہ ابھی اس پر حجر نہیں ہوا ہے اس سے خرید و فروخت کر لے اور ان کو نقصان ہو جائے۔ اس لئے اکثر لوگوں کو علم ہونا ضروری ہے۔

لغت حجر : غلام کو تجارت کرنے سے منع کرنا۔

[۱۶۸۵] (۱۳) اگر مولیٰ مرگیا یا اس پر جنون طاری ہو گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو ماذون مجبور ہو جائے گا۔

الحرب مرتدا صار الماذون محجورا عليه [۱۶۸۶] (۱۴) ولو ابق العبد الماذون صار محجورا عليه [۱۶۸۷] (۱۵) واذا حجر عليه فاقراه جائز فيما في يده من المال عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وقال لا يصح اقراره [۱۶۸۸] (۱۶) واذا لزمته ديون تحيط بماله

تشریح مولیٰ مرگیا تو جو غلام ماذون تھا اب وہ تجارت نہیں کر سکے گا مجبور ہو جائے گا۔ یا مولیٰ مجنون ہو گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا اور وہاں مل گیا تو ان صورتوں میں مجبور کرنے کی ضرورت نہیں۔ غلام خود بخود مجبور ہو جائے گا۔

وجہ خود مولیٰ جو اصل ہے اس میں تجارت کرنے کی اہلیت نہیں رہی تو دوسرے کو تجارت کرنے کی اجازت کیسے دے گا۔ اس لئے مولیٰ پر یہ سب حالات طاری ہوتے ہی ماذون مجبور ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل میں تجارت کرنے کی صلاحیت نہیں رہی تو فرع سے بھی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔

[۱۶۸۶] (۱۴) اگر ماذون غلام بھاگ گیا تو مجبور ہو جائے گا۔

وجہ بھاگنے والے غلام پر تاجروں کا کیا اعتماد رہے گا؟ اور خود مولیٰ اس پر تجارت کرنے کا اعتماد کیسے کرے گا؟ کیونکہ وہ تو مال لیکر ہی غائب ہو جائے گا۔ اس لئے بھاگنے والا غلام بھاگتے ہی مجبور ہو جائے گا۔

[۱۶۸۷] (۱۵) اگر حجر کر دے اس پر تو اس کا اقرار جائز ہے اس مال کے بارے میں جو اس کے ہاتھ میں ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا اس کا اقرار صحیح نہیں ہے۔

تشریح مولیٰ نے ماذون غلام کو حجر کر دیا۔ اب اس کے قبضے میں جو مال ہے اس کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ مال فلاں کی امانت ہے۔ یا مال فلاں کا غضب کیا ہوا ہے۔ یا مجھ پر فلاں کا اتنا دین ہے اس کے بدلے میں یہ مال دینا ہے تو اس مال کے بارے میں اس قسم کا اقرار کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ اقرار کا دار و مدار قبضہ ہے۔ اور غلام کا قبضہ اس مال پر ہے اس لئے وہ اقرار کر سکتا ہے (۲) ماذون ابھی ابھی مجبور ہوا ہے اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ذمے جو لوگوں کے حقوق آتے ہیں ان سے یہ فارغ ہونا چاہتا ہے اس لئے اس کا اقرار درست ہوگا۔ البتہ جو مال مولیٰ نے لے لیا اور ماذون غلام کے قبضہ میں نہیں رہا اس کے بارے میں کوئی اقرار نہیں کر سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اب وہ مجبور ہو چکا ہے اس لئے اقرار کرنے کا اختیار اس کو نہیں رہا اس لئے وہ اقرار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو مال غلام کے ہاتھ میں ہے وہ مولیٰ کا مال ہے اور دوسرے کے مال میں کسی کے لئے اقرار کرنا جائز نہیں ہے۔

[۱۶۸۸] (۱۶) اگر ماذون کو دین لازم ہو جائے جو اس کے مال اور جان کو گھیر لے تو مولیٰ نہیں مالک ہوگا اس کا جو اس کے ہاتھ میں ہے

تشریح ماذون غلام پر اتنا قرض ہو جائے کہ جو مال اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی بک جائے اور خود غلام کو بھی بیچ کر دین ادا کرنا چاہے تو ادا نہ ہو سکے۔ مثلاً غلام اور اس کے مال کی قیمت پانچ ہزار درہم ہیں اور اس پر چھ ہزار قرض ہو گیا ہو تو اب اس کی جان اور مال سب قرض میں گھرا

ورقبتہ لم یملک المولی مافی یدہ [۱۶۸۹] (۱۷) فان اعتق عبیدہ لم تعتق عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ وقالوا رحمہما اللہ یملک ما فی یدہ [۱۶۹۰] (۱۸) واذا باع عبد ماذون من

ہوا ہے۔ اور گویا کہ مولی کے غلام کے پاس کچھ بھی نہیں رہا سب قرض خواہوں کا ہو گیا۔ اس لئے مولی اس غلام کے مال کا مالک نہیں رہا۔ اب غلام کے مال کو خرچ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ تاہم غلام ابھی بھی مولی کا ہے اگر مال مولی کا نہیں رہا۔

وجہ معنوی طور پر یہ مال اور غلام ماذون کی جان قرض والوں کا ہو گیا ہے (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ عن الحكم في العبد الماذون في التجارة قال لا يباع الا ان يحيط الدين بوقتہ فیباع حينئذ (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب هل يباع العبد في دينه اذا اذن له او لآخر؟ ص ۲۸۵ نمبر ۱۵۲۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عبد ماذون قرض میں گھر جائے تو بیچا جاسکتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلام اور اس کا مال اب مولی کا نہیں رہا۔

[۱۶۸۹] (۱۷) اگر ماذون کے غلاموں کو آزاد کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک آزاد نہیں ہوں گے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مولی مالک ہوگا اس چیز کا جو اس کے ہاتھ میں ہے۔

تشریح چونکہ ماذون غلام کا مال قرض میں گھر چکا ہے اور گویا کہ مولی اس کے مال کا مالک نہیں رہا اس لئے ماذون غلام نے جو غلام خریدا ہے اس غلام کو مولی آزاد کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔

وجہ یہ غلام گویا کہ مولی کے نہیں رہے بلکہ قرض والوں کے ہو گئے اس لئے مولی ماذون غلام کے غلاموں کو آزاد کرے تو آزاد نہیں ہوں گے **اصول** اس اصول پر ہے کہ قرض والوں کو نقصان نہ ہو۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں ماذون غلام کے مال اور جان چاہے قرض میں گھر چکے ہوں پھر بھی وہ مولی کا مال ہے اس لئے مولی اس کے مال کو استعمال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اسی طرح ماذون غلام کے خریدے ہوئے غلاموں کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کر سکتا ہے۔ البتہ اس صورت میں مولی قرض خواہوں کے قرضوں کا ذمہ دار ہو جائے گا۔

وجہ چاہے مال اور جان قرض میں گھر گئے ہوں پھر بھی وہ مولی کا مال ہے اس لئے مولی اس کے مال کو استعمال بھی کر سکتا ہے اور اس کے خریدے ہوئے غلام کو آزاد بھی کر سکتا ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الزهري قال اذا اعتق الرجل عبده وعليه دين فالدين على السيد (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب هل يباع العبد في دينه اذا اذن له او لآخر ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی غلام کو آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ البتہ اس کا قرض مولی کے ذمے ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے قرض والوں کو گویا کہ نقصان دیا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ ماذون کا مال بہر حال مولی کی ملکیت ہے۔ اور ملکیت میں تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے۔

[۱۶۹۰] (۱۸) اگر ماذون غلام نے مولی سے کوئی چیز قیمت سے نیچی تو جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) ماذون غلام کے بارے میں حضرت حکم نے فرمایا کہ وہ بیچا نہیں جائے گا مگر یہ قرض اس کی گردن کو گھیر لے پھر اس وقت بیچا جائے (ب) حضرت زہری نے فرمایا اگر آدمی اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس پر دین ہو تو دین آقا پر ہوگا۔

المولیٰ شیئاً بمثل قيمته او اکثر جاز [۱۶۹۱] (۱۹) وان باع بنقصان لم یجز [۱۶۹۲] (۲۰) وان باعه المولیٰ شیئاً بمثل القيمة او اقل جاز البیع [۱۶۹۳] (۲۱) فان سلمه اليه قبل قبض الثمن بطل الثمن [۱۶۹۴] (۲۲) وان امسكه في يده حتى

تشریح ماذون غلام جو دین میں گھرا ہوا تھا اپنے مولیٰ سے کوئی چیز بیچی اور وہی قیمت لی جو بازار میں ہے تو جائز ہے۔

وجہ اس لئے کہ مولیٰ نے اجنبی کی طرح اس کو پوری قیمت دی ہے اور کوئی نقصان نہیں دیا اس لئے جائز ہوگا۔

[۱۶۹۱] (۱۹) اور اگر بیچا نقصان کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ ماذون غلام پر اتنا قرض ہو کہ اس کی جان اور مال گھر چکی ہو تو اس کا مال اب مولیٰ کا نہیں رہا۔ اس لئے مولیٰ کم قیمت

میں خریدے گا تو اس پر تہمت ہوگی کہ یہ قرض والوں کو نقصان دینا چاہتا ہے۔ اس لئے کم قیمت میں غلام ماذون سے خریدنا جائز نہیں ہے۔

[۱۶۹۲] (۲۰) اگر مولیٰ نے غلام ماذون سے کوئی چیز مثل قیمت یا کم قیمت میں بیچی تو جائز ہے۔

تشریح غلام ماذون قرض میں گھرا ہوا تھا ایسی حالت میں اس کے مولیٰ نے کائی چیز اس کے ہاتھ میں بیچی تو مثل قیمت میں بیچے تب بھی جائز ہے اور جتنی قیمت تھی اس سے بھی کم میں بیچی تب بھی جائز ہے۔

وجہ اگر مثل قیمت میں بیچی تب تو غلام کو کوئی نقصان نہیں دیا اس لئے جائز ہوگی۔ اور اگر کم قیمت میں بیچی تب بھی جائز ہوگی کیونکہ اس صورت میں غلام ماذون کا فائدہ ہوا۔ اور مولیٰ فائدہ کر دے تو کیوں جائز نہ ہو اس لئے جائز ہوگی۔

اصول وہی ہے کہ قرض خواہوں کو نقصان نہ ہو۔

[۱۶۹۳] (۲۱) پس اگر مولیٰ نے غلام کو بیع سپرد کر دیا قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے تو ثمن باطل ہو جائے گا۔

تشریح مولیٰ نے ماذون غلام جو دین میں گھرا ہوا تھا اس سے کوئی چیز بیچی اور اس کی قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے مولیٰ نے غلام کو بیع دے دی تو قاعدے کے اعتبار سے اس کی قیمت باطل ہو جائے گی۔

وجہ یہ قیمت ماذون پر قرض ہوئی اور قاعدہ ہے کہ مولیٰ کا اپنے غلام پر کوئی قرض نہیں ہوتا کیونکہ غلام سارا کا سارا مولیٰ کا ہی ہے۔ اس لئے اس پر قرض کیسا؟ اس لئے قیمت باطل ہو جائے گی۔ یعنی قضاء قاضی سے مولیٰ اپنے غلام سے بیع کی قیمت لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔ البتہ اخلاقی طور پر غلام کو قیمت دے دینی چاہئے۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ مولیٰ کا کوئی قرض اپنے غلام پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ پورا غلام مولیٰ کا ہی ہے۔

[۱۶۹۴] (۲۲) اور اگر بیع روک لے اپنے ہاتھ میں تو جائز ہے۔

تشریح مولیٰ نے ماذون کے ہاتھ میں کچھ بیچا پھر سوچا کہ پہلے دے دوں گا تو قاعدے کے اعتبار سے اس کی قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا اس لئے بیع اپنے ہاتھ میں روک کر غلام سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا تو جائز ہے۔

یستوفی الثمن جاز [۱۶۹۵] (۲۳) وان اعتق المولی العبد الماذون وعلیه دیون فعتقه جائز والمولی ضامن بقيمته للغرماء [۱۶۹۶] (۲۴) وما بقى من الديون يطالب به المعتق.

مجا بیچتے وقت مولیٰ اجنبی کی طرح ہے اس لئے اپنی بیچ کی قیمت وصول کرنے کے لئے ماذون سے بیچ روک سکتا ہے۔
نکت امسک : روک لے، یستوفی : وصول کرے۔

[۱۶۹۵] (۲۳) اور اگر مولیٰ نے ماذون غلام کو آزاد کر دیا اور اس پر قرض ہو تو اس کا آزاد کرنا جائز ہے اور مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا قرض خواہوں کے لئے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ چاہے ماذون غلام پر اتنا قرض آجائے کہ اس کی جان اور کمائی سب گھر جائیں پھر بھی غلام کی جان مولیٰ کی ہے۔ اگرچہ اس کی کمائی مولیٰ کی شمار نہیں ہوگی۔ اس لئے اگر مولیٰ اس غلام کو آزاد کرنا چاہے تو جائز ہے۔ البتہ غلام کی جتنی قیمت ہے قرض خواہوں کے لئے اتنے کا ذمہ دار مولیٰ ہوگا۔ اور اتنی رقم مولیٰ کو ادا کرنی ہوگی تاکہ وہ قرض والوں کے درمیان فیصد کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔ مثلاً غلام پر چھ ہزار درہم قرض تھے اور غلام پانچ ہزار کا تھا تو مولیٰ پانچ ہزار قرض والوں کو دے گا۔

مجا اس لئے کہ مولیٰ نے غلام آزاد کر کے قرض والوں کو اتنا نقصان دیا ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ قال اصحابنا حماد وغیرہ فقالوا اذا اعتقه وعلیه دين فقيمة العبد على السيد وبيعه غرماء فيما زاد على القيمة (الف) مصنف عبدالرزاق، باب هل يباع العبد في دينه اذا اذن له او اخرج ثامن ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولیٰ آزاد کرے تو غلام کی جتنی قیمت ہے اتنے کا ذمہ دار مولیٰ ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مولیٰ نے جتنا نقصان کیا ہے اتنے ہی کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۶۹۶] (۲۴) اور جو باقی قرض میں سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا آزاد سے۔

تشریح غلام کی قیمت کے علاوہ جتنا زیادہ قرض ہو۔ اوپر کی مثال میں ایک ہزار تھا تو وہ غلام کے آزاد ہونے کے بعد اس سے ہی مطالبہ کیا جائے گا۔

مجا اصل میں اس نے ہی لوگوں سے قرض لیا تھا اس لئے قیمت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مولیٰ کے بجائے غلام سے وصول کیا جائے گا (۲) اوپر کے اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ اوپر کے اثر میں یہ جملہ زیادہ ہے قال اصحابنا حماد وغیرہ فان فضل شيء عن قيمة العبد ابتع به العبد (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب هل يباع العبد في دينه اذا اذن له او اخرج ثامن ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۴۳) اس اثر میں ہے قیمت سے زیادہ آزاد کردہ غلام سے وصول کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ہمارے اصحاب حضرت حماد وغیرہ نے فرمایا اگر ماذون کو آزاد کرے اور اس پر دین ہو تو غلام کی قیمت آقا پر ہوگی اور قرض خواہ اس کو پیچیں گے اس کے بدلے جو قیمت سے زیادہ ہو۔ (ب) حضرت حماد وغیرہ نے فرمایا غلام کی قیمت سے دین کچھ زیادہ ہو تو غلام سے وصول کیا جائے گا۔

[۱۶۹۷] (۲۵) واذا ولدت الماذونة من مولیها فذلک حجر علیها [۱۶۹۸] (۲۶) وان اذن ولی الصبی للصبی فی التجارة فهو فی الشراء والبیع کالعبد الماذون اذا کان یعقل البیع والشراء.

[۱۶۹۷] (۲۵) اگر ماذونہ باندی نے بچہ دیا اپنے مولی سے تو اس پر حجر ہے۔

تشریح آقا نے باندی کو تجارت کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس درمیان مولی سے باندی کو بچہ پیدا ہو گیا اور باندی اب مولی کی ام ولد بن گئی۔ اور اس میں آزادگی کا شائبہ آ گیا کہ مولی کے مرنے کے بعد ام ولد آزاد ہو جائے گی۔ اس لئے ام ولد بننا اس بات کی دلیل ہے کہ اب تجارت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور دلالت مولی کی جانب سے تجارت کرنے سے حجر ہو گیا۔

مجا ایک وجہ تو یہ ہے کہ اب مولی اس کو پردہ میں رکھنا چاہے گا عام باندی کی طرح اختلاط پسند نہیں کرے گا۔ اس لئے گویا کہ حجر ہو گیا (۲) اگر ام ولد پر قرض ہو گیا تو چونکہ اس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے اس لئے وہ بچی نہیں جائے گی تو قرض کی ادائیگی کیسے ہوگی۔ اس کی وجہ سے قرض والوں کو نقصان ہوگا۔ اور مولی دے گا نہیں کیونکہ اس نے قرض دینے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس لئے ام ولد ہونا حجر شمار ہوگا۔

نوٹ مولی ام ولد بننے کے بعد دوبارہ تجارت کرنے کی اجازت دے تو ماذون ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں ام ولد پر جو قرض ہوگا وہ مولی اپنی جیب سے ادا کرے گا۔ کیونکہ اس نے دوبارہ اجازت دی ہے۔ اور ام ولد تو بک نہیں سکتی ہے اس لئے مولی ہی قرض کا ذمہ دار ہوگا۔ عن الزہری قال اذن له سیدہ فی الشراء فهو ضامن لدینہ (الف) (مصنف عبدالرزاق، نمبر ۱۵۳۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی ام ولد کے قرض کا ضامن ہوگا۔

[۱۶۹۸] (۲۶) اگر بچے کے ولی نے بچے کو تجارت کی اجازت دی تو وہ خریدنے اور بیچنے میں ماذون غلام کی طرح ہوگا جبکہ وہ خرید و فروخت سمجھتا ہو۔

تشریح بچہ اس عمر میں ہے کہ خرید و فروخت کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ وہ کیا ہیں اور کتنے مفید ہیں۔ ایسی صورت میں بچے کے ولی نے اس کو تجارت کی اجازت دی تو وہ غلام کی طرح ماذون ہو جائے گا۔ اور ہر چیز کی تجارت کی اہلیت اس میں سمجھی جائے گی۔ خرید و فروخت نافذ ہوں گے۔ اور اگر وہ کسی چیز کے غصب کرنے کا یا امانت ہونے کا یا دین ہونے کا اقرار کرے تو وہ چیز غصب، امانت یا دین سمجھی جائے گی۔ البتہ چونکہ بچہ آزاد ہے اس لئے وہ دین کے لئے بیچا نہیں جائے گا۔ بلکہ اس کے ولی کے ذمے قرض کا ادا کرنا ہوگا۔ جیسے پہلے غلام کے بارے میں اثر وغیرہ گزر چکا ہے۔

نوٹ بچے کو صرف سودا سلف خریدنے کے لئے بھیجا تو یہ خدمت ہے اس سے تجارت کی اجازت نہیں ہوگی۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ بچے کو تجارت کی اجازت دینے کے بارے میں اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے اپنے نکاح کا وکیل اپنے بچے عمر کو بنایا۔ فقہال لابنہا یا عمر قم فزوج رسول اللہ فزوجہ (ب) (نسائی شریف، باب النکاح الابن امہ، ص ۴۵۰، نمبر ۳۲۵۶)

حاشیہ : (الف) حضرت زہری نے فرمایا آقا نے خریدنے کی اجازت دی تو وہ غلام کے دین کا ضامن ہوگا (ب) حضرت ام سلمہ نے اپنے بیٹے عمر سے فرمایا اے عمر کھڑے ہو جاؤ اور حضور سے شادی کرا دو۔ پس اس نے حضور سے شادی کرا دی۔

﴿ کتاب المزارعة ﴾

[۱۶۹۹] (۱) قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ المزارعة بالثلث والرابع باطلہ وقال جازئہ

﴿ کتاب المزارعة ﴾

ضروری نوٹ مزارعہ، زراعت سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کی جانب سے زمین ہو اور دوسرے کی جانب سے بیل یا بیج ہو۔ اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں آدھا آدھا یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس کو مزارعت یا مخابرہ کہتے ہیں۔ مخابرہ خیبر سے مشتق ہے۔ اہل خیبر کو آپؐ نے زمین بٹائی پردی ہے اس لئے اسی سے مشتق ہو کر بٹائی کو مخابرہ کہتے ہیں۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمر اخبرہ ان النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع (الف) (بخاری شریف، باب المزارعة بالشطر نحوہ ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۸ مسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱ ابوداؤد شریف، باب فی المساقاة ص ۱۲۸ نمبر ۳۴۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بٹائی پر زمین دینا جائز ہے۔

[۱۶۹۹] (۱) امام ابوحنیفہ نے فرمایا تہائی یا چوتھائی پر کھیتی کرنا باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا جائز ہے۔

تشریح کھیت کو تہائی غلہ یا چوتھائی غلہ پر بٹائی پردے کہ جو کچھ غلہ نکلے گا اس میں سے دو تہائی تمہارے لئے اور ایک تہائی میرے لئے۔ یا تین چوتھائی تمہارے لئے اور ایک چوتھائی میرے لئے، اس طرح بٹائی پر دینا امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ زعم ثابت ان رسول اللہ نہی عن المزارعة وامر بالمواجرة وقال لا بأس بها (ب) (مسلم شریف، باب المزارعة والمواجرة ص ۱۴ نمبر ۱۵۴۹) اور ابوداؤد میں اس طرح ہے۔ عن زید بن ثابت قال نہی رسول اللہ ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرة قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا حضورؐ نے تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر بٹائی دینے سے منع فرمایا ہے (۳) ابوداؤد میں اس طرح وعید ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من لم یذر المخابرة فلیوذ بحرب من اللہ ورسولہ (د) (ابوداؤد شریف، باب المخابرة ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۶) اس حدیث میں ہے مخابرہ نہ چھوڑے تو اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ کر دو۔ اور مخابرہ کے معنی بٹائی ہے اس لئے بٹائی ناجائز ہوگی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ تہائی، چوتھائی وغیرہ پر بٹائی پر دینا جائز ہے۔ ان کی دلیل ایک تو اوپر کی حدیث ہے۔ عن ابن عمر قال عامل النبی ﷺ خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر وزرع (ه) (بخاری شریف، نمبر ۲۳۲۸ مسلم شریف، نمبر ۱۵۵۱ ابوداؤد شریف، نمبر ۳۴۰۸)

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے خیبر کو بٹائی پر دیا کچھ حصے کے بدلے میں جو پھل یا غلہ پیدا ہو (ب) آپؐ نے مزارعت سے روکا اور اجرت کا حکم دیا اور کہا اس میں کچھ حرج کی بات نہیں ہے (ج) آپؐ نے منع فرمایا مخابرہ سے۔ میں نے کہا مخابرہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ زمین آدھے یا تہائی یا چوتھائی کے بدلے لے (د) حضورؐ نے فرمایا جو بٹائی کو نہ چھوڑے اس کو اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ سنا دو (ه) حضورؐ نے خیبر کو بٹائی پر دیا آدھے حصے کے بدلے میں جو اس سے پیدا ہو پھل اور کھیتی۔

[۱۷۰۰] (۲) وہی عندهما علی اربعة اوجه اذا كانت الارض والبذر لواحد والعمل

(۳۴۰۸) اور دوسرا اثر ہے۔ عن ابی جعفر قال ما بالمدينة اهل بیت هجرة الا یزرعون علی الثلث والرابع الخ (الف) (بخاری شریف، باب المزارعة بالشرط ونحوه ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ بٹائی کرتے تھے جس سے بٹائی کا جواز معلوم ہوا۔ **نوٹ** کتاب الآثار امام محمد اور موطا امام محمد میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تہائی اور چوتھائی پر کھیت کو بٹائی پر دینا مکروہ ہے، باطل نہیں ہے۔ محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد انه سأل طاؤسا وسالم بن عند الله عن الزراعة بالثلث او الرابع فقال لا بأس به فذكرت ذلك لابراهيم فكرهه ... كان ابو حنیفة يأخذ بقول ابراهيم ونحن نأخذ بقول سالم و طاؤس لا نرى بذلك بأسا (ب) (کتاب الآثار امام محمد، باب المزارعة بالثلث والرابع ص ۱۷۲، نمبر ۷۷۷) اور موطا امام محمد میں ہے۔ وکان ابو حنیفة یکره ذلك (موطا امام محمد، باب المعاملة والمزارعة فی النخل والارض ص ۳۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بٹائی مکروہ ہے۔ عموم بلوی کی وجہ سے فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

[۱۷۰۰] (۲) اور مزارعت صاحبین کے نزدیک چار طریقے پر ہیں (۱) جب زمین اور بیج ایک کے ہوں اور کام اور بیل دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

تشریح یہ پہلی صورت ہے۔ اس میں زمین اور بیج ایک فریق کے ہوں اور کام اور بیل دوسرے فریق کے ہوں تو فرماتے ہیں کہ یہ صورت جائز ہے۔

وجہ اس باب میں دو قسم کے نظریے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جس کا بیج ہو پورا غلہ اسی کا ہوگا اور دوسرے فریق کی چیز گویا کہ اجرت پر لی۔ مثال مذکور میں زمین اور بیج ایک کا ہے اس لئے اسی کا پورا غلہ ہوگا اور اس نے گویا کہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لیا۔ اور چونکہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لے سکتا ہے اس لئے بٹائی جائز ہوگئی (۲) بیج والے کا پورا غلہ ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ فاخبره رافع ان رسول الله ﷺ اتى بنی حارثة فرأى زرعاً فى ارض ظهير فقال ما احسن زرع ظهير قالوا ليس لظهير قال اليس ارض ظهير؟ قالوا بلى و لكنه زرع فلان قال فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا اليه النفقة (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی التشديد فی ذلك ای فی المزارعة (۱۲۵) نمبر ۳۳۹۹) اس حدیث میں حضرت ظہیر کی زمین تھی اور حضرت رافع کا بیج تھا تو پورا غلہ حضرت رافع کو دلوایا اور زمین والے کو اس کی اجرت دلوادی جس سے معلوم ہوا کہ بیج والے کا

حاشیہ : (الف) ابو جعفر فرماتے ہیں مدینے میں کوئی گھر نہ تھا جو کھیتی نہ کرتا ہو تہائی اور چوتھائی پر (ب) ابو حنیفہ نے حماد سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت طاؤس اور سالم بن عبد اللہ سے پوچھا تہائی یا چوتھائی کے بدلے میں۔ پس فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ پھر اس کا تذکرہ حضرت ابراہیم سے کیا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا... امام ابو حنیفہ حضرت ابراہیم کے قول کو لیتے تھے اور ہم سالم اور طاؤس کے قول کو لیتے تھے۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ج) آپؐ بنی حارثہ کے پاس آئے تو حضرت ظہیر کی زمین میں کھیتی دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے! لوگوں نے کہا کہ ظہیر کی نہیں ہے۔ آپؐ نے پوچھا یہ ظہیر کی زمین نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں! لیکن کھیتی فلاں کی ہے۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا اپنی کھیتی لے لو اور زمین کی اجرت دے دو۔

والبقر لواحد جازت المزارعة [۱۰۱] (۳) وان كانت الارض لواحد والعمل والبقر والبذر
والبذر لآخر جازت المزارعة [۱۰۲] (۴) وان كانت الارض والبذر والبقر لواحد
والعمل لواحد جازت [۱۰۳] (۵) وان كانت الارض والبقر لواحد والبذر والعمل

ساراغلہ ہوگا اور زمین والے کو اس کی اجرت ملے گی (۲) اس بارے میں کتاب الآثار لامام محمد میں ایک اثر بھی ہے۔ عن مجاهد قال اشترک اربعة نفر علی عهد رسول الله ﷺ فقال واحد من عندی البذر وقال الآخر من عندی العمل وقال الآخر من عندی الفدان وقال الآخر من عندی الارض قال فالغی رسول الله صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمى وجعل لصاحب العمل درهما لكل يوم والحق الزرع كله لصاحب البذر (الف) (کتاب الآثار لامام محمد، باب الامر اربعة بالثلث والرابع، ص ۱۷۲، نمبر ۷۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلہ دانے والے کا ہوگا۔

فائدہ ایک نظریہ یہ ہے کہ پورا غلہ زمین والے کا ہوگا اور دوسرے لوگوں کو اس کے کام یا بیل، بیج کی اجرت دے دی جائے گی۔

مج ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله من زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم فلیس له من الزرع شیء وله نفقته (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها ص ۱۷۲، نمبر ۳۴۰۳) اس حدیث میں زمین والے کو پورا غلہ دیا گیا اور کام کرنے والے کو اس کی اجرت دی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ غلہ زمین والے کا ہوگا اور دوسرے کو اس کی اجرت ملے گی۔

[۱۰۱] (۳) اور اگر زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

مج اس صورت میں کام، بیل اور بیج والا گویا کہ زمین کو غلے کے بدلے اجرت پر لیا ہے۔ اس لئے یہ مزارعت بھی جائز ہو جائے گی۔

[۱۰۲] (۴) اور اگر زمین اور بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو بھی جائز ہے۔

مج اس صورت میں یہ سمجھی جائے گی کہ زمین اور بیج اور بیل والے نے کام والے کو اجرت پر لیا۔ اس لئے یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ زمین والے کی طرف بیج ہے۔ اس لئے غلہ اس کا ہوگا اور کام کرنے والے کو گویا کہ کچھ غلے کے بدلے اجرت پر لیا۔

[۱۰۳] (۵) اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کے ہوں تو باطل ہے۔

تشریح یہ ظاہر روایت ہے۔ ورنہ امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے۔

مج اس کی وجہ یہ ہے کہ بیل زمین کے تابع نہیں ہوگا۔ اس لئے بیج والا صرف زمین کو اجرت پر لے سکے گا۔ اور بیل کو پیدا شدہ غلے کے بدلے اجرت پر لیتے ہیں۔ جو بعد میں زمین ہی سے غلہ پیدا ہوگا اس کے بدلے بیل کو اجرت پر لینے کا رواج نہیں ہے۔ اس لئے بیل نہ زمین کے تابع

حاشیہ: (الف) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانے میں چار آدمی بٹائی میں شریک ہوئے۔ ایک نے کہا میری جانب سے بیج ہے۔ دوسرے نے کہا میری جانب سے کام ہے۔ اور تیسرے نے کہا کہ میرے پاس سے بیل ہے۔ اور چوتھے نے کہا کہ میری جانب سے زمین ہے فرماتے ہیں کہ حضور نے زمین والے کو لغو قرار دیا۔ اور بیل والے کو متعین اجرت دی۔ اور کام والے کو ہر دن کے بدلے ایک درہم دیا اور غلہ کل کے کل بیج والے کو دیا (ب) آپ نے فرمایا جس نے کسی قوم کی زمین میں بغیر اجازت کے بویا تو اس کو غلے میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس کے لئے اس کی اجرت ہے۔

لواحد فهي باطله [۱۷۰۴] (۶) ولا تصح المزارعة الا على مدة معلومة [۱۷۰۵] (۷) وان يكون الخارج بينهما مشاعا [۱۷۰۶] (۸) فان شرطاً لحدتهما قفزاناً مسماة فهي باطله.

ہوا اور نہ پیدا ہونے والے غلے کے بدلے اجرت پر لیا جائے گا۔ اس لئے بیل استعمال کرنے کی شرط مفت رہی۔ اس لئے مزارعت کی یہ صورت فاسد ہوگی۔

[۱۷۰۴] (۶) اور نہیں صحیح ہے مزارعت مگر مدت معلوم ہو۔

تشریح بٹائی پر کھیت لیا لیکن یہ واضح نہیں کیا کہ کتنے مہینوں کے لئے لیا ہے تو مزارعت فاسد ہوگی۔

مج کھیت والا چاہے گا کہ جلدی چھوڑ دو اور بٹائی والا چاہے گا کہ دیر کروں جس سے جھگڑا ہوگا۔ اس لئے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے (۲) اس کے لئے واضح حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابن عباس قال قدم النبي ﷺ المدينة وهم يسلفون في شمار السنة والسنتين فقال من سلف في تمر فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم (الف) (مسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت معلوم ہونی چاہئے۔

[۱۷۰۵] (۷) اور یہ کہ پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہو۔

تشریح جو کچھ غلہ پیدا ہو وہ زمین والے اور بٹائی والے کے درمیان مشترک ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جو غلہ پیدا ہوا اس میں سے مثلاً زمین والے کے لئے پہلے سو کیلو مخصوص کر لیا جائے باقی جو بچے اس میں سے دونوں حصہ کرے۔

مج کیونکہ مان لیا جائے کہ زمین سے ایک سو کیلو ہی پیدا ہوا تو وہ زمین والے کو مل جائے گا اور بٹائی والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس کا کام مفت گیا اس لئے کسی ایک کے لئے مخصوص پیداوار نہ ہو بلکہ پورا غلہ مشترک ہو۔ چاہے چوتھائی پر ہو یا تہائی پر ہو (۲) حدیث میں بھی اس سے منع فرمایا ہے۔ سمع رافع بن خديج قال كنا اهل المدينة مزدركنا كنا نكري الارض بالناحية منها مسمى لسيد الارض قال فمما يصاب ذلك وتسلم الارض ومما يصاب الارض ويسلم ذلك فنهيها فاما الذهب والورق فلم يكن يومئذ (ب) (بخاری شریف، باب ۷، کتاب الحرث والمز ارعہ ص ۳۱۱ نمبر ۲۳۲۷) مسلم شریف، باب كراء الارض بالذهب والورق ص ۱۲ نمبر ۱۵۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مخصوص کیلو یا مخصوص جگہ کو متعین کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

[۱۷۰۶] (۸) پس اگر شرط کی دونوں نے ایک کے لئے متعین قفیض تو وہ باطل ہے۔

تشریح جتنا غلہ نکلے اس میں سے مثلاً سو کیلو زمین والے کے لئے ہوگا پھر باقی غلہ تقسیم ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔ دلیل اوپر حدیث گزر چکی۔

حاشیہ : (الف) آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس حال میں کہ لوگ پھلوں میں اک سال اور دو سال کے لئے تجارت کرتے تھے۔ پس آپ نے فرمایا جو بھجوریں تجارت کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو (ب) رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہم اکثر اہل مدینہ کھیتی کرتے تھے۔ ہم زمین کرایہ پر دیتے، اس میں سے ایک کنارہ زمین والے کے لئے مختص ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوتا کہ اس کو مرض لگ جاتا اور باقی زمین محفوظ رہتی۔ اور ایسا بھی ہوتا کہ زمین کو مرض لگ جاتا اور وہ کنارہ محفوظ رہ جاتا۔ اس لئے ہم کو روک دیا گیا۔ بہر حال سونے اور چاندی کے بدلے کرایہ پر لینا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

[۱۷۰۷] (۹) و كذلك اذا شرط ما على الماذيانات والسواقي [۱۷۰۸] (۱۰) واذا صحت المزارعة فالخراج بينهما على الشرط [۱۷۰۹] (۱۱) وان لم تخرج الارض شيئا

لغت قفران : قفیر کی جمع ہے، مسماة : متعین۔

[۱۷۰۷] (۹) ایسے ہی اگر شرط لگائی جو پیدا ہو بڑی ندی پر اور چھوٹی نالیوں پر۔

تشریح یوں شرط لگائی کہ نہر کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلوں میں دونوں شریک ہوں گے۔ یا چھوٹی نالیوں کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلوں میں دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔

مج پہلے وجہ اور حدیث گزر چکی ہے۔ مسلم شریف میں باضابطہ تصریح ہے۔ قال سألت رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق؟ فقال لا بأس به انما كان الناس يواجررون على عهد رسول الله ﷺ على الماذيانات واقبال الجدال واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه فاما شيء معلوم مضمون فلا بأس به ((الف)) (مسلم شریف، باب كراء الارض بالذهب والورق، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۱۵۴۸) اس حدیث میں صراحت ہے کہ بڑی نہر کے کنارے کنارے کے غلے کو کسی ایک کے لئے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ تمام غلے مشترک ہونے چاہئے **لغت** ماذیانات : ماذیان کی جمع ہے، بڑی ندی، سواقی : ساقیہ کی جمع ہے، چھوٹی نالی، پانی پلانے کا راستہ۔

[۱۷۰۸] (۱۰) اور جب مزارعت صحیح ہو جائے تو پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگی۔

تشریح اوپر کے تمام شرائط پائے جائیں اور مزارعت صحیح ہو جائے تو اب جن شرطوں پر مزارعت ہوئی تھی مثلاً زمین والے کا ایک تہائی غلہ ہوگا اور بٹائی والے کا دو تہائی غلہ ہوگا تو انہیں شرائط کے مطابق دونوں میں غلہ تقسیم کیا جائے گا۔

مج حضورؐ نے فرمایا قال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (ب) (بخاری شریف، باب اجرا السمر ص ۳۰۳ نمبر ۲۲۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو شرط کی رعایت کرنی چاہئے۔

[۱۷۰۹] (۱۱) اور اگر زمین کوئی چیز پیدا نہ کرے تو کام کرنے والے کے لئے کچھ نہ ہوگا۔

تشریح بٹائی میں شرط طے ہوئی تھی کہ جو غلہ پیدا ہوگا اس میں سے کام کرنے والے کو چوتھائی یا تہائی ملے گا۔ اور یہاں زمین سے کوئی چیز پیداوار نہیں ہوئی اس لئے عامل کو کہاں سے دیں گے؟ اور جیب سے دینے کی شرط نہیں تھی۔ تو جس طرح زمین والے کو کچھ نہیں ملا اسی طرح کام کرنے والے کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت بن خدیج سے سونے اور چاندی کے بدلے زمین کرایہ پر لینے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لوگ حضور کے زمانے میں اجرت پر رکھتے تھے اس شرط پر کہ نہر کے پاس کا غلہ، نالیوں کے سامنے کا غلہ اور کچھ خاص کھیتی ایک کے لئے ہو۔ پس کبھی ہلاک یہ ہو جاتا اور وہ محفوظ رہ جاتا یا وہ محفوظ رہ جاتا اور یہ ہلاک ہو جاتا۔ پس لوگوں کے لئے کرایہ نہ ہوتا۔ مگر یہ اس لئے حضورؐ نے اس سے ڈانٹا۔ بہر حال کوئی معلوم چیز جو مضمون ہو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان شرط کے پابند ہوں۔

فلا شيء للعامل [۱۷۰] (۱۲) واذا فسدت المزارعة فالخارج لصاحب البذر
[۱۷۱] (۱۳) فان كان البذر من قبل رب الارض فللعامل اجر مثله لا يزداد على مقدار ما
شرط له من الخارج وقال محمد له اجر مثله بالغ ما بلغ.

[۱۷۰] (۱۲) اور اگر مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج والے کی ہوگی۔

مجاہد پہلے حدیث گزر چکی ہے جس سے معلوم ہوا کہ پیداوار اصل میں بیج والے کی ہوتی ہے۔ اور دوسرے لوگ گویا کہ کام کی اجرت لیتے ہیں۔ عن رافع بن خدیج ... قالوا بلى ولكن زرع فلان قال فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة قال رافع فاحذنا زرعنا ورددنا اليه النفقة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی التثديدي في ذلك اي في المزارعة ص ۱۲۵ نمبر ۳۳۹۹) اس حدیث میں بیج حضرت رافع کا تھا اس لئے غلہ حضرت رافع کو دلوایا اور زمین والے کو اس کی اجرت دی۔ اور اثر میں ہے۔ عن مجاهد قال اشترك اربعة نفر ... والحق الزرع كله بصاحب البذر (ب) (کتاب الآثار لا امام محمد، باب المزارعة بالثلث والرابع ص ۱۷۲) اس اثر میں ہے کہ غلہ تمام کا تمام بیج والے کا ہوگا۔ اس لئے جب مزارعت فاسد ہو تو غلہ بیج والے کا ہوگا (۲) یوں بھی غلہ کی بڑھوتری بیج سے ہے اس لئے بھی غلہ بیج والے کو دیا جائے گا۔

[۱۷۱] (۱۳) پس اگر بیج زمین والے کی جانب سے ہو تو کام کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی جو نہیں زیادہ ہو اس تعداد سے جو شرط کی گئی ہو پیداوار سے۔ اور امام محمد نے فرمایا اس کے لئے اجرت مثل ہوگی جتنی پہنچ جائے۔

تشریح پس اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو اور مزارعت فاسد ہو گئی ہو تو پورا غلہ زمین والے کا ہوگا اور کام والے کو اس کی وہ اجرت ملے گی جو اس جیسے کام کی اجرت بازار میں مل سکتی ہے۔ البتہ اگر بازار کی اجرت مثل زیادہ ہو اور پیداوار میں جو حصہ مل سکتا تھا وہ کم ہو تو پیداوار کے حصے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

مجاہد کیونکہ وہ کم حصے پر خود راضی ہو گیا ہے۔ اس لئے بازار کی اجرت زیادہ بھی ہو تو پیداوار کے حصے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ بازار کی اجرت مثل پیداوار کے حصہ سے زیادہ ہو تو زیادہ بھی دی جائے گی۔

مجاہد جب مزارعت فاسد ہو گئی تو اجرت مثل اصل بن گئی اس لئے اجرت مثل جتنی ہو وہ دی جائے گی چاہے پیداوار کے حصے سے زیادہ کیوں نہ ہو۔

لغت الخارج : نکلنے والی چیز، پیداوار،

حاشیہ : (الف) رافع بن خدیج سے مروی ہے... لوگوں نے کہا کہ ہاں زمین حضرت ظہیر کی ہے لیکن کھیتی فلاں کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اپنی کھیتی لو اور اس کو زمین کی اجرت دے دو۔ حضرت رافع نے فرمایا میں نے اپنی کھیتی لی اور زمین والے کو اس کی اجرت دے دی (ب) حضرت مجاہد نے فرمایا چار آدمی بٹائی میں شریک ہوئے... غلہ تمام کا تمام بیج والے کو دیا۔

[۱۷۱۲] (۱۴) وان كان البذر من قبل العامل فلصاحب الارض اجر مثلها
 [۱۷۱۳] (۱۵) واذا عقدت المزارعة فامتنع صاحب البذر من العمل لم يجبر عليه
 [۱۷۱۴] (۱۶) وان امتنع الذي ليس من قبله البذر اجبره الحاكم على العمل [۱۷۱۵]
 (۱۷) واذا مات احد المتعاقدين بطلت المزارعة [۱۷۱۶] (۱۸) واذا انقضت مدة

[۱۷۱۲] (۱۴) اور اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو زمین والے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو پورا غلہ کام کرنے والے کا ہوگا اور زمین والے کو زمین کی اجرت مثل مل جائے گی۔

نوٹ اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو اوپر گزرا۔

[۱۷۱۳] (۱۵) اگر مزارعت کا عقد کیا اور بیج والا کام سے رک گیا تو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح عقد مزارعت کیا تھا لیکن کچھ سوچ کر بیج والے نے بیج نہیں ڈالا اور بیج ڈالنے اور کام کرنے سے رک گیا تو اس کو بیج ڈالنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

مذہب کام کرنے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک ایسا کام ہے جس میں پیسے کا کچھ نقصان بھی ہو جیسے بیج ڈالنا کہ اس میں بیج کا نقصان ہے۔ اور دوسرا کام ایسا ہے جس میں کوئی نقصان نہ ہو جیسے ہل چلانا کہ ہل چلانے میں پیسے کا نقصان نہیں ہے۔ پس قاعدہ یہ ہے کہ جس میں پیسے کا نقصان ہو اس کام کے کرنے پر حاکم مجبور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس اجبار میں کام کرنے والے کا نقصان بھی ہے۔ اس لئے بیج نہ ڈالے تو حاکم اس کے ڈالنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگرچہ کوئی عذر نہ ہو تو وعدہ کے مطابق ڈالنا چاہئے۔

[۱۷۱۴] (۱۶) اور اگر کام کرنے سے رک گیا وہ آدمی جن کی جانب سے بیج نہ ہو تو حاکم اس کو کام پر مجبور کرے گا۔

مذہب چونکہ اس کے کام کرنے میں پیسے کا نقصان نہیں ہے اس لئے اس کو کام کرنے پر حاکم مجبور کرے گا۔

نوٹ البتہ اگر کام کرنے میں کوئی عذر شدید ہو جس کی بنیاد پر مزارعت فسخ کر سکتا ہو تو پھر حاکم مجبور نہیں کریں گے اور مزارعت فسخ کر دے گا کیونکہ اس کو عذر شدید ہے۔

[۱۷۱۵] (۱۷) اور اگر متعاقبین میں سے کوئی ایک مر جائے تو مزارعت باطل ہو جائے گی۔

مذہب پہلے کئی مرتبہ گزر چکا ہے کہ عقد جتنے بھی ہیں وہ عاقدین کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ وہ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ اس لئے عاقدین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو وہ عقد باطل ہو جاتا ہے۔ اور ورثہ اس کو بحال نہیں رکھ سکتے (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلث کہ انسان مر جائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین کے۔ اس لئے زمین والے یا بٹائی والے میں سے کسی ایک کے مرنے سے مزارعت کا عقد باطل ہو جائے گا۔

[۱۷۱۶] (۱۸) اگر مزارعت کی مدت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی پکی نہ ہو تو کھیتی کرنے والے پر زمین کے اپنے حصے کی اجرت مثل لازم ہوگی کھیتی

المزارعة والزرع لم يدرك كان على المزارع اجر مثل نصيبه من الارض الى ان يستحصده [۱۷۱] (۱۹) والنفقة على الزرع عليهما على مقدار حقوقهما [۱۷۸] (۲۰) واجرة الحصاد والدياس والرفاع والتذرية عليهما بالحصص فان شرطاه في

کلنے تک۔

تشریح مثلاً تین ماہ کے لئے کھیت زراعت پر لیا تھا۔ اس میں چاول بویا لیکن تین ماہ میں چاول پکا نہیں۔ ابھی اس کے پکنے میں ایک ماہ باقی ہے۔ اس لئے تین ماہ پورے ہونے پر مزارعت کی مدت ختم ہوگئی اور عقد گویا ختم ہو گیا۔ لیکن کچی کھیتی کاٹنے میں دونوں کا نقصان ہے اس لئے چاول ابھی ایک ماہ تک کھیت میں رکھا جائے گا۔ اور بٹائی والے کا جتنا حصہ ہے اس کے حصے کے مطابق ایک ماہ کی اجرت مثل اس پر لازم ہوگی۔ مثلاً مزارعت آدھے آدھے پر طے ہوئی تھی تو بٹائی والے پر ایک ماہ کی اجرت مثل کی آدھی لازم ہوگی۔

مذہب اس صورت میں زمین والے کا بھی فائدہ ہے کہ ایک ماہ زمین زیادہ استعمال کی تو ایک ماہ کی اجرت مل گئی اور بٹائی والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو آدھا غلہ مل گیا (۲) کھیتی کلنے کی مدت تقریباً معلوم ہے کہ زمانہ قریب میں یعنی ایک دو ماہ میں کھیتی کٹ جائے گی اس لئے اس کو مزید مہلت دی جائے گی اور اس صورت میں صفقتہ فی صفقتہ کے قاعدے سے اجرت فاسد نہیں کریں گے۔

نکتہ لم يدرك : کھیتی نہیں پکی، درک : پانا، يتحصد : حصہ سے مشق ہے، کھیتی کتنا۔

[۱۷۱] (۱۹) اور کھیتی پر خرچ دونوں پر ہوگا ان دونوں کے حقوق کی مقدار۔

تشریح مزارعت کی مدت ختم ہوگئی اس لئے عقد ختم ہو گیا اس لئے بٹائی والے پر کام کرنا لازم نہیں رہا اب جو کچھ خرچ ہوگا وہ زمین والے اور بٹائی والے دونوں پر ہوگا۔ اب اگر دونوں کا آدھا آدھا تھا تو دونوں پر آدھا آدھا خرچ لازم ہوگا۔ اور اگر تہائی اور دو تہائی حصہ تھا تو جس کا تہائی تھا اس پر ایک تہائی خرچ لازم ہوگا اور جس کا دو تہائی حصہ تھا اس پر دو تہائی خرچ لازم ہوگا۔

[۱۷۸] (۲۰) اور اگر کھیتی کاٹنے اور گاہنے اور اکھاڑنے اور غلہ صاف کرنے کی اجرت دونوں پر ہے حصے کے مطابق۔ پس اگر شرط لگائی مزارعت میں کام کرنے والے پر تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ کھیتی پکنے تک تو مزارعت برقرار ہے۔ اس لئے عامل پر اور بٹائی والے پر کام کرنا لازم ہوگا۔ اور کھیتی پک جانے کے بعد مزارعت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اب دونوں کے حصے ہیں۔ اس لئے اپنے اپنے حصے کے مطابق دونوں پر اجرت لازم ہوگی۔ مثلاً کھیتی کاٹنا، کاشتکاری کو گاہنا، کاشتکاری کو اکھاڑنا، غلہ صاف کرنا یہ سب کام کھیتی پکنے کے بعد ہوں گے۔ اس لئے دونوں کو یہ کام کرنا چاہئے یا دونوں کو اجرت ادا کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ دونوں کے حصے ہیں۔

اصول اس مسئلے کا تعلق اس پر ہے کہ کھیتی پکنے کے بعد عقد مزارعت ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے باقی کاموں کی ذمہ داری دونوں پر ہے۔ اور اگر ان کام کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

المزارعة علی العامل فسدت.

مذہب کھیتی پکنے کے بعد مزارعت ختم ہوگئی۔ اب جو کام ہیں وہ عامل کے ذمے نہیں ہے۔ اس لئے عامل پر شرط لگانے سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ صفقتہ فی صفقتہ ہو جائے گا۔ یعنی مزارعت کے ساتھ اجرت کا معاملہ بھی داخل کرنا ہوا۔ اس لئے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر عرف میں ہو کہ کھیتی پکنے کے بعد فلاں فلاں کام عامل کے ذمے ہوتے ہوں اور ان کو کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو اس سے مزارعت فاسد نہیں ہوگی۔ جیسے کہ جوتا گانٹھنے کی شرط چمڑے والے پر لگائی تو عرف کی بنا پر جائز ہے۔ اسی طرح یہاں بھی مزارعت جائز ہو جائے گی۔

اصول ان کے یہاں یہ ہے کہ عرف میں جو جو کام کرتے ہیں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور ان کی ذمہ داری عامل پر ہوگی۔

لغت الحصاد : کھیتی کا ثناء، الدیاس : گاہنا، الرفاع : غلہ اکٹھا کرنا اور کھلیان پر لانا، التذریۃ : ہوا میں اڑا کر غلہ صاف کرنا۔



﴿ کتاب المساقاة ﴾

[۱۷۱۹] (۱) قال ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ المساقاة بجزء من الثمرة باطلة [۱۷۲۰]

(۲) وقالوا جائزة اذا ذكر امددة معلومة وسميا جزء من الثمرة مشاعا.

﴿ کتاب المساقاة ﴾

ضروری نوٹ مساقاة کے معنی ہیں پانی سے سیراب کرنا۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ پھل کے درخت لگے ہوئے ہوں ان کو پانی سے سیراب کرے اور دو تین ماہ میں جو پھل نکلے وہ درخت والے اور سیراب کرنے والے اور اس کے لئے کام کرنے والے حصے کے اعتبار سے تقسیم کر لیں۔ اس سے قبل کے باب میں کھیتی اور کاشتکاری میں شرکت کے مسئلے تھے اور اس باب میں پھل کے شرکت کے مسئلے ہیں اس کے جائز اور ناجائز ہونے کے سلسلے میں۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان وہی اختلاف ہے جو کتاب المز ارعت میں گزر اور دونوں کے دلائل بھی وہی ہیں جو اس باب میں گزرے۔

[۱۷۱۹] (۱) امام ابو حنیفہ نے فرمایا مساقات کچھ پھل دے کر باطل ہے۔

تشریح ایک شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے والا سیراب کرے اور اس کو اجرت کا درہم یا دینار دے دے یا کچھ ٹوٹا ہوا پھل دے دے یہ تو جائز ہے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے کی وجہ سے درخت میں جو پھل آئے گا اس میں تہائی یا چوتھائی دے دے تو یہ صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مزارعت کی طرح باطل ہے (پہلے گزرا کہ مکروہ ہے)

وجہ حدیث پہلے گزری۔ زعم ثابت ان رسول اللہ نہی عن المزارعة وامر بالمواجرة وقال لا بأس بها (الف) (مسلم شریف، باب فی المز ارعة والمواجرة ص ۱۰ نمبر ۱۵۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزارعت اور مساقات سے حضورؐ نے منع فرمایا۔ اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت رسول اللہ يقول من لم يذر المخابرة فليؤذن بحرب من اللہ ورسوله (ب) (ابوداؤد شریف، نمبر ۳۴۰۶) اور اسی کے آگے والی حدیث میں ہے۔ عن زید بن ثابت قال نہی رسول اللہ ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرة؟ قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع (ج) (ابوداؤد شریف، باب المخابرة ص ۱۲ نمبر ۳۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخابره سے آپؐ نے شدت کے ساتھ منع فرمایا۔ اور مخابره کا مطلب ہے آدھے، تہائی اور چوتھائی کاشت پر زمین کو لینا، چاہے کاشتکاری کے لئے چاہے مساقات کے لئے لے لے۔

[۱۷۲۰] (۲) اور صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے جبکہ مدت معلوم ذکر کرے اور دونوں پھل کا کچھ حصہ متعین کرے مشترک طور پر۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ دو شرطوں کے ساتھ مساقات جائز ہے۔ ایک تو یہ کہ مساقات کی مدت متعین ہو کہ کتنے مہینے کے لئے درخت

حاشیہ : (الف) آپؐ نے بیائی پر دینے سے روکا اور اجرت پر دینے کا حکم دیا۔ اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے (ب) میں نے حضورؐ سے کہتے سنا جو مخابره یعنی بیائی نہ چھوڑے ان کے لئے اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ کر دو (ج) آپؐ نے مخابره سے روکا۔ میں نے پوچھا مخابره کیا ہے؟ فرمایا زمین آدھے یا تہائی یا چوتھائی پر بیائی کے لئے دے۔

[۱۷۲۱] (۳) وتجوز المساقاة فی النخل والشجرة والکرم والرطاب واصول

الباذنجان [۱۷۲۲] (۴) فان دفع نخلا فيه ثمرة مساقاة والثمرة تزيد بالعمل جاز وان

مساقات پر لے رہا ہے۔ اور دوسری یہ کہ جو پھل پیدا ہوا اس میں دونوں مشترک طور پر حصہ کریں۔ کوئی ایک کی خاص مقدار مخصوص نہ ہو۔
مجا دونوں شرطوں کے دلائل کتاب المز ارعت میں گزر چکے ہیں۔ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان عبد اللہ بن عمر اخبارہ ان
 النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما ینخرج منها من ثمر او زرع (الف) (بخاری شریف، باب المز ارعت بالشطر نحوہ ص ۳۱۳ نمبر
 ۲۳۲۸) مسلم شریف، باب المساقاة والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱/ ابوداؤد شریف، باب فی المساقاة ص ۱۲۸ نمبر ۳۴۰۸)
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساقاة جائز ہے۔

[۱۷۲۱] (۳) مساقات جائز ہے کھجور کے درخت میں، درخت میں، انگور میں اور ترکاریوں میں اور بیگیوں میں۔

تشریح جو درخت بھی پھل یا ترکاری دیتے ہوں ان تمام میں مساقات جائز ہے۔

مجا اوپر کی حدیث میں من ثمر او زرع کا لفظ ہے جو پھل اور ترکاریوں کے لئے عام ہے۔ اس لئے پھل اور ترکاریوں سب میں
 مساقات جائز ہے (۲) ایک اور حدیث ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ اعطی خیبر الیہود علی ان یعملوها
 ویزروها ولهم شطر ما ینخرج منها (ب) (بخاری شریف، باب المز ارعت مع الیہود ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۳۱) مسلم شریف، باب
 المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱) اس حدیث میں ہے کہ جو کچھ یہود کا شت کرے اس میں حضور کو آدھا دیتے تھے۔
 جس سے معلوم ہوا کہ کھجور کا درخت، عام درخت، انگور کے درخت، ترکاری اور بیگیوں سب میں مساقات جائز ہیں (۲) یوں بھی تمام چیزوں
 میں مساقات کی ضرورت ہے اس لئے تمام درختوں میں مساقات جائز ہوگی۔

لغت الکرم : انگور کا درخت، الرطاب : رطیبہ کی جمع ہے، ترکاری، باذنجان : بیگن، اور اصول باذنجان کے معنی ہیں بیگن کا درخت۔
 [۱۷۲۲] (۴) اگر کھجور کا پھل دار درخت دیا مساقات کے طور پر اور پھل بڑھ سکتا ہو عمل سے تو جائز ہے۔ اور اگر بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو جائز نہیں
 ہے۔

تشریح درخت میں پھل آچکا تھا لیکن اس اندازے میں تھا کہ اس کو سیراب کیا جائے اور اس کی نگہبانی کی جائے تو ابھی پھل مزید بڑھ سکتا
 ہے۔ تب تو مساقات پر دینا جائز ہے۔ اور اگر پھل کا بڑھنا اب پورا ہو چکا تھا۔ سیراب کرنے سے اب مزید نہیں بڑھ سکتا ایسی حالت میں
 مساقات پر درخت دینا جائز نہیں ہے۔ اب جو کچھ بھی عامل کرے گا وہ اجرت پر شمار ہوگا۔

مجا مساقات میں سیراب کرنے سے عامل پھل کا حقدار ہوتا ہے۔ اور سیراب کرنا اس وقت شمار کیا جائے گا جب کہ اس سے پھل بڑھے۔ اور
 جب سیراب کرنے سے پھل ہی نہ بڑھے تو وہ مساقات نہیں ہے اجرت ہے۔ اس لئے سیراب کرنے سے پھل بڑھے تو مساقات ہوگی اور

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے خیبر والوں کو بٹائی پر دیا کچھ حصے کے بدلے میں جو زمین سے پھل یا غلہ پیدا ہو (ب) حضورؐ نے یہود کو خیبر دیا اس شرط پر کہ وہ کام کریں
 اور اس میں کاشتکاری کریں۔ اور ان کے لئے جو پیداوار ہو اس میں سے کچھ حصہ ہوگا۔

كانت قد انتهت لم یجز [۱۷۲۳] (۵) واذا فسدت المساقاة فللعامل اجر مثله [۱۷۲۴] (۶) وتبطل المساقاة بالموت [۱۷۲۵] (۷) وتفسخ بالاعذار كما تفسخ الاجارة.

پھل نہ بڑھے تو اجرت ہو جائے گی۔ اور پھل میں سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مساقات کے معنی سیراب کرنا ہے۔ اس لئے اسی حقیقت پر مسئلہ مفرع ہوگا۔

نکتہ انتھت : پورا ہو گیا ہو۔

[۱۷۲۳] (۵) اگر مساقات فاسد ہو جائے تو عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح کسی وجہ سے مساقات کا معاملہ فاسد ہو جائے تو پورا پھل درخت والے کا ہوگا اور کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی۔

مذہب جس طرح مزارعت میں فاسد ہوتے وقت پورا غلہ بیج والے کا ہوتا تھا اسی طرح مساقات میں فاسد ہوتے وقت درخت والے کا ہوگا (۲) حدیث پہلے گزر چکی ہے (۳) پھل پیدا ہونے کی بنیاد درخت ہے جس طرح غلہ پیدا ہونے کی بنیاد بیج ہے۔ اس لئے درخت والے کا پھل ہوگا۔ اور جب درخت والے کا پھل ہو گیا تو کام کرنے والا مفت کام نہیں کرے گا بلکہ اس کو وہ اجرت ملے گی جو بازار میں مل سکتی تھی۔ جس کو اجرت مثل کہتے ہیں۔ پورے دلائل کتاب المز ارعۃ میں گزر گئے۔

[۱۷۲۴] (۶) مساقات موت سے باطل ہو جائے گی۔

تشریح جس طرح اور عقود متعاقبین میں سے ایک کے مرنے سے باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح مساقات بھی درخت والے یا کام کرنے والے کے مرنے سے باطل ہو جائے گی اور ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔

مذہب کتاب المز ارعۃ میں گزر گئی۔

نوٹ اگر پھل پکنے کے قریب ہو تو پھل پکنے تک ورثہ مساقات بحال رکھے۔ تاکہ درخت والے یا کام کرنے والے کو نقصان نہ ہو اور پھل پکنے کے بعد توڑ دے۔ متعاقبین میں سے ایک کے مرنے کے باوجود درمیان میں معاملہ نہ توڑے اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

[۱۷۲۵] (۷) اور مساقات فسخ ہو جائے گی عذروں سے جیسے فسخ ہو جاتا ہے اجارہ۔

تشریح کتاب الاجارہ میں گزر چکا ہے کہ عذر شدید کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔ اسی طرح عذر شدید ہو تو مساقات کو بھی فسخ کر سکتا ہے۔ مثلاً عامل چور ہو یا عامل بیمار ہو گیا ہو تو مساقات فسخ کر سکتا ہے ورنہ ضرر شدید کا خطرہ ہے۔

